# خفیہ ایجنسیوں کی دہشت گردی




طارق اسمٰعیل ساگر

# عرضِ مصنف

انٹیلی جنس اُمور پر ہمارے ہاں انتہائی غلط اور خلاف واقعہ کئے جانے والے تراجم بہتات سے منظرِ عام پر آنے لگے ہیں اور صورتِ حال یہ ہے کہ ہر بوالہوس نے عاشقی شعار کر لی ہے۔ جو یقیناً لمحہ فکریہ ہے۔ لیکن مصنوعی بنیادوں پر اُستوار منافقت، جہالت اور کم علمی کی کوکھ سے جنم لینے والا ادب کبھی پائیدار نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ جاسوسی اُمور پر شائع ہونے والی جعلی کتب کا بمشکل ایک ایڈیشن ہی بازار میں آتا اور پھر کباڑ خانے کی زینت بن جاتا ہے۔

حیرت اور شرم کی بات یہ ہے کہ ایسے بیشتر بذعم خویش مصنفین کسی تحقیق پر ڈاکہ ڈالتے ہوئے انتہائی بددیانتی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور اس کا حوالہ دینے کا تکلف بھی نہیں کرتے۔ اس کی صرف ایک مثال حاضر ہے۔ آج تک دنیا میں صرف 2 کتابیں بھارتی انٹیلی جنس ایجنسی ''را'' (Raw) پر لکھی گئی ہیں۔ ایک اشوک رائنا کی 1977ء میں شائع ہونے والی کتاب "Inside Raw" ہے۔ جو ''را'' کے صرف ابتدائی عہد یعنی 1975ء تک کی کارکردگی کا احاطہ کرتی ہے۔ دوسری کتاب خاکسار کی تصنیف ''را'' (Raw) ہے جسے انگریزی زبان میں سروسز بک کلب آف پاکستان نے 1995ء میں اور اُردو زبان میں دوسرے پبلشرز نے 1995ء ہی میں شائع کیا تھا۔ ہر باشعور شخص یہ بات جانتا ہے کہ سروسز بک کلب آف پاکستان آرمڈ فورسز کا اشاعتی ادارہ ہے جس کے ممبران میں مسلح افواج کے تمام کمیشنڈ، افسران اور ملکی غیر ملکی، وی۔ آئی۔ پی شخصیات شامل ہوتی ہیں۔ اس ادارے سے 23 ہزار کی تعداد میں کتاب کا پہلا ایڈیشن شائع کیا جاتا ہے اور یہاں سے کسی پاکستانی مصنف کی کتاب شائع ہونا اعزاز کی بات ہے۔ الحمد

للہ! مجھے یہ اعزاز حاصل رہا ہے۔
"Raw and "را" کے متعلق دُنیا میں تیسری کتاب
Banigladesh" ڈھاکہ سے نومبر 1995ء میں شائع ہوئی جس کے مصنف
زین العابدین ہیں۔ اس کتاب کا اُردو ترجمہ میں نے کیا جو" تاریخ کا المیہ" کے نام سے
شائع ہو چکا ہے۔ چوتھی کتاب کا نام "Indian Intervention in
Srilanka" ہے جسے روبن گونارتنا نے لکھا ہے اور اسے ساؤتھ ایشین نیٹ ورک آن
کنفلکٹ ریسرچ "Sauth Asian Network on Conflict
Reserch" کولمبو نے جنوری 1993ء میں شائع کیا تھا۔
آخری دونوں کتابیں "را" کی بنگلہ دیش اور سری لنکا میں معاندانہ کارروائیوں
کی تفصیلات ہیں اس لئے انہیں مکمل کتب کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ ہمارے ہاں کچھ لوگوں
نے اشوک رائنا کی "Inside Raw" کے تراجم عجیب و غریب طریقے سے شائع
کئے لیکن ان عقلمندوں کو اس بات کا علم نہیں کہ اس کتاب میں "را" کا بمشکل 25 فیصد حصہ
زیر بحث آیا ہے کیونکہ وہ کتاب صرف بنگلہ دیش میں "را" کے کارناموں کی تشہیر کے لئے
شائع کی گئی تھی اور جدید دور کی "Raw" کا اُس سے کوئی واسطہ نہیں۔
مجھے بطور مصنف اور الحمدللہ! ساؤتھ ایشیائی امور پر حاصل معمولی سے علم کی
بدولت اس بات کا فخر ہے کہ اگر دُنیا میں "را" سے متعلق کوئی "اکیڈیمک بک" لکھی گئی
ہے تو وہ اس خاکسار نے آٹھ سال کی عرق ریزی اور جان سوزی کے بعد لکھی تھی لیکن اس
کتاب کے چھپنے کی دیر تھی کہ بعض بذعم خویش مصنفین پر "Raw" کا بھوت سوار ہو گیا
اور انہوں نے جس جس انداز سے میری تحقیق پر ڈاکہ ڈالا اس پر ان کو تو شاید شرم نہ آئی ہو
مجھے ضرور شرم آتی ہے۔
کسی مصنف کی تحقیق کو اپنی تحقیق کا حصہ بنانا بری بات نہیں لیکن اس کا حوالہ
بھی نہ دیا جائے اس سے زیادہ شرم کی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔ ملک کے بڑے بڑے
اخبارات کے جغادری قلمکاروں نے میری کتاب سے Bio Data تک اُڑایا!



اُسے حلوائی کی دُکان نانا جی کی فاتحہ بنا کر ہضم کر گئے۔

یہی حال میرے ناولوں کا ہوا۔ "میں ایک جاسوس تھا" کی عوامی پذیرائی نے کئی جعلی جاسوس کھڑے کر دیئے۔ "کمانڈو" نے اچھے بھلے مصنفین کا دماغ خراب کر دیا اور وہ عجیب عجیب عنوانات سے الول جلول بکنے لگے۔ لیکن کھرے اور کھوٹے کا فرق الحمد للہ آج بھی قائم ہے۔ میں اس کی صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں انسٹی ٹیوٹ آف سٹریٹجک سٹڈیز اسلام آباد ساؤتھ ایشیاء کا انتہائی باوقار اور مستند تحقیقی ادارہ ہے جس کے بورڈ آف گورنرز کے چیئرمین جناب آغا شاہی سابقہ وزیر خارجہ ہیں اور اس کے ممبران میں فارن سیکرٹری، سیکرٹری فنانس، نیشنل ڈیفنس کالج کے ڈائریکٹر، وائس چانسلر قائداعظم یونیورسٹی، چیئرمین ڈیپارٹمنٹ آف ڈیفنس اینڈ سٹریٹجک سٹڈیز قائداعظم یونیورسٹی، وائس چانسلر یونیورسٹی آف سندھ اور ایڈیٹوریل بورڈ میں پروفیسر کے۔ ایم۔ ڈی سلوا (سری لنکا) پروفیسر ایس۔ اے۔ والپرٹ (امریکہ) جیسی معتبر ہستیاں شامل ہیں۔ اس ادارے سے ماہانہ ریسرچ پیپرز شائع کئے جاتے ہیں۔ جو "اسلام آباد پیپرز" کہلاتا ہے جس کی ایڈیٹر ڈاکٹر شیریں ایم مزاری ہیں۔ اکتوبر 2004ء کو ڈاکٹر فہمیدہ اشرف کا تحقیقی مقالہ جس کا عنوان "Raw Covert Instrument of Indian Ambitions" تھا، شائع ہوا۔ یہ رسالہ برائے فروخت موجود ہے اور جس کا جی چاہے تصدیق کر سکتا ہے۔ یہ بین الاقوامی معیار کا تحقیقی پیپر "Raw" کی خفیہ سرگرمیوں کا احاطہ کرتا ہے۔ 43 صفحات پر مشتمل اس پیپر میں 28 حوالے میری کتابوں کے موجود ہیں۔ میں خدانخواستہ یہ تفصیلات کوئی بڑ ہانکنے کے لئے نہیں دے رہا۔ جو لوگ مجھے جانتے ہیں انہیں بخوبی علم ہے کہ شہرت میرا تعاقب کرتی ہے۔ میں کبھی اس کے پیچھے نہیں بھاگا۔

میں یہ سطور کبھی نہ لکھتا لیکن انتہائی منافق معاشرے میں جہاں ایک گھٹیا سازش کے تحت جنوئین اور نان جنوئین کا فرق بھی ختم کر دیا جائے وہاں یہ کہے بغیر رہا بھی نہیں جا سکتا۔ میں نے ایمانداری سے کوشش کی ہے کہ پاکستانی قارئین کو دُنیا کے سب سے Hot موضوع یعنی انٹیلی جنس، جاسوسی اُمور، دہشت گردی سے متعلق اپنی بساط بھر

# موساعد

# ( Mossad )



کوشش کے ساتھ اُردو میں معلومات پیش کرسکوں جواُن کے علم میں اضافہ کرے اور انہیں بین الاقوامی صورتِ حال کو سمجھنے میں معاونت کرے۔ میرے ناول اور کتابیں اس کا ثبوت ہیں۔ میں نے جو بھی لکھا اپنے ملک کے لئے، اس نظریئے کے تقدس کو برقرار رکھنے کے لئے جو اس مملکت خداداد کے قیام کا باعث بنا اور اپنے قارئین کو پاکستان اور عالم اسلام کے خلاف ہونے والی سازشوں کا ادراک اور احساس دلانے کے لئے لکھا ہے۔

ایک مسلمان پاکستانی کی حیثیت سے یہ میرے لئے باعث فخر ہے اور انشاء اللہ میرے لئے توشۂ آخرت بنے گا۔ مجھے کسی نام نہاد، جعلی دانشور، ارباب بست وکشاد وغیرہ سے نہ کبھی کوئی اُمید رہی ہے اور نہ انشاء اللہ کبھی رکھوں گا۔ جس ملک میں بانئ پاکستان کے نظریات اور بنیاد پاکستان کے نظریئے کی سرعام الیکٹرونک اور پرنٹ میڈیا میں تضحیک کی جائے، شعائر اسلامی کا تمسخر اُڑایا جائے، دینی اقدار سے وابستگی کو تنگ نظری اور بدتمیزی کی حد تک شعائر اسلامی کا مذاق اُڑانے کو روشن خیالی سمجھا جائے، جہاں محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان جیسے نابغہ روزگاروں کو مجرم بنا کر پیش کیا جائے۔ اس معاشرے، حکومت یا سماج سے کسی خیر کی توقع رکھنا احمقوں کی جنت میں رہنے والی بات ہی ہوگی۔

ساؤتھ ایشین سٹریٹیجک سٹڈیز برطانیہ کے دوستوں کا ایک عرصے سے تقاضا تھا کہ میں دُنیا کی ان انٹیلی جنس ایجنسیوں کا محاکمہ (مختصر ہی سہی) ایک کتاب میں قلمبند کر دوں جو خصوصاً ساؤتھ ایشیاء میں انتہائی اہم مثبت یا منفی کردار ادا کر رہی ہیں۔ میں نے اس حکم کی تعمیل کی ہے اور اب یہ کتاب اُردو زبان میں شائع ہو رہی ہے۔ جس پر میں (SASS) ساؤتھ ایشین سٹریٹیجک سٹڈیز کے دوستوں کا شکر گزار ہوں۔ انشاء اللہ اسی سال اس کتاب کا بنگالی، ہندی، نیپالی، سنہالی اور انگریزی ایڈیشن بھی شائع کیا جائے گا۔

طارق اسمٰعیل ساگر

اپریل 2005ء لاہور

# موساعد

# (Mossad)

علم جاسوسی و تزویرات کے کسی بھی طالب علم کے لئے دُنیا کی سب سے مشکل انٹیلی جنس ایجنسی شاید "موساعد" ہی ہے۔ "موساعد" کا صرف بنیادی ڈھانچہ جسے ہم تنظیمی ڈھانچہ بھی کہہ سکتے ہیں، اس طرح ترتیب دیا گیا ہے کہ عام قاری کو چکرا کر رکھ دے۔ ہمارے ملک میں جہاں بدقسمتی سے ہر دوسرے ادیب کو جاسوسی علم پر عبور کا دعویٰ ہے اب تک "موساعد" کے حوالے سے جو کچھ بھی لکھا گیا اس کا **70** فیصد سے زائد صرف اندازوں، خیالوں اور اِدھر اُدھر سے کانٹ چھانٹ کر کے ہی لکھا گیا ہے جبکہ اصلیت کا علم نہ ہونے کے برابر ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ آپ کو "موساعد" سے متعلق ان بنیادی حقائق تک رسائی ممکن ہو جائے جو ایک قاری کے لئے ضروری ہیں۔ جہاں تک میرے ناقص مطالعے کا تعلق ہے اب تک موساعد سے متعلق اس نوعیت کی اطلاعات اُردو زبان میں میسر نہیں ہیں صرف کسی مضمون یا کتاب کا نام "موساعد" رکھ دینا قاری کی تضحیک نہیں تو کیا ہے؟ "موساعد" کا مکمل نام یہ ہے جو "موساعد" اکیڈمی کے باہر لکھا ہے:

**"HA MOSSAD, LE MODIYN VE LE TAFKIOIM MAYUHADIM"**

جس کا انگریزی ترجمہ یہ ہے:

**"The institute for intelligence and special oprations"**

اور اس کا ''ماٹو'' ہے۔ "Thou shalt do war" یعنی (By way of deception) تل ابیب کے مضافات میں شالیس ہٹ Shalis hut میں اس کا ہیڈ کوارٹر قائم ہے۔ موساعد کی تربیت کا اندازہ حکمت عملی (Modus Aprandi) سمجھنے کے لئے آپ کی خدمت میں ایک کہانی پیش کر رہا ہوں۔ جس سے آپ کو اس بات کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ ''موساعد'' کا طریق کار کیا ہے اور وہ اپنے ایجنٹوں کی کس طرح تربیت کرتی ہے۔

خیال رہے کہ ''موساعد'' کا ماٹو By way of deception ہے اور اس کے عام ''سورس'' سے اعلیٰ افسر (Katsa) ''کیٹسا'' تک کے خمیر میں یہ بات شامل کر دی جاتی ہے کہ انہوں نے جو کچھ بھی کرنا ہے اس کے لئے دھوکہ، فریب، چالبازی کے ہتھیاروں کو بلا دریغ استعمال کرتا ہے۔

میں یہ کہانی دُنیا میں ''موساعد'' کے دو بھگوڑے افسران (جنہیں بعد میں ''موساعد'' نے خفیہ طریقے سے قتل کروا دیا اور یہ کتاب مارکیٹ سے غائب کروا دی گئی) وکٹر آسٹروسکی (Victorostrovsky) اور کلیئر ہوئے (Claire Hoy) کی مشترکہ تصنیف "By way of deception" سے اخذ کردہ معلومات کی بنیاد پر پیش کر رہا ہوں۔ جس میں صرف ایجنٹ اور افسران کے نام تبدیل کئے گئے ہیں۔ باقی تمام مقامات اور واقعات اصلی ہیں۔





تل ابیب مضافات میں شالیس ہٹ پر جیپ رُک گئی اسے Base سے ملحقہ بستی میں لے جایا گیا جہاں ایک چھوٹے سے کمرے میں پڑی واحد میز پر اپنے سامنے فائل دھرے ایک بوڑھا اسرائیلی اس کا منتظر تھا۔

''تمہارا نام اسرائیل کی عظیم خدمات کے لئے منتخب ہوا ہے۔ بچپن سے تمہاری تربیت اس نہج پر کی گئی ہے۔ تم موساعد کے فیملی ممبر بننا پسند کرو گے؟'' بوڑھے اور چالاک ڈائریکٹر نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

''کیوں نہیں جناب۔''

یعسوب نے ایک لمحہ توقف کئے بغیر جواب دیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ''موساعد'' کے فیملی ممبر کی کیا معاشرتی حیثیت ہے۔ زندگی کی ہر آسائش اس کے گھر کی باندی بن جایا کرتی تھی۔

''اس کے لئے تمہیں بہر حال ایک امتحان سے گزرنا ہوگا۔ ہمیں تمہاری صلاحیتوں پر شک نہیں لیکن روایت کا احترام بھی ضروری ہے۔''

بوڑھے یہودی نے کہا۔

''میں حاضر ہوں سر! آپ کوئی امتحان بھی لے سکتے ہیں۔''

دوبارہ اس نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے اب تم جا سکتے ہو۔''

بوڑھے نے کہا۔

اور......

یعسوب اپنی ایڑیوں پر ہی دوسری طرف گھوم گیا۔

یہ بات تو وہ بھی جانتا تھا کہ اسے یہاں صرف دو سوالات کے جوابات دینے کے لئے نہیں بلایا گیا۔ ضرور اس میں بھی کوئی بھید ہوگا جسے جاننے میں اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

دو روز بعد اسے تل ابیب ہی کے ایک علاقے ہرزلیا (Herzlia) میں
طلب کرلیا گیا۔ یہ ایک خوبصورت اپارٹمنٹ تھا جو بظاہر ماڈرن آبادی کا ایک حصہ تھا
لیکن اس کی اصلیت کا علم شاید یہاں کے مکینوں کو کم از کم نہیں تھا۔
یہاں پھر ایک چھوٹے کمرے میں اسے اکیلے بیٹھنا پڑا۔ کمرے میں صرف
ایک میز اور ایک کرسی تھی۔ البتہ کونے میں ایک کرسی ضرور موجود تھی۔
جو لڑکی اسے دروازہ دستک دے کر کھولنے پر یہاں چھوڑ گئی تھی اس نے
یعسوب کی شناخت بھی دریافت کرنے کا تردد نہیں کیا تھا۔ چونکہ اس طرف سے کوئی
سوال نہیں ہوا تھا اس لئے یعسوب نے بھی اپنا تعارف نہیں کروایا۔
بیسمنٹ تک وہ کمرے میں ہونقوں کی طرح منہ لٹکائے بیٹھا رہا۔ ایک بات
اس کے ذہن میں موجود تھی کہ کسی نہ کسی کونے میں لگا کوئی خفیہ کیمرہ اس کی تمام حرکات
وسکنات نوٹ کر رہا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے خود کو بالکل نارمل رکھا اور کسی بے چینی کا
مظاہرہ نہیں کیا۔
اچانک ہی ٹھک سے دروازہ کھلا اور ایک نوجوان نے اس کے سامنے کچھ
کاغذات اور ایک قلم رکھ دیا۔ وہ بھی یعسوب سے کچھ کہے بغیر واپس لوٹ گیا۔ اس
نے خود ہی کاغذ قلم تھاما ایک چھپا ہوا سوالنامہ اس کے سامنے دھرا تھا جس پر انسانی
نفسیات سے متعلق درجنوں سوالات موجود تھے جن کے جوابات اسے کہیں نقطہ لگا کر،
کہیں او۔ کے اور کہیں کاٹ کر لکھنے تھے۔
اس سوالنامہ کے ذریعے ہر سوال کے تین ممکنہ جواب لکھ کر دوسرے ہی لمحے
دروازہ کھلا اور وہی نوجوان جو کاغذات لے کر آیا تھا قلم سمیت تمام کاغذات اُٹھا کر
واپس لے گیا۔
یہ آغاز تھا......
ہر تیسرے دن اسے مختلف نوعیت کے علاقہ میں طلب کیا جاتا اور ایسے ہی



کاغذات کا پلندہ تھما کر ان کے جوابات حاصل کرنے کے بعد رخصت کر دیا جاتا۔
یہ سلسلہ تین ماہ جاری رہا......
اس درمیان وہی بوڑھا جس نے اپنا تعارف گوریان کے نام سے کروایا تھا
اس سے تل ابیب کے ''سکالا کیفے'' میں ملاقاتیں کرتا رہا۔ ہر ملاقات پر وہ اس سے
سینکڑوں سوالات موضوعات بدل بدل کر پوچھتا۔ حالانکہ اب تک وہ ایسے سوالات
کے جوابات سے سینکڑوں صفحات کالے کر چکا تھا۔
یہ بات اس نے بطور خاص نوٹ کی تھی کہ گھما پھرا کر اس سے گوریان ویسے
ہی ملتے جلتے سوالات کرتا تھا جن کے جوابات وہ پہلے سے دے چکا تھا۔



تین ماہ کے بعد ایک روز اسے میڈیکل ٹیسٹ کے لئے آرمی کے ایک آفس
میں طلب کرلیا گیا۔ گو کہ وہ اس کی ضرورت نہیں سمجھتا تھا کیونکہ گزشتہ چار پانچ سال
سے متعدد مرتبہ اس کے میڈیکل ٹیسٹ ہو چکے تھے۔ لیکن یہاں پہنچ کر اسے علم ہوا کہ
یہ تو بالکل الگ قسم کا طبی امتحان ہے۔
اس سے پہلے جب اس نے کہیں بھی میڈیکل ٹیسٹ دیا تو اس کے ساتھ
ں جیسے درجنوں لڑکے اور لڑکیاں ہوتے تھے۔ جن کا ٹیسٹ لینے والے ایک دو ڈاکٹر
ری باری ان کا طبی معائنہ کرتے تھے۔
لیکن......
یہاں وہ اکیلا تھا اور ٹیسٹ لینے والے ایک دو نہیں دس ڈاکٹر تھے۔ اسے دس
تلف کمروں میں باری باری لے جایا گیا ہر کمرے میں ایک ڈاکٹر ایک ماہر نفسیات
رایک نرس موجود تھی۔

ہر کمرے میں آدھا گھنٹہ اس پر صرف ہوا اور پانچ گھنٹے کے اس تھکا دینے والے عمل کے بعد بالآخر اسے گھر جانے کی اجازت مل گئی۔

یعسوب نے گو کہ اسرائیل میں شعور کی آنکھ نہیں کھولی تھی اور اپنا بچپن گزار کر ہی وہ یہاں آیا تھا لیکن ان تین چار ماہ میں اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اس کے ممتحن اس کی قوت برداشت کی انتہا دیکھنا چاہتے ہیں اور اس نے ہتھیار نہیں پھینکے تھے۔ ''موساعد'' کے کسی بھی ایجنٹ کی زندگی آرمی کے جرنیل سے کسی طرح کم نہیں تھی۔ خود اس کی ملتون طبیعت کے لئے اس سے موزوں نوکری اور کوئی نہیں تھی۔ یہاں اسے ساری دُنیا دیکھنے کا موقع ملتا۔

اور......

وہ اس گولڈن چانس کو کبھی بھی چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔

یعسوب کو اس بات کا علم تھا کہ اس کا انتخاب ''موساعد'' کی سب سے خطرناک برانچ کائی ڈون (Kidon) کے لئے کیا گیا ہے۔ جو دراصل ''موساعد'' ک ''قاتل گروپ تھا'' جس کا کام دُنیا کے کسی بھی حصے میں حکم ملنے پر متعلقہ شخصیت کو بہ صورت قتل کرنا ہوتا تھا۔ خواہ اس کی قیمت اپنی جان کے عوض کیوں نہ چکانی پڑے۔

ان لوگوں کی قمیضوں کے کالر ہمیشہ زہر میں بجھے ہوئے ہوتے تھے تا ک شناخت ہونے سے پہلے یا دُشمن کے ہتھے چڑھنے سے پہلے وہ زہر چاٹ کر اپنا را اپنے ساتھ قبر میں لے جائیں۔

''کائی ڈون'' کو جاسوسی امور میں مہارت تامہ حاصل ہوئی تھی اور عمو موساعد کے ''کیٹسا'' کا انتخاب ان ہی لوگوں میں سے کیا جاتا تھا۔





چار ماہ کی مسلسل بھاگ دوڑ کے بعد بالآخر اس کے زندگی کا اہم ترین دن بھی آ گیا جب اسے ایک پیغام ملا کہ اگلے روز سات اور نو بجے کے درمیان وہ ایک مخصوص نمبر پر ٹیلی فون کرے۔ خوشی سے اس کے پاؤں زمین پر نہیں ٹکتے تھے۔

اگلے روز فون کرنے پر اسے ''ڈی بورا'' (Deborah) پہنچنے کا حکم ملا۔ جہاں ایک مخصوص شخص سے رابطہ کرنے پر اسے کہا گیا کہ تیسرے روز وہ تل ابیب کے کنگ سلمان بولیوارڈ پر ہارڈ فنا (Gadardafna) بلڈنگ کے مین فلور پر صبح گیارہ بجے پہنچ جائے۔ اس بلڈنگ سے متعلق اسے پہلے سے علم تھا کہ سیمنٹ کی بنی یہ پراسرار عمارت ہی دراصل ''موساعد'' کا ہیڈ کوارٹر ہے۔

عمارت کے باہر ''سیکورٹی بھرتی سنٹر'' کا بورڈ لگا تھا۔ یعسوب کچھ دیر پہلے ہی پہنچ گیا تھا اس نے یہ وقت یہاں موجود ایک کیفے میں کافی اور برگر کے ساتھ گزارا اور مقررہ وقت پر مین فلور پر پہنچ گیا۔

مقررہ وقت پر جیسے ہی وہ کمرے میں داخل ہوا۔ اس کا سامنا گوریان سے ہو گیا...... ''خوش آمدید نوجوان......! تمہارا انتخاب تقریباً ہو چکا ہے یوں سمجھو تم نے نوے فیصد امتحان پاس کر لیا...... تم ایک عظیم سلطنت کے عظیم باشندے ہو اور عظیم اسرائیل کے لئے چونکہ تم سے مستقبل میں بہت اہم خدمات لی جائیں گی اس لئے ہم نہیں چاہتے کہ تمہارے انتخاب میں کوئی بھی کمی رہ جائے...... ہم تمہیں بہترین دیکھنا چاہتے ہیں۔ تم کل اپنے کپڑوں کے دو سوٹ کیس لے کر اسی دفتر میں پہنچ جاؤ۔ جس کے بعد تمہیں آخری مرحلے سے گزارا جائے گا۔''

گوریان نے اس سے کہا۔

یعسوب اثبات میں سر ہلاتا رہا۔

اب وہ کسی بھی ''سرپرائز'' سے پریشان نہیں ہوتا تھا وہ ہر دفعہ ''موساعد'' کی ل پر متعلقہ ٹیسٹ کو آخری ٹیسٹ جان کر ہی جایا کرتا تھا اور اب تک ہر مرتبہ اسے

یہی بتایا گیا تھا کہ ابھی ایک اور ٹیسٹ باقی ہے۔

لیکن......

کسی نادیدہ طاقت نے جسے اس کے کانوں میں سرگوشی کی کہ اب کوئی اور ٹیسٹ باقی نہیں رہا اور وہ واقعی موساعد میں بھرتی کا آخری امتحان دے رہا تھا۔ اس بات کا علم اسے بعد میں ہوا کہ ''موساعد'' کے کسی بھی ایجنٹ کا انتخاب پانچ ہزار اُمیدواروں میں سے ایک اُمیدوار کی بنیاد پر کیا جاتا تھا اور ہر منتخب ہونے والے کو فوراً ہی اس بات کا احساس دلایا دیا جاتا تھا کہ وہ ذہنی اور جسمانی لحاظ سے دوسروں سے بہت برتر اور اپنے میدان کا یکتائے روزگار ہے۔

اپنے دو سوٹ کیسوں میں جب وہ ضرورت کے تمام کپڑے ڈال کر مقررہ جگہ پہنچا تو یہاں دس نوجوان اور دو لڑکیاں پہلے سے موجود تھیں ان سب کو ایک کوچ پر ان کے سامان سمیت بٹھا کر وہ لوگ تل ابیب کے مضافات میں حیفہ کی طرف لے جانے والی سڑک پر واقع اسرائیل کے مہنگے ترین ریزورٹ ''کنٹری کلب'' میں لے آئے تھے۔

اس ہوٹل کے سامنے والی پہاڑی کی پشت سے جھانکتے بظاہر اسرائیلی وزیر اعظم کی گرمائی رہائش کے ٹاور دکھائی دے رہے تھے جو دراصل موساعد کی ٹریننگ اکیڈمی ''مدراشا'' Midrasha تھی۔

ان سب کو دو دو کے یونٹ کی شکل میں ایک ایک کمرہ الاٹ کر دیا گیا اور سامان رکھنے کے بعد فوراً میٹنگ روم میں حاضر ہونے کا حکم ملا۔ میٹنگ روم میں ان سب کو ان کے نام کا ایک ایک لفافہ دیا گیا جس میں ان کے Covername کور نام اور متعلقہ دستاویز موجود تھیں۔ ان میں سے ہر ایک کو الگ شناخت دے کر کہا گیا تھا کہ آج کے بعد ان سے اس شناخت کے مطابق ڈیل کیا جائے گا اب وہ اپنی جعلی شناخت، پیشہ، تاریخ پیدائش، خاندانی اور معاشرتی حیثیت، اپنے پیدائش اور



رہائش کے مقامات، بچپن سے اب تک کا زمانہ اور مختلف مراحل پر پیش آنے والے واقعات کو تین گھنٹے کے اندر اندر ازبر کر لے جس کے بعد انہیں ان کی کور حیثیت سے متعلق سوالات کیے جائیں گے اور وہاں موجود افسران کی کوشش ہو گی کہ وہ ان کے کسی بھی جھوٹ کو پکڑنے کی کوشش کریں جبکہ انہیں اپنی کور حیثیت سے متعلق معمولی جزبز کا شکار ہی نہیں ہونا اور پورے اعتماد سے جھوٹ بولتے چلتے جانا ہے۔

تین گھنٹے بعد انہیں دوبارہ اکیلے اکیلے مختلف کمروں میں طلب کیا گیا اور ان کی جعلی زندگی Coverfile سے متعلق تین چار لوگوں نے ایک ایک اُمیدوار پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔

ان لوگوں کا پوچھنے کا طریقہ ایسا حیران کن اور نفسیاتی تھا کہ کسی نہ کسی مرحلے پر مخاطب کا چوک جانا لازم ہوتا تھا۔ یعسوب کو یاد آ رہا تھا کہ انسٹرکٹر اس سے پیشے کے متعلق تفصیلات پوچھ رہا تھا اور بڑی تیزی سے اپنی نوٹ بک میں نوٹ بھی کرتا جا رہا تھا کہ اچانک ایک کونے میں کھڑے انسٹرکٹر نے اسے مخاطب کیا۔

''معاف کیجئے آپ کا نام......؟''

اس نے یہ نفسیاتی حملہ اتنا اچانک اور بھرپور کیا تھا کہ کوئی بھی مخاطب گھبرا کر اپنا کور (Cover) نام بھول سکتا تھا۔

لیکن......

یعسوب نے بڑے اطمینان سے اپنا کور نام دوبارہ بتا دیا۔

ایک گھنٹے تک وہ ایسے ہی حیران کن سوالات کے ذریعے انہیں کردیتے رہے جس کے بعد انہیں اپنے اپنے کمرے میں جانے کی اجازت مل گئی جس کے بعد انہیں لنچ پر بلایا گیا اور بلاشبہ کھانے کی جس میز پر وہ اکٹھے ہوئے تھے وہاں شاید ہی دُنیا کا کوئی پسندیدہ کھانا موجود نہ ہو۔ اس کے باوجود ہر اُمیدوار کے لئے ایک ویٹرس صرف اس لئے موجود تھی کہ اگر اسے کے باوجود کوئی اور ڈش درکار ہو تو فوراً فراہم کی جاسکے۔

کھانے کے خاتمے پر انہیں ہدایت ملی کہ اپنے اپنے کمرے میں جا کر کپڑے تبدیل کریں اور شہر جانے کی تیاری کرلیں جہاں ان کا اگلا امتحان ہونا تھا۔

اب انہیں تین تین کے گروپ میں تقسیم کر دیا گیا۔

ہر گروپ کے ساتھ دو دو انسٹرکٹر تھے۔ جو انہیں اپنی کار میں لے کر تل ابیب کے مرکزی علاقے کی طرف جا رہے تھے۔ اچانک ہی گاڑی کنگ سلمان بولیوارڈ کے نزدیک ابن گویرا کے پاس رُک گئی۔

انسٹرکٹر نے یعقوب کو باہر آنے کا اشارہ کیا۔

یعقوب کو ساتھ لے کر وہ پیدل ایک رہائشی علاقے کی طرف چلا گیا جبکہ کار آگے بڑھ گئی۔ ایک پلازے کے سامنے رُک کر اس نے تیسری منزل کی ایک بالکونی کی طرف اشارہ کر کے یعقوب کو مخاطب کیا۔

''میں چاہتا ہوں کہ تم اس بالکونی میں تین منٹ تک خالی ہاتھ کھڑے رہو جس کے بعد اندر جاؤ اور دوبارہ واپس آؤ اور اس بالکونی والے فلیٹ کا مالک یا کرایہ دار بھی تمہارے ساتھ ہو تمہارے ایک ہاتھ میں پانی کا گلاس ہو اور تم وہاں چھ منٹ تک مالک یا کرایہ دار سمیت کھڑے رہو۔''

اس نے اچانک ہی یعقوب کو مہم سونپ دی۔

اس نے صرف ایک لمحے کے لئے سوچا اور ذہنی طور پر تیار ہوا۔

یعقوب جانتا تھا کہ ان کے پاس اس وقت کوئی سرکاری شناخت نہیں۔

اسرائیل میں عام حالات میں بھی ہر شہری کو اپنی شناخت کے ساتھ سفر کرنے کا حکم تھا۔

جبکہ کسی گھر پر سرکاری شناخت کے بغیر داخل ہونا تو بہت بڑا جرم بن جاتا۔

انہیں یہ ہدایت شروع ہی میں کروائی تھی کہ اگر وہ گرفتار ہو جائیں تو پولیس کو بھی اپنی اصلیت نہیں بتانا بلکہ وہی کور سٹوری بتانی ہے جو ان کے لئے تیار کی گئی ہے اور اپنی جعلی شناخت کو اصلی ثابت کر کے ہی رہا ہونا ہے۔



بہت مشکل کام تھا......

''رائٹ سر......!''

یعقوب نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔

''بائے دے وے (By the way) تم کیا طریقہ اختیار کرو گے۔''

اچانک ہی انسٹرکٹر نے پوچھا۔

''میں فلم بناؤں گا۔''

اس نے فوراً جواب دیا۔

یہاں ''موساعد'' میں کسی بھی معاملے کو عربوں کی طرح ''اللہ کی مرضی'' پر ہی نہیں چھوڑا جاتا تھا اور ان کے انسٹرکٹر اپنے شاگرد سے اُمید کرتے تھے کہ وہ کسی بھی ممکنہ صورتِ حال کے لئے خود کو فوراً ذہنی اور جسمانی طور پر تیار کر لے اور آنکھیں بند کر کے چھلانگ لگانے کے بجائے صورتِ حال کو سمجھ بوجھ کر ہی کوئی قدم اُٹھائے۔

''گڈ لک'' (Good Luck)

انسٹرکٹر نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

اور......

یعقوب تیزی سے پلازہ کی سیڑھیاں پھلانگتا اس فلیٹ کے دروازے پر جا پہنچا جس کی بالکونی کی طرف انسٹرکٹر نے اشارہ کیا تھا۔

دروازے کی گھنٹی بجانے پر ایک بوڑھی عورت باہر آئی۔

''میرا نام سائمن ہے میڈم......!''

اس نے بوڑھی عورت کو کچھ بولنے کا موقعہ دیئے بغیر کہا۔

عورت خاموشی سے اس کی شکل دیکھ رہی تھی جس پر خاصی شرافت طاری تھی۔

''آپ تو جانتی ہیں کہ آج کل یہاں سڑک پر کس بری طرح آئے روز حادثات ہو رہے ہیں۔''

"ہاں......ہاں......"

عورت نے اثبات میں سر ہلایا۔

"میرا تعلق ٹرانسپورٹیشن سے ہے اور ہم لوگ آپ کی بالکونی کرایہ پر لینا چاہتے ہیں۔" اس نے عورت سے کہا۔

"میری بالکونی......"

عورت نے حیرانگی سے دریافت کیا۔

"جی ہاں کیونکہ یہاں سے سامنے والا انٹرسیکشن واضح دکھائی پڑے گا۔ یہاں ہمارا کوئی آدمی نہیں آئے گا۔ صرف ایک کیمرہ نصب کر کے ہم چلے جائیں گے اور آپ کو پانچ سو ڈالر کرایہ مل جائے گا۔"

"اوہ کیوں نہیں۔"

بوڑھی یہودن کی رال ٹپکنے لگی۔

یعسوب اس کے ساتھ باتیں کرتا بالکونی میں کھڑا ہو گیا تھا۔

"اوہ معاف کرنا خاتون آپ کو زحمت تو ہوگی لیکن آج گرمی بہت زیادہ ہے برائے مہربانی ایک پانی کا گلاس عنایت کریں۔"

اس نے اچانک ہی خاتون سے کہا۔

اور......

وہ بے چاری پانی کا گلاس لے آئی۔

یعسوب نے پانی کا گلاس حلق میں انڈیلتے ہوئے فخریہ انداز میں اپنا ہاتھ سامنے کی طرف لہرا کر اپنے انسٹرکٹر کو گویا اپنے مشن کی فتح کی خوشخبری سنائی اور وہیں کھڑے کھڑے عورت کا نام ایڈریس اور ٹیلی فون نمبر لے کر اسے یہ تسلی دے کر واپس آ گیا کہ وہ جلد ہی اس سے رابطہ قائم کریں گے۔





فتح کے نشے میں سرشار وہ سیڑھیوں سے نیچے آیا تو دوسرا انسٹرکٹر اس کا منتظر تھا اس نے سامنے بنک کے باہر لگی پیسوں کی مشین کی طرف اشارہ کیا جہاں ایک شخص اپنے کارڈ سے پیسے نکال رہا تھا۔

"اس سے دس ڈالر کا ایک نوٹ لے کر آؤ۔"

انسٹرکٹر نے اگلا حکم سنا دیا۔

"رائٹ سر......!"

کہتے ہوئے یعسوب تیزی سے آگے بڑھ گیا دوسرے ہی لمحے وہ مطلوبہ شخص کے سر پر سوار تھا۔

"معاف کیجئے......!"

اس نے نوٹ حاصل کرنے والے کو مخاطب کیا۔

"فرمائیے......!"

نوٹ جیب میں رکھتے ہوئے اس نے جواب دیا۔

"میرا نام سائمن ہے میں انجینئر ہوں بدقسمتی سے افراتفری میں اپنا پرس گھر بھول آیا۔ مجھے اپنے بچے کو یہاں سکول سے لے جانا تھا کہ اچانک اس کی طبیعت خراب ہو گئی۔ میں آپ کا بہت شکر گزار ہوں گا اگر آپ براہِ کرم مجھے دس ڈالر اُدھار دے دیں۔ آپ کا فون نمبر اور نام میں لکھ لیتا ہوں......آپ کے گھر پہنچنے تک آپ کا اُدھار چکا دوں گا۔؟"

اس نے فوراً بڑے اعتماد سے سامنے بچوں کے سکول کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جھوٹ بول دیا۔

وہ شخص قدرے متذبذب تھا۔

لیکن......

یعسوب کی حیثیت دیکھ کر وہ اس پر شک بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"آپ بطور ضمانت میری گھڑی رکھ سکتے ہیں۔"

اس نے اپنی گھڑی کھولنے کا بظاہر تاثر دیا۔

اوہ نہیں......اس کی ضرورت نہیں۔

یہ کہہ کر اس شخص نے دس ڈالر کا ایک نوٹ اس کی طرف بڑھا دیا۔

یعسوب نے اس کا وزٹنگ کارڈ لیا اور اپنی راہ لی۔

اسے علم تھا اس کی ہر حرکت کا نوٹس لیا جا رہا ہے اور دوسری کامیابی نے اس کا اعتماد دوضینہ کر دیا تھا۔

"ویل ڈن......"

جیسے ہی وہ واپس آیا اسے پشت سے انسٹرکٹر کی آواز سنائی دی۔



اب وہ اپنے انسٹرکٹر کے ساتھ کار میں تل ابیب کی مشہور ہایارکن (Hayarkon) سٹریٹ کی طرف جا رہا تھا جو بحر اوقیانوس کے کنارے ایک خوبصورت سڑک ہے جس پر دنیا کے مشہور ہوٹل بنے ہوئے ہیں۔

انسٹرکٹر اسے شیرٹن ہوٹل کی لائی میں لے آیا۔ دونوں نے وہاں کافی کا ایک کپ پی کر خود کو تازہ دم کیا۔

وہ سامنے "باسل ہوٹل" سڑک کی دوسری طرف دکھائی دے رہا ہے ناں......"

یکا یک ہی انسٹرکٹر نے کہا۔

"یس سر......!"

یعسوب نے مستعدی سے جواب دیا۔



"وہاں جاؤ اور ہوٹل کے مہمانوں کی کتاب میں سے اوپر سے تیسرا نام نوٹ کر کے لاؤ۔"

اگلا حکم......

اور......

یعسوب چل دیا۔

یہ لوگ اس کے ساتھ اعصاب شکن گیم کھیل رہے تھے اور اسے کسی بھی مرحلے پر کسی بھی طرح کمزوری کا مظاہرہ نہیں کرنا تھا۔

بڑے اعتماد سے چلتا ہوا وہ ہوٹل میں پہنچا اور امریکیوں کی طرح انگریزی میں کاؤنٹر پر دریافت کیا۔

"میرے لئے کوئی پیغام تو نہیں۔"

کاؤنٹر والے نے حیرانگی سے اس کی طرف دیکھا۔

"آپ کا نام......"

"سائمن......"

اس نے جواب دیا۔

کاؤنٹر کلرک نے نفی میں گردن ہلائی۔

اور......

یعسوب بڑبڑاتا سامنے لائی میں بیٹھ گیا۔

اسرائیل کے ہوٹلوں میں مہمانوں کی کتاب کاؤنٹر پر نہیں رکھی جاتی بلکہ ہوٹل والے اپنے قبضے میں رکھتے تھے اور مہمانوں کی شناخت خفیہ رکھی جاتی تھی۔

آدھا گھنٹہ اس نے وہاں گزار دیا......اور اپنے منصوبے کے اگلے مرحلے پر عمل کرنے کے لئے بڑے اعتماد سے چل کر دوبارہ اس کے پاس پہنچ گیا۔

"ممکن ہے وہ پہلے سے یہاں موجود ہو اور مجھے اس کی خبر ہی نہ ہو۔"

اس نے کاؤنٹر کلرک کو مخاطب کیا۔

"کیا نام تھا اس کا......"

کاؤنٹر کلرک اس کی پریشانی کو قدرے حقیقی جاننے لگا تھا۔

"کورال......"

اس نے جھٹ سے کہا۔

کاؤنٹر کلرک نے رجسٹر نکال کر سامنے رکھ لیا۔

"شاید سی سے ہے یا پھر کے سے مجھے تو ابھی اس کے ہجے بھی صحیح نہیں آتے۔ اس نے کاؤنٹر کلرک کے قدرے نزدیک ہو کر اس کے رجسٹر پر بظاہر ایسے نظر ڈالی جیسے نام تلاش کرنے میں اس کی مدد کرنا چاہتا ہو۔

اور......

آسانی سے ٹاپ سے نیچے تیسرا نام پڑھ لیا۔

"معاف کیجئے......ہمارے ہاں......!"

"اوہ مائی گارڈ......یہ تو بیسل (Basel) ہوٹل ہے ناں......"

اس نے اچانک ہی کاؤنٹر کلرک کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"یس......"

کاؤنٹر کلرک نے حیرانی سے کہا۔

"میں بھی کیسا گدھا ہوں......اس نے سٹی ہوٹل بتایا تھا۔ Any way شکریہ......"

اس نے کہا۔

اور......

تیزی سے حیران پریشان کاؤنٹر کلرک کو چھوڑ کر باہر آ گیا۔

یہ معرکہ بھی سر ہو گیا تھا......



جب اچانک ہی دوسرے انسٹرکٹر نے فرمائش کر دی کہ وہ ابھی جائے اور سامنے پبلک فون بوتھ جس پر ٹیلی فون کرنے والوں کی قطار ہے اس کا ماؤتھ پیس اُتار کر وہاں وہ ماؤتھ پیس (Mouth Peice) لگا آئے جو اسے دیا جائے گا۔

یہ کام بھی اس نے بخوبی انجام دے لیا۔

اور......

اب وہ ہوٹل میں واپس آ گیا۔

رات دیر گئے جب اچانک ہی اس کی آنکھ لگی تھی دروازے پر دستک ہوئی اور ایک انسٹرکٹر نے اسے فوراً جین اور جیکٹ پہن کر تیار ہونے کا حکم دیا۔

وہ اسے کار میں بٹھا کر وہاں سے قریباً دس کلومیٹر دور ایک نشیبی علاقے میں لے گیا جہاں ایک زمین دوز پائپ جس میں گندا پانی موجود تھا اور جو دونوں طرف سے کھلتا تھا، کی طرف اشارہ کر کے اسے کہا کہ ابھی اس پائپ کے سامنے کچھ لوگ اکٹھے ہو کر میٹنگ کریں گے اسے ان کی ساری گفتگو سن کر اس کی رپورٹ کرنی ہے۔

یعسوب کو یاد آ گیا اس نے اپنے انٹرویو میں اپنی واحد کمزوری ایسی گندی جگہوں خصوصاً گندے پانی کو بتایا تھا اور اسے وہاں بٹھا کر اس کی قوت برداشت کو چیک کیا جا رہا تھا۔

گندے پانی میں جو تین گھنٹے تک پائپ کے سامنے جہاں انسٹرکٹر نے کچھ لوگوں کو جمع ہونے کی نشاندہی کی تھی بیٹھا رہا۔

لیکن......

وہاں نہ کسی نے آنا تھا نہ کوئی آیا۔ اس دوران یعسوب نے خود کو مکمل الرٹ رکھا تھا حالانکہ بدبو سے اس کا دماغ پھٹ رہا تھا۔

تین گھنٹے بعد انسٹرکٹر گاڑی پر آ گیا۔

"رپورٹ......"

اس نے گندگی میں نچڑتی پتلون سمیت اسے گاڑی میں بٹھا کر پوچھا۔

"یہاں کوئی میٹنگ نہیں ہوئی۔"

یعسوب نے اطمینان سے جواب دیا۔

"ناممکن...... یہاں میٹنگ ہوئی ہے۔ شاید تم سو گئے تھے۔"

انسٹرکٹر نے کہا۔

"ایسا نہیں ہوسکتا سر! میں ایک لمحے کے لئے بھی نہیں سویا۔"

یعسوب نے اطمینان سے بغیر تلخی کے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے شاید ایسا ہی ہو۔"

انسٹرکٹر نے کہا۔

اس کے کپڑے ایک اور سیف ہاؤس پر تبدیل کروانے کے بعد وہ اسے دوبارہ ہوٹل لے گیا اور آرام کرنے کی ہدایت کر کے رُخصت ہو گیا۔



صبح انہیں بروقت ناشتے کی میز پر بلایا گیا اور آج اسے شام ڈھلے ایک بلڈنگ کے باہر کھڑا کر کے یہاں ہونے والی ساری نقل و حرکت نوٹ کرنے کی ہدایت کی گئی۔ یہاں اسے بمشکل آدھا گھنٹہ ہی گزرا تھا جب پولیس نے اسے مشتبہ جان کر پکڑ لیا۔ یعسوب Cover Story پر بے پناہ تشدد کے بعد بھی قائم رہا اور خود کو وہی ظاہر کیا جو روپ اس نے دھارا تھا۔

وہ لوگ اس کی اچھی خاصی دھلائی کرنے کے بعد اسے شہر کے ایک چوراہے پر پھینک کر فرار ہو گئے۔ یہاں سے اسے موساعد کے انسٹرکٹروں نے پک کر لیا۔ یہ مار دراصل اس کا امتحان تھا اور اس اکیلے کو نہیں بلکہ اس کے تمام ساتھیوں کو اس



عمل سے گزرنا پڑا۔ یہ الگ بات کہ ان سب کو ہدایت کر دی گئی کہ وہ اس کا تذکرہ اپنے دوسرے ساتھی سے نہیں کریں گے۔

یعسوب نے اپنی جسمانی طاقت کے بل پر بڑی آسانی سے پولیس کی مار ہضم کر لی تھی۔ جبکہ اس کے ساتھیوں کو اگلے روز تک درد کی گولیاں پھانکنی پڑی تھیں۔

اس نے اب یہ سوچنا چھوڑ دیا تھا کہ یہ اس کا آخری امتحان ہے اب وہ ہر لمحے کسی بھی نئی صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھا۔

اگلے روز انہیں مکمل آرام کروایا گیا شاید کل کی مار کٹائی کے بعد انہیں کچھ آرام دیا جا رہا تھا۔ اگلے روز اس کا انسٹرکٹر اس کے ساتھ ایک اور ہوٹل کی لابی میں آ گیا اور وہاں ایک شخص کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ وہ نہ صرف اس سے باتیں کرے بلکہ اس کو رات کے ڈنر پر بھی کسی جگہ ضرور آنے پر رضامند کرے۔

انسٹرکٹر کی روانگی کے بعد یعسوب نے صورت حال کا جائزہ لیا تو اسے اندازہ ہوا کہ یہ شخص ہوٹل کا کوئی منیجر ہے۔ جس نے اپنے ہاتھ میں ایک فلمی رسالہ پکڑ رکھا تھا اور اب ایک آرام دہ کرسی پر بیٹھ کر اس کے مطالعے میں مصروف تھا۔

اس یقین کے بعد کہ وہ ہی ہوٹل کا منیجر ہے یعسوب بڑے اطمینان سے اس کے نزدیک جا کر بیٹھ گیا اور ایک بیرے کو اپنی طرف مخاطب کیا۔

"میرا نام یوری کاف ہے۔"

اس نے ایک مشہور ڈائریکٹر کے نام سے اپنا تعارف کروایا۔

"یس سر......" "کیا حکم ہے......"

بیرا مؤدب تھا۔

یعسوب نے کنکھیوں سے منیجر کو چونکتے دیکھا۔

دراصل مجھے ایک سین کی شوٹنگ اسی ہوٹل کی بالکونی سے کرنی ہے۔ کیا تم مجھے اپنے منیجر سے ملوا سکو گے۔"

اس نے اطمینان سے کہا۔

"میں منیجر ہوں جناب آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔"

ساتھ بیٹھے منیجر نے کھڑے ہو کر اسے تعظیم دی۔

یعسوب نے اسی سے چند منٹ میں دوستی کر لی اور رات کے کھانے پر بھی ایک اور ہوٹل میں طلب کر لیا جہاں اس نے منیجر کی ملاقات اپنی ہیروئن سے بھی کروانے کا وعدہ کیا تھا۔

منیجر وعدے کے مطابق ڈنر کے لئے پہنچ گیا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ اس نے یہ گیم بھی جیت لی۔



اسے کبھی کبھی سوچ کر ہنسی آیا کرتی تھی کہ ان دنوں اسے کیسے کیسے امتحانات سے گزرنا پڑتا تھا۔ ایسے ہی دو مزید ٹیسٹ لینے کے بعد اسے دو اور ساتھیوں کے ساتھ ان کا انسٹرکٹر "ٹال ہوٹل" پر چھوڑ گیا اور کہا کہ وہ تھوڑی دیر بعد واپس آتا ہے۔

لیکن......

انسٹرکٹر کے بجائے وہاں کچھ سفید پوش آ گئے اور انہوں نے یعسوب کو اُٹھا کر ایک وین میں پھینک دیا۔

اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی اور وہ لوگ اسے اپنے خفیہ آفس میں لے گئے جہاں اس پر الزام لگایا گیا کہ وہ دہشت گرد ہے اور یہاں دھماکے کی پلاننگ کر رہا تھا۔ یہاں بھی اس نے اپنی کور سٹوری اپنی کور شناخت کے ساتھ دہرائی اور دو روز تک مسلسل ذہنی اور جسمانی ٹارچر کے بعد بالآخر اسے "باعزت رہائی" مل گئی۔

"ہمیں افسوس ہے ہمیں تمہارے متعلق غلط فہمی ہو گئی تھی۔"



ایک سفید پوش نے دوبارہ اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر اسے گاڑی میں سوار کیا اور وہیں چھوڑ آیا جہاں سے اسے اُٹھا کر لایا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ان کا انسٹرکٹر آ گیا۔

یہ واقعی آخری امتحان تھا۔ اب ایک مرتبہ پھر وہی باری باری بوڑھے گوریان کے سامنے پیش ہو رہے تھے۔

"کیا تم سمجھتے ہو کہ تم امتحانات میں کامیاب رہے۔"

اس نے یعسوب سے پوچھا۔

"مجھے کامیاب یا ناکام ہونے کا علم نہیں...... میں تو صرف ایک بات جانتا ہوں کہ مجھے جو بھی Task کام دیا گیا۔ میں نے اسے اپنی بہترین ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کی مدد سے مکمل کیا۔ میں کامیاب رہا یا ناکام اس کا فیصلہ کرنے کا حق مجھے نہیں ہے۔"

اس نے بڑے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔

یعسوب کی پانچ منٹ بعد ہی چھٹی ہو گئی جبکہ اس کے ساتھیوں سے انہوں نے آدھا آدھا گھنٹہ انٹرویو کیا تھا۔

گروپ میں سے آٹھ نوجوانوں اور دو لڑکیوں کو منتخب کر لیا گیا جن میں یعسوب بھی شامل تھا۔ اسے فی الوقت ایک ہفتے کے لئے گھر جانے کی اجازت مل گئی جس کے فوراً بعد اکیڈمی رپورٹ کرنے کا حکم ملا تھا۔



ایک روز بالآخر وہ اپنے چودہ ساتھیوں کے ساتھ ایک کوچ میں "موساعد" کے ہیڈکوارٹر کی طرف عازم سفر تھا۔ جہاں سے اسے اکیڈمی جانا تھا۔ اس کے تمام

مسافراس کے لئے اجنبی تھے۔ جولوگ اس کے ساتھ منتخب ہوئے تھے ان میں سے کوئی بھی ان مسافروں میں شامل نہیں تھا۔

یہ سب ایک دوسرے کے لئے اجنبی تھے۔

وہ سب ایک دوسرے کو جاننا چاہتے تھے۔

لیکن ......کوئی کسی سے متعلق سوال نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ انہیں دوران امتحانات میں یہ بات سمجھا دی گئی تھی کہ انہیں صرف اپنے آپ تک محدود رہنا ہے۔ اپنے ساتھی یا دیگر معاملات کے متعلق معمولی سا تجسس بھی ان کے لئے خطرناک نتائج پیدا کر سکتا تھا۔

استقبالیہ پر ایک خوبصورت لڑکی ان کی منتظر تھی......اس کے چلنے کا انداز یعقوب کو یہ سمجھانے کے لئے کافی تھا کہ وہ جسمانی طور پر کتنے مردوں پر حاوی ہو سکتی ہے۔

لڑکی نے انہیں خوش آمدید کہا ان کے ناموں کا اندراج ایک رجسٹر میں کیا گیا۔ ان کی تصاویر بنائی گئی ہاتھوں پیروں کے نشانات محفوظ کئے گئے اور وہ سب لڑکی کی معیت میں مین بلڈنگ کی طرف چل دیئے۔

یہ معمولی سی کالونی تھی۔

اس بلڈنگ میں داخل ہونے والے ہر شخص کی تصویر اور ہاتھوں پاؤں کے نشانات یہاں کے مین کمپیوٹر کو فوراً فیڈ کر دیئے جاتے تھے۔

لڑکی انہیں ایک چھوٹے لیکن ہال نما کمرے میں لے آئی جہاں ٹی کی شکل میں بنی میز کے گرد انہیں کرسیوں پر بیٹھنے کی ہدایت کی اور یہ کہتی ہوئی باہر چلی گئی کہ تھوڑی دیر میں اکیڈمی کے ڈاکٹر ان سے ملاقات کریں گے۔

یعقوب نے ہال کا جائزہ لیا جس کی دیواروں پر بلیک بورڈ اور نقشے آویزاں تھے۔ اور ماربل کی خوبصورت دیواروں پر کوئی نشان تک دکھائی نہیں دے رہا تھا۔



اچانک ہی ان کی پشت پر دروازہ کھلا سب لوگ احتراماً اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ ایک قدرے ادھیڑ عمر کے آدمی کے ساتھ دو درمیانی عمر کے نوجوان اندر داخل ہوئے۔ ادھیڑ عمر والے دونوں سے زیادہ چست اور خوبصورت دکھائی دے رہا تھا۔ یعقوب نے نظروں ہی نظروں میں اس کے قد کا اندازہ چھ فٹ سے زیادہ لگایا تھا۔

"تشریف رکھیے......خوش آمدید میرا نام یوری شیرف ہے۔ میں اکیڈمی کا چیف ہوں۔ آپ کو "موساعد" میں شمولیت پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اس کا مکمل نام ہماری عبرانی زبان میں (The Institute for Intelligence and Special Operation) Hamossad Lemodiynuelet Afkidommay Yuharmdim ہے۔ یعنی ہمارا موٹو ہے۔ "دھوکے اور فریب سے ہمیں جنگ جیتنی ہے۔" تم سب ایک ٹیم ہو۔ ایک ہی فیملی کے ممبر۔ تمہارا انتخاب ہزاروں میں سے ہوا ہے۔ ہم نے ہزاروں نوجوانوں کو موساعد کی ٹیم کا ممبر بنانے کی کوشش ہمیشہ کی ہے لیکن ان میں سے آپ جیسے چند خوش قسمت ہی یہاں تک پہنچ پاتے ہیں۔ اس پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے۔ آپ لوگوں میں وہ تمام تر صلاحیتیں موجود ہیں جو ہمیں درکار ہوتی ہیں۔ آپ لوگ عظیم اسرائیل کی خدمت کے مکمل اہل ہیں اور آپ کے پاس اس مملکت کو عظیم تر بنانے کے لئے بہترین دماغ اور جسم موجود ہے...... یہ بات کبھی مت بھولئے کہ ہمارے پاس آپ کو انجکشن کے ذریعے منتقل کرنے والی کوئی شے نہیں...... یہاں آپ کو سب کچھ اپنی صلاحیتوں کے بل بوتے پر سیکھنا ہے اور دوران تربیت صد فیصد رزلٹ دینا ہے۔ ہم آپ کو مکمل دیکھنا چاہتے ہیں۔ بہترین سے کم کچھ بھی قابل قبول نہیں۔ اگر آپ میں سے کوئی سو فیصد نتائج نہیں دیتا تو اس سے کچھ فرق نہیں پڑنے والا...... ماضی میں ایسا ہو چکا ہے کہ ایک مکمل بیچ کو دوران تربیت فارغ کر دیا گیا۔"

اس نے آخری بات کہہ کر یعقوب ہی نہیں اس کے ساتھیوں کے دل و دماغ

میں بھی سنسنی پھیلا دی۔

"یہ دُنیا بھر میں اپنی نوعیت کی الگ اکیڈمی ہے جہاں سو فیصد سے کم کچھ قابل قبول نہیں۔ آپ لوگوں کو یہاں سے تعلیم حاصل کرنے کے لئے اپنی مدد آپ کے اُصول پر عمل کرنا ہوگا۔ اس وقت آپ سیکورٹی مقاصد کے لئے "خام مال" کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جب ہم اسی "خام مال" کو سانچے میں ڈھالیں گے تو آپ اپنے کورس کے اختتام پر دُنیا کے بہترین تربیت یافتہ انٹیلی جنس پرسن بن چکے ہوں گے...... ساری دُنیا میں کوئی انٹیلی جنس کی فیلڈ میں آپ کا ثانی نہیں ہوگا۔"

"یہاں ہمارے پاس آپ کو پڑھانے کے لئے مروجہ زبان میں "اُستاد" نہیں ہیں۔ آپ کو جو لوگ پڑھائیں گے وہ اپنے اپنے فیلڈ کے یکتائے روزگار ہیں اور کچھ عرصہ کے لئے ہم ان کی خدمات مستعار لیتے ہیں۔ وہ آپ کو بطور شاگرد نہیں بلکہ مستقبل کے اُستاد کی حیثیت سے پڑھائیں گے۔ کیونکہ آپ کو کبھی بھی ان کی جگہ لینی پڑے گی۔ وہ آپ کو مروجہ کلاس روم کی طرح نہیں بلکہ دوستوں کی طرح الگ الگ اپنے اپنے میدان میں طاق کرنے کی کوشش کریں گے...... یہ بات کبھی نہ بھولئے کہ آپ کھیل کے جس میدان میں اُترے ہیں وہ دُنیا کا خطرناک ترین کھیل ہے۔ جس میں زندگی ہر وقت داؤ پر لگی رہتی ہے...... اور سب سے بڑھ کر یہ بات بھی کہ اس کھیل میں صرف اپنی غلطی سے ہی نہیں بسا اوقات دوسرے کی غلطی سے بھی اپنی جان جا سکتی ہے...... اس لئے اس ٹیم کے ہر کھلاڑی کو یاد رکھنا چاہئے کہ اس کے دوسرے ساتھیوں کی زندگی کا دار و مدار بھی اسی پر ہے...... میں اس اکیڈمی اور ٹریننگ ڈیپارٹمنٹ کا ڈائریکٹر ہوں۔ میرے دروازے آپ سب کے لئے ہمیشہ اور ہر وقت کھلے ہیں...... گڈ لک...... اب میں آپ کو آپ کے انسٹرکٹر صاحب کے حوالے کر رہا ہوں۔"

اور......



اس کے ساتھ آنے والے دو افسران میں سے ایک نے آگے بڑھ کر اس کی جگہ لے لی۔ اس کی شکل اور بات کا انداز بتا رہا تھا کہ اس کا تعلق جنوبی افریقہ سے رہا ہوگا۔

"میرا نام ایسٹن واک ہے اور میں اکیڈمی کی انٹرنل سیکورٹی کا انچارج ہوں۔"

اس نے بڑے اُکھڑ اور چونکا دینے والے لہجے میں ان سب کو مخاطب کیا۔

"میں آپ کے سامنے چند گزارشات رکھوں گا۔ آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ آپ جب بھی چاہیں مجھے دوران گفتگو ٹوک کر کوئی بھی سوال دریافت کر سکتے ہیں۔ مجھے آپ کو بتانا ہے کہ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ یہ ٹیکنالوجی کا دور ہے گو کہ ہمارے پاس بہترین ٹیکنالوجی موجود ہے لیکن کسی بھی لمحے کوئی بھی ہم سے آگے کی دریافت کر سکتا ہے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ آپ یہاں سے جو علم حاصل کر رہے ہیں سب سے اہم ترین راز وہی ہیں جن کی آپ کو جان دے کر بھی حفاظت کرنی ہے۔ برائے مہربانی اس حقیقت کو کبھی فراموش نہ کیجئے۔ اور سب سے اہم بات کہ آج کے بعد سے آپ کی زبان سے "موساعد" کا لفظ نہیں سننا...... اس لفظ کو ہوّا جانئے کبھی زندگی میں کہیں بھی دوبارہ دوران گفتگو یہ لفظ استعمال نہ کیجئے...... ایک دوسرے کے ساتھ دورانِ گفتگو آپ نے "آفس" لفظ استعمال کرنا ہے۔ اپنے دوستوں اور عزیز و اقارب کو صرف یہ بتائیے کہ آپ ڈیفنس سروسز میں ملازمت کر رہے ہیں۔ اس سے زیادہ ہرگز ہرگز کچھ نہ بتائیے...... اور ہاں کان کھول کر یہ بات سن لیجئے کہ آپ نے آج کے بعد کوئی نیا دوست ہماری اجازت کے بغیر نہیں بنانا...... اور اب آپ کے ذاتی افعال اور نجی زندگی میں کوئی پرائیویسی نہیں رہی...... آج کے بعد آپ کا ہر لمحہ "آفس" کا ہوگا...... آج کے بعد آپ نے کبھی "آفس" سے کوئی فون اپنے گھر نہیں کرنا...... کبھی آفس یا گھر کے فون پر کوئی گفتگو اپنے بزنس سے متعلق نہیں کرنی...... اگر میں نے کسی

کی کوئی ایسی گفتگو پکڑی تو اسے اتنی سخت سزا ملے گی جس کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا...... آپ مجھ سے یہ سوال مت کیجئے کہ میں یہ بات کیسے جان پاؤں گا...... خیال رہے کہ میں یہاں کا سیکورٹی انچارج ہوں اور مجھ سے کچھ پوشیدہ نہیں رہ سکتا...... اگر میں نے آپ سے متعلق کچھ جاننا چاہا تو میں اس کے لئے ہر ذریعے استعمال کروں گا...... اور ہاں......'' اس نے اچانک مسکراتے ہوئے ان کی طرف دیکھا۔

''اگر میری Shaback ''موساعد اکیڈمی کی سیکورٹی پولیس'' کے ذریعے آپ کو علم ہو کہ میں نے ایک مرتبہ دورانِ تفتیش ایک کیڈٹ کو مار ڈالا تھا تو اس بات پر یقین نہ کیجئے۔''

اس نے دیوانوں کی طرح قہقہہ لگایا۔

یعسوب ہی نہیں اس کے تمام ساتھی سن ہو کر رہ گئے تھے۔

''آپ کو دورانِ تربیت تقریباً ہر تین ماہ بعد ایک غیر ملکی دورہ کرنے کا موقع ملے گا۔ ہر دورے سے واپسی پر آپ کو جھوٹ پکڑنے کی مشین کے ٹیسٹ سے گزرنا پڑے گا۔ یہ ٹیسٹ آپ جب بھی اسرائیل سے باہر کسی ملک میں اپنے مشن سے واپس آئیں گے آپ کو دینا پڑے گا...... آپ کو حق حاصل ہوگا کہ یہ ٹیسٹ دینے سے انکار کر دیں...... اس طرح مجھے ہر انکار کرنے والے کو گولی مارنے کا حق حاصل ہو جائے گا۔''

اس نے مزید سنسنی پھیلاتے ہوئے کہا۔

''میرا اور آپ کا واسطہ ایک دوسرے سے اکثر پڑتا رہے گا۔ جلد ہی آپ کو آپ کے شناختی کارڈ جاری ہو جائیں گے۔ اپنی ہر شناخت کو صرف خود تک محدود رکھیں۔ آج کے بعد سوائے ان شناختی کاغذات کے جو آپ کو جاری کروں گا آپ کی فیملی اور کوئی شناخت آپ کے پاس نہیں رہنی چاہئے...... اپنے پاسپورٹ اور سابقہ تمام آئی ڈی کارڈز جمع کروا دیجئے...... جب بھی آپ کے خاندان کے کسی فرد کو ملک سے باہر جانے کی ضرورت ہوگی ہم یہ پاسپورٹ آپ کو فراہم کر دیں گے......



گڈ لک......''

یہ کہہ کر وہ باہر چلا گیا۔

اب اورین ریف کی باری تھی جس نے اپنا تعارف کمانڈر آف کورس کی حیثیت سے کروایا۔

''آپ بچوں کی دیکھ بھال میری ذمہ داری ہے۔ آپ کے اکیڈمی میں قیام کو باسہولت بنائے رکھنے کے لئے میں ہر ممکن کوشش کروں گا۔''

اس نے اپنا مختصر تعارف کروایا اور اپنے پس منظر سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ وہ گزشتہ کئی سال سے موساعد سے منسلک ہے اب تک متعدد کارنامے غیر ممالک میں انجام دے چکا ہے۔ اس سے پہلے وہ ایک زمانے میں وزیر اعظم گولڈ امیئر کے دفتر میں بطور ''کیٹسا'' خدمات انجام دے چکا ہے۔

''اب یورپ کے بہت کم علاقے ایسے رہ گئے ہیں جہاں میں خود کو محفوظ تصور کروں۔''

اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

''ہم اپنے کام کا آغاز دو مضامین سے کریں گے اور اگلے دو یا تین ماہ تک آپ کو یہی کچھ پڑھایا اور سکھایا جائے گا۔ ایک مضمون ہے ''ناکا'' (Naka) (موساعد کے ایجنٹوں کا آپریشن اور اطلاعات لکھنے کا منفرد اور مخصوص انداز) اور دوسرا سیکورٹی......''

اس نے یعسوب اور اس کے ساتھیوں کو بتایا کہ سیکورٹی کی تربیت انہیں Shaback ''موساعد کی حفاظتی پولیس'' کی طرف سے دی جائے گی جبکہ ناکا (Naka) وہ انہیں خود پڑھائے گا۔

''ناکا'' کی تربیت مکمل کرنے کے بعد انہیں سیکورٹی کی تربیت دی گئی۔

ایک روز جب وہ اپنی کلاس میں موجود تھے تو اچانک دو گن بردار اندر داخل ہوئے تو

انہوں نے فائرنگ شروع کر دی۔

یہ عمل اتنا اچانک اور گھبرا دینے والا تھا کہ وہاں موجود ہر کیڈٹ میزوں کے نیچے جانے بچانے کے لئے دبک گیا۔ ان میں انسٹرکٹر بھی شامل تھا۔

دونوں حملہ آور اوزی گن سے درجنوں گولیاں برسانے کے بعد اطمینان سے باہر چلے گئے جن کے جانے کے بعد ان کے انسٹرکٹر نے سوالات کی بوچھاڑ کر دی اور انہیں اس روز Utahat Paylut Modient "A.P.M.A" یعنی Securing Intelligence Activity کا آغاز کروایا گیا۔

''انتہائی خوف کی حالت میں تم لوگ اپنا دفاع کس طرح کرو گے...... یہ بات سب سے اہم ہے۔'' ان کے انسٹرکٹر نے حملہ آوروں کی روانگی کے بعد پھاڑ کھانے والے لہجے میں انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔

''میری طرف سے تم سب جہنم میں جاؤ۔ مجھے تمہاری قابلیت سے کچھ لینا دینا نہیں ہے۔ یاد رکھنا جب تک میں تمہارے "A.P.M.A" سے متعلق مطمئن نہیں ہو جاتا میں تمہیں ہرگز ہرگز کلیئر نہیں کروں گا...... خواہ تم سب کو یہاں سے اپنے گھروں کو ہی کیوں نہ واپس لوٹنا پڑے۔''

یعسوب سمیت سب کیڈٹ اس دھمکی سے گھبرا گئے تھے۔

وہ جانتے تھے کہ جب تک ان کا ہر انسٹرکٹر ان کی تربیت سے صد فیصد مطمئن نہیں ہو گا بات نہیں بنے گی۔

صبح 8 بجے سے رات کے آٹھ بجے کی تربیت ہوتی تھی اور انہیں اس دوران صرف دوپہر کے کھانے کے لئے ایک گھنٹے کا وقفہ یا پھر دو مرتبہ چائے پینے کے لئے بیس بیس منٹ کا وقفہ دیا جاتا تھا۔ ان بارہ گھنٹوں میں انہیں مختلف لیکچرز A.P.M.A جنرل ملٹری اور کور (Cover) جیسے اہم موضوعات کی زبانی اور عملی تربیت دیا کرتے تھے۔



جنرل ملٹری کے مضمون کے ذریعے انہیں ہمسایہ ممالک اور جہاں جہاں ''موساعد'' کا دائرہ کار تھا ان ممالک کی بری، بحری اور ہوائی فوج سے متعلق مکمل معلومات، عرب ممالک کا سیاسی، سماجی اور مذہبی ڈھانچہ جیسے اہم مضامین پڑھائے اور ان کے عملی مظاہرے کئے جاتے تھے۔

جاسوسی اور دہشت گردی سے متعلق انہیں ہر فنی باریکی اچھی طرح سمجھائی گئی تھی اور اس کا مظاہرہ بھی ان سے کروا کر دیکھا جاتا تھا۔

تربیت کے دوسرے مہینے انہیں موساعد کے ''کیڈسا'' کا سرکاری ہتھیار اعشاریہ 22 بریٹا گن دے دی گئی تھی جس کو دنیا کی بہترین اپنی کلاس اور نوعیت کی گن سمجھا جاتا تھا۔ پستول نما اس ہتھیار کو آسانی سے چھپایا اور مشین گن کی طرح استعمال کیا جا سکتا ہے۔

Petahtikvah کے فوجی کیمپ میں انہیں ہتھیار چلانے کی تربیت دی گئی بلاشبہ یہاں انہیں اپنے فن میں طاق کیا گیا تھا۔

یعسوب کو انہوں نے ہر ممکنہ سچویشن کے مطابق بھرپور اور مؤثر فائرنگ کرنے اور فائرنگ سے بہترین نتائج حاصل کرنے کے فن میں طاق کر دیا تھا وہ اب آنکھیں بند کر کے اپنے ٹارگٹ کو ہٹ کر سکتا تھا۔

آواز پر نشانہ لگانے میں اسے کمال حاصل تھا اور اس سلسلے میں اس نے حیرت انگیز نتائج حاصل کئے تھے۔

اس کے جسمانی اہلیت کو بڑھانے کے لئے دنیا کے بہترین مارشل آرٹس میں اسے مہارت حاصل ہو چکی تھی۔

اسے دنیا کے خطرناک ترین زہر سے متعلق ریسرچ کروائی گئی تھی کہ زہر استعمال کرنے کے ایسے ایسے معصومانہ طریقے بتائے گئے تھے جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتے تھے۔ کسی بھی زندہ انسان میں چند لمحوں میں موت کی نیند سلا دینے

کے فن میں اسے طاق کیا گیا تھا۔ اسے دُنیا کے مختلف ممالک میں، مختلف حالات میں، مختلف موسموں میں کام کرنے اور اپنے کام کے بہترین نتائج حاصل کرنے میں مہارت دلائی گئی تھی۔

اور......

یعسوب نے ان کی توقعات سے بڑھ کر تربیت کے نتائج دیئے تھے۔



اس کے بعد دستاویزات کی ہیرا پھیری......

پاسپورٹ کا جائز اور ناجائز استعمال......

کسی بھی ملک میں ہنگامی حالت میں جعلی دستاویزات تیار کرنا اور انہیں استعمال میں لانا۔

جعلی کرنسی کی پہچان اور تیاری کے طریقے۔

غرض جعلی دستاویزات سے متعلق انہیں ایسی جعل سازی سکھائی گئی تھی کہ دُنیا کے بڑے بڑے جعلساز بھی ان کے سامنے دم نہیں مار سکتے تھے۔

دورانِ تربیت ہی یعسوب کے علم میں یہ بات آئی کہ غیر ممالک خصوصاً یورپ اور امریکہ میں ان کے Bodel (پیغام رساں) جو عموماً ان کے پیغامات ایک دوسرے جگہ محفوظ طریقے سے پہنچانے میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں وہ ان ممالک میں تربیت یا تعلیم حاصل کرنے والے اسرائیل کے طالب علم ہیں۔

انہیں بتایا گیا تھا کہ دُنیا کے جس ملک میں انہیں ہنگامی صورتِ حال درپیش ہو وہاں وہ صرف اعتماد یا اعتبار اپنی ذات کے بعد صرف اسرائیل کے باشندوں یا پھر یہودیوں پر ہی کر سکتے ہیں۔ انہیں بتایا گیا تھا کہ یہودیوں کے علاوہ دُنیا کی کسی بھی قوم



سے کسی بھی فرد سے اسے دھوکے میں رکھ کر ہی کام لیا جائے اور کسی بھی مرحلے پر اس پر ایک لمحے کے لئے بھی اعتبار نہ کیا جائے۔

ان کی ذہنی، نفسیاتی اور جسمانی تربیت کے بعد اب اہم ترین تربیت شروع ہوئی تھی اور وہ تھی اسلام کا روزمرہ زندگی میں کردار۔

اور اس میں بلاشبہ شعسوب سے زیادہ نمبر کوئی بھی حاصل نہیں کر سکا۔ اسے مکمل نماز، کچھ قرآنی آیات، مختلف مکاتیبِ فکر کے فکری اختلافات ازبر ہو چکے تھے۔

جب بھی وہ اسلامی تعلیمات کی کلاس میں بیٹھتا اس کا ذہن خود بخود بمبئے پہنچ جاتا۔ اسلم اور عارفہ اسے اپنے ساتھ دکھائی دیتے اسے یاد آجاتا اپنے دادا اور ماں کو بتائے بغیر وہ کئی مرتبہ ان کے ساتھ مسجد میں جا چکا تھا۔

یہ ساری تربیت آج اس کے کام آ رہی تھی۔

اُردو زبان اور اسلامی تعلیمات پر عبور نے اسے اپنے ساتھی کیڈٹوں میں امتیازی حیثیت دلا دی تھی۔

تربیت کے ایسے ہی کڑے مراحل سے گزر کر بالآخر وہ موساعد کا ''کیٹسا'' بنا تھا۔ اسے یاد تھا دورانِ تربیت ان کی قوت برداشت کا امتحان لینے کے لئے انہیں فرار ہونے، گرفتار ہونے اور گرفتاری کے بعد تفتیش کے کڑے مراحل سے گزرنا پڑتا تھا۔

ایک مرتبہ تو اسے تین دن تک مار کھانی پڑی......لیکن اس کے پائے ثبات میں لغزش نہیں آئی تھی۔

یعسوب نے عملی میدان میں قدم رکھتے ہی ایسے ایسے کارنامے انجام دیئے تھے جو شاید ایجنٹ کی سوچ میں بھی نہیں آ سکتے تھے۔

گزشتہ پانچ سال سے وہ یورپ، امریکہ اور مڈایسٹ میں خطرناک مہمات انجام دیتا آ رہا تھا اور اب بھی یہاں اسے ایک خصوصی مشن پر بھیجا گیا تھا۔

(بحوالہ......کٹ آؤٹ، مصنف طارق اسمٰعیل ساگر)

# موساعد کا طریقہ واردات کیا ہے؟

اسرائیل انٹیلی جنس ''موساعد'' کی Modus Aprandi ''طریق واردات'' کو سمجھنے کے لئے ان کے ماضی میں کئے گئے دو ''آپریشن'' پیش کئے جا رہے ہیں جن سے آپ کو ایک بات کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ ''موساعد'' کے آپریشن کی بنیاد Deception (دھوکہ) ہے۔ یہی ان کی بنیادی تربیت ہے۔ اسرائیلی ایجنٹ کو تربیت کے آغاز ہی سے ''دھوکہ دہی'' سکھائی جاتی ہے اور اپنا مطلب نکالنے کے لئے ''موساعد'' کا ایجنٹ بے رحمی کے حد تک دھوکہ باز ثابت ہو سکتا ہے۔

اپنے اس بنیادی اُصول یعنی ''دھوکہ دے کر کام نکالو'' By way of Deception پر وہ فخر کرتے ہیں اور یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ انہوں نے اس ہتھیار کو جہاں بھی خوبی اور مہارت سے آزمایا۔ بہترین نتائج حاصل کئے ''آپریشن سو فیکنس'' اس کا ایک اہم ثبوت ہے۔ تفصیلات ملاحظہ کریں۔

بترس ابین کی یہ بات قابل معافی ہو سکتی ہے کہ وہ ایک عورت کو گھور گھور کر دیکھ رہا تھا۔ کیونکہ گھنگریالے بالوں والی اس عورت نے تنگ پینٹ اور چھوٹا سا بلاؤز پہن رکھا تھا وہ گزشتہ ایک ہفتے سے پیرس کے جنوبی نواحی علاقے ویلی جوف کے بس سٹاپ پر باقاعدگی سے آیا کرتی تھی۔ اس بس سٹاپ پر صرف دو بسیں رُکا کرتی تھیں۔ ایک مقامی بس تھی جبکہ دوسری پیرس کو جاتی تھی۔ مسافروں کی تعداد تھوڑی ہونے کی وجہ سے تقریباً ہر شخص کی نظر اس عورت پر پڑی تھی۔



اگست 1978ء کی بات ہے وہ اسی بس سٹاپ پر موجود تھی جب حلیم بھی بس پکڑنے آیا۔ اگلے ہی لمحے نیلی آنکھوں والے ایک آدمی نے دو سیٹوں والی گاڑی میں اس عورت کو بٹھا لیا اور پھر اللہ جانے دونوں کدھر چلے گئے۔ حلیم ایک عراقی شہری تھا جو اپنی بیوی سمیرہ کے ساتھ پیرس میں مقیم تھا۔ وہ جب بھی اپنی ملازمت کے لئے لمبے تنہا سفر پر نکلتا تو اسی سنہرے بالوں والی عورت کے متعلق سوچتا رہتا، اور پھر اسے ایک روز اس سے باتیں کرنے کا موقع مل گیا یوں تو عراقی سیکورٹی والوں نے اسے منع کر رکھا تھا کہ وہ کسی بھی اجنبی سے بات نہ کرے اور وہ اس کا روٹ بھی اکثر بدل دیتے تھے تا کہ لوگ اسے پہچان نہ سکیں البتہ ویلی جوف کے بس سٹاپ اور گیرے سینٹ لایارے متر واسٹیشن پر وہ باقاعدگی سے آتا تھا وہ عراق میں ایٹمی ری ایکٹر کی تعمیر کے انتہائی خفیہ منصوبے پر کام کر رہا تھا۔

ایک روز وہی دو سیٹوں والی گاڑی کچھ لیٹ ہوگئی اور اس میں سوار جیک لانووان نے اسے ڈھونڈنے کے لئے حلیم کو لفٹ دینے کی پیش کش کی کیونکہ وہ عورت گاڑی کے لیٹ ہو جانے کے باعث بس میں بیٹھ کر جا چکی تھی۔ حلیم نے پیش کش قبول کر لی اور کار میں بیٹھ گیا مچھلی کانٹے میں پھنس چکی تھی یہ موساعد کی بہت بڑی کامیابی تھی۔

حلیم کو کار میں سوار کرنے کے بعد جس آپریشن کا آغاز ہوا وہ 7 جون 1981ء کو ختم ہو گیا جب امریکی ایف 16 طیاروں نے تموز کے قریب عراق کے سب سے بڑے ایٹمی ری ایکٹر کو نیست و نابود کر دیا یہ کئی سال کی سازشوں، تخریب کاری اور قتل و غارت گری کا نتیجہ تھا جو موساعد نے اس پلانٹ کی تعمیر کو روکنے کے لئے شروع کی تھی۔

اسرائیلی حکام کو اس پلانٹ پر اس وقت سے تشویش تھی جب سے فرانس نے عراق کے ساتھ اس کی تعمیر کے معاہدے پر دستخط کئے تھے۔ 1973ء میں آنے

والے توانائی کے بحران کے نتیجہ میں فرانس نے عراق کو 700 میگا واٹ کا نیوکلیئر ری ایکٹر مہیا کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اسرائیل کو خدشہ تھا کہ اس ری ایکٹر کی مدد سے بننے والے ایٹم بم اسے تباہ و برباد کرنے کے لئے استعمال ہوں گے۔ کیونکہ فرانس اس ری ایکٹر کے لئے 93 فیصد تک افزودہ یورینیم اپنے فوجی پلانٹ سے دینے پر آمادہ ہو گیا تھا وہ عراق کو 150 پونڈ افزودہ یورینیم اپنے فوجی پلانٹ سے دینے پر آمادہ ہو گیا تھا وہ عراق کو 150 پونڈ افزودہ یورینیم بھی دے رہا تھا جس سے 4 ایٹم بم بآسانی بنائے جا سکتے تھے۔

اس وقت کے امریکی صدر جمی کارٹر نے بھرپور کوشش کی کہ لابنگ کے ذریعے فرانس اور عراق کو ان منصوبوں پر عمل کرنے سے روکا جا سکے حتیٰ کہ فرانس افزودہ یورینیم فراہم کرنے کے وعدے سے پھر گیا اور اس کے بدلے میں کیرامیل نامی ایندھن دینا چاہا جس سے ایٹمی بجلی تو تیار ہو سکتی تھی مگر ایٹم بم بنانا ناممکن تھا جس پر عراق برہم ہو گیا۔ جولائی 1980ء میں بغداد میں ایک نیوز کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے عراقی صدر صدام حسین نے اسرائیلی خدشات مسترد کر دیئے۔ انہوں نے مزید کہا کہ صیہونی حلقوں کے نزدیک عرب غیر تہذیب یافتہ اور پسماندہ لوگ ہیں جو صحرا میں اُونٹ سواری کے لئے ہی مناسب ہیں مگر آج یہی حلقے کہہ رہے ہیں کہ عراق جلد ایٹم بم بنانے والا ہے۔

درحقیقت 1970ء کی دہائی کے آخر میں اسرائیلی فوجی انٹیلی جنس یونٹ ''امان'' نے ایک میمو موساعد کے سربراہ جنرل ضمیر کو بھیجا۔ جس میں اس پراجیکٹ پر کڑی نگاہ رکھنے کی تجویز پیش کی گئی تھی چنانچہ ضمیر نے موساعد میں شعبہ بھرتی کے انچارج ڈیوڈ بائرن کو طلب کیا اور ان سے فرانس میں سارسلز کے مقام پر کسی عراقی سے رابطہ کرنے کی ہدایت کی جہاں ایسے ایٹمی ری ایکٹر بنائے جا رہے تھے دو دن کی شدید تھکاوٹ دینے والی بھاگ دوڑ اور پرسنل فائلوں کا مطالعہ کرنے کے بعد بائرن



نے پیرس میں اپنے انچارج ڈیوڈ آربیل کو طلب کیا اور اسے اس خفیہ منصوبے کی تفصیلات بتائیں دوسرے سٹیشنوں کی طرح پیرس میں بھی موساعد کا دفتر اسرائیلی سفارت خانے کے تہہ خانے میں قائم تھا۔ موساعد کے مقامی سربراہ کے طور پر آربیل اسرائیلی سفیر سے بھی بلند مرتبے کا حامل تھا کیونکہ تمام سفارتی معاملات (جنہیں خفیہ زبان میں Dip کہا جاتا تھا) اور سفارت خانے کی تمام خط و کتابت انہی کے ذریعے ہوتی تھی وہ سیف ہاؤسز جنہیں آپریشنل اپارٹمنٹس کہا جاتا تھا کے بھی انچارج تھے صرف لندن کے اسٹیشن میں سیف ہاؤسز 100 فلیٹس پر مشتمل تھے۔ جبکہ مزید 50 کرائے پر لئے گئے تھے۔

پیرس میں ان یہودیوں کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی جو زندگی کے مختلف شعبوں سے وابستہ تھے اور موساعد کے لئے خفیہ طور پر نام بدل کر کام کرتے تھے، انہی میں ایک شخص جیکوچس مارسل تھا جو سارسلز کے نیوکلیئر پلانٹ میں شعبہ پرسونل سے وابستہ تھا وہ عام طور پر زبانی یا کچھ لکھ کر خفیہ معلومات فراہم کرتا رہتا تھا اور نہ حقیقی دستاویزات باہر لانے میں اس کے پکڑے جانے کا خطرہ تھا۔ مگر اب موساعد کو اصلی دستاویزات کی ضرورت تھی۔ کیونکہ عربی ناموں کے تلفظ مختلف شہروں میں مختلف تھے۔ جس سے گڑبڑ ہو سکتی تھی چنانچہ سب سے پہلے مارسل کو تمام عراقی ملازمین کی مکمل لسٹ مہیا کرنے کی ہدایت کی گئی۔

اگلے ہفتہ چونکہ اسے پیرس میں ایک میٹنگ میں آنا تھا چنانچہ اسے کہا گیا کہ وہ اپنی کار میں یہ فائل بھی لیتا آئے۔ اسی طرح کسی کو شک بھی نہ ہوا۔ مگر روانگی سے ایک قبل موساعد کے ایک افسر نے اس سے گاڑی کی ڈگی کی ڈپلیکیٹ چابی لے لی۔ مارسل کو یہ بھی بتایا گیا کہ وہ مقررہ مقام ایکول ملی تیئر کی قریبی سڑک کا چکر لگائے جہاں اسے ایک سرخ کار نظر آئے گی جس کے پیچھے دروازے پر ایک مخصوص اسٹکر بھی لگا ہوا ہوگا۔ موساعد نے مقررہ جگہ پر کیفے کے سامنے پارکنگ پر قبضہ کرنے کے لئے

ایک رات پہلے ہی کرائے پر ایک کار لے کر وہاں کھڑی کر دی کیونکہ فرانس میں پارکنگ ہمیشہ بنیادی مسئلہ رہی ہے اسے بتایا گیا کہ جب وہ ایک چکر لگا لے گا تو یہ سرخ کار وہاں سے چل پڑے گی تا کہ وہ پرسول فائل ڈگی میں چھوڑ کر میٹنگ میں شرکت کے لئے چلا جائے۔

منصوبے کے مطابق جب مارشل میٹنگ میں شرکت کے لئے چلا تو موساعد نے اس بات کی اچھی طرح تصدیق کر لی تھی کہ کہیں اس کا پیچھا تو نہیں کیا جا رہا۔اس بات کا اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد موساعد کے دو آدمیوں نے ڈگی سے یہ فائل نکالی اور قریبی کیفے میں چلے گئے۔ایک آدمی نے کچھ آرڈر دیا جبکہ دوسرا آدمی واش روم میں چلا گیا جہاں اس نے ایک چھوٹا کیمرہ نکالا جس سے ایک رول پر 500 فلمیں کھینچی جا سکتی تھیں یہ آلات خصوصی طور پر موساعد کے فوٹو گرافی ڈیپارٹمنٹ نے خفیہ مقاصد کے لئے بنائے تھے تینوں صفحوں کی تصویریں لینے کے بعد انہوں نے فائل مارشل کی ڈگی میں رکھ دی۔

یہ تمام فوری طور پر کمپیوٹر کے ذریعے تل ابیب میں پیرس ڈیسک کو بھیج دیئے گئے۔انہیں بھیجنے کے لئے موساعد کا ڈبل کوڈنگ سسٹم استعمال کیا گیا تھا ہر آواز کے حرف مقرر تھے مثلاً اگر عبدل نام بھیجنا ہے تو پھر ہو سکتا ہے کہ "عب" کے لئے سات اور دل کے لئے ایکس بھیج دیا جائے اس طرح اگر وہاں بھیجا گیا ہے سات اور ایکس۔ تو اس کا مطلب ہے کہ مطلوبہ نام عبدل ہے۔تاہم یہ کوڈنگ ہر ہفتے بدل دی جاتی ہے۔تل ابیب میں ناموں اور ان کے عہدوں کا پتہ چلانے کے بعد تمام مواد موساعد کے شعبہ تحقیق اور "امان" کو بھیج دیا گیا۔

وہاں سے جواب آیا۔

"آسان ترین آدمی پر کام شروع کر دیں۔"

یہ آدمی امین حلیم تھا۔کیونکہ وہ واحد عراقی سائنس دان تھا جس نے گھر کا پتہ



لکھوایا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ دوسرے سائنس دان یا تو تحفظ کے قائل ہیں یا پھر پلانٹ کے قریب ہی فوجی کوارٹرز میں رہتے ہیں۔حلیم شادی شدہ تھا البتہ اس کی کوئی اولاد نہ تھی۔42 سالہ شادی شدہ عراقی کے بچہ نہ ہونے کی بات بڑی حیرت انگیز تھی۔ موساعد نے اس سے یہ اندازہ بھی لگایا کہ اس کی ازدواجی زندگی نارمل یا خوشگوار نہیں ہے۔

ہدف انہیں مل گیا تھا۔مگر مسئلہ اسے بھرتی کرنے کا تھا۔کیونکہ تل ابیب سے اس منصوبے کو انتہائی خفیہ رکھنے کی ہدایت ملی تھی چنانچہ اس کام کو پورا کرنے کے لئے دو ٹیمیں بلوائی گئیں ایک تو یرید تھا جو یورپی سیکورٹی کا انچارج تھا اس کو حلیم اور اس کی بیوی سمیرہ کے معمولات کا پتہ چلانے کی ذمہ داری سونپی گئی۔اسے یہ بھی دیکھنا تھا کہ عراقی یا فرانسیسی جاسوس کہیں اس کی نگرانی تو نہیں کر رہے۔اس مقصد کے لئے اسے حلیم کے قریب ہی کوئی اپارٹمنٹ ڈھونڈنے کی بھی ہدایت کی گئی چنانچہ ایک اور یہودی نے اسے حلیم کے قریب ہی ایک اپارٹمنٹ کرائے پر لے دیا دوسری ٹیم نیویت کا کام حلیم کے کمرے میں گھسنا، وہاں خفیہ آلات نصب کرنا تھا۔

یرید کے شعبہ میں تین مزید ٹیمیں کام کر رہی تھی جبکہ ہر ٹیم میں سات تا نو آدمی شامل تھے اسی طرح نیویت کو بھی تربیت یافتہ ماہرین پر مشتمل تین ٹیموں کی خدمات حاصل تھیں جو کسی بھی گھر کے اندر کوئی چیز خفیہ طور پر نصب کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے وہ واپسی میں اپنی کوئی نشانی بھی نہیں چھوڑتے تھے ان ٹیموں کے پاس یورپ کے تمام بڑے ہوٹلوں کی چابیاں موجود تھی اور یورپ کے بعض ہوٹل کمرے کے مہمان کے انگوٹھے پرنٹ سے بھی کھلتے تھے یہ ٹیمیں ایسے کمروں کو بھی کھولنے کی ماہر تھیں نیویت کی ٹیم کا کام حلیم کے اپارٹمنٹ میں گفتگو سننے کے آلات نصب کرنا اور اپنے اپارٹمنٹ میں بیٹھ کر اسے سننا اور ٹیپ کرنا تھا یہ ٹیپ روزانہ تل ابیب بھیج دی جاتی تھی اور وہاں سے پھر تازہ ہدایت دی جاتی تھی تاہم اس وقت ان کے پاس صرف نام

اور پتہ موجود تھا اور اس کی کوئی تصویر موجود نہ تھی۔

حلیم سے پہلا رابطہ دو روز بعد قائم کیا گیا جب ایک پرکشش کٹے ہوئے بالوں والی لڑکی نے حلیم کے دروازے پر دستک دی اور اپنا نام جیکولین بتایا جبکہ اس کا اصلی نام دینا تھا وہ بھی ریید کی کارکن تھی۔ اس نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ میں پرفیوم بیچتی ہوں اس نے ایک بریف کیس بھی پکڑ رکھا تھا جس میں پرفیوم آرڈر کرنے کے لئے مختلف فارم بھی موجود تھے اس نے پوری تین منزلہ بلڈنگ میں تمام دروازوں پر دستک دے کر پرفیوم بیچے تاکہ کسی کو شک نہ ہو۔

پرفیوم دیکھ کر سمیرہ میں جوش پیدا ہوا کیونکہ کوئی عورت اچھے پرفیوم کے بغیر رہ ہی نہیں سکتی۔ سمیرہ کو دام میں پھانسنے کے لئے پرفیوم کی قیمت بھی بہت کم بتائی گئی باتوں باتوں میں سمیرہ نے اپنی ناخوشگوار زندگی کے متعلق بھی بتایا اس نے اُداس لہجے میں کہا کہ وہ ایک امیر گھرانے سے آئی ہے اور اب بھی اسے اپنی ہی دولت پر گزارہ کرنا پڑ رہا ہے۔ کیونکہ اس کے شوہر میں کامیابی کی کوئی جستجو نہیں۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ وہ اگلے دو ہفتوں تک عراق چلی جائے گی تاکہ اپنی ماں کے بڑے آپریشن کے وقت وہاں رہ سکے جیکولین نے بھی بتایا کہ وہ ایک اچھے گھرانے سے تعلق رکھتی ہے اور اپنی تعلیم سے فارغ ہو کر پرفیوم بیچتی ہے۔

جیکولین کا مقصد پورا ہو چکا تھا یہ تمام معلومات تل ابیب بھیج دی گئیں۔ اس موقع پر یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ جیکولین کے سمیرہ سے نئے تعلقات کا پورا پورا فائدہ اُٹھایا جائے اسے ہدایت کی گئی کہ وہ دو دفعہ سمیرہ کو اپارٹمنٹ سے باہر لے کر آئے پہلی بار باہر آنے پر جگہ کا انتخاب کرنا مقصود تھا۔ اور دوسری بار یہاں پر گفتگو سننے والے خفیہ آلات نصب کرنا مقصود تھا دوسری ملاقات میں سمیرہ نے اپنے شوہر کی شکایت کرتے ہوئے کہا کہ وہ اسے کسی اچھے ہیئر ڈریسر کے پاس لے کر نہیں جاتے کیونکہ وہ اپنے بالوں کا رنگ بدلوانا چاہتی تھی۔



اس نے سمیرہ کو اپنے ہیئر ڈریسر کا پتہ بتلایا دو دن بعد جب وہ پرفیوم لے کر دوبارہ سمیرہ کے مکان پر گئی تو اس نے کہا۔ ”میں نے اپنے ہیئر ڈریسر آندرے کو تمہارے بالوں کے بارے میں بتایا تو اس نے خوش ہو کر کہا کہ اس کے بالوں کو رنگ دوں گا اسے صرف دو مرتبہ میرے پاس آنا ہوگا میں تمہیں فوراً اس کے پاس لے جاؤں گی۔“

سمیرہ خوشی سے اُچھل پڑی۔ سمیرہ اور اس کے شوہر کا پورے علاقے میں کوئی حقیقی دوست نہ تھا ان کی سوشل لائف بھی بہت محدود تھی چنانچہ دو دن کے لئے گھر سے نکلنے کی اس بات پر وہ بہت ہی خوش تھے پرفیوم دینے کے ساتھ اس نے سمیرہ کو ایک خصوصی تحفہ یعنی فینسی کی ہولڈر بھی دیا۔

”مجھے اپنے اپارٹمنٹ کی چابی دو میں تمہیں کی ہولڈر میں ڈالنا سکھاؤں۔“

سمیرہ سے چابی لے کر اس نے دو انچ کے ڈبے میں ڈال دیا وہ بظاہر تو تحفہ لگ رہا تھا لیکن اس پر پلاسٹیئن کی باریک سی تہہ جمی ہوئی تھی جونہی چابی اس کے اندر گئی وہ دونوں طرف سے بند ہو گیا اور اس پر چابی کا نقشہ بن گیا جس سے ڈپلیکیٹ چابی بنانا آسان کام تھا یہ والی کی ہولڈر اس نے اپنے پاس رکھ لیا۔

نیویت اگرچہ بغیر چابی کے بھی کمرے میں داخل ہو سکتا تھا مگر جب آپ اصلی مالک کی طرح مکان کے سامنے والے دروازے سے داخل ہو سکتے ہیں تو پھر آپ کو مزید خطرہ مول لینے کی کیا ضرورت ہے دوسری طرف ریید نے حلیم کی تمام نقل و حمل پر کڑی نگاہ رکھنا شروع کی چند روز بعد یہ آدمی بدل دیئے جاتے گفتگو سننے والے آلات کی مدد سے ٹیم کو یہ بھی پتہ لگ گیا کہ سمیرہ عراق کب جا رہی ہے۔ انہوں نے حلیم کو یہ کہتے ہوئے بھی سنا کہ وہ سیکورٹی چیک کے لئے عراقی سفارت خانے ضرور جائے اس سے موساعد مزید محتاط ہو گئی ان کے لئے سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ حلیم کو بھرتی کیسے کریں ایک روز انہوں نے سمیرہ کو حلیم سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ:

"میں جانتی ہوں تم اس لڑکی (جیکولین) کو ایسے کیوں دیکھتے ہو شاید اس لئے کہ میں کچھ دنوں کے لئے عراق جارہی ہوں میں جانتی ہوں کہ تمہاری اصلیت کیا ہے۔؟"

یہ سنتے ہی موساعد کے ماہر کا ذہن فوراً بس سٹاپ پر کھڑی ہوئی لڑکی کی طرف گیا یہ ذمہ داری جیک ڈونووان کے سپرد کی گئی تاکہ وہ اس لڑکی اور اپنی دولت کے جھانسے میں حلیم کو پھنسا سکے۔

پہلے سفر کے دوران حلیم نے اپنے آپ کو ایک طالب علم بتایا تاہم اس نے کہا کہ اس کی بیوی کچھ دنوں کے لئے باہر جارہی ہے اور وہ اچھا کھانے کا عادی ہے البتہ مسلمان ہونے کے باعث شراب نہیں پیتا۔ ڈونووان نے بتایا کہ وہ عالمی سطح پر تجارت کرتا ہے اس نے اپنا کاروبار کافی وسیع ظاہر کیا تاکہ ضرورت پڑنے پر اسے کچھ بھی رُخ دیا جاسکے۔ اس نے حلیم کو دعوت دی کہ جب بیوی چلی جائے تو وہ اچھا کھانے کے لئے اس کے بنگلے پر آئے۔

حلیم نے دعوت نہ قبول کی اور نہ ہی مسترد اگلے دن وہ دوشیزہ پھر وہیں آئی اور ڈونووان اسے گاڑی میں بٹھا کر لے گیا اس کے اگلے روز لڑکی تو نہ آئی مگر ڈونووان معمول کی مطابق وہاں پہنچ گیا اس نے حلیم سے کہا کہ اگر وہ چاہے تو وہ اسے شہر لے جا سکتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ راستے میں کسی کیفے میں بیٹھ کر کافی ضرور پیئیں گے۔ اپنی خوبصورت ساتھی کے بارے میں بتاتے ہوئے اس نے کہا۔

"اوہ......اس نے بہت زیادہ مطالبے کرنا شروع کردیئے تھے اس لئے میں نے اسے چھوڑ دیا خوشگوار سفر کے لئے وہ بہت اچھی تھی مگر ایسی لڑکیوں کی تو کمی نہیں ہے میرا مطلب تو تم سمجھ گئے ہو۔"

حلیم نے اپنے اس نئے دوست کے بارے میں اپنی بیوی کو کچھ نہ بتایا البتہ وہ روزانہ اسی کے ساتھ شہر جایا کرتا تھا ایک روز ڈانووان نے حلیم کو بتایا کہ وہ ایک



بزنس ٹرپ پر دس دن کے لئے ہالینڈ جارہا ہے۔ اس نے حلیم کو اُپنا بزنس کارڈ بھی دیا خوبصورت کارڈ دیکھ کر حلیم بہت متاثر ہوا۔

روزانہ حلیم سے ملنے کے دوران وہ سیف ہاؤس میں ہی رہتا تھا جہاں سٹیشن کے سربراہ یا اس کے نائب سے مل کر اگلے مرحلے کی تیاری کی جاتی اور ضروری رپورٹیں تیار کی جاتی تھیں۔ اس کی رپورٹ میں پانچ "ک" ہوتے تھے۔ یعنی کون، کیوں، کہاں، کب، کیسے۔ سیف ہاؤس نے یہ پیغام سفارت خانے بھی بھیجا جاتا تھا۔

سمیرہ کے جانے کے بعد حلیم نے اپنی روٹین کچھ تبدیل کرلی تھی وہ کبھی کسی ریستوران میں رُک کر کھانا کھالیتا یا سینما چلا جاتا۔ ایک دن اس نے جیک ڈونووان اسے ایک مہنگے (Cabaret) میں ڈنر کرانے اور شو دیکھنے لے گیا اب اس نے شراب پینا بھی شروع کردی تھی۔ لمبی راتوں میں باتوں کے دوران ڈونووان نے حلیم کو اپنے تازہ ترین منصوبے سے آگاہ کیا اس نے بتایا کہ وہ افریقی ممالک کو پرانے کارگو کنٹینر فراہم کرے گا تاکہ وہ انہیں رہائش کے لئے استعمال کرسکیں۔

"وہ اتنے عجیب لوگ ہیں کہ وہ ان میں بھی سوراخ کرکے کھڑکیاں اور دروازے بنالیتے ہیں۔" ڈانووان نے کہا۔

"میں مزید معاہدے کے لئے طولون جارہا ہوں اگر تم چاہو تو میرے ساتھ جاسکتے ہو۔؟"

"مگر میں تو کاروبار کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتا۔"

حلیم نے کہا۔

"سفر بہت لمبا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ رہو ہم ویک اینڈ پر جائیں گے اور اتوار کو واپس آجائیں گے بہرکیف تم ویک اینڈ کیسے گزارنا چاہتے ہو۔"

حلیم ڈونووان کے ساتھ طولون چلا گیا جب ڈونووان وہاں اپنے ایک اور خفیہ ساتھی کے ساتھ پیسے طے کررہا تھا تو حلیم نے دیکھا کہ ایک کنٹینر کی نچلی سطح پر زنگ

لگی ہوئی ہے اس کنٹینر کو کرین کی مدد سے اس طرح اوپر اُٹھایا گیا کہ حلیم ضرور دیکھ لے۔ جونہی حلیم نے زنگ آلود کنٹینر دیکھا تو وہ اپنے دوست کو ایک طرف لے گیا اور اسے زنگ کے متعلق بتاتے ہوئے کہا۔

''ان تمام کنٹینرز پر ڈسکاؤنٹ مانگو، انہیں تو زنگ لگی ہوئی ہے۔''

ڈسکاؤنٹ نہ دینے کے باعث یہ معاہدہ نہ ہوسکا البتہ ان کا مقصد پورا ہو چکا تھا اسی رات ڈنر کرتے ہوئے ڈونووان نے حلیم کو 1000 ڈالر دیئے۔

''یہ اپنے پاس رکھو زنگ کے متعلق بتا کر تم نے میری اس سے کہیں زیادہ رقم بچالی ہے۔''

اب پہلی مرتبہ حلیم کو یہ احساس ہونا شروع ہوا کہ اس کا دوست اچھا وقت گزارنے کے ساتھ ساتھ مالی فائدہ بھی دے سکتا ہے اور وہ واقعی کانٹے میں پھنس چکا تھا۔ موساعد جو یہ جانتی ہے کہ دولت، عورت یا نفسیاتی مسائل کا فائدہ اُٹھا کر کچھ بھی خریدا جاسکتا ہے۔ ایک بار پھر کامیابی حاصل کر چکی تھی۔ حلیم کو مکمل طور پر اپنے دام میں پھنسانے کے بعد ڈونووان نے اسے اپنے عالی شان ہوٹل کے کمرے میں بلایا۔

عراقی کا دل بہلانے کے لئے اس نے میری کلاڈ میگل کو بھی آنے کی دعوت دی ڈنر کا آرڈر دینے کے بعد ڈونووان نے اپنے مہمان سے کہا۔

''مجھے تو اچانک ایک ضروری کام پڑ گیا ہے مگر آپ یہاں میری سے دل بہلائیں میں تم سے رابطہ رکھوں گا۔''

یہ کہہ کر وہ چلا گیا حلیم اور میری نے واقعی بڑا اچھا وقت گزارا، اس پورے منظر کی ویڈیو فلم بنالی گئی یہ فلم ضروری نہیں کہ بلیک میل کرنے کے لئے بنائی گئی تھی بلکہ اس کا مقصد صرف یہ دیکھنا تھا کہ ڈونووان کی غیر موجودگی میں وہاں کیا ہوتا رہا۔ حلیم نے کیا کہا اور کیا سنا۔ حلیم کا نفسیاتی جائزہ لینے کے لئے ایک اسرائیلی ماہر نفسیات ہر وقت موجود رہتا تھا دو دن بعد ڈونووان نے واپس آ کر حلیم کو فون کیا اور کافی پینے کی دعوت دی۔



کیفے میں گفتگو کے دوران حلیم نے یہ محسوس کیا کہ اس کا دوست خاصا پریشان ہے۔

''مجھے طبی مقاصد کے لئے ریڈیو ایکٹو مادہ فراہم کرنے کا ایک اچھا معاہدہ مل رہا ہے مگر یہ کام بڑا ٹیکنیکل ہے اور اس میں رقم بھی کافی خرچ ہوتی ہے جبکہ مجھے اس کی الف ب کا بھی علم نہیں ہے اس ریڈیو ایکٹو مادے کی نقل وحمل میں استعمال ہونے والی ٹیوبوں کا جائزہ لینے کے لئے ایک انگریز سائنس دان کی خدمات بھی میری سپرد کی گئی ہیں۔ مگر مسئلہ یہ ہے کہ ایک تو وہ رقم بھی بہت مانگ رہا ہے اور دوسرے میں اس پر اعتماد بھی نہیں کر سکتا۔''

ڈونووان نے کہا۔

''ہوسکتا ہے میں آپ کی کوئی مدد کر سکوں۔''

حلیم نے جواب دیا۔

''شکریہ مگر مجھے ان ٹیوبوں کا جائزہ لینے کے لئے سائنس دان کی ضرورت ہے۔''

''میں سائنس دان ہوں۔'' حلیم بولا۔

ڈونووان نے حیرانگی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ ''کیا مطلب ہے تمہارا میں تو سمجھا تھا کہ تم طالب علم ہو۔''

''یہ تو مجھے پہل پہل تمہیں بتانا پڑا تھا میں تو ایک سائنس دان ہوں جسے عراق نے یہاں ایک خصوصی پراجیکٹ کے لئے بھیجا ہے مجھے یقین ہے کہ میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔''

یہ سن کر ڈونووان کی خوشی کی انتہا نہ رہی اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا لیکن ابھی یہ خوشی ظاہر کرنے کا موقع نہیں تھا۔

''سنو..... میں اس ویک اینڈ پر اس سلسلے میں ایمسٹرڈیم جا رہا ہوں اگر تم

کہو تو میں اپنا طیارہ ہفتہ کی صبح تمہیں لینے کے لئے بھیج دوں۔"

حلیم متفق ہو گیا۔

ڈونو وان نے کہا۔ اگر تم منع کر دیتے تو ہم بہت بڑی جائز رقم سے محروم ہو جاتے۔ ہفتہ کی صبح ایک جیٹ طیارے پر اسرائیل میں خصوصی طور پر ڈونو وان کمپنی کے نام وغیرہ پینٹ کر دیئے گئے۔

ایمسٹرڈیم کا یہ دفتر ایک امیر یہودی ٹھیکیدار کی ملکیت تھا۔ ڈونو وان جان بوجھ کر حلیم کو اپنے ساتھ لے جانا نہیں چاہتا تھا کیونکہ اس وقت وہ اپنے اصلی پاسپورٹ پر سفر کر رہا تھا طیارے سے اُترنے کے بعد حلیم کو ایک لمبی کار میں ائیر پورٹ سے دفتر لے جایا گیا وہاں اس کی ملاقات اسرائیل کے ایک سائنس دان بینجمن گولڈ سٹائن سے بھی ہوئی جو اس وقت جرمن پاسپورٹ پر سفر کر رہا تھا وہ حلیم کو دکھانے کے لئے ایک نیو میٹک ٹیوب بھی اپنے ساتھ لایا تھا کچھ دیر گفتگو کے بعد ڈونو وان موساعد کے دوسرے ایجنٹ آئی زک کے ساتھ کمرے سے نکل گیا مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ مالی معاملات طے کرنے گئے ہیں لیکن در حقیقت انہوں نے دو سائنس دانوں کو کمرے میں تنہا چھوڑ دیا تھا تا کہ گولڈن سٹائن ایٹمی معاملات پر حلیم کی رائے حاصل کر سکے۔

گولڈن سٹائن نے اس سے پوچھا کہ وہ ایٹمی صنعت کے بارے میں اتنا کچھ کیسے جانتا ہے اپنی طرف سے تو اس نے اندھیرے میں تیر چلایا تھا لیکن حلیم نے جواب میں سب کچھ اُگل دیا۔

اگلے مرحلہ میں عراقی کو ایک ڈنر کی دعوت دی گئی اور پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق حلیم کو یہ بتایا گیا کہ ہم تو تیسری دُنیا کو پر امن مقاصد کے لئے ایٹمی بجلی گھر فراہم کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

آپ کا پلانٹ ہمارے لئے ایک عمدہ ماڈل بنا کر دے سکتا ہے۔ اگر آپ ہمیں پراجیکٹ کی تفصیلات بتا سکیں تو ہمارے دن پھر جائیں گے۔ آئی زک نے بات



جاری رکھتے ہوئے کہا۔

لیکن یہ بات صرف میرے اور تمہارے درمیان رہے گی۔ ہم ڈونو وان کو بھی اس کا پتا نہیں چلنے دیں گے۔ (ڈونو وان اس وقت تک طے شدہ پروگرام کے مطابق ڈنر میں موجود نہیں تھا) میرے تعلقات ہیں اور فنی مہارت تمہارے پاس ہے۔ ہمیں ڈونو وان کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

"ڈونو وان میرے ساتھ بہت اچھا جا رہا ہے اور پھر آپ تو جانتے ہیں یہ بہت خطرناک کام ہے۔"

حلیم بولا۔

"نہیں...... خطرے کی کوئی بات نہیں۔" آئزک نے بات بڑھاتے ہوئے کہا۔

"پلانٹ کی تفصیلات کے بارے میں تو تمہیں پہلے ہی معلوم ہوگا ہم تو اس معلومات کو ماڈل کے طور پر استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ اس طرح تمہیں بھی اچھی خاصی رقم مل جائے گی اور کسی کو پتل بھی نہیں چلے گا اس طرح تو دُنیا میں ہوتا رہتا ہے۔"

حلیم نے قدرے ہچکچاتے ہوئے پیش کش قبول کر لی۔ لیکن وہ ڈونو وان کے بغیر کسی معاملے میں ہاتھ ڈالنے سے گریز کر رہا تھا۔

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ تمہیں اپنے تمام معاہدوں سے آگاہ کر دیتا ہے چھوڑو اس بات کو، اس کو بھی کبھی پتا نہیں چلے گا۔ اس کے تم اچھے دوست رہو گے اور ہمارے ساتھ کاروبار کرو۔"

حلیم ان کے ساتھ کام کرنے پر تیار ہو گیا اب وہ موساعد کے پے رول پر تھا، وہ موساعد میں بھرتی ہو چکا تھا لیکن بہت سے دوسریافراد کی طرح وہ بھی ہمیشہ اس بات سے لاعلم رہا کہ وہ کس ایجنٹ بن چکا ہے۔



اگلے روز ٹیپوں کے سلسلے میں مدد کرنے پر ڈونوان نے حلیم کو آٹھ ہزار امریکی ڈالر ادا کر دیئے اور اسی روز کمرے میں اعلیٰ شراب اور عورت سے اس کا دل بہلایا گیا۔ اس کے ساتھ ہی عراقی خوشی خوشی پرائیویٹ جیٹ میں واپس پیرس چلا گیا۔ حلیم کو کسی پریشانی سے بچانے کے لئے ڈونوان کو منظر سے غائب کر دیا گیا تاہم اس نے لندن کا فون نمبر حلیم کے لئے چھوڑ دیا۔

دو دن بعد حلیم نے اپنے نئے کاروباری ساتھیوں سے پیرس میں ملاقات کی۔ آئی زک نے عراقی پلانٹ کی صلاحیت، تعمیر مکمل ہونے کا ٹائم ٹیبل اور اس کے دیگر محل وقوع کے بار میں دریافت کیا۔ انہوں نے حلیم کو ایک مخصوص قسم کا کاغذ دیا یہ کاغذ بغیر کسی مشین کے کوئی بھی دستاویز کاپی کرنے کے لئے استعمال ہوتا تھا۔

انہوں نے حلیم کو بتایا کہ یہ کاغذ عراقی پلانٹ کی دستاویز پر چند گھنٹے رکھنے سے اس پر فوٹو کاپی ہو جاتی ہے چونکہ انہوں نے حلیم کو ایک نیا کام سونپ دیا تھا اس لئے وہ اسے ہر مرحلہ پر اچھی خاصی رقم پیش کر دیتے تھے۔

دیگر جاسوسوں کی طرح حلیم بھی اتنا کچھ کرنے کے بعد قدرے پریشان ہو گیا۔ اس نے مدد کے لئے ڈونوان کا نمبر گھمایا جو اس وقت دفتر میں موجود نہ تھا تاہم بعد میں اس نے رنگ بیک کیا۔

"میں بہت پریشان ہوں لیکن میں یہ مسئلہ فون پر نہیں بتا سکتا مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔"

ڈونوان نے اسے ہر ممکن تعاون کا یقین دلایا اور کہا کہ میں دو روز بعد پیرس پہنچ رہا ہوں جہاں اپنے پرانے کمرے میں ملاقات ہوگی۔

"میرے ساتھ دھوکا ہوا ہے۔" حلیم چیخا۔

اس نے ایمسٹرڈیم میں جرمن کمپنی کے ساتھ ہونے والے خفیہ معاہدہ کی تفصیلات بتا دیں۔



"مجھے دکھ ہے تم میرے بڑے اچھے دوست ہو مگر مجھے بہت بڑی رقم کا جھانسا دیا گیا میری بیوی بھی مجھ سے مزید دولت کمانے کا تقاضا کرتی رہتی ہے اس لئے میں خود غرض ہو گیا میں بھی کتنا احمق ہوں مجھے معاف کر دو۔"

ڈونوان نے اس موقع پر اپنے آپ کو پرسکون ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"یہ تو کاروبار ہے۔" لیکن پھر اس نے اچانک کہا کہ ہو سکتا ہے کہ وہ امریکی سی۔ آئی۔ اے کے ایجنٹ ہوں، حلیم یہ سن کر بھونچکا رہ گیا۔

"میں نے تو انہیں ہر بات سے آگاہ کر دیا ہے لیکن وہ مجھ سے پھر بھی مزید تفصیلات مانگتے ہیں۔"

"مجھے کچھ سوچنے دو" ڈونوان نے کہا۔ "تم اطمینان رکھو ایسے کام اتنے خطرناک نہیں ہوتے جتنے نظر آتے ہیں۔" اس رات دونوں نے ڈنر اکٹھے کیا اور خوب شراب پی۔ بعد میں ڈونوان نے اس کا ایک اور "کانٹے" سے تعارف کراتے ہوئے کہا یہ تمہارے اعصاب درست کر دے گی پھر وہ قہقہہ لگاتے ہوئے کمرے سے نکل گیا اور یقیناً اس دوشیزہ نے حلیم کے اعصاب پرسکون کر دیئے۔

آپریشن کو پانچ ماہ ہو چکے تھے اس عرصے میں موساعد نے بہت بڑی کامیابیاں حاصل کر لی تھیں۔ انہیں عراقی پلانٹ کا بلیو پرنٹ بھی مل چکا تھا۔ سیف ہاؤس میں ایک گرما گرم بحث کے دوران یہ فیصلہ کیا گیا کہ وہ حلیم سے دوبارہ ملے اور اسے بتائے کہ وہ سی۔ آئی۔ اے کے چنگل میں پھنس چکا ہے۔

طے شدہ پروگرام کے مطابق جب ڈونوان نے حلیم کو سی۔ آئی۔ اے کا ایجنٹ بتایا تو وہ خوف کے مارے چیخ پڑا۔

"وہ تو مجھے پھانسی دے دیں گے۔"

"نہیں وہ تمہیں پھانسی نہیں دیں گے۔"

ڈونوان نے اپنی جیب سے ایک کاغذ نکالتے ہوئے کہا۔ "انہیں تو اب

صرف ایک بات کی ضرورت ہے کہ اگر فرانس افزودہ یورینیم کی بجائے عراق کو کیرامیل دینے کی پیش کش کرے تو اس کا ردِعمل کیا ہوگا۔ اس بات کا جواب مل جانے پر وہ تمہیں کبھی تنگ نہیں کریں گے وہ تمہیں نقصان ن ہیں پہنچانا چاہتے صرف معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔"

حلیم نے اسے بتایا کہ عراق افزودہ یورینیم چاہتا ہے بہرکیف کسی بھی صورتِ حال کا جائزہ لینے کے لئے مصری نژادہ سائنس دان یحییٰ المشہد چند روز میں یہاں پہنچنے والا ہے۔

"کیا وہ تم سے بھی ملے۔" ڈونووان نے پوچھا۔

بہت خوب پھر تو تمہیں اس بات کا پتا چل جائے گا اور تمہارے مسائل ختم ہو جائیں گے۔"

اب حلیم کے چہرے پر کھچاؤ میں کچھ کمی ہوگئی تھی۔ مطمئن ہونے کے بعد وہاں سے جانے کے لئے تیار ہوگیا اب چونکہ اس کے پاس کافی رقم جمع ہو چکی تھی اس لئے اس نے خود ایک داشتہ رکھ لی تھی۔

جو میری کلاس کی دوست تھی اس لڑکی سے میری ہی نے حلیم کا تعارف کرایا تھا۔ کیونکہ حلیم اس کو اپنی مستقل داشتہ بنانا چاہتا تھا لیکن میری نے اپنی سہیلی کا نام اسے دے دیا اس کام میں بھی موساعد ملوث تھی۔

ڈونووان نے حلیم سے کہا کہ وہ مشہد سے اس کی بھی ملاقات کروائے اس نے اس سے کہا کہ وہ مشہد کے ساتھ ڈنر کرے اور وہ خود "اتفاقیہ" طور پر وہاں پہنچ جائے گا۔

اسی شام کو ڈونووان کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب حلیم نے ایک آدمی کا تعارف کراتے ہوئے کہا یہ مشہد ہیں۔ مشہد نے محتاط انداز میں صرف ہیلو کہا۔ حلیم کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ مشہد کے ساتھ کیرامیل کے مسئلہ پر کیسے بات چھیڑے،



چنانچہ ڈونووان اگلی میز پر بیٹھا اور حلیم اپنے سائنس دان ساتھی کو ڈونووان کی اہمیت سے آگاہ کرتا رہا جس میں مشہد نے کوئی دلچسپی ظاہر نہ کی۔

اگلی رات کو حلیم نے ڈونووان کو بتایا کہ وہ مشہد سے کچھ حاصل کرنے میں ناکام ہوگیا ہے۔ جس پر ڈونووان نے حلیم سے کہا کہ وہ اگر سارسلز پلانٹ کی عراق شپمنٹس کے اوقات کار سے آگاہ کردے تو سی۔ آئی۔ اے مطمئن ہو کر یہ کیس ختم کردے گی۔ موساعد کو فرانسیسی حکومت میں کام کرنے والے ایک ایجنٹ نے بتایا کہ عراق نے کیرامیل کی خریداری مسترد کردی ہے لیکن مشہد چونکہ سارے پراجیکٹ کا انچارج تھا اس لئے اسرائیلی اسے بھی بھرتی کرنے کی کوشش کررہے تھے۔

انہی دنوں سمیرہ بھی عراق سے واپس آگئی اس نے حلیم میں بڑی تبدیلی محسوس کی وہ پہلے سے زیادہ رومانٹک ہوگیا تھا اسے ریستوران بھی لے جانے لگا تھا اور کار بھی خریدنا چاہ رہا تھا۔ حلیم نے اسے بتایا کہ ترقی کے باعث اس کی تنخواہ بڑھ گئی ہے۔

حلیم ایک ذہین سائنس دان ضرور تھا مگر اس میں دُنیاوی اُلجھنوں سے بچنے کی حس نہ تھی۔ ایک روز اس نے اپنی بیوی کو سی۔ آئی۔ اے کے ساتھ اپنے مسائل اور ڈونووان کے متعلق سب کچھ بتا دیا جسے سنتے ہی وہ سیخ پا ہوگئی اور اس نے غصے میں کہا کہ وہ یقیناً اسرائیلی ایجنٹ ہوں گے نہ کہ سی۔ آئی۔ اے۔

"امریکیوں کو اس بات کی کیا پرواہ ہے۔" وہ چلائی۔

"اسرائیلیوں اور میری ماں کی بے وقوف بیٹی کے علاوہ تم سے کوئی اور تو بات کرنا بھی پسند نہ کرے۔"

5 اپریل 1979ء کو میراج طیاروں کے پلانٹ دیسالت بریث سے انجن لے کر طولون کے قریبی قصبے کی طرف جا رہے تھے۔ انہوں نے اس بات کو بالکل محسوس نہ کیا کہ ان کے دو ٹرکوں کے ساتھ تیسرا ٹرک بھی شامل ہو چکا ہے۔ جس میں

پانچ اسرائیلی تخریب کاراور ایک ایٹمی سائنس دان موجود تھے۔ یہ تمام افراد سادہ لباس میں ملبوس تھے انہیں حلیم سے ملنے والی معلومات کی روشنی میں بھیجا گیا تھا۔ ایٹمی سائنس دان کو اس مقصد کے لئے خاص طور پر اسرائیل سے بلایا گیا تھا تا کہ عراقی ایٹمی پلانٹ کے اس حصے کا پتا چلایا جا سکے جہاں بمباری کرنے سے زیادہ سے زیادہ نقصان ہو۔

انہوں نے یہ بھی پتا کر لیا تھا کہ پلانٹ کے باہر موجود ایک گارڈ نیا نیا ڈیوٹی پر آیا ہے پھر بھی گارڈ کا دھیان عین اس وقت دوسری طرف ہو گیا جب ایک خوبصورت عورت کار سے ٹکرا گئی اور اس نے ڈرائیور کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔ جس سے ٹیم کو اندر جانے کا موقع مل گیا انہوں نے ری ایکٹر کے اہم مقامات پر پانچ بلاسٹک بم نصب کر دیئے۔

تخریب کاروں کی اس حرکت سے ری ایکٹر کے ساٹھ فیصد آلات نیست و نابود ہو گئے اس سے تقریباً 230 کروڑ ڈالر کا نقصان ہوا اور عراق کو ری ایکٹر کی فراہمی میں بھی کئی ماہ کی تاخیر ہو گئی۔ دھماکے کی آواز سن کر گارڈ متاثرہ حصے کی طرف لپکے جس کے ساتھ ہی ''حادثے'' والی کار بھی ایک دم غائب ہو گئی جبکہ زخمی عورت اور تخریب کار بھی گلیوں میں اِدھر اُدھر روپوش ہو گئے وہ اس کام کے ماہر تھے ان کا مشن مکمل طور پر کامیاب رہا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ ایک ایسی تنظیم نے جسے اس واقعہ کا قبل از وقت علم بھی نہ تھا، دھماکہ کی ذمہ داری قبول کر لی جو فرانسیسی پولیس نے مسترد کر دی پولیس نے چونکہ اس تخریب کاری کی تحقیقات کی خبرید شائع کرنے سے روک دیا تھا اس لئے اخباروں میں بھی طرح طرح کی قیاس آرائیاں بھی شائع ہونے لگیں۔ مثال کے طور پر ایک اخبار نے لکھا کہ یہ فلسطینیوں کی کارروائی ہے تو دوسرے نے اس کی ذمہ داری دائیں بازو کے انتہا پسندوں پر ڈالی۔ ہفت روزہ جریدے دی پوائنٹ نے اسے ایف۔ بی۔ آئی کی کارستانی قرار دی دوسروں نے موساعد کو ذمہ دار ٹھہرایا مگر



اسرائیلی حکومت کے ترجمان نے ان تمام الزامات کو بے بنیاد قرار دے کر مسترد کر دیا۔

اسی روز آدمی رات کے وقت حلیم اور سمیرہ جب ڈنر کھا کے گھر پہنچے تو انہوں نے موسیقی سننے کے لئے ریڈیو آن کر دیا مگر اسے دھماکہ کی خبر سنائیدی وہ حواس باختہ ہو گیا اور کمرے میں اِدھر اُدھر ٹہلنے لگا وہ اول فول بھی بک رہا تھا۔

''تمہیں کیا ہوا۔ کہیں پاگل تو نہیں ہو گئے۔'' سمیرہ چلائی۔

''انہوں نے ری ایکٹر کو تباہ کر دیا۔'' وہ چلایا۔ ''انہوں نے ری ایکٹر کو تباہ کر دیا اور اب وہ مجھے بھی اُڑا دیں گے۔''

اسی گھبراہٹ میں اس نے ڈونووان کو فون کیا تقریباً ایک گھنٹہ بعد ڈونووان نے رنگ بیک کیا۔

''احمد آدمی مطمئن رہو تم سے اس سلسلہ میں کوئی رابطہ نہیں کر سکتا کل رات کو میرے کمرے میں مجھ سے ملنا۔''

دوسرے روز جب حلیم اس سے ملنے گیا تو اس کا چہرہ خوفناک ہو گیا تھا وہ رات بھر سویا نہیں اور شیو بھی بڑھی ہوئی تھی خوف سے پورے جسم پر کپکپاہٹ طاری تھی۔

''اب تو عراقی مجھے پھانسی چڑھا دیں گے۔'' اس نے میری ہوئی آواز میں کہا۔

''ذرا سوچو کوئی تم سے اس بارے میں کیوں پوچھے گا۔ اس کا تم سے تعلق ہی کیا ہے۔'' ڈونووان نے جواب دیا۔

''یہ بڑی دہشت ناک بات ہے کیا یہ ممکن ہے کہ اس میں اسرائیلیوں کا ہاتھ ہو کیونکہ سمیرہ کہتی ہے کہ یہ اسرائیلیوں کی کارستانی ہے۔''

ڈونووان بولا ''حوصلہ رکھو تم کیا کہہ رہے ہو؟ جن لوگوں سے میرا تعلق ہے وہ ایسا کام نہیں کرتے میرے خیال میں یہ صنعتی رنجش کا نتیجہ ہے کیونکہ اس میدان میں

کافی مقابلہ ہے۔"

حلیم نے کہا کہ وہ عراق واپس جا رہا ہے اس کی بیوی کہتی ہے کہ میں نے فرانس میں بہت دن گزار لئے وہ ان لوگوں سے اب دور ہو جانا چاہتی ہے ڈونو وان نے اسے بھرتی کرنے کے موڈ میں کہا۔

"وہ تمہیں کافی معاوضہ دیں گے اور تمہارا تحفظ بھی کریں گے پلانٹ کے متعلق تم جو کچھ جانتے ہو وہ بھی اتنا کچھ جاننے میں خوشی محسوس کریں گے۔"

"نہیں میں ایسا نہیں کروں گا میں اب گھر واپس جا رہا ہوں۔" حلیم بولا اور اس نے ایسا ہی کیا۔



مشہد اب بھی اسرائیلیوں کے لئے مسئلہ بنا ہوا تھا چند ایک عرب سائنس دانوں کی طرح وہ بھی اتھارٹی کی حیثیت رکھتا تھا وہ عراق کے فوجی اور سویلین حکام کے کافی قریب تھا البتہ موساعد کو اب بھی یقین تھا کہ وہ اسے بھرتی کر لے گی۔ حلیم کی مدد کے باوجود کئی معاملات اب بھی حل طلب تھے۔

7 جون 1980ء کو مشہد نے دوبارہ پیرس کا دورہ کیا اس بار اس نے معاہدہ کے بارے میں چند حتمی فیصلوں کا بھی اعلان کیا۔ سارسلز پلانٹ کا دورہ کرتے ہوئے اس نے فرانسیسی سائنس دانوں کو کہا۔

"ہم عرب دُنیا کی تاریخ تبدیل کرنے والے ہیں۔"

اور اسی لئے اسرائیل ان سے خائف تھا اسرائیلیوں نے مشہد کو بھیجے جانے والے تمام ٹیلیکسوں کو بھی انٹرسپٹ کیا تھا جس سے انہیں مشہد کے دورے اور قیام کی تمام تفصیلات مل گئی تھیں۔ مشہد کے پہنچنے سے پہلے ہی انہوں نے مری ڑیان ہوٹل کے



کمرہ نمبر 9041 میں آواز سننے اور ٹیپ کرنے کے خفیہ آلات نصب کر دیئے تھے۔

ہیں یہ بھی پتا لگ گیا تھا کہ اس کے پاسپورٹ پر اس کا پیشہ لیکچرر شپ لکھا ہے اور وہ سکندریہ یونیورسٹی کے شعبہ ایٹمی انجینئرنگ سے منسلک ہے۔ مصرف اخبار کو انٹرویو یتے ہوئے اس کی بیوی نے بتایا کہ۔

"ایک بار جب وہ چھٹیاں گزارنے کے لئے قاہرہ جا رہے تھے تو اس چانک سارسلز سے فون آگیا کہ فوراً پہنچو جس پر میرے شوہر نے کہا کہ میں کیوں آؤں، میں کسی ماہر کو بھیج دیتا ہوں۔" بیوی نے بتایا کہ مشہد اس وقت سے کافی پریشان ہتے تھے وہ سوچ رہے تھے کہ فرانسیسی حکومت میں کوئی اسرائیلی ایجنٹ گھسا ہوا ہے جو سے جال میں پھنسانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اسرائیلی جانتے تھے کہ مشہد کو وہ حلیم کی لرح آسانی سے ہضم نہیں کر سکتے۔ اس لئے ان کے پاس دو ہی راستے رہ گئے کہ اس سے براہِ راست رابطہ کیا جائے اگر وہ مان جائے تو اُسے بھرتی کر لیا جائے اور اگر نہ انے تو پھر موت اس کا مقدر ہو گی یہ فیصلہ آر بیل کا تھا۔ اس فیصلے کے بعد عربی بولنے الے ایک ایجنٹ یہودہ گل کو مشہد کے گھر بھیجا گیا۔ جس نے دروازہ کھول کر اندر ھانکا جسے دیکھتے ہی مشہد دھاڑا۔ "تم کون ہو؟ اور کیا چاہتے ہو......؟"

"مجھے اس طاقت نے بھیجا ہے جو تمہارے چند جوابوں کے بدلے میں تمہیں منہ مانگی رقم دے سکتی ہے۔" گل نے کہا۔

"تم کتے کے بچے دفع ہو جاؤ یہاں سے ورنہ میں پولیس کو بلا لوں گا۔"

مشہد دھاڑا اسی روز گل کو اسرائیل بھیج دیا گیا تا کہ مشہد کے "مقدر" کا الزام اس کے سر نہ لگ سکے اور اس رات جب مشہد اپنے کمرے میں سو رہا تھا دو آدمی اس کے سویٹ میں داخل ہو گئے اور اس کا گلا کاٹ دیا۔

اگلی صبح خون میں لت پت لاش برآمد ہوئی اس سے پہلے بھی اس کی بیوی کئی مرتبہ ملنے آئی مگر دروازے پر "ڈونٹ ڈسٹرب" کا سائن لگا ہوا تھا جس کے باعث وہ

واپس چلی گئی مگر کافی دیر تک دروازہ نہ کھلنے کے باعث اس نے مایوس ہو کر دروازہ کھٹکھٹا دیا اندر سے کوئی جواب نہ ملنے پر پریشان ہوگئی اور دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوگئی جہاں خون میں لت پت لاش پڑی تھی۔

فرانسیسی پولیس کا کہنا تھا کہ یہ ایک پروفیشنل کام ہے کیونکہ قاتل پیسے یا دستاویزات لے کر نہیں گیا جبکہ باتھ روم میں ایک تولئے پر لپ اسٹک کے نشانات ملے۔

میری کو اس موت پر حیرت تھی کہ وہ تو رات کو اسے زندہ چھوڑ کر آئی تھی اور تولئے پر ملنے والے نشانات اسی کے لپ اسٹک کے تھے۔ کچھ تو اپنی جان بچانے کے لئے اور کچھ موت کے ڈر سے وہ پولیس اسٹیشن چلی گئی اور اپنی رپورٹ لکھوائی کہ جب وہ مشہد سے ملنے گئی تھی تو وہ خاصے غصے میں تھا وہ کہہ رہا تھا کہ کوئی آدمی اسے خریدنے کے لئے آیا ہے اس کے فوراً بعد جب 12 جولائی 1980ء کو رات کے وقت میری بلیوارڈ سینٹ جرمین میں اپنے پیشے کے سلسلے میں گئی ہوئی تھی تو ایک کالی مرسڈیز اس کے سامنے آکر رکی۔ اس میں سوار ڈرائیور نے اسے فرنٹ سیٹ پر بٹھالیا اور کوئی غیر معمولی بات نہ تھی باتوں باتوں میں اس نے دیکھا کہ ایک اور مرسڈیز کار تیزی سے سٹارٹ ہو کر آگے بڑھ رہی ہے اور اگلے ہی لمحہ اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے ڈرائیور نے اسے زور سے دھکا دے کر پیچھے سے تیزی سے آنے والی کار کے سامنے پھینک دیا اگلے ہی لمحے اس کی خون میں لت پت لاش سڑک پر پڑی تھی اور دونوں کاریں پیرس کی رنگین راتوں میں کھو گئیں۔





اگرچہ میری اور مشہد دونوں کے قتل میں موساعد کا ہاتھ تھا لیکن دونوں وارداتیں ڈرامائی حد تک مختلف تھیں۔ میری کے بارے میں قتل کی ہدایت تل ابیب کے صدر دفاتر نے دی تھی۔ کیونکہ پولیس سے اس کے راسطے موساعد کے لئے سنجیدہ مسائل کھڑے کر سکتے تھے۔ جبکہ مشہد کے قتل کی رسمی منظوری وزیراعظم اسرائیل نے دی تھی۔ کیونکہ اس کا نام "ایگزیکیوشن لسٹ" میں موجود تھا جس کی منظوری وزیراعظم سے لینا ضروری ہے۔ جبکہ میری کا قتل آپریشنل مجبوری کے تحت کیا گیا۔

ایگزیکیوشن لسٹ میں کوئی بھی نام شامل کرنے کی درخواست موساعد کے سربراہ وزیراعظم سے کرتے ہیں۔ مثلاً روم میں اسرائیل ایئر لائن کے دفتر پر حملہ ہوا جس میں کئی اطالوی شہری مارے گئے۔ موساعد کے مطابق اس دھماکے میں جبریل کا ہاتھ تھا۔

موساعد نے یہ نام وزیراعظم کو بھیج دیا اور وزیراعظم یہ نام خصوصی عدالتی کمیٹی کو بھیج دیں گے جو اسے لسٹ میں شامل کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرے گی۔ اس عدالتی کمیٹی سے اسرائیلی سپریم کورٹ بھی لاعلم ہے یہ کمیٹی فوجی کمیٹی کے طور پر کام کرتی ہے اور اس میں فوج، عدالت اور دیگر خفیہ ایجنسیوں کے اہلکار شامل ہوتے ہیں۔ یہ کمیٹی مختلف مقامات پر اپنے اجلاس مقرر کرتی ہے اور کسی کو اس کی عدم موجودگی میں سزائے موت دینے یا بری کرنے کا فیصلہ کرتی ہے۔ اس دوران دو ماہر قانون کی بھی خدمات حاصل کی جاتی ہیں۔ ایک ریاست کی نمائندگی کرتا ہے اور دوسرا ملزم کی۔ پھر شواہد اور بیانات کی روشنی میں فیصلہ ہوتا ہے۔ فیصلے دو طرح کے ہوتے ہیں یا تو ملزم کو مقدمہ کے لئے اسرائیل لایا جائے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو کم سے کم وقت میں قتل کر دیا جائے قتل کے احکامات پر وزیراعظم کے دستخط ہونا ضروری ہیں۔

7 جون 1981ء کی بات ہے اتوار کا دن تھا اور شام کے چار بج رہے تھے۔ دھوپ بھی کافی تیز تھی۔ اچانک فضا میں دو درجن کے قریب امریکی ایف 15 اور

ایف 16 طیاروں نے سیر شیبا کے مقام سے پرواز شروع کی۔ یہ درست نہیں کہ ان طیاروں نے علت کے مقام پر پرواز کی۔ کیونکہ ایسا کرنے کی صورت میں وہ اردنی ریڈار سسٹم کی زد میں آجاتے۔ مخالف ممالک کے اوپر سے پرواز کرتے ہوئے نوے (90) منٹ میں عراق کے نواحی علاقے تو ویدہ پہنچ گئے ان کے ساتھ اسرائیلی بوئنگ 707 ری فیولنگ ایئر کرافٹ بھی تھا بوئنگ کے اوپر پرواز کرنے کے باعث ایسا لگ رہا تھا جیسے یہ صرف ایک طیارہ ہے جو سویلین ہے اور سویلین روٹ پر جا رہا ہے یہ بوئنگ طیارہ بالکل عرب ممالک کے طیاروں جیسا لگ رہا تھا جو آئر لینڈ نے لیز پر دیتے تھے جبکہ بمبار طیاروں کی کوئی آواز نہ تھی یہ دُشمنوں کے ریڈار کو بھی جام کر سکتے تھے۔

عراقی حدود میں داخل ہو کر ان طیاروں نے فضا میں ہی پٹرول بھرا۔ ورنہ یہ پٹرول کے بغیر بخیر و عافیت واپس نہیں آسکتے تھے۔ پٹرول بھرتے ہی بوئنگ واپس چلا گیا اس کی حفاظت کے لئے دو لڑاکا طیارے بھی ساتھ آئے جنوب مغرب میں شام کی طرف سے ہوتے ہوئے یہ طیارہ قبرص میں اُتر گیا تاکہ سبھی اس کو معمول کی کمرشل پرواز سمجھیں۔ جبکہ بمبار طیارے بیر شیبا کے اڈے پر اُتر گئے۔

اسی دوران دیگر لڑاکا طیارے اپنی منزل کی طرف پہنچ گئے جن میں سائیڈ وِنڈر میزائل اور آئرن بم بھی نصب تھے اس کے علاوہ ان میں دو ہزار پونڈ "لیزر رائیڈنگ بم" بھی نصب تھے۔ حلیم سے ملنے والی معلومات کے باعث انہوں نے عین ٹھکانے پر حملہ کیا اس وقت وہاں علاقے میں ایک اسرائیلی بھی پہلے سے موجود تھا جو لڑاکا طیاروں کو ہدف کی طرف لے جانے کے لئے رہنمائی کے لئے طاقتور سگنل چھوڑ رہا تھا ہدف کو پہچاننے کے دو طریقے تھے یا تو آپ اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں مگر جب طیارہ نو سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے پرواز کر رہا ہو تو پھر آپ کو علاقے کے متعلق تمام معلومات حاصل کر لینا چاہئیں۔ مگر چونکہ اسرائیلی بغداد سے واقف نہیں تھے اس



لئے انہوں نے خود اپنے ملک میں ایسے پلانٹ کا ماڈل بنا کر اس پر بمباری کرنے کی پریکٹس کی۔ مزید احتیاط کے لئے ایک فرانسیسی کاریگر کو موساعد میں بھرتی کیا گیا تھا جس نے ایٹمی پلانٹ کے ساتھ ایک بریف کیس رکھ دیا تھا جس سے یہ طاقتور سگنل نکل رہے تھے۔ یہ فرانسیسی کاریگر وہ واحد آدمی تھا جو اس حملے میں ہلاک ہوا۔

ساڑھے چھ بجے کے قریب یہ طیارے بہت نیچی پرواز کر رہے تھے حتیٰ کہ پائلٹ کھیتوں میں کام کرنے والے کاشتکاروں کو بھی دیکھ سکتے تھے۔ ایٹمی پلانٹ کے قریب پہنچتے ہی وہ دو ہزار فٹ کی بلندی پر پہنچ گئے۔ انہوں نے اتنی تیزی سے اونچی پرواز کی کہ اینٹی ایئر کرافٹ گن چلانے والے عراقی سورج کی دُھوپ سے "اندھے" ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی طیاروں نے بمباری کرنے کے فوراً بعد نیچی پرواز شروع کر دی اتنے کم وقت میں عراقی اینٹی ایئر کرافٹ گنوں کی کچھ گولیاں ہی اِدھر اُدھر مار سکے۔ انہوں نے نہ تو کوئی سام میزائل چھوڑا اور نہ ہی ان کا پیچھا کرنے کے لئے کوئی طیارہ فضا میں بلند ہوا واپسی میں یہ طیارے اردن کے اوپر سے پرواز کرتے ہوئے اسرائیل پہنچ گئے۔

اس طرح صدام حسین کا ایٹمی طاقت بننے کا خواب اُدھورا رہ گیا۔ اس پلانٹ کے علاوہ اس سے منسلک دو اہم عمارتیں بھی بری طرح تباہ ہو گئیں۔ اس پورے حملہ کے بعد میں وڈیو ٹیپ اسرائیلی پارلیمانی کمیٹی کو دکھائی گئی یہ وڈیو ٹیپ اسرائیلی پائلٹوں نے تیار کی تھی۔

پہلے پہل بیگن نے فیصلہ کیا تھا کہ حملہ اپریل کے آخر میں کیا جائے۔ اس وقت موساعد نے رپورٹ دی تھی کہ ری ایکٹر کیم جولائی کو کام شروع کر دے گا یہ حملہ صرف اس لئے ملتوی کر دیا گیا کہ بعض اخباروں کو اس کی کچھ خبر ہو گئی تھی۔ سابق وزیر دفاع از یروائز مین نے اپنے دوستوں کو بتایا تھا کہ بیگن "ایکشن سے قبل ایک مہم جو یانہ آپریشن کی تیاری کر رہے ہیں۔" حملے کی دوسری تاریخ 10 مئی مقرر کی گئی یہ

تاریخ بھی لیبر پارٹی کے لیڈر شمون پیرز کے ایک خفیہ اور ذاتی نوٹ کے بعد ملتوی کر دی گئی۔ شمون نے وزیر اعظم کو لکھا تھا کہ وہ حملے سے باز رہے کیونکہ موساعد کی رپورٹیں غیر حقیقی ہیں۔

انہوں نے یہ بھی لکھا تھا کہ حملے سے اسرائیل ''صحرا میں ایک درخت کی مانند اکیلا رہ جائے گا۔''

ٹیک آف کرنے کے صرف تین گھنٹے بعد ایف 15 اور ایف 16 طیارے اپنی منزل پر واپس پہنچ گئے۔ وزیر اعظم بیگن حملے کی خبر کے منتظر تھے وہ اپنی رہائش گاہ پر پوری کابینہ کے ساتھ کسی اچھی خبر کا سنجیدگی سے انتظار کر رہے تھے ابھی شام کے سات بھی نہیں بجے تھے کہ اسرائیلی فوج کے کمانڈر انچیف جنرل رافیل نے بیگن کو فون پر بتایا۔ ''مشن کامیابی سے مکمل کر لیا گیا ہے۔''

(بحوالہ مصنف وکٹر آسٹرووسکی، کلیئر ہوئے۔ By Way of Decption)





# موساعد اور سی۔آئی۔اے

یوں تو ساری دُنیا یہ بات جانتی ہے کہ امریکہ اور اسرائیل کے تعلقات بہت مثالی ہیں۔ خصوصاً مشرق وسطیٰ میں موساعد اور سی۔آئی۔اے نے مل کر کئی مشترکہ آپریشن کئے اور یہ بھی کہ دونوں ایجنسیاں خصوصاً مڈل ایسٹ میں ایک دوسرے سے بے حد تعاون کرتی ہیں۔

امریکنوں کو اس بات کی اُمید کبھی نہیں رہی کہ ''موساعد'' ان کی جڑوں میں بھی بیٹھ جائے گی لیکن جس تنظیم کی بنیاد ہی ''دھوکہ دینے'' پر رکھی گئی ہے اس کے نزدیک کوئی بھی انسانی اخلاقیات یا ضابطہ کیا اہمیت رکھتا ہے۔ امریکنوں کی آنکھیں 1985ء میں اس وقت کھلیں جب ''موساعد'' کے دو یہودی ایجنٹ جوناتھ جے پولر اور اس کی بیوی اپنی ہینڈرسن رنگے ہاتھوں پکڑے گئے۔

دونوں کافی عرصے سے امریکہ میں سرگرم عمل تھے اور امریکی افواج کے نہایت اہم راز بڑی کامیابی سے اسرائیل پہنچائے جا رہے تھے۔ ایف۔بی۔آئی کے ایجنٹ جب انہیں گرفتار کرنے پہنچے تو دونوں نے بھاگ کر اسرائیلی سفارت خانے میں پناہ حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن ان حالات میں اسرائیل کے لئے انہیں پناہ دینا یا اپنے ایجنٹ تسلیم کرنا کیسے ممکن تھا۔

نومبر 1985ء کے آخر میں واشنگٹن کے اسرائیلی سفارت خانے میں سیاسی پناہ حاصل کرنے میں ناکامی کے بعد 31 سالہ جوناتھن جے پولرا پنی 25 سالہ بیوی اینی ہینڈرسن کے ساتھ گرفتار ہوگیا تو پھر یہ پریشان کن اور دھماکہ خیز سوال سامنے آیا۔ ”کیا امریکہ میں بھی موساد نہایت سرگرمی سے جاسوسی کررہی ہے۔؟“

سرکاری طور پر تو موساد اس سوال کا جواب ہزاروں مرتبہ نفی میں دے چکی ہے۔ لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے اگر جاسوسی نہیں کی جاتی تو پھر پولرڈ کے اقدامات کی وضاحت کیسے کریں گے اسے 1984ء کے بعد سے ہر ماہ اسرائیلی وزارتِ دفاع کے سائنسی امور کے رابطہ بیورو (Lakam) سے اڑھائی ہزار ڈالر ماہانہ مل رہے تھے۔ اس کے بدلہ میں پولرڈ باقاعدگی سے خفیہ دستاویزات اسرائیلی سفارت خانے کے سیکرٹری اریت عرب کے گھر بھجوا رہا تھا۔ اس وقت اس ادارے ”لکم“ کا سربراہ رافیل تھا۔ جس نے بظاہر تو پولرڈ سے کسی قسم کے رابطے کی تردید کی۔ مگر وہ (پولرڈ) موساد کے سابق ایجنٹ تھے جو 1960ء میں ارجنٹینا سے ایلڈوف کے اغوا میں حصہ لے چکے تھے وہ یہودی تھا اور امریکی انٹیلی جنس سپورٹ سینٹر میں تحقیق کے کام سے منسلک تھا یہ مرکز واشنگٹن کے قریب میری لینڈ میں واقع ہے اور یہ بحریہ کی ایک تحقیقی سروس ہے۔

1984ء میں پولرڈ کو این۔ آئی۔ ایس کے Threat Analysis Division میں بھیج دیا گیا۔ اس پر اس کو سیکورٹی کے حکام کئی مرتبہ وارننگ دے چکے تھے کہ وہ جنوبی افریقہ کے فوجی اتاشی کو خفیہ معلومات نہ پہنچایا کرے۔ مگر اس کے ذریعے سے اس کی رسائی مزید خفیہ معلومات تک ہوگئی۔ لیکن اس بات کا بھی جلد ہی پتہ چل گیا کہ پولرڈ تمام خفیہ معلومات اسرائیلیوں کو پہنچارہا ہے۔

ایف۔ بی۔ آئی کی تحقیق کے دوران اس نے اسرائیلی رابطوں کا اعتراف بھی کر لیا ایک روز اسے عین اس وقت حراست میں لے لیا گیا جب وہ اسرائیلی



سفارت خانے سے واپس آرہا تھا۔ اس نے اپنی بیوی کے ساتھ سفارت خانے میں سیاسی پناہ حاصل کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ برہم ہو کر امریکی وزیر خارجہ جارج شلز نے بیت المقدس کے وقت کے مطابق یکم دسمبر کو صبح 3.30 پر اسرائیلی وزیر اعظم کو فون کیا۔ انہوں نے سارے معاملے کی وضاحت چاہی لکم نامی یہ ادارہ شمعون نے اس وقت خود قائم کیا تھا جب وہ 1960ء کی دہائی میں نائب وزیر دفاع تھے۔

انہوں نے جارج شلز سے معذرت کرتے ہوئے کہا...... ”امریکہ کے خلاف جاسوسی ہمارے مؤقف کے صریحاً خلاف ہے مگر چونکہ ایسا ہوا ہے اس لئے اس میں ملوث تمام اہل کاروں کے خلاف سخت کارروائی کی جائے گی ان کا احتساب ہوگا اور متعلقہ یونٹ کو مکمل طور پر بند کر دیا جائے گا ضروری تنظیمی اصلاحات کی جائیں گی تاکہ آئندہ ایسا نہ ہوسکے۔“ ان وعدوں کے باوجود انہوں نے صرف یہ تبدیلی کی کہ ایک تو ایڈریس تبدیل کر دیا اور دوسرے لکم نامی اس ادارے کو وزارت خارجہ کے ماتحت کر دیا۔

شمعون نے جو کچھ جارج شلز سے کہا تھا وہ اس پر عمل نہیں کرنا چاہتے البتہ اس سے امریکی وزیر خارجہ مطمئن ضرور ہوگئے۔ سی۔ آئی۔ اے کے سابقہ ڈائریکٹر رچرڈ ہلمز نے کہا۔

”یہ کوئی نئی بات نہیں کہ دوست ملک ایک دوسرے کی جاسوسی کرا لیتے ہیں تم جو کچھ کر سکتے ہو کرو۔“

پولرڈ کو جیل بھیجنے کے بعد امریکہ بھی مطمئن ہوگیا بعد ازاں جارج شلز نے اخباری نمائندوں کو بتایا۔

”میں اسرائیلی معذرت اور وضاحت سے مطمئن ہوں۔“

اس طرح کچھ دیر تک اسرائیل کے خلاف تند و تیز بحث کے بعد یہ معاملہ اپنی موت آپ مرگیا۔ البتہ پولرڈ کے سٹیشن کے بارے میں خدشات ضرور قائم رہے تاہم

سی۔آئی۔اے کا خیال تھا کہ موساعد امریکہ میں رابطہ افسر کے علاوہ اور کوئی سرگرمی نہیں دکھا رہی تھی حقیقتاً وہ غلطی پر تھے پولرڈ موساعد نہیں تھا۔

موساعد کے متعدد اہل کار وہاں نہایت سرگرمی سے جاسوسی میں مصروف تھے وہ بالخصوص نیویارک اور واشنگٹن میں انسداد دہشت گردی کے خلاف عملی اقدامات بھی کر رہے تھے۔ان کا تعلق موساعد کے نہایت خفیہ اور خصوصی شعبہ سے تھا جس کا نام صف ''آل'' رکھا گیا تھا۔عبرانی میں اس کا مطلب بالاتر ہے اس یونٹ کو اتنا خفیہ رکھا گیا تھا کہ موساعد کے ملازمین کی اکثریت بھی اس سے لاعلم تھی۔اس کی فائلیں بھی ان کے کمپیوٹر پر نظر نہیں آتی تھیں۔اس کے ملازمین کی تعداد 24 سے 27 تک تھی جو ہر فیلڈ کے ماہر تھے۔ان کی اکثریت امریکی سرحدوں کے نام سرگرم تھی۔ان کا بنیادی کام یہ تھا کہ وہ عرب دُنیا اور پی۔ایل۔او کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔جو امریکی سرگرمیوں کے متعلق اطلاعات حاصل کرنے سے مختلف کام ہے۔مگر اکثر یہ دونوں معاملات اتنے گڈمڈ ہوتے ہیں کہ آل کو کوئی شک دور کرنے کے لئے اس حد سے بھی آگے بڑھنا پڑتا ہے۔مثلاً کوئی سینٹر اسلحہ کمیٹی کا ممبر ہے۔اس کے دفتر میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ موساعد کے لئے اہم ہوگا۔

اس طرح اگر وہ یہودی ہے تو وہ موساعد کو معلومات فراہم کرے گا اور اگر یہودی نہیں تو اسے ایجنٹ کے طور پر بھرتی کر لیا جائے گا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ایک دوست کے طور پر کام کرے۔اس سلسلہ میں کاک ٹیل پارٹیوں کی بڑی اہمیت ہے۔اس حلقہ میں کسی اور شخص کو شامل کر کے کچھ حاصل کر لینے میں کوئی مشکل نہیں۔آپ کو یاد ہوگا کہ میکڈونل ڈگلس امریکی طیارے سعودی عرب کو بیچنا چاہتے تھے اس کیا یہ امریکی مسئلہ ہے یا اسرائیلی۔





جنوری 1986ء میں آل نے طیارے بنانے والی ایک بڑی فرم کی تحقیقی دستاویزات چوری کروالیں۔یہ امریکی فرم 258 کروڑ ڈالر کے آلات امریکہ کو فراہم کرنا چاہتی تھی۔تمام دستاویزات کی مدد سے اسرائیل نے کم مالیت کا ٹینڈر تیار کر کے امریکہ کو بھیج دیا۔اس طرح ٹھیکہ مل گیا جس کے بعد اس نے میری لینڈ کی ایک فرم سے پارٹنر شپ کر لی۔

تنظیمی اعتبار سے ''سومت'' سے ملتی جلتی ہے تاہم ''آل'' موساعد کے سربراہ کو رپورٹیں بھیجتی ہے۔موساعد کی دیگر تنظیموں کے برعکس یہ اسرائیلی سفارت خانے کے اندر کام نہیں کرتی۔اس کے مراکز سیف ہاؤسز یا اپارٹمنٹس میں قائم ہیں۔

''آل'' کے تین آدمی مل کر ایک یونٹ یا مرکز تشکیل دیتے ہیں۔میں اس کی وضاحت یوں کروں گا کہ اگر بعض وجوہات کی بنا پر کل کو برطانیہ اور اسرائیل کے تعلقات ختم ہو جاتے ہیں تو پھر موساعد کو بھی ملک چھوڑنا پڑے گا۔اس کے اگلے روز ''آل'' کی ٹیم بھیج کر لندن میں اپنا مکمل ڈھانچہ قائم کر سکتے ہیں۔کیونکہ آل کے لوگ دوسرے تمام اداروں سے زیادہ تربیت یافتہ ہیں۔لیکن سفارت خانے کے ذریعے سے کام نہ کرنے کے باعث مشکلات رونما ہوتی ہیں۔خاص طور پر رابطے میں دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اگر ''آل'' کا کوئی آدمی امریکہ میں پکڑا جائے تو اسے جاسوس کے طور پر جیل بھی بھیج دیا جاتا ہے۔

اسے کوئی سفارتی پناہ بھی نہیں ملتی۔اس کے برعکس موساعد کے دیگر شعبوں کے لوگوں کو جو زیادہ سے زیادہ سزا مل سکتی ہے وہ ملک بدری ہے۔

امریکہ میں آل کا دفتر انٹرنیشنل ڈرائیو کے قریب ایک شاپنگ سنٹر میں واقع ہے۔اس کے ارد گرد کوئی خاص چیز تو موجود نہیں البتہ کچھ فاصلے پر پہاڑی کے ذرا اوپر اردنی سفارت خانہ قائم ہے۔اس سے ذرا اوپر اسرائیلی سفارت خانہ ہے اس طرح یہ جگہ ان سرگرمیوں کے لئے مناسب نہیں۔افواہوں کے برعکس روس میں موساعد کا

کوئی مرکز نہیں۔ سوویت یونین اور مشرقی بلاک کے متعلق 99.99 فیصد معلومات یہاں سے آنے والے یہودیوں کو انٹرویو کرنے سے حاصل ہوتی تھیں۔ جس سے وہاں کے حالات کی اچھی تصویر کشی ہو جاتی، ورنہ سوویت یونین میں کام کرنا نہایت خطرناک تھا تاہم واحد کام یہ ہو سکتا تھا کہ وہاں سے نکلنے میں مدد دینے کے لئے فرار کے راستے بنائے جائیں یہ کام موساعد کے تعاون سے ایک اور تنظیم کرتی تھی جس کا نام ''نیتو'' ہے عبرانی زبان میں اس کا مطلب ہے۔ راستہ۔

آل کا دفتر اتنے فاصلے پر اس لئے قائم کیا گیا ہے تاکہ امریکی حکام کو ذرا بھی شک نہ ہو سکے۔ اسرائیل معلومات بھجوانے کے لئے کمپیوٹر، ٹیلی فون اور ٹیلکس کا سہارا لیتے ہیں۔ آل کے اہل کارپوری تنظیم میں وہ واحد لوگ ہوتے ہیں جنہیں امریکی پاسپورٹ استعمال کرنے کی ہدایت دی جاتی ہے یہ دو بنیادی قواعد کی خلاف ورزی کرتے ہیں ایک تو یہ ہدف ملک میں کام کر رہے ہوتے ہیں اور دوسرے وہ اسی ملک کے شہری کا لبادہ بھی اوڑھ لیتے ہیں۔ جبکہ اُصول یہ ہے کہ اگر آپ نے انگلستان میں کام کرنا ہے تو کبھی اپنے آپ کو انگریز ظاہر نہ کریں۔ اس طرح مقامی باشندوں کے لئے آپ کی دستاویزات کی پڑتال میں بہت آسانی ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر آپ برطانیہ کے کانسٹیبل کو فرانس کا ڈرائیونگ لائسنس تھما دیں تو اسے اس بات کا پتہ چلانے میں مشکل ہوگی کہ اس ڈرائیونگ لائسنس کی مدت ہے یا ختم ہوگئی ہے۔



ستمبر 1978ء میں صدر کارٹر، مصری صدر انور سادات اور اسرائیلی وزیر اعظم بیگن کے مابین کیمپ ڈیوڈ معاہدہ کرنے میں کامیاب ہوگئے اس معاہدے کو سبوتاژ کرنے کے لئے موساعد نے قدم قدم پر رکاوٹیں کھڑی کیں۔ معاہدہ جس



شکل میں ہوا اس نے اکثر عرب ممالک کو ہلا کر رکھ دیا یہ ممالک سادات پر بہت برہم ہوئے جبکہ بیگن نے بھی کیمپ ڈیوڈ سے نکلنے کے ساتھ ہی اس کے مختلف پہلوؤں کو ہدف تنقید بنانا شروع کر دیا۔

امریکی وزیر خارجہ سائرس وانس کو معاہدے پر دستخط کرنے کے سلسلہ میں عین وقت پر کیمپ ڈیوڈ بھیجا گیا۔ اس سلسلے میں آخری تاریخ 17 دسمبر مقرر کی گئی۔ مگر بیگن مذاکرات میں سنجیدہ نہیں تھے۔ انہوں نے آخری وقت پر سنجیدگی سے مذاکرات کرنے سے انکار کر دیا۔ جس سے امریکہ اور اسرائیل عدم اعتماد کی فضا پیدا ہوگئی۔

1979ء کے اوائل میں بیگن نے وزیر خارجہ موشے دیان کو برسلز بھیجا تاکہ وہ وہاں امریکی وزیر خارجہ سائرنس وانس اور مصری وزیر اعظم مصطفیٰ خلیل سے مذاکرات کریں اور کیمپ ڈیوڈ معاہدے کے سلسلے میں تعطل کو دور کریں اس کے ساتھ ہی بیگن نے واشگاف الفاظ میں اعلان کیا کہ موشے دیان صرف ''کب'' کیسے اور کہاں کے سلسلے میں مذاکرات کر سکتے ہیں۔

دسمبر 1978ء کے اواخر میں منتخب ارکان نے 66 کے مقابلے میں 6 ووٹوں سے بیگن کے واشنگٹن اور قاہرہ کے بارے میں سخت مؤقف کی حمایت کر دی۔ منتخب ارکان کا یہ موڈ سمجھتے ہی اسرائیل نے سینائی سے اپنی فوجوں کی واپسی کا منصوبہ ترک کر دیا جو امن مذاکرات کے نتیجے میں طے پایا تھا۔ اسرائیل نے لبنان میں فلسطینی کیمپوں پر حملے بھی تیز کر دیئے اسے فلوریڈا سے ڈیموکریٹ رچرڈ سٹون نے بھی نامناسب رویہ قرار دیا رچرڈ سٹون مشرقِ قریب اور جنوبی ایشیائی امور کے متعلق سینٹ کی سب کمیٹی کے سربراہ تھے۔ منتخب ارکان کی ووٹنگ کے بعد بیگن نے امریکہ میں یہودی لیڈروں کو فون کئے انہوں نے یہودی رہنماؤں اور اسرائیل نواز گروپوں پر دباؤ ڈالا کہ وہ اس سلسلے میں وائٹ ہاؤس اور کانگریس کو خطوط اور ٹیلی گرام دینے کی مہم شروع کرے۔

33 یہودی دانشوروں نے ماضی میں اسرائیلی وزیر اعظم بیگن کے بے لچک

رویئے کی مذمت کی۔ لیکن انہوں نے کارٹر کو ایک خط لکھ مارا جس میں قاہرہ کے لئے واشنگٹن کی حمایت کو ناقابل قبول قرار دیا۔ فروری 1979ء میں امریکہ نے امن مذاکرات کی کامیابی کی توقع رکھتے ہوئے دوبارہ مذاکرات شروع کردیئے۔ امریکی حکام نے اسرائیل اور مصر سے کہا کہ وہ کیمپ ڈیوڈ میں سائرس وانس سے مذاکرات کریں۔ جب پر فریقین راضی ہوگئے البتہ اسرائیلی امریکی محکمہ خارجہ کی انسانی حقوق سے متعلق اس رپورٹ پر سخت نالاں تھے جس میں مغربی کنارے اور غزہ کی پٹی میں عربوں کے ساتھ ''منظم'' ناروا سلوک کی مذمت کی گئی تھی یہ رپورٹ کانگریس میں پیش کی گئی تھی واشنگٹن پوسٹ میں یہ رپورٹ شائع ہونے سے دو ہفتے قبل اسرائیلی ٹینک مغربی کنارے پر واقع فلسطینی دیہات میں داخل ہوگئے جہاں انہوں نے عربوں کے چار مکانات نیست و نابود کردیئے اسرائیلی حکومت نے وہاں ایک اور چوکی بھی قائم کر لی۔ اس طرح 6,92 لاکھ فلسطینیوں کے درمیان صرف 5 ہزار یہودی رہائش پذیر تھے اور وہ انہی پر حکومت بھی کر رہے تھے۔ بحران اپنے عروج پر تھا امریکی صدر کارٹر نے مارچ میں قاہرہ اور بیت المقدس کا چھ روزہ دورہ کیا اگرچہ حالات خاصے نامساعد تھے مگر پھر بھی وہ آپس میں نفرت رکھنے والی دو قوموں کو امن کی خاطر قریب لانے میں کامیاب ہوگئے اور انہوں نے ان کے درمیان ایک تحریری معاہدہ کروادیا۔ انہیں اس کی قیمت 5 ارب ڈالر ادا کرنا پڑی۔ جو انہوں نے خصوصی امداد کے طور پر مصر اور اسرائیل کو دیئے۔ اس معاہدے کے درمیان میں دو بڑی رکاوٹیں موجود تھیں ایک تو سینائی میں واقع تیل کے بڑے ذخائر اسرائیل کے لئے بڑی اہمیت کے حامل تھے کیونکہ اس کو تیل کی شدید ضرورت تھی اور دوسرے فلسطینیوں کی خود مختاری کا مسئلہ۔

مئی 1979ء میں صدر کارٹر نے ڈیموکریٹک نیشنل کمیٹی کے چیئرمین اور ٹیکساس سے منتخب رکن رابرٹ ایس سٹراس کو ''سپر سفیر'' بنا کر بھیجا امن کا یہ دوسرا مرحلہ تھا۔ اسرائیل نے اگرچہ معاہدے کی منظوری دے دی تھی لیکن اس نے لبنان میں



پی۔ ایل۔ او کے ٹھکانوں پر حملے جاری رکھے۔ بیگن کی کابینہ میں سے آٹھ میں سے پانچ ارکان نے مقبوضہ مغربی کنارے میں ایک اور یہودی بستی بنانے کی منظوری دی۔

اس اقدام کے باعث امریکہ میں آباد 59 نامور یہودیوں نے بیگن کو ایک کھلا خط لکھا جس میں انہوں نے عربوں کی ان گنجان آباد علاقوں میں نئی یہودی بستیاں قائم کرنے پر سخت تنقید کی۔ اسی دوران بیگن کو ہارٹ اٹیک ہوگیا اور موشے دیان پر انکشاف ہوا کہ انہیں تو کینسر ہے اس سے معاملات مزید پیچیدہ ہوگئے۔

اسرائیل کے اندر افراط زر سو فیصد تک پہنچ گیا تھا ادائیگیوں کے توازن کا خسارہ 4 ارب ڈالر ہو رہا تھا اور کل غیر ملکی قرضے صرف 5 سال کے اندر دگنے ہوگئے ان کی مالیت 13 ارب ڈالر تھی اس معاشی بحران نے اندرون ملک سیاسی بحران کو جنم دیا دوسری طرف سادات اور کارٹر نے اسرائیل پر دباؤ ڈالنا شروع کیا کہ وہ فلسطینیوں کے لئے پہلے ہی ایک آزاد ریاست کے قیام کے حامی تھے۔ لیکن اسرائیلی اپنی سرحد کے ساتھ ایک مخالف ملک کے قیام کو کیسے برداشت کرسکتے تھے اور وہ بھی ایسی ریاست جس کے سربراہ پی۔ ایل۔ او کے صدر یاسر عرفات ہوں۔ اسرائیل کو خدشہ تھا کہ عربوں کے تیل پر انحصار کرنے کے باعث امریکی ترجیحات بھی عربوں کے مفادات کی ترجمانی کر رہی تھیں۔

بیگن کی بیماری کے دوران موشے دیان حکومت چلانے کی کوشش کر رہے تھے انہوں نے اگست میں امریکہ کو وارننگ دیتے ہوئے کہا کہ وہ پی۔ ایل۔ او کو تسلیم کرلے یا مغربی کنارے اور غزہ میں کلی طور پر آزاد فلسطینی ریاست کے قیام کو تقویت دینے سے باز رہے۔ اس کا فیصلہ اسرائیلی کابینہ کے گرما گرم اجلاس میں ہوا جو تقریباً 5 گھنٹے جاری رہا اور جس میں امریکہ کو یہ تنبیہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا کہ وہ اپنے سابقہ وعدوں سے پھرنے کی کوشش نہ کرے۔ انہوں نے خصوصی طور پر امریکہ کی توجہ 1967ء میں منظور کی جانے والی اقوام متحدہ کی قرارداد 242 کی طرف دلائی۔ جس

میں اسرائیل کے قیام کے حق کو تسلیم کیا گیا تھا۔ امریکہ نے یہ وعدہ بھی کیا تھا کہ اس قرارداد میں عرب ممالک کی طرف سے کسی بھی قسم کی تبدیلی کی کوشش کو امریکہ ویٹو کر دے گا۔ انہوں نے یہ وارننگ بھی دی کہ اگر امریکیوں نے پی۔ ایل۔ او سے تعلقات استوار کرنے کے لئے زیادہ دباؤ ڈالا تو وہ مذاکرات ترک کر دیں گے۔



اسرائیلی اس بات پر بڑے برہم تھے کہ موسمِ گرما میں سعودی عرب، کویت اور پی۔ ایل۔ او نے کوششیں کر کے حالات کا رُخ اپنے مفادات کے حق میں موڑ لیا تھا۔ اس کا آغاز اس وقت ہوا جب امریکہ میں گیس کی شدید قلت کو کم کرنے کے لئے سعودی عرب نے جولائی میں اپنے تیل کی پیداوار دس لاکھ بیرل یومیہ تک بڑھا دی۔ جبکہ پی۔ ایل۔ او نے بھی مصالحانہ رویہ اختیار کیا یا کم از کم عوام میں اس نے ایسا ہی ظاہر کیا تا کہ مغرب میں اپنے تاثر کو تبدیل کیا جا سکے ادھر کویتی سفارت کاروں نے اقوامِ متحدہ میں پیش کرنے کے لئے ایک اور قرارداد کا مسودہ تیار کرنا شروع کیا جس سے اسرائیل کے قیام پر زد پڑتی تھی۔

اس کا مقصد قرارداد نمبر 242 میں تبدیلی کرنا تھا تا کہ فلسطینیوں کے حق خود اختیاری کو تسلیم کیا جا سکے۔ اس منصوبے کا آغاز جون میں شہزادہ فہد اور یاسر عرفات کے مابین مذاکرات کے ساتھ ہوا۔ ریاض میں مذاکرات کے دوران شہزادہ فہد نے یاسر عرفات کو ترغیب دی کہ وہ امریکہ سے اپنے تعلقات کو بہتر بنائے۔ کویت کو بیچ میں اس لئے ڈالا گیا کہ اقوامِ متحدہ میں اس کے سفیر عبداللہ یاقوت بشارا بڑے احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

اسرائیل کو ٹھنڈا کرنے کے لئے امریکہ نے واشگاف الفاظ میں کہہ دیا کہ وہ



فلسطینیوں کی آزادی سے متعلق کسی بھی مسودے کو مسترد کر دے گا تاہم اس نے اس امکان کو مسترد نہیں کیا کہ وہ فلسطینیوں کے جائز سیاسی حقوق والی قرارداد کے متعلق نرم رویہ اختیار کر سکتا ہے تا کہ قرارداد 242 کی زبان کو کیمپ ڈیوڈ معاہدوں سے ہم آہنگ کیا جا سکے چنانچہ جب ماؤنٹ کارمل ہوٹل میں مذاکرات کے بعد مصری وزیر اعظم مصطفیٰ خلیل نے اعلان کیا کہ وہ فلسطینیوں کے حقوق سے متعلق اقوامِ متحدہ کی قرارداد کی حمایت کرے گا تو اسرائیلی وزیر انصاف شموئیل نے اسے امن مذاکرات کے منافی قرار دیا۔ انہوں نے الزام لگایا کہ اس مصری رویہ سے پورے امن مذاکرات خطرے میں پڑ رہے ہیں۔ لازمی طور پر موساعد بھی گرد و پیش کے حالات کے متعلق متفکر تھی بالخصوص اندرونِ ملک وزیر دفاع وائزمین کی بڑھتی ہوئی طاقت پر اسے تشویش تھی۔

موساعد کو اسرائیلی وزیر دفاع پر اعتماد نہیں تھا اگرچہ وہ چھ روزہ جنگ کے دوران نہایت پر جوش کردار ادا کر چکے تھے۔ لیکن پھر بھی وہ اسے عربوں سے محبت کرنے والا غدار بھی سمجھتے تھے۔ یہ مضحکہ خیز بات تھی وزیر دفاع ہونے کے باوجود کوئی بھی اہم مگر خفیہ راز ان تک نہ پہنچایا جاتا شاید اس لئے کہ وہ آزاد خیال آدمی تھے وہ ایک نکتہ پر تو آپ سے متفق ہو جائیں گے مگر ہو سکتا ہے کہ کسی اور معاملہ پر وہ آپ کی مکمل طور پر مخالفت کریں۔

انہوں نے کبھی پارٹی لائن کے سامنے سر نہیں جھکایا انہوں نے وہی کچھ کیا جو صحیح سمجھا۔ اس طرح کے آدمی بہت خطرناک ہوتے ہیں کیونکہ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کب کیا قدم اُٹھائیں۔ لیکن وائزمین نے ان تمام خدشات کو غلط ثابت کیا۔

اختلافات تو بیگن اور موشے دیان میں بھی تھے دیان کا تعلق ماضی میں لیبر پارٹی سے بھی رہا۔ جسے چھوڑ کر انہوں نے بیگن کی پارٹی میں شمولیت اختیار کی جو دائیں بازو کے رجحانات کی حامل تھی۔ لیکن وہ دونوں فلسطینیوں کے مسئلہ کو بالکل

مختلف نظر سے دیکھتے تھے۔

موشے دیان فلسطینیوں کو انسان بھی سمجھتے تھے۔ لیکن بیگن اور اس کی پارٹی فلسطینیوں پر غور کرتے وقت انسانی پہلو نکال دیتی تھی وہ انہیں ایک مسئلہ سمجھتے تھے۔ مثلاً دیان یہ کہیں گے ہم تو پرانے وقتوں میں ان لوگوں کے ساتھ پرامن طور پر بھی رہتے رہے ہیں۔ اس بات کو بیگن اس طرح کہیں گے۔ کاش وہ یہاں نہ ہوتے۔ لیکن میں اس کے متعلق زیادہ کام نہیں کر سکتا نکتہ نظر میں اتنا زیادہ فرق ہونے کے باعث اختلافات میں اضافہ حیرت انگیز بات نہ تھی۔ ابھی یہ تمام معاملات عروج پر تھے کہ موساعد نے تھائی لینڈ میں افیون اُگانے والوں سے اپنا پہلا رابطہ قائم کیا۔ ان کاشتکاروں پر امریکی دباؤ ڈال رہے تھے کہ وہ افیون کی جگہ کافی اُگائیں۔

موساعد نے کوشش کی کہ وہ کافی ضرور کاشت کریں لیکن افیون بھی برآمد کریں۔ تاکہ موساعد کو اپنے آپریشنوں کے لئے مزید سرمایہ مل سکے۔ ان آپریشنوں میں سے ایک آپریشن آل کے سپرد کیا گیا تھا کہ وہ نیویارک اور واشنگٹن میں عربوں کی ان کوششوں کو سبوتاژ کرے جو وہ پی۔ ایل۔ او کو امریکی تعاون دلوانے کے لئے کر رہے ہیں۔ اگر یہ کوششیں کامیاب ہو جاتیں تو اقوامِ متحدہ کے ذریعے سے فلسطینیوں کو زیادہ اونچا مرتبہ مل جاتا۔

اس سارے معاملے میں اسرائیلیوں کی ناراضگی قابل فہم تھی وہ اسرائیل دیہات پر مسلسل حملے کرتے رہے وہاں قتل عام کیا ان کی یہ ریاست رسائیل کے لئے ہمیشہ خطرہ بنی رہی۔ اسرائیلی جانتے تھے کہ فلسطینی ان سے نفرت کرتے ہیں۔ لیکن اگر آپ بائیں بازو سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ نفرت کرنا ان کا حق ہے۔ پھر بھی آپ یہ نہیں چاہیں گے کہ کوئی آپ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے جبکہ دائیں بازو کے لوگ تو فلسطینیوں کو ویسے ہی ناقابل اعتماد سمجھتے ہیں۔ بائیں بازو کے لوگ کہتے ہیں چلیں الیکشن کرا لینا چاہئیں اور دائیں بازو والے کہیں گے یہ بات بھول جاؤ وہ تو کسی



ایسے آدمی کو منتخب کر لیں گے جس سے میں بات کرنا بھی پسند نہیں کروں گا بائیں بازو کا نکتہ نظر یہ ہے انہوں نے فلسطینیوں نے سیز فائر تو کیا ہے لیکن دائیں بازو والوں کا خیال ہے۔

’’کون سا سیز فائر؟ ہم تو فلسطینیوں کو ایسا گروپ نہیں سمجھتے جو سیز فائر کر سکتے ہیں۔‘‘

اور اس کے اگلے دن اگر کہیں دھماکہ ہو جائے تو یہی لوگ کہیں گے۔ ’’دیکھا میں نے تو کہا تھا کہ وہ سیز فائر پر قائم نہیں رہ سکتے۔‘‘



’’ال‘‘ (AL) 1978ء سے نیویارک میں کام کر رہی تھی تاکہ اسے صدر کارٹر کی طرف سے شروع کئے جانے والے امن مذاکرات کے متعلق عربوں کا لائحہ عمل معلوم ہو سکے۔ ستمبر 1975ء میں امریکی وزیر خارجہ ہنری کسنجر نے سرکاری طور پر اعلان کیا کہ امریکہ اس وقت تک پی۔ ایل۔ او کو نہ تو تسلیم کرے گا اور نہ ہی مذاکرات کی دعوت دے گا جب تک وہ اسرائیل کے حق وجود کو تسلیم نہیں کر لیتی۔ سابق صدر جیرالڈ فورڈ اور پھر کارٹر بھی ان وعدوں کی پاسداری کا اعلان کر چکے تھے لیکن اسرائیلیوں کو پھر بھی پورا اعتماد نہ تھا۔

نومبر 1978ء میں کیمپ ڈیوڈ مذاکرات کے بعد ایوان نمائندگان کی خارجہ امور کی کمیٹی کے رکن پاول فینڈلے کارٹر کا ایک پیغام لے کر دمشق پہنچے جہاں انہوں نے یاسر عرفات سے ملاقات کی مذاکرات کے دوران یاسر عرفات نے کہا کہ اگر مغربی کنارے، غزہ کی پٹی اور ملحقہ علاقوں پر مشتمل آزاد فلسطینی ریاست قائم کر دی جائے تو پی۔ ایل۔ او پر امن ہو جائے گی جبکہ کارٹر 1977ء میں فلسطینیوں کے لئے الگ ملک کے قیام پر زور دے چکے تھے۔

1979ء کے موسم بہار میں آسٹریا میں امریکی سفیر ملٹن وولف نے وہاں پی۔ ایل۔او کے سفیر عصام سرتاوی سے ملاقات کی پہلی ملاقات آسٹیرین حکومت کے ایک استقبالئے میں ہوئی۔ جبکہ دوسری ملاقات ایک عرب سفارت خانے کی پارٹی میں ہوئی۔ وولف کو امریکی حکام نے سرتاوی سے ملاقات کی ہدایت تو کی تھی مگر اسے کوئی خاص معاملہ زیر بحث لانے سے روک دیا گیا تھا۔

جولائی کے وسط میں یاسر عرفات مغربی جرمنی کے سابق چانسلر ولی برانٹ اور آسٹریا کے چانسلر برونو کیسکی سے ملنے وی آنا پہنچے تو اس وقت بھی وولف اور سرتاوی سنجیدہ مذاکرات میں مصروف تھے جب اس سارے معاملے کی خبر باہر نکلی تو امریکی محکمہ خارجہ نے کہا کہ وولف کو پی۔ ایل۔ او سے مذاکرات نہ کرنے کے متعلق امریکہ کی پالیسی بتائی گئی تھی لیکن موساعد کو معلوم تھا کہ وولف براہِ راست امریکی ہدایات کے مطابق کام کر رہے تھے۔ امن و امان بہتر بنانے کے لئے امریکہ کی کوششیں کامیابی کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ حتیٰ کہ عربوں کو بھی اس کے فوائد نظر آنے لگے تھے اور موساعد متعدد عرب سفیروں اور رہنماؤں کے گھر اور دفاتر میں ہونے والی گفتگو ٹیپ کرنے میں مصروف تھی۔ اس سلسلہ میں نیویارک اور واشنگٹن میں الیکٹرانک نظام قائم کیا گیا تھا۔ موساعد کو پتا چلا کہ پی۔ ایل۔ او اسرائیل کے حق وجود کو تسلیم کرتے ہوئے ہنری کسنجر کے 1975ء کے نکتہ نظر سے متفق ہوتی جا رہی ہے۔

اس وقت اقوام متحدہ میں امریکی سفیر اینڈ یو ینگ تھے وہ کارٹر کے قریبی ساتھی اور جنوب سے تعلق رکھنے والے سیاہ فام لبرل آدمی تھے وہ صدر بش کے پرانے حامیوں میں شامل تھے انہی کے باعث وائٹ ہاؤس اور سیاہ فاموں میں ایک اہم رابطہ قائم تھا تاہم وہ خود ذرا منہ پھٹ اور متنازعہ سفیر تھے وہ امریکہ میں شہری حقوق کی تحریک کی پیداوار تھے وہ فلسطینیوں کی حمایت سے زیادہ اسرائیلیوں کے مخالف تھے۔

ینگ کو یقین تھا کہ کارٹر اب تمام مسائل حل کرنے میں مخلص ہیں تاکہ فلسطینی بھی جس صورت میں حال میں پھنسے ہوئے ہیں وہ اس سے باہر نکل سکیں اور علاقہ بھی



امن کا گہوارہ بن جائے چنانچہ ینگ نے مغربی کنارے میں یہودیوں کی نئی بستیاں بسانے کی مخالفت کردی۔ لیکن انہوں نے پی۔ ایل۔ او کو تسلیم کرنے سے متعلق عربوں کی قرارداد کو ملتوی کرنے کی خواہش کا اظہار کیا ینگ کا خیال تھا کہ اس طرح مسائل حل نہیں ہوں گے وہ ایک قرارداد چاہتے تھے جس سے بالآخر مقصد حاصل ہو جائے اور اس کی منظوری کے امکانات بھی زیادہ ہوں۔ عربوں کی قرارداد کے پس منظر میں کویتی سفیر سب سے متحرک کردار ادا کر رہے تھے ان کا رابطہ اقوام متحدہ میں پی۔ ایل۔ او کے غیر سرکاری نمائندے زیدی سے بھی مسلسل قائم تھا واشنگٹن اور نیویارک میں گفتگو سننے کے خفیہ آلات کی مدد سے موساعد نے بشارا اور ینگ کے مابین 15 جولائی کو ہونے والی گفتگو بھی سن لی۔ جس سے انہیں معلوم ہوا کہ عرب ممالک سلامتی کونسل میں قرارداد پر بحث کا دن ملتوی کروانے کے حق میں نہیں۔ البتہ کویتی سفیر نے تجویز پیش کی کہ ینگ اس معاملے پر براہِ راست پی۔ ایل۔ او سے مذاکرات کریں۔

ینگ نے بشارہ کو مطلع کیا کہ وہ پی۔ ایل۔ او کے نمائندے سے مذاکرات نہیں کر سکتے تاہم انہوں نے کہا۔

''اگر سلامتی کونسل کا کوئی رکن مجھ سے مذاکرات کے لئے میرے گھر آ جائے تو میں اسے روک تو نہیں سکتا۔''

25 جولائی 1979ء کو نیویارک سے موساعد کے صدر دفاتر کو ایک تار بھیجا گیا جس میں لکھا تھا۔

''اقوامِ متحدہ میں امریکی سفیر نے یو۔ این میں پی۔ ایل۔ او کے نمائندے سے ملاقات کی ہے۔''

تار پر ''ارجنٹ ٹائیگر اور بلیک'' کے الفاظ لکھے ہوئے تھے جس کا مطلب تھا کہ یہ تار صرف چند وی۔ آئی۔ پی افراد کے لئے ہے۔ جن میں وزیراعظم اور چند دوسرے انتہائی اہم افراد شامل ہیں۔ غالباً ان کی تعداد پانچ سے زیادہ نہیں ہونا چاہئے یہ تار موساعد کے سربراہ ہوفی کو دی گئی۔ جنہوں نے اسے ڈی کوڈ کر کے خود وزیراعظم

تک پہنچایا۔سنیئر اسرائیلی یہ پڑھ کر دہشت زدہ ہو گئے۔

پیغام میں یہ بھی لکھا تھا کہ کویتی سفیر نے ینگ کو گھر بلایا ہے یہ دعوت انہوں نے قبول کر لی ہے۔اس دعوت کا پتا انہوں نے یو۔این آفس میں بشارا کی پرائیویٹ ٹیلی فون لائن کو ٹیپ کر کے چلایا۔

سوال یہ تھا کہ ملاقات ہونے دی جائے یا اسے سبوتاژ کیا جائے ملاقات ہونے کا مطلب یہ تھا کہ اسرائیلی خدشات ٹھوس ہیں اور اسرائیل کے متعلق امریکی رویہ بدل رہا ہے۔اس طرح اسرائیل کے امریکی دوستوں کو امریکی انتظامیہ کی اس خطرناک تبدیلی سے آگاہ کر کے اسرائیل نواز اقدامات کروائے جا سکتے تھے۔اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تمام عمل اسرائیلی سلامتی کو خطرے میں ڈالنے کے لئے ہو رہا ہے۔مزید برآں اس طرح ینگ سے نجات حاصل کرنے میں بھی مدد ملتی جو پی۔ایل۔او کے متعلق مثبت رویہ اور روشن دماغ رکھنے کے باعث خطرہ سمجھے جا رہے تھے وہ اسرائیلی ضروریات کے سانچے میں فٹ نہیں بیٹھ رہے تھے۔

26 جولائی کو جب امریکی سفیر ینگ اپنے 6 سالہ لڑکے کے اینڈریو کے ساتھ کویتی سفیر کی رہائش گاہ میں داخل ہوئے تو آل مائیکروفونوں کے ذریعے ایک ایک لفظ ٹیپ کرنے کا انتظام کر چکی تھی۔ان مذاکرات میں شامی سفیر بھی شریک ہوئے۔اس کے پانچ منٹ بعد پی۔ایل۔او کے نمائندے بھی پہنچ گئے۔

اینڈریو 15 منٹ تک اکیلے کھیلتا رہا اور تینوں سفارت کار اس بات پر متفق ہوتے نظر آ رہے تھے کہ سلامتی کونسل کا اجلاس 27 جولائی سے 23 اگست تک ملتوی کر دی جائے۔

مذاکرات کے فوراً بعد ینگ اپنے بیٹے کے ساتھ چلے گئے ایک گھنٹے کے اندر اندر آل کے مقامی سربراہ پوری دینورے اس ملاقات کی مکمل رپورٹ لے کر اسرائیلی طیارے کے ذریعے نیویارک سے تل ابیب کے لئے روانہ ہو گئے وہاں ان سے ملنے کے لئے ھوفی خود ہوائی اڈے پر پہنچ گئے تھے کیونکہ انہیں پیغام دیا گیا تھا۔



''مکڑی نے مکھی پکڑ لی ہے۔''

دونوں آدمی خفیہ مسودہ لے کر براہِ راست بیگن کے پاس چلے گئے۔

دینورے اسرائیل میں صرف 6 گھنٹے رہا واپسی میں اس نے ایک کاپی اقوامِ متحدہ میں اسرائیلی سفیر یہودہ بلوم کے لئے بھی لے لی۔ھوفی نے موساعد کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ فی الحال امریکی سفیر کی دیگر عرب سفیروں سے ملاقات کو خفیہ رکھیں اور پریس کو پتہ نہ چلنے دیں وہ بالخصوص نہیں چاہتے تھے کہ نیویارک میں ان کا ڈھانچہ نیست و نابود ہو جائے انہوں نے دلیل دی کہ اگر بیگن اس مسئلے پر براہِ راست امریکی حکام سے رابطہ کرنے سے انہیں فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔

یہی راستہ انہوں نے وی آنا میں ملٹن کی پی۔ایل۔او کے نمائندے سے ملاقات کے بعد بھی اختیار کیا تھا ھوفی نے کہا کہ ینگ سیاہ فاموں کے نمائندے ہیں اور اس موقع پر امریکہ میں ایک نئی قسم کی سیاست شروع کرنا اچھا نہیں۔بہر کیف وہ پس منظر میں رہ کر زیادہ مقاصد حاصل کر سکتے ہیں۔لیکن بیگن سفارت کاری میں دلچسپی ظاہر نہیں کر رہے تھے وہ خون خرابہ چاہتے تھے البتہ وہ خبروں کی اشاعت روکنے پر متفق ہو گئے چنانچہ نیوز ویک کو صرف یہ خبر جاری کی گئی۔

''ینگ اور فلسطینی نمائندے کی ملاقات ہو گئی ہے۔''

اتنی سی خبر سے بھی امریکی دفتر خارجہ میں کھلبلی پھیل گئی چنانچہ ینگ سے وضاحت طلب کر لی گئی۔انہوں نے سب سے پہلے یہ نقطہ نظر پیش کیا کہ وہ سیر پر نکلے ہوئے تھے کہ ان کے بیٹے اینڈریو کو دیکھ کر رک گئے۔بیٹے کے باعث ہی انہوں نے بشارا سے ملاقات کی۔وہاں فلسطینی نمائندے سے اچانک ملاقات پر وہ خود بھی حیران ہیں۔انہوں نے کہا کہ دونوں رہنماؤں نے 15 سے 20 منٹ تک صرف دوستانہ معاملات پر بات کی۔اس کے علاوہ کوئی اور بات نہیں ہوئی۔

ینگ کی وضاحت سے وزیر خارجہ سائرس وانس کو آگاہ کر دیا گیا جو انہی نوں ایکواڈور کا دورہ کر کے واشنگٹن پہنچے تھے اتفاقیہ ملاقات سے انہیں خاصا اطمینان

ہوا جس کے بعد یہ خبر پریس کو جاری کرنے کی ہدایت کردی گئی چونکہ سارا معاملہ خاصا گرم تھا لہٰذا موساعد نے ینگ کے متعلق افواہیں جاری کرنے کا فیصلہ کیا خاموش رہنا سنگین غلطی ہو سکتی تھی۔

ینگ نے اسرائیلی سفیر سے ملاقات کرنا چاہی جو ہوگئی اور تقریباً 2 گھنٹے جاری رہی۔ انہیں یہ نہیں معلوم تھا کہ یہودہ بلوم کے پاس ان کی (ینگ کی) بشارا سے ملاقات کا مکمل متن موجود ہے۔ جس کے باعث وہ ینگ سے اس سے کہیں زیادہ اعترافات کروانے میں کامیاب ہوگئے جس سے انہوں نے محکمہ خارجہ کو آگاہ کیا تھا۔ ایک تجربہ کار سفارت کار کی حیثیت سے یہودہ متن دیکھ کر اصل صورتِ حال کو بھانپ گئے وہ جان گئے تھے کہ اصل بات کیا ہے اب وہ خفیہ ذرائع سے ملنے والی رپورٹوں کو ظاہر کرنے کے لئے ینگ کو استعمال کرنا چاہتے تھے۔ لیکن ینگ سمجھتے تھے کہ اسرائیل بات چیت رکھنا چاہتا ہے۔ لیکن انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ انہیں جکڑا جا رہا ہے۔ یہودہ کے ساتھ ملاقات کے دوران ینگ نے جو اعترافات کئے تھے ان کی بنیاد پر وزیراعظم بیگن نے اسرائیل میں امریکی سفیر کو طلب کرلیا اور ان سے رسمی طور پر شکایت کی گئی۔

اسرائیل نے سفیر سے شکایت کرتے ہی اس کا ایک مسودہ پریس کو بھی جاری کردیا تاکہ یہ کسی اور واقعہ کی نظر نہ ہو جائے۔

14 اگست کی صبح سات بجے اسرائیلی سفیر نے ایک ہنگامی تار دیا جو واشنگٹن میں وزیر خارجہ کی میز پر تھا اس تار میں بتایا گیا کہ ینگ نے جو مسئلہ کچھ محکمہ خارجہ کو بتایا ہے وہ اس سے کہیں مختلف ہے جو اسرائیلی دعوؤں کے مطابق ینگ نے یہودہ کو بتایا یہ پیغام پڑھ کر وانس سیدھے وائٹ ہاؤس پہنچے جہاں انہوں نے صدر کارٹر سے کہا۔ ''ینگ کو استعفیٰ دینا پڑے گا۔''





اگلے روز صبح 10 بجے وائٹ ہاؤس فیملی کوارٹرز میں پہنچے استعفیٰ ان کے ہاتھ میں تھا۔ 90 منٹ لمبی ملاقات کے بعد وہ کچھ دیر کے لئے باہر نکل گئے جس کے بعد انہوں نے کارٹر سے دوبارہ مذاکرات کئے وہاں سے وہ ہیملٹن جورڈن کے دفتر میں گئے جہاں وائٹ ہاؤس کے سنیئر حکام جمع تھے۔ ینگ نے اپنے دوستوں کو بتایا کہ وہ مستعفی ہو چکے ہیں۔ اس کے دو گھنٹے بعد پریس سیکرٹری جوڈی پاؤل نے دُکھ بھرے لہجے میں اعلان کیا کہ ینگ مستعفی ہو رہے ہیں۔

قیامِ امن کے لئے امریکی نمائندے سٹراس جو اس وقت مشرقِ وسطیٰ جانے کے لئے طیارے میں سوار تھے نے کہا۔ ''ینگ کے معاملات سے ان بے بنیاد خدشات کو تقویت ملتی ہے کہ امریکہ اندھیرے میں پی۔ ایل۔ او سے مذاکرات کر رہا ہے۔''

بعد ازاں ینگ نے اپنے اقدام کا دفاع کرتے ہوئے کہا۔ ''میں نے جھوٹ نہیں بولا میں نے تمام سچائی بیان نہیں کی پہلے میں نے سرکاری نکتہ نظر بتایا تھا جو کسی طرح بھی غلط نہیں تھا میں نے اپنی بات کا آغاز بھی اسی جملے سے کیا کہ میں آپ کو سرکاری نکتہ نظر بتانے والا ہوں۔''

جو نقصان ہونا تھا وہ تو ہو چکا، ینگ کو پی۔ ایل۔ او سے مذاکرات کرنے سے روک دیا گیا اسی طرح آل نے اپنے جاسوسی کے وسیع نظام کے باعث کارٹر کے ایک قریب ترین دوست کے کیریئر کو اس کے انجام تک پہنچا دیا صرف اس لئے کہ اسے اسرائیلی اپنا دوست نہیں سمجھتے تھے۔

چند دنوں میں شہ سرخیوں کی اشاعت کے بعد یوری دینورے نے رپورٹ دی کہ معاملہ بہت گرم ہے اس لئے یہاں مزید نہیں ٹھہرا جا سکتا۔ انہوں نے ٹرانسفر کی بھی درخواست کی۔ اسی دوران پورے نیو یارک میں موساعد کے تمام سیف ہاؤسز بند کر دیئے گئے تھے اور تمام آپریشن دیگر اپارٹمنٹس میں منتقل کر دیئے گئے تھے۔ کیونکہ موساعد کو یقین تھا کہ اب نزلہ ان پر گرے گا۔ مگر ایسا نہ ہوا تاہم اس واقعہ نے یہودیوں اور سیاہ فاموں کے تعلقات میں ایک سیاہ ترین باب کا اضافہ کیا امریکی سیاہ

فام لیڈر ینگ کی علیحدگی پر غم وغصہ کا اظہار کر رہے تھے انڈیانا کے میئر رچرڈ نے ٹائم میگزین کو انٹرویو دیتے ہوئے اسے ''جبری استعفیٰ'' اور ''سیاہ فاموں کی بے عزتی'' قرار دیا۔ سیاہ فاموں کی ترقی سے متعلق قومی ایسوسی ایشن کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر نے کہا کہ ینگ کو قربانی کا بکرا بنایا گیا اسے ان حالات کی سزا ملی جو اس کے کنٹرول میں نہ تھے انہوں نے کہا کہ اس ''ظالمانہ سفارتی کو'' کے نتیجہ میں انہیں صدارتی تمغہ ملنا چاہیے تھا جبکہ ان سے ملازمت بھی چھین لی گئی ینگ نے خود کہا اس مسئلے پر سیاہ فاموں اور یہودی لیڈروں میں کوئی اختلافات نہیں ہونا چاہئیں تاہم انہوں نے کہا کہ دوستانہ اختلافات ضرور رہوں گے۔

انہوں نے کہا کہ مشرقِ وسطیٰ کے معاملے میں سیاہ فاموں کا نقطہ نظر کسی طرح بھی ''یہود مخالف'' نہیں سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ فلسطینی مسئلے کا بھی بہرحال حل تلاش کرنا ہے۔ البتہ جیسی جیکسن جو بعد میں صدارتی انتخاب میں بھی کھڑے ہوئے اس معاملے پر سخت نالاں تھے۔ انہوں نے کہا۔

''جبری استعفیٰ کے باعث پوری قوم میں سخت کشیدگی پائی جاتی ہے۔''

انہوں نے یہودیوں اور سیاہ فاموں کے تعلقات کو گزشتہ 25 سال کے مقابلے میں ''مزید کشیدہ'' قرار دیا دوسرے سیاہ فام لیڈر بھی یہ جاننا چاہتے تھے کہ ایک ہی کام کرنے پر ینگ کو تو سزا بھگتنا پڑی جبکہ وہ کام کرنے سے دیگر ارکان کیسے محفوظ رہے۔ امریکی سفیر وولف معروف یہودی رہنما نے بھی تو پی۔ ایل۔ او کے نمائندے سے ملاقاتیں کی تھیں وہ تو برطرف نہیں ہوئے۔

اس سازشی کھیل میں اسرائیل سے زیادہ فلسطینی کامیاب ہوتے نظر آئے۔ کیونکہ سیاہ فاموں میں اسرائیل کی مخالفت بڑھ رہی تھی۔ سیاہ فام تنظیمیں پی۔ ایل۔ او اور ینگ کی حمایت میں میدان میں آرہی تھیں۔ انہیں پہلے تو پریس نظرانداز کرتا رہا۔ مگر اب اچانک بڑے پیمانے پر کوریج ملنے لگی۔ اگست کے اواخر میں سادرن کرسچین لیڈرشپ کانفرنس کے صدر جوزف لارے ایک وفد لے کر اسرائیلی نمائندے سے



ملے اور انسانی حقوق کی بالادستی کے سلسلے میں اپنے غیر مشروط تعاون کا یقین دلایا۔ انہوں نے الگ وطن کے لئے ان کے حق خود اختیاری کو بھی تسلیم کیا اس گروپ نے اگلے روز اسرائیلی سفیر بلوم سے بھی ملاقات کی وفد نے انہیں بتایا کہ پی۔ ایل۔ او کی حمایت پر ہمیں کوئی افسوس نہیں۔ کیونکہ ہم نے اسرائیل کی مسلسل حمایت کرنے پر پی۔ ایل۔ او سے کوئی افسوس نہیں کیا۔ بلوم نے جواب دیا۔

''ہمیں پی۔ ایل۔ او کے برابر کھڑا کرنا مضحکہ خیز ہے یہ تو ایسے ہی ہے جیسے مجرم کا پولیس سے موازنہ کیا جائے۔''

اس کے دو ہفتے بعد اقلیتوں کے ایک اور گروپ نے نیویارک میں اپنی تنظیم کے رہنماؤں سے ملاقات کی۔ انہوں نے بھی یہودیوں کے بارے میں ایسے ہی رویئے کا اظہار کیا۔ جس کی یہودیوں نے مذمت کی۔ اپنے جواب میں 11 یہودی تنظیموں نے کہا۔

''ہم ان کے ساتھ کام نہیں کر سکتے جو عرب بلیک میلنگ کا شکار ہو جائیں۔''

8 اکتوبر کے ٹائم میگزین میں جیسی جیکسن کی تصویر شائع ہوئی جس میں وہ یاسر عرفات کا خیر مقدم کر رہے ہیں۔ اس وقت بیگن نے پی۔ ایل۔ او کے ساتھ ہمدردی رکھنے کے باعث جیکسن سے ملنے سے انکار کر دیا تھا۔ جیکسن نے بیگن کے اس انکار کو امریکی سیاہ فاموں کو مسترد کرنے سے تعبیر کیا۔ جیکسن نے پی۔ ایل۔ او کے جلاوطن حکومت کو بھی تسلیم کر لیا۔

اکتوبر 1979ء میں فلسطین کے متعلق نہایت سخت پالیسی سے نالاں ہو کر موشے دیان بھی بیگن کا ساتھ چھوڑ گئے اتوار کی صبح کابینہ کا اجلاس جاری تھا کہ انہوں نے اچانک استعفیٰ دے دیا بعد ازاں ٹائم کو انٹرویو دیتے ہوئے موشے دیان نے کہا۔ ''فلسطینی امن چاہتے ہیں وہ کسی قسم کے تصفیے پر آمادہ نہیں مجھے یقین ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے۔''

موساعد امریکہ میں کچھ کانگریس مینوں سے بھی معلومات حاصل کرتی ہے۔ سینٹرز بھی اس سلسلے میں اس سے تعاون کرتے ہیں۔ انہیں بھی موساعد کے ملوث ہونے کا پتہ ہوگا۔ مگر کسی نے کچھ نہیں کہا۔ کچھ بھی نہیں ہوا اس سے چند دوسرے

آپریشنز کے لئے بھی راستہ ہموار ہوگیا تھا۔ اگر آپ کسی ایجنسی کو کوئی آپریشن کرتا دیکھ کر اپنا منہ پھیرلیں تو انٹیلی جنس کی دُنیا میں اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آپ مزید جرأت مندانہ اقدام کر سکتے ہیں۔ حتیٰ کہ آپ اس کے ہاتھ یا سر پر بھی مار سکتے ہیں وہ ارکان کانگریس سے معلومات لیتے، دستاویزات تیار کرتے بھرتی بھی جاری رکھتے ڈیٹا بھی تیار کرتے رہتے اس طرح پوری طرح کام جاری رہتا ان میں سے ایک نے ''ایسکارٹ سروس'' بھی شروع کر رکھی تھی۔

اس طرح وہ تمام اہل کار اپنے ''بزنس'' میں بھی مصروف تھے یہ الگ بات ہے کہ موساد اب بھی ''آل'' کے وجود سے انکاری ہے یہ کہا جاتا ہے کہ یہ تنظیم امریکہ میں کام نہیں کرتی۔ مگر موساد کے اکثر لوگ جانتے ہیں کہ یہ تنظیم موجود ہے۔ خواہ وہ یہ نہ بھی جانتے ہوں کہ یہ اصل میں کیا کام کرتی ہے پولرڈ کے مقدمہ کے بعد یہ کہا گیا کہ اب امریکہ میں موساد کام نہیں کرے گی اس بات کو امریکی بھی بخوبی سمجھتے ہیں کہ یہ ان کے ساتھ موساد کا سب سے بڑا مذاق ہے۔ ایسا ممکن ہی نہیں کہ موساد امریکہ میں سرگرم عمل نہ ہو۔

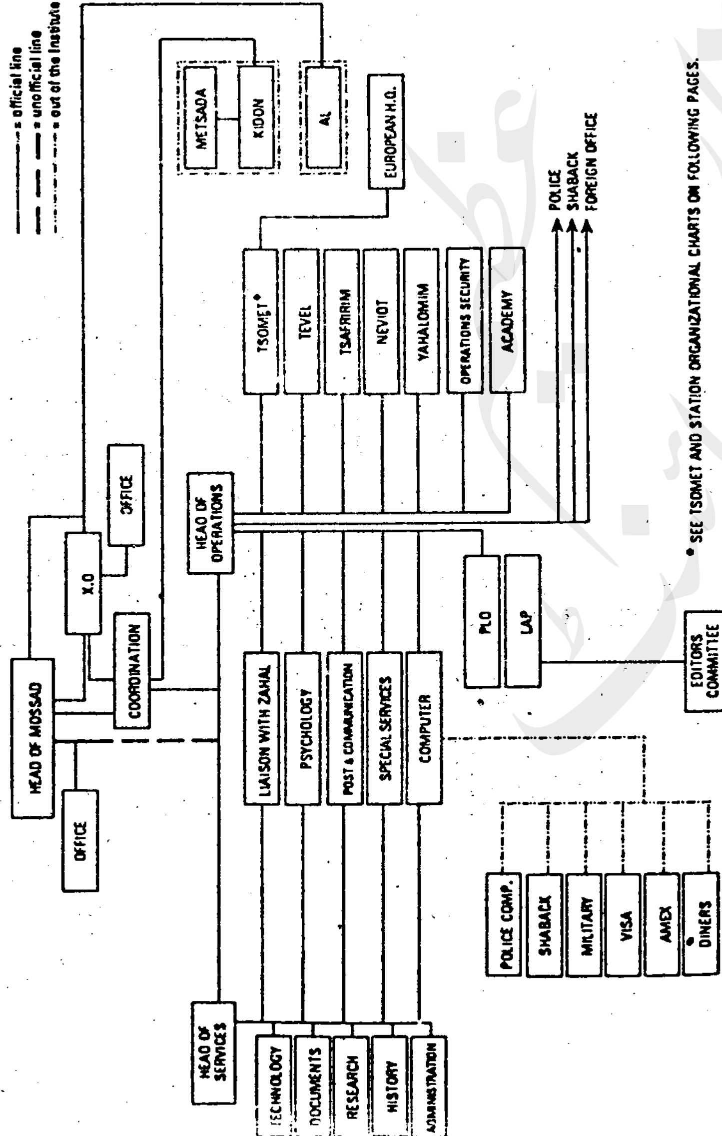
آج امریکہ کے لئے سب سے اہم مسئلہ ''موساد'' کے ہاتھوں امریکہ کی ''مالیاتی جاسوسی'' ہے امریکن کمپنیوں کے غیر ملکی معاہدے موساد سے کبھی پوشیدہ نہیں رہ سکے۔ یہ بات امریکن بھی جانتے ہیں۔

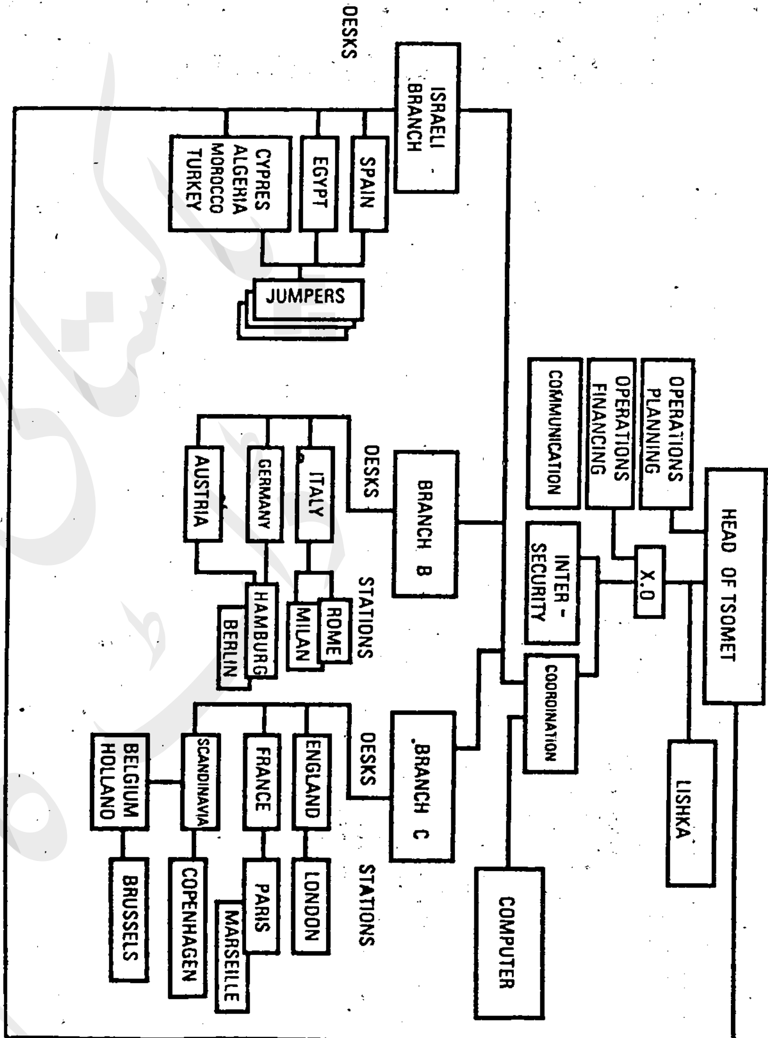
اگلے صفحات پر ''موساد'' کا تنظیمی ڈھانچہ دیا جا رہا ہے۔ جو آپ کو اس خطرناک ترین سیکرٹ ایجنسی کو سمجھنے میں مدد دے گا۔ زندگی نے مہلت دی تو انشاء اللہ کبھی ''موساد'' کا تفصیلی محاکمہ آپ کی خدمت میں پیش کروں گا۔ اب ملاحظہ فرمایئے موساد کا تنظیمی ڈھانچہ۔



Appendix I

# Organizational Charts and Documents






# سی۔آئی۔اے (C.I.A)

## (سنٹرل انٹیلی جنس ایجنسی)

# سی۔آئی۔اے (C.I.A)

## (سنٹرل انٹیلی جنس ایجنسی)

دُنیا کے کسی بھی حصے میں شاید ہی کوئی ایسا ملک ہوگا جو سی۔آئی۔اے سے کسی بھی طرح متاثر نہ رہا ہو خصوصاً مسلم ممالک پر اب C.I.A کی کچھ زیادہ ہی مہربانیاں ہونے لگی ہیں جس کی تازہ مثالیں افغانستان، عراق اور اب شام اور ایران میں سی۔آئی۔اے کی مداخلت اور کارروائیاں ہیں۔ اگر یہ بات کہی جائے کہ مشرقی یورپ کی آزادی، روس کی توڑ پھوڑ اور روس کے زیر تسلط ممالک کی خستہ حالی نے سی۔آئی۔اے کو مشرقی یورپ اور روس کی طرف سے فراغت دلا کر اب مسلم ممالک پر چڑھائی کرنے اور اپنی صلاحیتیں آزمانے کا موقعہ فراہم کر دیا ہے تو کچھ بے جا نہ ہوگا۔

پاکستان کے بیشتر شہری ممکن ہے اپنے ملک کی انٹیلی جنس ایجنسیوں سے آگاہی نہ رکھتے ہوں لیکن C.I.A کا نام اُن کے لاشعور میں ضرور محفوظ رہتا ہے۔ دُنیا کے کسی بھی کونے میں اپنی معاندانہ سرگرمیوں کے لئے سی۔آئی۔اے کو اپنی حکومت کی طرف سے ہمیشہ Free Hand حاصل رہا ہے۔ سی۔آئی۔اے کے ہیڈ کوارٹر واقع Langley ''ورجینیا'' کی مین لابی کی دیوار پر بائبل کی ایک آیت کے یہ الفاظ کندہ ہیں:

**And ye shall know the truth**
**And the truth shall make you free.**

(جان، 32: viii)

ہیڈکوارٹر کی عمارت واشنگٹن سے آٹھ میل دُور 125 ایکٹر کے رقبہ میں بنائی گئی ہے جس کے کچھ حصہ پر درخت اُگائے گئے ہیں یہ جدید طرز کی قلعہ نما عمارت ہے۔ 1973ء کے موسمِ بہار تک دو سڑکیں جو کہ اس کے الگ تھلگ احاطہ میں جاتی تھیں ان میں سے ایک کا بالکل نشان تک مٹا دیا گیا اور دوسری کو کچھ اس طرح بگاڑ دیا گیا کہ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے "بیورو آف پبلک روڈز" ہو جو کہ ایجنسی کے متصل فیئرنکس ہائی وے ریسرچ سٹیشن میں قائم ہے۔ 1961ء تک سی۔آئی۔اے کا دفتر واشنگٹن کے مختلف علاقوں میں تقریباً بیس عمارتوں میں ہوا کرتا تھا۔ 46 ملین ڈالر کے خرچ سے واشنگٹن کے نواح میں بنائی جانے والی عمارت کی تعمیر کا سب سے بڑا جواز یہ پیش کیا گیا کہ تمام ملازمین کے ایک ہی جگہ آجانے سے اخراجات میں بہت بچت ہوگی۔ لیکن بہترین تجاویز کے مطابق دفتر کی بنی ہوئی عمارت جس دن سے کہ مکمل ہوئی سی۔آئی۔اے کی واشنگٹن کی تمام سرگرمیوں کے لئے بھی بہت چھوٹی ثابت ہوئی۔

ایجنسی نے پرانے ہیڈکوارٹر کی بعض عمارتوں کو کبھی خالی نہیں کیا جو کہ واشنگٹن میں 23 نارتھ ویسٹ سٹریٹ میں واقع فوجی ہسپتال کے نیچے چھپی ہوئی ہیں اور ایجنسی کا "نیشنل فوٹو انٹرپریٹیشن سنٹر" واشنگٹن کے جنوب مشرق میں واقع بحریہ کے ہسپتال کے ایک حصے میں قائم ہے۔ سی۔آئی۔اے کے دوسرے بڑے دفاتر جن میں ڈومیسٹک آپریشنز ڈویژن شامل ہے۔ وائٹ ہاؤس کے قریب پنسلونیا ایونیو میں واقع ہے۔

واشنگٹن کے علاقہ ورجینیا کے نواح میں ہیڈکوارٹر کمپلیکس کے علاوہ بھی بہت سی عمارتیں سی۔آئی۔اے کی ہیں۔ ایجنسی کا ایک تربیتی مرکز آرلنگٹن میں برائے



ہل بلڈنگ میں واقع ہے اور اس کاؤنٹی کے روزلین سیکشن میں بھی سی۔آئی۔اے نے بہت سے دفاتر بنا رکھے ہیں۔ شمالی ورجینیا کے علاقے ٹائی سن کارنز میں بھی کم از کم نصف درجن دفاتر ہیں۔ یہ جگہ سی۔آئی۔اے کے ٹیکنیکل کاموں کی وجہ سے چھوٹی انٹیلی جنس برادری کی کالونی بن گئی ہے۔ کیونکہ یہاں الیکٹرانک اور ریسرچ کی بہت سی کمپنیاں ہیں جو کہ سی۔آئی۔اے اور پینٹاگون کے لئے کام کرتی ہیں۔

سی۔آئی۔اے کے دفاتر کی تیز رفتار توسیع اس وجہ سے نہیں ہوئی کہ اس کے ملازمین کی تعداد میں اضافہ ہو گیا ہے بلکہ فنی معلومات کی ہمہ گیر وسعت اور دفتری اقتدار کی زبردست خواہش دونوں اس کا سبب ہیں۔

ڈائریکٹر رچرڈ ہیلمز نے 1968ء تک ایجنسی کے اس طرح پھیلاؤ کی طرف کوئی خاص توجہ نہ دی اس سال ایک دن سی۔آئی۔اے کے ملازم نے اسے بتلایا کہ ابھی ایک اور ٹیکنیکل شعبہ ٹائی سن کارنز میں لایا جا رہا ہے نہ معلوم کیا ہوا کہ ہیلمز ایک دم غصے سے بھڑک اُٹھا اور اس نے حکم دیا کہ سی۔آئی۔اے کے جتنے بھی دفاتر ہیڈکوارٹر سے باہر ہیں ان کی ایک رپورٹ اسے مہیا کی جائے۔

رپورٹ جب مکمل ہوئی تو اس سے وہی کچھ معلوم ہوا جو کہ واشنگٹن کے علاقے کے اصلی اسٹیٹ ایجنٹوں کو پہلے ہی سے معلوم تھا یعنی یہ کہ سی۔آئی۔اے کے ملازمین کی زیادہ اوسط تعداد اس عمارت کو جس میں کہ سب کے سب ملازمین کی گنجائش کے لئے کانگریس سے اخراجات کی منظوری لی گئی تھی چھوڑ کر دوسری عمارت میں منتقل ہو چکی ہے۔ ہیلمز نے اس بات کے سخت احکامات نافذ کئے کہ آئندہ یہاں کوئی منتقلی اس کی ذاتی اجازت کے بغیر بالکل نہیں ہوگی۔ اس کے اس اقدام سے دفاتر کے باہر منتقل کرنے کی رفتار عارضی طور پر کچھ کم ہوگی۔

1950ء کے آخر میں جب سی۔آئی۔اے کے دفتر کی عمارت تعمیر ہو رہی تھی ٹھیکیدار نے جس کے ذمہ کمروں کو گرم رکھنے اور ائیر کنڈیشنگ کا انتظام تھا۔

ایجنسی سے استفسار کیا کہ اس عمارت میں کتنے آدمی بٹھائے جائیں گے۔حفاظتی وجوہات کی وجہ سے ایجنسی نے اسے بتانے سے انکار کر دیا اور اسے اس بات پر مجبور کر دیا کہ وہ عمارت کے سائز سے اندازہ لگائے۔نتیجہ کے اعتبار سے گرم رکھنے کے نظام نے اچھا خاصا کام کیا لیکن ائیر کنڈیشننگ کے نظام نے صحیح طور پر کام نہ کیا۔

1961ء میں ابتدائی شکایات کے بعد ٹھیکیدار نے ہر دفتر میں ایک علیحدہ درجہ حرارت کو کنٹرول کرنے والا آلہ لگا دیا لیکن ایجنسی کے بہت سے ملازمین خود ہی بار بار اپنے دفتر کے اس آلہ کو ٹھیک کرنے لگے۔نتیجہ یہ ہوا کہ ائیر کنڈیشننگ کا نظام پہلے سے بھی زیادہ بگڑ گیا اس پر M&S ڈائریکٹوریٹ نے یہ فیصلہ دیا کہ آئندہ ان آلات کو استعمال نہ کیا جائے اور ہر ایک کو سر بمہر کر دیا گیا۔

ایم اینڈ ایس والے یہ بھول گئے کہ سی۔آئی۔اے ایک خفیہ ایجنسی ہے اور اس کے بہت سے آدمیوں نے تربیت کے دوران تالوں کو کھولنا اور بند کرنا بھی سیکھا ہوا ہے۔زیادہ تر آلات بہت جلد کھول لئے گئے اور دوبارہ کام کرنے لگے۔

اس پر سی۔آئی۔اے نے ٹھیکیدار کے خلاف عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا تا کہ اسے اس بات پر مجبور کیا جائے کہ وہ ان آلات کو ٹھیک کرے۔اس نے اپنے دفاع میں بتایا کہ اس نے بہترین قسم کا نظام لگایا ہے جو کہ وہ لگا سکتا تھا لیکن سی۔آئی۔اے نے اسے یہ نہیں بتایا کہ اس عمارت میں کتنے آدمی کام کریں گے۔سی۔آئی۔اے اس کے جوابی دلائل کا جواب نہ دے سکی اور مقدمہ ہار گئی۔

سی۔آئی۔اے کے ہیڈ کوارٹر کے غیر معمولی خدوخال کا ایک نمونہ اس کا کیفے ٹیریا ہے جو دو حصوں میں بنا ہوا ہے۔ایک خفیہ اور دوسرا کھلا حصہ ہے۔بڑا حصہ صرف ایجنسی کے ملازمین کے لئے ہے جس میں داخل ہونے سے پہلے ملازم کو اپنا بیج مسلح گارڈ کو دکھانا ہوتا ہے اور چھوٹا حصہ ملاقاتیوں اور ان لوگوں کے لئے ہوتا ہے جو کہ وہاں کام کرنے آتے ہیں حالانکہ چھوٹے حصے میں آنے والے ملاقاتی بھی امریکی



حکومت ہی کی مختلف ایجنسیوں کے بدقسمت ملازم ہوتے ہیں یا دوسرے چند ایک دوست ملکوں کے نمائندے یا پھر سی۔آئی۔اے کے ملازمین کے بیوی بچے دونوں حصوں کو اس طرح تقسیم کیا گیا ہے کہ کوئی ملاقاتی بھی سی۔آئی۔اے کے خفیہ آپریٹر کی کھانا کھانے کے دوران شکل تک نہیں دیکھ سکتا۔

سی۔آئی۔اے کے سب سے اعلیٰ درجے کے آفیسروں (سویلین جنرل کے برابر) کے لئے ان کے پرائیویٹ کھانے کے کمرے دفتر کے ساتھ بنے ہوئے ہیں۔جہاں ان کو بہترین قسم کا کھانا کیفے ٹیریا سے کم دام پر مہیا کیا جاتا ہے۔بہترین کراکری میں لینن کے سفید دستر خوان پر سیاہ فام بیرا سفید کوٹ پہنے ہوئے کھانا چنتا ہے۔

یہ بیرے اور انتظام کرنے والے باورچی سی۔آئی۔اے کے باقاعدہ ملازم ہیں۔برخلاف اس کے کیفے ٹیریا کے آدمی ٹھیکیدار کے ملازم ہوتے ہیں۔کئی موقعوں پر انتظامیہ اور بجٹ کے دفتر نے اس پرائیویٹ کھانے کے کمرے کے بہت زیادہ اخراجات کے متعلق سوالات کئے لیکن ایجنسی نے ہمیشہ ایسے حملوں کو ٹال دیا۔جیسا کہ وہ ایجنسی کی سرگرمیوں پر کئے گئے دوسرے اعتراضات کو قومی تحفظ کے نام پر ٹال دیا کرتی ہے اور یہی اس کا سب سے بڑا جواز ہوا کرتا تھا۔

سی۔آئی۔اے میں سوشل کلاس اور نچلی کلاس کا سوال ہمیشہ سے بہت اہم رہا ہے۔اس کی جڑیں جنگ کے اس زمانے تک پھیلی ہوئی ہیں جب کہ "آفس آف سٹریٹجک سروسز" کے حروف O.S.S کو بطور مذاق "Ok So Social" کہا جاتا تھا۔

ایک عرصے سے یہ بات سب کو معلوم ہے کہ امریکہ کے مشرقی علاقوں کے لوگ ایجنسی کی ملازمتوں سے عشق پیچاں کی بیل کی طرح چمٹے ہوئے ہیں۔ایلن ڈلس جو کہ ایک سابق امریکی ڈپلومیٹ اور وال اسٹریٹ کا مستند قانون دان ہے اس کو

ایجنسی کے خلاف آواز اُٹھانی پڑی کہ اس میں روزویلٹ ، بینے اور امریکہ کے اونچے گھرانوں کی نسل بھری پڑی ہے اگرچہ کچھ مستثنیات بھی ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں لیکن سی۔آئی۔اے کے اعلیٰ سطح کے لیڈروں میں سفید فام اینگلوسیکشن، پروٹسنٹ اور ایسٹرن اسکولوں کے گریجویٹ بھرے ہوتے ہیں جبکہ بدلتے ہوئے زمانے اور حالات نے ایسٹرن اثرات کو پوری امریکی حکومت سے منتشر کر دیا ہے اب بڑی طاقتوں میں سی۔آئی۔اے ہی اس قلعہ کا آخری برج رہ گیا ہے جو ہر ایک کو ترقی کے برابر مواقع دینے کے اُصول کو بہت ہی آہستہ آہستہ اپنا رہا ہے۔ یہاں ترقی اور تنزلی کے معیار وہ نہیں جو امریکہ میں عام طور پر دیکھنے میں آتے ہیں۔



ایجنسی کے سیکرٹریوں اور تمام دوسرے ملازمین کو ایک ضروری شرط کے طور پر جھوٹ پکڑنے والے ٹسٹ سے گزرنا ہوتا ہے۔ تب انہیں وقفوں کے بعد عام طور پر پانچ سال بعد یا جب بھی وہ سمندر پار کی ملازمت سے واپس آئیں ''بلیک بکس'' کے امتحان سے گزرنا ہوتا ہے۔

سی۔آئی۔اے ''پولی گراف ٹسٹ'' کے ذریعے اپنے ملازمین کی نجی زندگی کے متعلق ہر اس بات کا پتا کرتی ہے جو کہ تصور میں آسکتی ہے۔ جنسی تعلقات، نشہ آور ادویات اور ذاتی ایمانداری کے متعلق سوالات پوچھے جاتے ہیں اور حفاظتی انتظامات سے متعلق بھی سوالات پوچھے جاتے ہیں جو کہ ان کے کسی غیر ملکی ایجنٹ کے ساتھ تعلقات کی بابت ہوں۔

نوجوان سیکرٹری ان سوالوں کے متعلق بلاشبہ مشین پر منفی جوابات ریکارڈ



کراتے ہیں۔ جب ان سے یہ نپے تلے سوالات کئے جاتے ہیں کہ ''کبھی تم نے گورنمنٹ کی کوئی ملکیتی چیز چرائی ہے۔'' پولی گراف کے ماہرین جواب دینے والے اس کی وضاحت کر دیتے ہیں کہ اس میں پین، پنسل یا دوسری چھوٹی موٹی چیزیں شامل نہیں ہیں۔

سی۔آئی۔اے کے ملازمین جب اپنی حفاظتی تحقیقات اور جھوٹ پکڑنے والے ٹسٹ میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو ایجنسی انہیں تربیت دیتی ہے۔ بہت سے سیکرٹریوں کو واشنگٹن کے علاقے میں تربیت دی جاتی ہے اس ٹریننگ میں سارا زور کام میں رازداری برتنے کے امکانات پر دیا جاتا ہے۔

ان خواتین کو جنہیں سی۔آئی۔اے کے افسران کے ٹائپ اور فائل کے کام کے لئے باہر بھیجا جاتا ہے انہیں سراغ رسانی کے کاروبار کے چھوٹے کورسوں کی بھی تربیت دی جاتی ہے۔ ایک سابقہ سیکرٹری عورت نے بتایا کہ 1965ء کے آخر میں اس کی فیلڈ تربیت کا سب سے قابل ذکر حصہ وہ تھا جبکہ وہ ایک تربیت دینے والے کو واشنگٹن کے اسٹور ڈیپارٹمنٹ کے اندر اور باہر گھماتی ہے۔

1967ء میں N.S.A کی خبروں کے مطابق ایجنسی کے پیشہ ورجن میں سے اکثریت ان کی تھی جو کہ سی۔آئی۔اے کے دوست ساتھی پروفیسروں نے بھرتی کرائے تھے۔ انہیں بہت زیادہ واضح ہدایات دی گئیں جب وہ بطور ایک Career Trainee (سی۔ایف۔ایس) کے سی۔آئی۔اے میں بھرتی ہوئے۔ دو سال تک وہ عارضی حیثیت سے رہتے ہیں۔ پہلے سال انہیں تربیت کے رسمی پروگراموں سے آگاہ کیا جاتا ہے اور دوسرے سال میں عملی ہدایات دی جاتی ہیں۔ ورجینیا کے مقام آرلنگٹن میں سی۔آئی۔اے کے بروئے ہل عمارت میں C.T.S کو تعارفی کورسز جیسا کہ تحفظ ایجنسی کی تنظیم، سراغ رساں برادری اور بین الاقوامی تعلقات کی تربیت دی جاتی ہے۔ ایلن ڈلس جن دنوں کہ وہ سی۔آئی۔اے کا ڈائریکٹر تھا ان کلاسوں میں

جا کر تربیت پانے والوں کے ساتھ گپ شپ لگایا کرتا تھا اور ان کو یہ بتلاتا کہ پہلی جنگِ عظیم میں جب وہ سوئٹزر لینڈ میں امریکی ڈپلومیٹ ہوا کرتا تھا ایک سنیچر کی صبح کو اسے ایک روسی کا فون ملا۔ روسی امریکی حکومت کے کسی نمائندے سے فوراً بات کرنا چاہتا تھا لیکن وہ وقت ڈلس نے کسی نوجوان خاتون کو دے رکھا تھا۔ پس اس نے پیش کش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ روسی دراصل خود نکولائی لینن تھا اور ڈلس نوجوان C.T.S کو یہ اس لئے بتایا کرتا تھا کہ کام کے دوران انہیں ہر وقت چوکنا رہنے کی ضرورت ہے کیونکہ کام کے دوران انہیں جن لوگوں سے واسطہ پڑ سکتا ہے ان کی امکانی حیثیت کو وہ نظر انداز نہ کریں۔

اس کے بعد C.T.S کو ''دی فارم'' میں بھیجا جاتا ہے۔ یہ ولیمز برگ کے قریب ایک شعبہ ہے جس کی اصلیت کو چھپانے کے لئے اسے پینٹا گون کی ریسرچ اور ٹسٹنگ لیبارٹری کا نام دیا گیا۔ دراصل یہ ایک بڑے فوجی محفوظ مقام کی طرح ہے۔ اس میں بیرکیں، دفاتر، کلاس روم اور آفیسروں کے کلب وغیرہ کے گروپ ایک مرکز کے ارد گرد 480 ایکڑ کے رقبے میں پھیلے ہوئے ہیں۔

یہ رقبہ درختوں سے ڈھکا ہوا ہے، اس میں مختلف ہتھیاروں کے نشانے کے لئے مخصوص فاصلے اوپر سے کودنے کے مینار اور ایک خیالی دُشمن ملک کی جھوٹ موٹ کی بند سرحد وغیرہ بھی بنائے گئے ہیں۔ ان تربیت گاہوں سے بہت دُور اور جگہیں بھی بنائی گئی ہیں۔ جن پر کہ بہت سخت پہرہ لگا رہتا ہے۔ یہ جگہیں انتہائی پوشیدہ تجاویز کی تربیت کے لئے بنائی گئی ہیں نئے بھاگ کر آنے والوں کو سمجھانا کسی خاص آپریشن کی تجاویز کو ترتیب دینا یا کسی غیر ملکی اہم ایجنٹ کو تربیت دینا جسے کہ اپنے وطن جا کر سی۔ آئی۔اے کے لئے جاسوسی کرنا ہو۔

''دی فارم'' پر ان کی رسمی خفیہ تربیت کے ایک حصہ کے طور پر T.S.C کو روزانہ ہالی وڈ کی جاسوسی فلمیں دکھائی جاتی ہیں اور شو ختم ہونے کے بعد سب مل کر فلم



میں استعمال کی گئی تکنیک پر تنقید کرتے ہیں اس طرح اور فلمیں بھی دکھائی جاتی ہیں ایک سابق خفیہ آپریٹر ریمپارٹس نے اپریل 1971ء میں اپنے تجربہ کا حال بیان کیا ہے۔

''ہمیں ایجنسی کی تیار کی ہوئی فلمیں بھی دکھائی گئیں جن میں سی۔آئی۔اے کو سرگرم دکھایا گیا تھا۔ یہ فلمیں ایسی تھیں جیسے کہ ہالی وڈ نے اپنی فلموں کی نمائش کا میلہ لگایا ہو۔ ایسے ڈرامے سی۔آئی۔اے کے اندر ایک عام بات ہیں میرا ایک ساتھی جس نے 1963ء کی تربیتی کلاس میں حصہ لیا تھا، نے بتایا کہ ہمیں ہم U-2 کے معاملات پر ایک فلم دکھائی گئی۔ فلم کی ابتداء میں اس کے انسٹرکٹر نے رائے زنی کرتے ہوئے بتایا کہ صدر آئزن ہاور غصے میں آ گیا جب اس نے اس بات سے مسلسل انکار کیا کہ یوٹو سی۔آئی۔اے کا طیارہ تھا۔ انسٹرکٹر کہنے لگا کہ یہ کوئی خاص بات نہیں ہے مختصراً یہ کہ یوٹو ایجنسی کی فتح تھی کیونکہ یہ جہاز سوویت روس کی سرحدوں پر کم از کم پانچ سال پرواز کرتے رہے۔ اس عرصے میں غصے کے مارے سوویت لیڈروں کے منہ سے جھاگ بہتی رہی۔ ایک طرف تو یہ کہ وہ ایک بھی یوٹو گرانے میں ناکام رہے اور دوسری طرف وہ دُنیا پر اپنی نااہلیت بھی ظاہر نہیں کرنا چاہتے تھے۔

ان کے ذریعے سے یہ بات ظاہر ہو گئی اور ثابت ہو گئی کہ یوٹو کے فوٹو کیمروں نے اوپر سے نقل و حرکت کی بہت اچھی تصاویر لے کر ایک بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا۔ جب فلم ختم ہو گئی تو ہال میں روشنی کر دی گئی اور انسٹرکٹر نے کمرے کی پچھلی طرف اشارہ کر کے اعلان کیا کہ ''ناظرین وہ رہا ہماری فلم کا ہیرو'' وہاں فرانسس گرے پاورز کھڑا تھا۔ تربیت پانے والوں نے کھڑے ہو کر خوب داد دی۔

تمام C.T.S کو ہلکے ہتھیار چلانے کی تربیت دی جاتی ہے اور جنہیں فوجی فرائض سرانجام دینے ہوں وہ پورا کورس کرتے ہیں۔ اس میں دھماکے سے پھٹنے والے ہتھیار، توڑ پھوڑ، پیراشوٹ سے کودنا، ہوائی اور بحری آپریشنز اور توپ خانہ کی

تربیت شامل ہوتی ہے۔

یہ فوجی تربیت ٹھیکے پر آئے ہوئے سپاہیوں کو بھی دی جاتی ہے جو کہ اپنے آپ کو کرائے کے سپاہی کہلانا پسند نہیں کرتے۔انہیں اسپیشل آپریشنز کے لئے بالکل علیحدہ بھرتی کیا جاتا ہے۔وہ C.T.S کے ساتھ بعض دوسرے کورسوں میں شامل ہوتے ہیں۔لیکن نوجوان اور کم تجربہ کاروں کو جنہوں نے کہ ابھی حال میں اپنی تعلیم مکمل کی ہو C.T.S میں زیادہ حصہ انہی کا ہوتا ہے۔انہیں کرائے کے سپاہیوں کے ساتھ رکھنے سے اجتناب برتا جاتا ہے۔

ان کرائے کے سپاہیوں کی بڑی تعداد اور کچھ C.T.S دھماکے سے پھٹنے والے اور بھاری ہتھیاروں کی مزید تربیت حاصل کرنے کے لئے جس کی تربیت کی سہولتیں شمالی کیرولینیا میں موجود ہیں بھیجے جاتے ہیں۔ملٹری آپریشنز اور پیراملٹری آپریشنز کی تربیت شمالی کیرولینیا میں فورٹ برگ کے مقام پر اور نہر پانامہ کے علاقے فورٹ گلک میں دی جاتی ہے۔



اگرچہ ایجنسی کے ملازم اسی ریٹ سے تنخواہ لیتے ہیں جس سے کہ گورنمنٹ ملازمین لیکن وہ سول سروس کے ماتحت نہیں ہوتے۔گورنمنٹ کے قاعدے قانون کی پرواکئے بغیر ڈائریکٹر کو اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ وہ کسی آدمی کو ملازمت میں رکھ سکتا ہے اور جسے چاہے نکال سکتا ہے اور اس کے فیصلوں کے خلاف کوئی قانونی اپیل نہیں کی جاسکتی۔

عام طور پر سی۔آئی۔اے میں ان لوگوں کی بہت قدر اور دیکھ بھال کی جاتی ہے جو کہ تنظیم کے وفادار ہیں۔ایجنسی کی انتظامیہ کے افسروں میں عام طور پر یہ



زبردست احساس ہے کہ انہیں سب آدمیوں کی بہبود کا بہت خیال رکھنا چاہئے یہ احساس اس احساس سے کہیں زیادہ ہے جو عام طور پر گورنمنٹ اور اس کے ملازمین یا عام آجر اور ملازم کے درمیان پایا جاتا ہے۔

صرف حفاظتی انتظام کسی حد تک اس احساس میں حائل ہوتا ہے کیونکہ ایک ناخوش یا اقتصادی طور پر غیر مطمئن ملازم ہی کسی غیر ملکی جاسوس ایجنٹ کا شکار بن سکتا ہے۔لیکن یہاں اسے بہت کچھ ملتا ہے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ ہم سب ایک کشتی کے سوار ہیں۔اور ٹیم کے ہر فرد کی خوش اسلوبی سے دیکھ بھال ہونی چاہئے۔سی۔آئی۔اے کا ہر ملازم ایجنسی کا بہت ہی وفادار ہے یہ نسبت دوسری ایجنسیوں کے ملازمین کی وفاداری کے جو انہیں اپنے اداروں سے ہے۔تحفظ کے لئے بھی ان کے ایسے ہی وفادارانہ جذبات ہیں اور وہ بھی حقیقی اس کی وجہ ان کا لاشعوری خوف ہے یا کچھ اور اس سوال کا جواب مشکل ہے۔

مرکزی دفاتر کے مقابلے میں ایجنسی کے ملازمین کو بعض اہم فوائد حاصل ہیں۔مثلاً سی۔آئی۔اے نے اپنے طور پر کالج کے طلباء کے لئے موسم گرما کا ایک پروگرام بنا رکھا ہے۔گورنمنٹ کی دوسری ایجنسیاں تو کوشش کرتی ہیں کہ اقلیت کے نوجوانوں کو بھرتی کریں۔لیکن سی۔آئی۔اے کا پروگرام صرف اپنے ملازمین کے لڑکے اور لڑکیوں کے لئے ہے۔اس کا جواز بھی وہی تحفظ کا نظریہ ہے اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ بھی اپنے اندرونی خفیہ کاموں کے لئے ملازم رکھتا ہے اس سے نہ تو خرچہ پر اثر پڑا ہے اور نہ حفاظتی اقدامات پر یوں بھی امریکیوں کے لئے یہ کوئی پریشان کن مسئلہ نہیں۔

اگر سی۔آئی۔اے کا کوئی ملازم مرد یا عورت مرجاتا ہے تو سیکورٹی افسر فوراً ان کے گھر جاتا ہے اور دیکھتا ہے کہ پسماندگان کو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے۔ایسا اتفاقی طور پر نہیں ہوتا بلکہ وہ یہ بھی دیکھتا ہے کہ مرنے والے ملازم کے پاس گھر پر کوئی

سرکاری دستاویز تو نہیں پڑی۔ عام طور پر حفاظتی افسر تجہیز و تکفین میں بھی مدد دیتا ہے۔ تا کہ آخری مرحلے تک ''رازداری'' کا تحفظ ہو سکے۔



بنکنگ کی سہولیات حاصل کرنے کے لئے ملازم کی ہمت افزائی کی جاتی ہے کہ وہ سی۔آئی۔اے۔ کی قرض کی یونین سے فائدہ اُٹھائے جو کہ سی۔آئی۔اے کے ہیڈکوارٹر ہی میں واقع ہے۔ یونین ان چھپے ہوئے کلینڈسٹائن آپریٹروں کو قرض دینے میں بہت ماہر ہے۔ یہ بھی بہت کم ہوا ہے کہ کسی ملازم نے قرض ادا نہ کیا ہو اور اگر کبھی ایسا کوئی واقعہ ہو بھی جاتا ہے تو قرض دینے والی یونین قرض کی وصولی کے لئے معاملہ عدالت میں نہیں لے جاتی۔ کیونکہ اس سے بھی حفاظتی انتظامات کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔

سی۔آئی۔اے میں ایک خاص فنڈ بھی بنایا گیا ہے جس میں ایجنسی کے آفیسر سالانہ چندہ دیتے ہیں۔ یہ فنڈ ان ملازمین کے لئے قائم کیا گیا ہے جو اچانک مالی مشکلات کا شکار ہو جائیں کہ اس فنڈ سے ان کی امداد کی جا سکے۔

قرض کی یونین سی۔آئی۔اے کے ملازمین کو مختلف اقسام کی انشورنس کی سہولتیں بھی مہیا کرتی ہے۔ کیونکہ سی۔آئی۔اے کسی باہر کے ملازم کو بھی اپنے ملازم کے ذاتی کوائف مہیا نہیں کرنا چاہتی۔ اس لئے وہ بیمہ کرنے والے کو اس قسم کی کوئی اعداد و شمار فراہم نہیں کرتی جو کہ عام طور پر ایسی کمپنیاں مانگا کرتی ہیں۔ انہیں صرف عمر اور پالیسی کی مالیت کی بابت بتایا جاتا ہے۔ کمپنی اس بات کا سرٹیفکیٹ دیتی ہے کہ جو کچھ بھی بتایا گیا ہے وہ سب سچ ہے۔

ایجنسی کے ملازمین کو یہ ہدایت دی جاتی ہے کہ وہ ہوائی حادثے کی



انشورنس ہوائی اڈے پر بیٹھے ہوئے کمپنی کے ایجنٹ سے نہ کرائیں۔ بلکہ انہیں اس قسم کی انشورنس قرض کی یونین سے کرانی چاہئے۔

اس بات کی بھی کوشش کی گئی ہے کہ ایجنسی کے ملازمین کی سرگرمیوں میں باقاعدگی پیدا کی جائے۔ تا کہ ملازمین کے تنظیم سے تعلق کو اور زیادہ مضبوط بنایا جائے اور یقیناً اس سے تحفظ میں بھی امداد ملے گی۔ ملازموں کی سرگرمیوں کی ایسوسی ایشن کھیلوں، کرائے اور جسمانی ورزشوں تک کا انتظام کرتی ہے۔

ایسوسی ایشن سفری تفریح گاڑیوں کا انتظام بھی کرتی ہے۔ ٹکٹ پر تفریح کے لئے سپورٹس اور تھیٹر سروس کا بندوبست بھی کرتی ہے اور رعایتی قیمتوں پر ضروریات کی فراہمی کا بھی۔ سی۔آئی۔اے ریزرو فوجی آفیسروں کی تربیت کا بھی انتظام کرتی ہے۔ اس نے مقامی یونیورسٹیوں کے ساتھ یہ انتظام بھی کر رکھا ہے کہ اس کے اپنے پڑھانے والے کالج کے معیار کو بڑھائیں اور اپنے ملازمین کے فائدے کے لئے گریجویٹ کورسز بھی پڑھائیں گے مگر حفاظت کو مدنظر رکھتے ہوئے ان یونیورسٹیوں کے بجائے ہیڈکوارٹر کی عمارت میں ہی اس کا اہتمام ہوتا ہے۔

سی۔آئی۔اے دوسرے طریقوں سے بھی اپنے ملازمین سے پدرانہ شفقت سے پیش آتی ہے۔ عام طور پر وہ ملازمین کے درمیان جنسی پیار و محبت کو بھی برداشت کر لیتی ہے جب تک کہ تعلقات عام جنسی روابط سے آگے نہ بڑھیں۔ لیکن یہ تعلقات دُشمن کے جاسوسوں سے نہیں۔ حقیقت میں سی۔آئی۔اے کا سائیگان کا میڈیکل سنٹر 1960ء میں اس بات کے لئے مشہور تھا کہ اس میں بول و براز کی بیماریوں کے متعلق نہیں پوچھا جاتا۔ جبکہ اس شہر میں سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے افسر سفارت خانہ کے کلینک سے ویسی ہی بیماری کا علاج کروانا نہیں چاہتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اس کا انجام یہی ہو گا کہ اس بیماری کا اندراج ان کی ذاتی فائل میں کر دیا جائے گا اور ان کی کئی قبیح عادات کا انکشاف بھی ہو جائے گا اور بہت سے طریقوں سے

سی۔آئی۔اے اپنے ملازمین کی صحت کا بہت خیال رکھتی ہے۔

اگر سی۔آئی۔اے کا کوئی ملازم بیمار پڑ جاتا ہے تو وہ ایجنسی کے ڈاکٹر کے پاس علاج کے لئے جاسکتا ہے یا باہر کے منظور شدہ ڈاکٹر سے علاج کرا سکتا ہے۔

اگر کسی ملازم کا آپریشن ہونا ہو تو سی۔آئی۔اے کا محافظ آپریشن کے کمرے میں اس کے ساتھ جاتا ہے کہ وہ اچھی طرح اطمینان کر کے کہ بے ہوشی کی دوا کے زیر اثر بیمار ملازم کسی راز کی بات کا اظہار تو نہیں کر دیتا۔ اگر وہ ذہنی عدم توازن کا بیمار ہے تو اس کا علاج ایجنسی کے ماہر نفسیات یا پھر باہر کے منظور شدہ ماہر سے کرایا جاتا ہے اور اگر کوئی شدید قسم کا بیمار ملازم ہو تو اس کا علاج سی۔آئی۔اے کے منظور شدہ سینی ٹوریم سے کرایا جاتا ہے۔ اگرچہ اعداد و شمار تو نہیں رکھے گئے لیکن عام پوری آبادی کی نسبت ایجنسی کے کشیدہ ماحول میں ذہنی عدم توازن عام ہے اور سی۔آئی۔اے ذہنی صحت کے مسئلوں اور نفسیاتی طریقہ علاج کی طرف زیادہ توجہ دیتی ہے۔

خفیہ سروسز میں عدم توازن کو معمول کے مطابق کام کی تھکاوٹ شمار کرتے ہیں اور ملازمین کو صحت یاب ہونے کے فوراً بعد ہی کام پر واپس بلا لیا جاتا ہے۔ عام طور پر اس قسم کے مرض کو ملازمت کے لئے کوئی نقصان دہ بات تصور نہیں کیا جاتا۔

درحقیقت بات یہ ہے کہ کچھ آفیسر بھی جب وہ خفیہ سروسز میں تھے تو ذہنی عدم توازن کا شکار رہ چکے تھے اور اس سے ان کے مستقبل پر کوئی برا اثر نہیں پڑا۔ خفیہ سروسز کے ایک سابقہ چیف فرینک ونسر کو بھی ایسی ہی بیماری ہو گئی تھی لیکن بعد میں اسے لندن میں سی۔آئی۔اے سٹیشن چیف بنا دیا گیا۔ یہ روایت ابھی تک برقرار ہے۔

ایجنسی کے بہت سے افسر زیادہ شراب نوشی کے لئے مشہور ہیں۔ اسے بھی اس نظر سے دیکھا جاتا ہے کہ یہ ایک فنی افتاد ہے۔ اس معاملہ میں پھر شراب نوشی کو ایک ہمدردانہ انداز سے برداشت کیا جاتا ہے بہ نسبت دوسری تنظیموں کے۔ البتہ نشہ آور دواؤں کا استعمال قطعاً ممنوع ہے۔



قومی تحفظ کی خاطر شخصی پالیسیاں اور فائدے جو کہ سی۔آئی۔اے اپنے ملازمین کو مہیا کرتی ہے۔ اس میں حق بجانب ہے اور اس ضرورت کے پیش نظر بھی کہ اس طرح ایجنسی سے ان کی وفاداریوں میں اضافہ ہوتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی کیریئر آفیسر ذاتی طور پر ان سب باتوں کو کچھ اچھا نہیں سمجھتے اور ان سے اجتناب کرتے ہیں۔

اس قسم کے حالات سے محکمہ کے اندر دوسروں سے الگ تھلگ اپنی ہی ذات میں مرکوز ہونے کی ذہنیت پیدا ہو جاتی ہے خاص کر ایسی صورت میں جب کہ باہر سے زبردست دباؤ کا سامنا ہو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے اندر اپنی ہی غلطی پر اڑے رہنے اور مدافعانہ طریقہ کار کا جذبہ اس حد تک بڑھ جاتا ہے کہ فرد کو اپنی قوم کے اندر ہونے والے اہم واقعات سے بھی بالکل بے تعلق کر دیتا ہے۔

جب ملک کے اندر رہنے والوں کا یہ حال ہو تو ملک سے دور رہنے والوں کا کیا حال ہوگا۔ بجائے اس کے کہ اپنے پیشے کے متعلق ان میں بلند نظری اور احساس پیدا ہو۔ کیریئر افسروں میں بے حسی اس حد تک پیدا ہو جاتی ہے کہ انہیں سوائے اپنے ذاتی فائدے اور اپنی ملازمت کی خیر منانے کے اور کچھ نہیں سوجھتا۔ اس مقصد کو وہ اس طرح حاصل کرتے ہیں ان موجودہ سیاسی اور سماجی لیڈروں کے مطالبات کی تکمیل میں اس گروہ کے کام آتے ہیں جس سے ان کو ذاتی مفاد حاصل ہو سکیں۔



کسی بھی ایجنسی کے لئے ایجنٹ یا ہینڈلر (Handler) کا انتخاب سب سے اہم اور نازک مسئلہ ہوتا ہے کیونکہ اسی ایجنٹ نے متعلقہ ایجنسی کے اندرونی اور بیرونی آپریشنز میں اہم ترین کردار ادا کرنا ہوتا ہے۔ سی۔آئی۔اے بھی ایسے ہی

مسائل سے دوچار رہتی ہے۔

کسی بھی ایجنسی کے لئے اس کا سخت امتحان صرف آپریشنل معاملات نہیں ہوتے بلکہ ایجنسی کے لئے "جوہر قابل" یعنی اچھے ایجنٹ کی تلاش ہے جسے انٹیلی جنس کی مروجہ زبان میں **Spotting** کہتے ہیں۔ غیر ملکیوں اور امریکنوں کو جو سی۔آئی۔اے کے ایجنٹ بننا چاہتے ہوں کی تلافی کے لئے سی۔آئی۔اے کے آپریٹر (ہینڈلر) ٹارگیٹ ملک کے لوگوں میں گھل مل جاتے ہیں۔ تاکہ باصلاحیت ایجنٹ کو تلاش کر سکیں۔ یہ لوگ میزبان ملک کی حکومت کے خصوصی محکموں کے ملازمین جن میں بطور خاص ڈیفنس سروسز قابل ذکر ہیں اور وہاں کی انٹیلی جنس ایجنسیوں پر نظر رکھتے ہیں۔

اس سلسلے میں کسی ہچکچاہٹ کے بغیر مقامی امریکی سفارت خانے کو استعمال کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دُنیا کے بیشتر ممالک خصوصاً تیسری دُنیا کے ممالک میر امریکن سفارت خانوں کو "جاسوسی کے اڈے" کہا جاتا ہے ایران اس کی بہترین مثال ہے جس پر شاہ ایران کی حکومت کے خاتمے کے بعد جب انقلابی اسلامی حکومت کے "پاسداران انقلاب" نے قبضہ کیا تو وہاں سے برآمد ہونے والی دستاویزات نے ساری دُنیا کو چونکا کر رکھ دیا کیونکہ تہران کا امریکی قونصلیٹ دراصل سی۔آئی۔اے کا اس خطے میں "سب ہیڈ کوارٹر" **(Sub. H.Quarter)** تھا جہاں سے وہ قریباً جنوبی ایشیاء اور ایران کے ہمسایہ ممالک میں اپنی جاسوسی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے تھے۔ سپر پاور ہونے کے سبب امریکی سفارت خانوں کی تقاریب میں متعلقہ ممالک کے قریباً تمام وی آئی پی شمولیت کو اعزاز سمجھتے ہیں ان میں ہر طبقہ زندگی کے لوگ شامل ہیں اور سی۔آئی۔اے کے آپریٹر ان ہی میں سے اپنا شکار ڈھونڈ نکالتے ہیں۔

ایجنسی کے آپریٹر اپنی شناخت عموماً صحیح نہیں بتاتے وہ خود کو یا تو امریکن فوج کا آفیسر بتاتے ہیں جو سی۔آئی۔اے سے وابستہ ہے بعض خود کو حکومت امریکہ کے



نمائندے اور بعض خود کو یو۔ایس۔آئی۔ایس (امریکی اطلاعاتی ایجنسی) کے نمائندے بتاتے ہیں۔

سی۔آئی۔اے مقامی سفارتی سہولتوں کے علاوہ اپنے آپریٹرز کو متعلقہ ممالک میں طلباء، ریسرچ سکالر جرنلسٹ یا پھر مشنریوں کے روپ میں بھی روانہ کرتی ہے۔

سی۔آئی۔اے کا آپریٹر مستقل طور پر طاقتور غیر ملکی ایجنسیوں کی جراحت پذیری کو دیکھتا رہتا ہے نشاندہی اتفاقاً کسی کاک ٹیل پارٹی، اپنی بیوی کی گپ شپ سے، یا بعض بھرتی کئے ہوئے ایجنٹوں کی تجاویز سے، یا کسی صحیح امریکی سیاست دان یا کاروباری آدمی سے دانستہ یا دانستہ طور پر ہو جاتی ہے۔

ایجنسی کے آپریٹر کو ایجنسی کے ماہرین کی مطالعاتی رپورٹ یا امریکی کالجوں کے پروفیسروں کی طرف سے جو کہ ایجنسی کے ٹھیکہ پر ہوتے ہیں کی رپورٹ پر ہدایات دی جاتی ہیں کہ کون سے لوگوں میں جوڑ توڑ سے اثر پذیری کی صلاحیت ہے اور کون سے لوگوں میں پراسرار زندگی کے حربی پہلو سے لگاؤ ہے۔

ظاہر ہے کہ ایک ملک کے قابل جاسوس کی شخصیت اور کیس دوسرے ملک کے ویسے ہی جاسوس سے مختلف ہوگی لیکن بعض وسیع قسم کے ایجنٹوں کی وضع ایسی ہے کہ اثر پذیری اور ترجیح پانے میں ایک جیسے ہیں لیکن بہت سے بعد میں چنے جانے والے مخبر غیر ملکی ملازمین ہیں۔ جو اپنے ملک کی پالیسیوں سے مطمئن نہیں اور جن کی نگاہیں راہبری کے لئے امریکہ کی طرف اُٹھتی ہیں۔ اس قسم کے لوگوں میں وفادار اور عقیدت مند ایجنٹ بننے کی صلاحیت بہ نسبت ان لوگوں کے زیادہ ہوتی ہے جن کا ابتدائی نقطہ نظر صرف مالی فائدہ حاصل کرنا ہے اس لئے اوّل الذکر سی۔آئی۔اے کا شکار ضرور بنتے ہیں۔

معلومات حاصل کرنے کے لئے روپیہ کی یقیناً بہت اہمیت ہے۔ خاص کر

تیسری دُنیا میں لیکن سی۔آئی۔اے جس آدمی کو خرید سکتی ہے وہ مخالفوں کا ایک آسان ہدف بھی بن سکتا ہے دوسری طرف ایک ایجنٹ جو جائز طور پر یہ یقین رکھتا ہے کہ وہ جو کچھ بھی کر رہا ہے وہ ایک اعلیٰ مقصد ہے تو ایسا آدمی مخالف سروسز جو اس تک رسائی کیریں گی ان کے دام میں نہیں آئے گا اور اس بات کا امکان کم ہے کہ وہ نفسیاتی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جو کہ عام طور پر جاسوس کے کام میں رکاوٹ کا باعث بن جایا کرتی ہے۔

ایسا نظریاتی آدمی سی۔آئی۔اے کے آپریٹرز کے لئے ایک انعام ہے۔

جاسوسی کے لئے دوسرے متوقع اُمیدوار وہ ملازمین ہیں جو شاہ خرچ ہیں ان کے اخراجات ان کی آمدنی سے بہت زیادہ ہیں جنہیں کہ وہ اپنی معمول کی آمدنی سے پورا نہیں کر سکتے یا جن کی انتہائی کمزوری عورت ہے یا وہ جو شراب یا دیگر منشیات کے رسیا ہیں۔

آپریٹر عام طور سے بااثر ایجنٹوں کی تلاش ان لوگوں میں سے نہیں کرتا جو کہ اعلیٰ عہدوں پر کام کر رہے ہیں۔ وہ کسی ایسے آدمی کو منتخب کرتا ہے۔ جو چند ایک سالوں میں ترقی کر کے کسی اہم عہدے تک پہنچ جائے۔ (سی۔آئی۔اے کی معمولی امداد سے یا امداد کے بغیر) اس سلسلے میں طلباء کو خاص طور پر قیمتی اثاثہ سمجھا جاتا ہے خاص طور پر تیسری دُنیا کے ملکوں میں جہاں کہ یونیورسٹی کے گریجویٹ عام طور پر گورنمنٹ کی اونچی پوزیشنوں پر ڈگری حاصل کرنے کے چند سال بعد ترقی کر کے پہنچ جاتے ہیں۔

لاطینی امریکہ اور افریقہ کے ملکوں کی بہت سی قوموں میں چونکہ فوجی حکومتیں قائم ہیں یا ان کی نگرانی کا نظام مضبوط ہے۔ اس لئے ایجنسی ان ملکوں میں اپنے ایجنٹ فوج میں ڈھونڈنے پر زیادہ زور دیتی ہے۔ لہٰذا امریکی یونیورسٹیوں میں سے منتخب پروفیسر جنہوں نے اُمیدوار بھرتی کرنے کی خصوصی تربیت حاصل کی ہوتی ہے۔

فوجی تربیت دینے والے آفیسر جیسے کہ فورٹ لیون ورتھ اور کنساس کے سکول میں موجود آفیسر بڑے پیمانے پر بھرتی کرنے والوں میں شمار ہوتے ہیں اور ان



کے پاس بھرتی ہونے والوں کی ایک بڑی تعداد ہوتی ہے۔ متحارب ملکوں میں ایجنسی کے آپریٹروں کی توجہ کا مرکز مخالف جاسوسی سروسز کے ارکان ہوتے ہیں جہاں سے وہ اپنے لئے خفیہ ایجنٹ تلاش کرتے ہیں۔



ان تمام مراحل سے گزرنے کے بعد دوسرا اہم مرحلہ سی۔آئی۔اے کے لئے ایجنٹ کی Eveleuation یعنی اس کی اہمیت یا قدر و قیمت کا اندازہ لگانا ہوتی ہے۔ ایک اچھے جاسوس ایجنٹ کی نشاندہی ہونے کے بعد ایجنسی کے اعلیٰ دماغ اس سے متعلق حاصل کردہ تمام معلومات کا تنقیدی جائزہ لیتے ہیں۔

دُنیا کی شاید ہی کوئی ایسی اہم شخصیت ہو جس کے مکمل کوائف سی۔آئی۔اے کے کمپیوٹروں میں محفوظ نہیں جو ہیڈ کوارٹر لینگلے میں موجود رہتی ہیں۔ اس کمپیوٹر میں دُنیا کے قریباً ہر قابل ذکر شخص کا مکمل "بائیو ڈیٹا" محفوظ ہے یہ تمام وہ لوگ ہیں جو ماضی حال مستقبل میں کبھی بھی سی۔آئی۔اے کے لئے مسئلہ بن سکتے ہیں۔

اعداد و شمار کا یہ بینک بین الاقوامی کاروباری مشینوں کے ذریعے خاص طور پر سی۔آئی۔اے کے لئے بنایا گیا تھا۔ اور یہاں لاکھوں آدمیوں کے متعلق معلومات جمع ہیں۔ کسی ایجنٹ کی زندگی کے ذاتی کوائف اور اس کی صلاحیت کے بارے میں جو بھی معلومات یہاں سے ملتی ہیں وہ بذریعہ تار فیلڈ آپریٹر کو بھیج دی جاتی ہیں۔

اس دوران وہ مختلف امکانات کا جائزہ لیتا رہتا ہے اور اس کے پس منظر، شخصیت اور ترقی کے مواقع کے متعلق علیحدہ علیحدہ جانچ پڑتال کرتا ہے ان امکانات کی صحت کو جانچنے کے لئے اس کی نقل و حرکت کی نگرانی کی جاتی ہے تا کہ اس کی عادات و اطوار اور نظریات کے متعلق زیادہ معلومات حاصل کی جائیں آخر کار اس کے متعلق

ایک اندازہ قائم کیا جاتا ہے کہ اس کی توقعات اور محرکات کیا ہیں، نظریاتی، مالی اور نفسیاتی وابستگی کیا ہے۔

اگر اس کے محرکات نظریاتی، مالی یا نفسیاتی نہیں ہیں تو سی۔آئی۔اے ایسے طریقوں کو تلاش کرتی ہے جن سے اس پر دباؤ ڈالا جاسکے۔اسی وقت کیس آفیسر کو یہ اندازہ بھی لگانا ہوتا ہے کہ آیا مطلوبہ شخص صحیح ہے یا کہیں دشمن کا بھیجا ہوا کوئی ایجنٹ تو نہیں۔کہیں اشتعال انگیز یا ڈبل ایجنٹ تو نہیں۔سی۔آئی۔اے کی ٹیم کا کوئی رکن نشاندہی کرنے والا ہی اس بات کی ذاتی کوشش کرتا ہے کہ وہ اس کا اعتماد حاصل کرے اور دیکھے کہ اس کے ممکنہ شکار کی نفسیاتی نظریاتی اور معاشرتی پوزیشن کیا ہے اس سے ایجنٹ کی اوقات کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔

قدر وقیمت معلوم کرنے کا وقت ختم ہونے پر جو کہ کئی ہفتے یا کئی مہینے جاری رہتا ہے سی۔آئی۔اے کا ہیڈکوارٹر فیلڈ کے آدمیوں کے مشورے سے اس بات کا فیصلہ کرتا ہے کہ آیا اُمیدوار ایجنٹ کو ایجنسی کا جاسوس بننے کو کہا جائے۔

عام حالات میں اگر فیصلہ اثبات میں ہو تو اس صورت میں ایک باہر کا سی۔آئی۔اے کا آدمی اُمیدوار کے پاس جاتا ہے۔اس کام کے لئے نہ تو نشاندہی کرنے والا اور نہ ہی قدر وقیمت کا اندازہ لگانے والا اس کے پاس جاتا ہے بلکہ مقامی ایجنسی کا کوئی آدمی عام طور پر بھرتی کرنے کے لئے بھیجا جاتا ہے۔اس طرح اگر کوئی غلطی ہو جائے تو اس کام کے لئے جس آدمی کو نامزد کیا گیا ہو وہ اس قابل نہیں رہتا کہ سی۔آئی۔اے کے کسی آپریٹر کا نام ظاہر کرے۔

قاعدے کے مطابق سی۔آئی۔اے کا وہ آفیسر جو بات پکی کرنے جاتا ہے اسے ایک جھوٹی شناخت اور ایجنسی کا بنایا ہوا ایک جعلی امریکی پاسپورٹ دیا جاتا ہے۔اگر بات پکی کرنے والے آدمی کا راز کھل جائے اور مشکل میں پڑنے کا اندیشہ ہو تو اس ملک سے اس کو جلدی سے کھسک جانے کے احکامات ہوتے ہیں۔بھرتی کرنے والا



جب منظر پر ہوتا ہے تو ایجنسی کے آپریٹر ایک میٹنگ کا انتظام کرتے ہیں جو کہ ان کے اور اُمیدوار ایجنٹ کے درمیان ہوتی ہے ایسی ملاقات پہلے سے احتیاط سے کئے گئے انتظامات اور حالات کی مکمل نگرانی کے بعد کرائی جاتی ہے۔متعارفی آپریٹر تعارف کرنے کے بعد چلا جاتا ہے اب بھرتی کرنے والا اور اثر پذیر ایجنٹ تنہا رہ جاتے ہیں۔اس بات کا بھی انتظام کیا جاتا ہے کہ بھرتی کرنے والے کو اگر بھاگنے کی ضرورت پڑ جائے تو وہ خفیہ راستے سے بھاگ سکے۔یہ ضرورت ایسے موقع پر پڑتی ہے جبکہ بھرتی ہونے والا پیچھے سے گولی چلا دے۔اگر بھرتی کرنے والا سوچ میں تیز ہو تو اپنے اُمیدوار کے ارادے کو بھانپ کر اپنے اصلی مقصد کا اظہار یا سی۔آئی۔اے سے اپنی وابستگی کا ذکر کئے بغیر چالاکی اور ہوشیاری سے اس کے ساتھ معاملہ طے کرتا ہے۔

اگر اثر پذیر ایجنٹ نے پہلے ہی اپنی حکومت کے خلاف آواز اُٹھائی ہو تو بھرتی کرنے والا غالباً اس آدمی کے حب الوطنی کے فرض کو جگانے کی کوشش سے ابتدا کرے گا اور اس کے اعلیٰ اخلاقی رجحان کو آواز دے گا اور اس کو وہ طریقے بتائے گا جن سے وہ اپنے ملک اور اپنی قوم کی بھلائی کے لئے ایک خیر اندیش غیر ملکی طاقت کے ساتھ خفیہ تعاون کر کے اس کی امداد حاصل کر سکتا ہے۔یا کوئی ایسا لالچ جو اسے قبول ہو۔اگر دوسری طرف اُمیدوار روپیہ پیسہ کا لالچی ہے تو بھرتی کرنے والا اس کی کمزوری سے فائدہ اُٹھاتا ہے۔کیونکہ وہ ایسے ذرائع جانتا ہے جس سے کہ ایک آدمی بہت جلد بہت آسانی سے بہت سارو پیہ کما سکتا ہے۔اور اگر وہ آدمی اقتدار حاصل کرنا چاہتا ہے یا وہ جنس نشہ آور ادویات اور دوسری قباحتوں کا عادی ہے اور اپنے جذبات کی تسکین چاہتا ہے یا وہ اپنے ملک سے بھاگ جانا چاہتا ہے تا کہ اپنے گھرانے اور سماجی حالات سے چھٹکارا حاصل کرے تو بھرتی کرنے والا اپنی کوششوں کو ان انسانی ضروریات کی تکمیل تک محدود کر دیتا ہے وہ ہمیشہ اس کو ان ضروریات کے متعلق بعض پارٹیوں کے تعاون سے حاصل کرنے کی ترکیبیں بتاتا ہے۔

یہ لوگ اپنی حکومت کے خلاف جاسوسی کرنے کے لئے کئی وجوہات کی بنا پر تیار ہو جاتے ہیں یہ بھرتی کرنے والے کا کام ہے کہ وہ اس وجہ کو اگر ایسی کوئی ہے تو معلوم کرے۔ اس طریقے سے وہ اثر پذیر ایجنٹ کو متحرک کر کے جلدی اپنے ڈھب پر لے آتا ہے۔

اگر ایجنسی اس نتیجے پر پہنچتی ہے کہ اُمیدوار کو بلیک میل کیا جا سکتا ہے تو بات پختہ کرنے کے دوران الفاظ کے ہلکے سے پردے میں لپٹی ہوئی یہ دھمکی کہ اس کا یہ راز فاش کر دیا جائے گا۔ استعمال کی جاتی ہے۔ بہر حال بعض کیسوں میں بھرتی کرنے والوں کو اثر پذیر اُمیدوار سے براہ راست مڈ بھیڑ کرنی پڑتی ہے۔ اور ایسی صورت میں ایسا ثبوت مہیا کرنا پڑتا ہے جو اس کو بدنام کرنے کے لئے استعمال کیا جا سکے اور جو اسے ملازمت قبول کرنے کے لئے بالکل مجبور کر دے۔



ایسے تمام کیسوں میں بھرتی کرنے اور اُمیدوار کے درمیان میٹنگ کی گفتگو برقی لہروں کے سننے والے آلات کی مدد سے محفوظ کر لی جاتی ہے۔ ٹیپ ریکارڈر یا کسی اور طریقے سے تصاویر کے ذریعے یا انگلیوں کے نشانات یا اس کے علاوہ ایسے ذرائع بھی جو اس بات کا ثبوت مہیا کریں جس سے کہ بعد میں اُمیدوار کے خلاف الزام کا ثبوت مہیا کیا جا سکے۔

اگر شروع میں اسے بلیک میل نہ کیا جا سکے تو اُمیدوار جس نے دانستہ یا نادانستہ بھرتی کا معاہدہ پکا کر دیا ہے کو بعد میں بھی اس ثبوت کی وجہ سے ملازمت میں ترقی کا دروازہ بند کر کے مستقبل تباہ کیا جا سکے یا اسے جیل میں پہنچایا جا سکے۔ جب اُمیدوار سی۔آئی۔اے کی پیش کش کو قبول کر لیتا ہے یا بلیک میلنگ کے سامنے سر جھکا



دیتا ہے تب بھرتی کرنے والا انتظامات کی تفصیل میں جاتا ہے۔

اُمیدوار کو 5,000 سے 10,000 ہزار ڈالر ماہانہ تنخواہ کی پرکشش پیش کش کرتا ہے جس کا کچھ حصہ نقدی کی صورت میں اور زیادہ حصہ کسی امریکی یا سوئٹزر لینڈ کے بینک میں تیسری پارٹی کے نام سے جمع کرا دیا جاتا ہے۔ اُمیدوار حتی الامکان کوشش کرتا ہے کہ وہ نقدی کی صورت میں کم سے کم تنخواہ لے۔ تا کہ وہ آدمی عیاشی اور مے نوشی پر بے دریغ خرچ نہ کر سکے۔ اور اس طرح مقامی کاؤنٹر انٹیلی جنس کو خواہ مخواہ دخل اندازی کا موقع ہاتھ آ جائے اور دوسرے اس وجہ سے بھی کہ جاسوس پر اس کی گرفت مضبوط رہے۔

آخری وجہ خاص طور پر بہت اہم ہے کہ اگر ایجنٹ نظریاتی طور پر ہم آہنگ نہ ہو سکے تو اس پر کنٹرول کیا جا سکے۔ کیونکہ جب تک وہ ایجنسی کے زیر اثر رہتا ہے اس کی کوئی بھی بے احتیاطی ایجنسی کے لئے نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے۔ بھرتی کرنے والا اس کی ضمانت دیتا ہے کہ اگر ایجنٹ کو مقامی پولیس میں مشکلات پیش آئیں تو سی۔آئی۔اے ایجنٹ اس کے بیوی بچوں کی حفاظت کی ضمانت دے گا۔ اور خاص طور پر ایک اچھے ایجنٹ کو عمر بھر کی پنشن اور امریکی شہریت دینے کا وعدہ بھی کیا جاتا ہے۔

ان وعدوں کے ایفاء کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں جن کا انحصار آپریشن کے موقع محل کے اعتبار سے اور سی۔آئی۔اے کے کیس انچارج کی شخصیت سے بھی ہوتا ہے۔ بعض کیس آفیسر خشک مزاج اور بے رحم ہوتے ہیں۔ عام طور پر ان کے وعدوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی۔ کچھ کیس آفیسر ایسے ہوتے ہیں جو اپنے ایجنٹ کی امداد اور حفاظت میں غیر معمولی طور پر بہت آگے بڑھ جاتے ہیں۔

بھرتی کرنے والا جب نیا ایجنٹ بھرتی کرنے کی کوشش کرتا ہے تو گویا وہ سی۔آئی۔اے کے لئے کام کرنے کو تیار ہے۔ اس سے ایک تحریری اقرار نامہ پر دستخط کرا لئے جاتے ہیں جو اسے باضابطہ طور پر ایجنسی سے منسلک کر دیتا ہے۔ یہ ایک ایسی دستاویز ہوتی

ہے جس کو ایجنٹ کے خلاف دھمکی کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے جب وہ کسی کام کے کرنے میں ضد کی حد تک انکار کر رہا ہو اور کام وہ سی۔آئی۔اے کے لئے ناگزیر ہو۔

بھرتی کرنے والے کا آخری کام یہ ہے کہ وہ نئے ایجنٹ اور اس ملک میں رہنے والے آپریٹر کی میٹنگ کا انتظام کرے اور وہ آپریٹر ہی اس کا کیس آفیسر ہوگا اس مقصد کے لئے ایک دوسرے کو پہچاننے کے لئے پہلے ہی سے نشانیاں مقرر کر لی جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر ایک طریقہ یہ ہے کہ ایجنٹ کو ''کف بٹن'' کی ایک خاص جوڑی مہیا کی جاتی ہے اور اسے بتا دیا جاتا ہے کہ اسے جلد ہی ایک شخص ملے گا جس نے بعینہٖ ویسی ہی کف بٹن کی جوڑی پہن رکھی ہوگی۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ وہ آپس میں خاص الفاظ کا تبادلہ کریں گے جو کہ بعد میں کیس آفیسر ایجنٹ کو اپنی شناخت کروانے کے لئے استعمال کرے گا۔ جب یہ سب کچھ مکمل ہو جاتا ہے تو بھرتی کرنے والا میٹنگ ختم کر دیتا ہے اور اس کے بعد جس قدر جلد ممکن ہو وہ ملک چھوڑ دیتا ہے۔



جب ایک ایجنٹ کو بھرتی کر لیا جاتا ہے تو اس کا کیس آفیسر جلد ہی اس کی وفاداری اور اعتماد کو آزماتا ہے اس کو بعض ''ٹاسک'' دیئے جاتے ہیں۔ اگر وہ کامیابی سے کر لئے گئے تو یہ اس کی نیک نیتی اور خفیہ معلومات تک رسائی کی اہلیت کا ایک ثبوت سمجھا جاتا ہے۔

مثال کے طور پر یہ کہ وہ ایک ایسے معاملے کے متعلق معلومات فراہم کرے جن کا کہ اسے علم تک نہیں ہوتا لیکن ایجنسی کے پاس اس سے متعلق پہلے سے حاصل شدہ بہت سی معلومات ہوتی ہیں۔ اگر اس کی رپورٹ ان پہلی معلومات سے مطابقت نہ کرے تو سمجھا جاتا ہے کہ یا وہ ڈبل ایجنٹ ہے جو اس امر کی کوشش کر رہا ہے کہ وہ



اپنے کیس آفیسر کو گمراہ کرے یا پھر اس کی معلومات کمزور ذرائع سے حاصل شدہ ہوتی ہیں اور وہ اس بات کی کوشش کر رہا ہوتا ہے کہ وہ اپنے نئے مالک کو خوش کرے۔

امتحان کی مدت کے دوران حسب موقع ایجنٹ کی کارکردگی کی وقتاً فوقتاً احتیاط سے نگرانی کی جاتی ہے۔ کیونکہ اس نگرانی کے نتائج پر ہی ایجنٹ کی حیثیت اور کارکردگی کا تعین ہوتا ہے۔ سی۔آئی۔اے نئے ایجنٹ کا ایک ٹیسٹ بھی یہی ہے جس سے اس کے جھوٹ کی شناخت ہو جاتی ہے اور اس کام کے لئے سی۔آئی۔اے کے آپریٹر ''پولی گراف'' مشین کے نتائج پر زیادہ تر انحصار کرتے ہیں۔ ان کے ایجنٹ آپریشن کی زبان میں اس کو (بلیک بکس) کے نام سے موسوم کرتے ہیں، ''پولی گراف'' کے ماہرین ہیڈ کوارٹرز میں اور ایجنسی کے مختلف ریجنل امدادی مراکز پر موجود رہتے ہیں۔ تاکہ وہ خاص خاص کاموں کے ٹیسٹ کر سکیں۔

ایک ایسے ہی ماہر کے بیان کے مطابق غیر ملکی ایجنٹ کا ٹیسٹ کرنا ایک بالکل ہی مختلف قابلیت کا کام ہے۔ بمقابلہ امریکی باشندوں سے سوالات کرنے کے جنہیں کہ سی۔آئی۔اے کی کیریئر سروس کے لئے موزوں سمجھا گیا ہو۔ کیونکہ اس ماہر نے امریکی باشندوں کو بالعموم راست گو اور نسبتاً پیش گوئی کے قابل پایا اور اس طرح اس بات کو آسان بنا دیا کہ جو ایجنٹ ایجنسی کے معیار پر پورے نہ اُتریں۔ انہیں ان ایجنٹوں کو ٹیسٹ کرنا بہت مشکل امر ہے۔ ایسے کاموں میں ثقافتی فرق اور اس بات کو بھی مدنظر رکھتے ہوئے کہ ایسے کام غیر قانونی اور زیادہ خطرناک خفیہ نوعیت کے ہوتے ہیں۔ کچھ گنجائش رکھی جاتی ہے۔

ایسا ایجنٹ جس کو نظریاتی طور پر ہم خیال یا فعال بنا دیا گیا ہو، بالکل جذباتی آدمی ہوسکتا ہے۔ ایسے آدمی کا غیر معمولی طور پر اندازہ کرنا مشین کے ذریعہ ایک مشکل امر ہے۔ اس پر مکمل انحصار ممکن نہیں ہوتا۔



ایک آدمی جو صرف مالی فائدے کے لئے جاسوسی خدمات انجام دے رہا ہو یا پھر اپنے بعض ذاتی عیوب کی تسکین کے لئے ایسا کر رہا ہو۔ اسے سمجھنا بہت ہی مشکل ہے۔ کیونکہ ایسا کوئی پیمانہ موجود نہیں ہے جس سے کہ اس کی اخلاقی حدود کی پیمائش کی جاسکے۔

پیدائشی جھوٹوں، پیدائشی متلون مزاجوں اور نشہ آور ادویات کے عادی لوگوں پر ''بلیک بکس'' آسانی سے استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ ''پولی گراف'' کے ماہرین کے مطابق کسی ایجنٹ کے قابل اعتماد اور مخلص ہونے کے فیصلے کی بنیاد نہ صرف مشین کی پیمائش تک محدود ہے بلکہ اس کا انحصار ماہر کی ذاتی سمجھ بوجھ پر بھی ہے۔ ایجنٹ کو بہرحال یہ پختہ یقین دلایا جاتا ہے کہ ''بلیک بکس'' کے کام میں بالکل غلطی نہیں ہوسکتی۔ پس اگر وہ نہ ہی پوری طرح تربیت یافتہ ایجنٹ ہے اور میڈیکل رپورٹ کے مطابق نہ ہی وہ ذہنی عدم توازن کا مریض ہے تو امکانی حد تک وہ سچ ہی بولے گا کیونکہ نفسیاتی طور پر اسے یقین دلا دیا جاتا ہے کہ اس کا جھوٹ بہرحال پکڑا جائے گا اور معمولی جھوٹ پر بھی وہ ہمیشہ کے لئے جھوٹا قرار پائے گا۔

جب ایجنٹ جانچ پڑتال کے مراحل سے گزرتا ہے تو اس کو وہ خاص ہدایات دی جاتی ہیں جو اس کے نئے پیشے یعنی جاسوسی کے فن کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔

آپریشن کے موقع و محل کے اعتبار سے مختلف نوعیت کی تربیت دی جاتی ہے۔ بعض موقعوں پر خفیہ ہدایات بالکل مکمل ہوتی ہیں اور بعض دوسرے موقعوں پر ہدایات کچھ ایسی ہوی ہیں کہ ان پر عملدرآمد تقریباً ناممکن ہوتا ہے اور اس طرح ہدایات نہ ہونے کے برابر ہوتی ہیں۔ ایسے حالات میں ایجنٹ کو اپنی ذہانت، صلاحیت اور اپنے کیس آفیسر کی پیشہ ورانہ ہدایات اور خفیہ زندگی کے تجربات کے مطابق کام کرنا ہوتا ہے جیسا کہ آپریشن کے حالات کا تقاضا ہو کیونکہ تربیتی معلومات کے برعکس حالات ہر وقت پیش آسکتے ہیں۔

جب ایک ایجنٹ کو تربیت کا موقع مہیا کیا جاتا ہے تو اسے ضرورت کے



مطابق کسی بھی سامان کے استعمال کے طریقے سمجھائے جاتے ہیں۔

مثال کے طور پر دستاویزات کے فوٹو لینے کے لئے بہت چھوٹے کیمروں کا استعمال۔

## خفیہ مواصلات کے طریقے:

خفیہ نویسی، خاص زبان میں ریڈیو پیغامات اور اسی طرح کے دوسرے طریقے سمجھائے جاتے ہیں۔

خفیہ رابطہ کے استعمال کا طریقہ بھی سکھایا جاتا ہے۔ حفظ ماتقدم کی تربیت بھی دی جاتی ہے جہاں تک کہ پکڑے جانے اور چھپ کر باتیں سننے کے خطروں سے بچنے کا تعلق ہے ایسا ہر ممکن طریقہ اسے بتایا اور سمجھایا جاتا ہے۔

ایجنٹ کی موجودگی اور خفیہ سروسز کی نظر میں اس کی قدر و قیمت پر منحصر ہے جس کے مطابق اس کا کیس آفیسر اس کو چند چھوٹے چھوٹے سبق دیتا ہے جس میں اس کو برقی لہروں کے آلے کے استعمال کے طریقے سمجھائے جاتے ہیں اور یہ بھی کہ ایجنسی سے ''کٹ آؤٹس'' کے ذریعے رابطہ کس طرح قائم کیا جائے اسے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایسی من گھڑت کہانی اپنے گھر والوں کو سنائے جس کو سن کر اس کے گھر والے اسے کئی دنوں بلکہ کئی ہفتوں تک گھر سے باہر ایجنسی کے محفوظ گھروں میں رہنے کی اجازت دے دیں۔

اسے ایسا بہانہ بھی بنانا پڑتا ہے جس کی بنیاد پر وہ بیرون ملک کسی دوسری قوم میں جاسکے جہاں تربیت دینے کی آسانیاں میسر ہوں جہاں اس بات کا امکان کم ہو کہ اس کے ملک کی سیکورٹی سروس اس کی نگرانی کرتی رہے گی۔

اپنے ملک میں بھی تربیت کے لئے لایا جاسکتا ہے جہاں اس کی مسلسل نگرانی ہو۔ غیر ملکوں سے بھرتی کئے ہوئے آدمیوں کے لئے سی۔آئی۔اے کے دوسری تمام سرگرمیوں سے کٹے ہوئے تربیت کے خاص مراکز جنوبی ورجینیا میں

کیمپ پیری میں واقع ہیں جو کہ ''دی فارم''، (The Farm) کے نام سے مشہور ہیں۔ ''را'' کے ایسے دفاتر مرکزی اور جنوبی بھارت میں موجود ہیں۔

فن جاسوسی کے متعلق ایجنٹ کو جو کچھ سمجھایا جاتا ہے اُس کے مفید ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں اور اس تربیت کا زمانہ اس کے کیس آفیسر اور اُستادوں کے لئے اس بات کا اچھا موقع فراہم کرتا ہے کہ اسے اپنے مقصد کے لئے فعال بنا سکیں اور ایجنسی کے لئے اس کی وابستگی کو بڑھا سکیں۔

ایجنٹ کو خفیہ استعداد اور ایجنسی کی قوت سے متعارف کرایا جاتا ہے۔ وہ اپنے پیشے کی مضبوطی سے بنے ہوئے تانے بانے کو دیکھتا ہے۔ اسے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی سابقہ طرز زندگی کو خیر باد کہہ رہا ہے لیکن اب اس کے سامنے ایک بہتر زندگی کا موقعہ موجود ہے۔ اس کے اچھے کام کے صلے میں اسے سیاسی پناہ حاصل ہو جائے گی۔ جس حکومت کو وہ چھوڑ رہا ہے ہوسکتا ہے کہ اس کی جگہ بہتر حکومت قائم ہو جائے۔ پس اس کی نئے مالک سے وفاداریوں میں بھی جعلسازی کی جاتی ہے۔ یہ کیس آفیسر کا کام ہے کہ وہ اپنے ایجنٹ کے ذہن میں یہ تاثرات قائم رکھے اور موقعہ محل کے مطابق نئے جھوٹ تراشتا رہے اسے بہرحال اپنے ایجنٹ کو مطمئن رکھنا ہوتا ہے۔

## ایجنٹ کی نفسیات:

ایک ایجنٹ کی کامیابی سے تربیت کرنے کا انحصار کیس آفیسر اور ایجنٹ کے تعلقات کی مضبوطی پر ہے جو کہ کیس افسر اپنے ایجنٹ سے قائم کرتا ہے سی۔آئی۔اے کے ایک سابقہ آپریٹر کے مطابق ایک اچھا کیس افسر وہ ہے جس میں یہ خوبیاں موجود ہوں کہ وہ ایک مکمل جاسوس ہو۔ ماہر نفسیات ہو اور غلطیوں کا اعتراف کرنے کی میں ہمت رکھتا ہو۔

امریکن سی۔آئی۔اے میں ایجنٹ سے کام لینے کے متعلق دو نظریئے موجود ہیں ایک کو ''بیڈی''، (Bady) طریقہ کار کہتے ہیں۔ اس کے مطابق کیس آفیسر اپنے



ایجنٹ سے قریبی ذاتی تعلقات قائم کرتا ہے اور اس کو یہ احساس دلاتا ہے کہ دونوں مل کر ایک اہم عظیم مقصد کے حصول کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ انداز ایک مضبوط قوت عمل پیدا کرتا ہے جس سے کہ ایجنٹ کی ہمت افزائی ہوتی ہے اور وہ اپنے دوست کی خاطر بڑے سے بڑا خطرہ مول لے لیتا ہے۔ بہت سے پرانے آپریٹرز کا یہ خیال ہے کہ ''بیڈی'' طریقہ کار میں خطرہ یہ ہے کہ کیس آفیسر کو اپنے ایجنٹ سے ایک جذباتی لگاؤ پیدا ہو جاتا ہے اور سی۔آئی۔اے کا آدمی اپنا پیشہ ورانہ فرض بھول جاتا ہے۔

دوسری طرف ایجنٹ سے کام لینے کے متعلق جو شکل اُبھرتی ہے وہ ایک خشک مزاجی کا انداز ہے جس میں آپریٹر ایجنٹ سے جھوٹ بولتے ہوئے دکھاوے کے تعلقات قائم کرتا ہے جبکہ درحقیقت اس سے مکمل بے رحمانہ برتاؤ کیا جاتا ہے جو کہ سنگ دلی کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ ایسے کیس آفیسر کی نگاہ شروع ہی سے نتائج پر لگی ہوتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ آپریشنل کارگزاری حاصل کرنے کے لئے وہ ایجنٹ کو انتہائی دور تک دوڑاتا ہے۔ اس طریقہ میں بھی خامیاں ہیں اور وہ یہ کہ ایک دفعہ جب ایجنٹ کو یہ محسوس ہو جاتا ہے کہ اس کا کیس آفیسر اس سے صرف کام ہی نکالنا چاہتا ہے اور ایجنٹ سے اس کو کوئی ہمدردی نہیں ہے تو اس کی وفاداری بہت جلد ہوا ہو جاتی ہے۔

ایجنٹ بہت اُلجھے ہوئے ذہن کے مالک ہوتے ہیں جن کا توازن قائم رکھنا بہت مشکل ہے وہ اسباب جن کی وجہ سے خفیہ کھیل میں شمولیت کرتے ہیں بہت سے اور بہت ہی پیچیدہ ہوتے ہیں۔ وہ اُلجھنیں اور دباؤ جن میں رہ کر کام کرتے ہیں ان کی شخصیت کو کچھ اس طرح کا بنا دیتے ہیں کہ ان کے متعلق کوئی پیش گوئی نہیں کی جا سکتی کہ کس لمحے وہ کیا کر بیٹھیں۔ کیس آفیسر کو ان کے متعلق ہمیشہ چوکنا رہنا پڑتا ہے اور اس پر نظر رکھنی پڑتی ہے کہ اس کا ایجنٹ غیر معمولی طور پر پریشان تو نہیں۔ ایسا تو نہیں کہ وہ مشن پورا نہ کر رہا ہو۔

• آپریٹر کو خوشامد، دھمکی، نظریات، روپیہ، جذباتی لگاؤ اور سنگ دلی کا ایک

متناسب امتزاج بنانا پڑتا ہے تاکہ اس کا ایجنٹ تن دہی سے اس کا کام کرتا رہے۔اس کی ایک مثال ماضی میں روسی جاسوس نپکووسکی کا کیس ہے۔



ایم آئی -6 اور سی۔آئی۔اے کے افسروں نے یہ جان لیا تھا کہ روسی جاسوس نپکووسکی پر خوشامد خاص طور پر بہت اثر کرتی ہے اور اس کو فعال بنا دیتی ہے۔ اگرچہ وہ برطانوی اطوار کو ترجیح دیتا تھا تاہم نپکووسکی امریکیوں کی قوت کی تعریف کرتا تھا۔اس لئے چپکے سے اسے امریکی شہریت کے حقوق دے دیئے گئے اور سی۔آئی۔اے کا ایک خفیہ تمغہ بھی۔چونکہ وہ ایک فوجی آدمی تھا اس لئے اس کو عہدہ کا بہت زیادہ خیال رہا کرتا تھا۔نتیجہ یہ ہوا کہ اسے بتانے کے لئے کہ اِدھر سے اُدھر آنے میں اس کے عہدے میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی امریکہ کی فوج میں اسے کرنل کا عہدہ دے دیا گیا۔یہ سارا کھیل بہت کامیابی اور مہارت سے کھیلا گیا۔

نپکووسکی ایک محنتی اور چست جاسوس تھا دومرتبہ وہ ایک اعلیٰ سطح کے وفد کے ساتھ سوویت روس سے باہر سفر پر گیا۔یہ وفد سوویت روس کے تجارتی شو کے متعلق تھا۔دونوں مرتبہ (پہلی دفعہ جبکہ لندن جانے کا اتفاق ہوا اور دوسری مرتبہ پیرس) وہ اپنے روسی ساتھیوں میں سے کھسک جاتا اور برطانوی اور امریکی کیس افسروں کے اجلاس میں شمولیت کرتا تاکہ وہ تربیت حاصل کرے۔لندن کی میٹنگوں میں سے ایک میں اس نے کہا کہ وہ اپنے آپ کو امریکی فوجی وردی میں دیکھنا چاہتا ہے نہ تو سی۔آئی۔اے کے کسی آدمی اور نہ ہی برطانوی آپریٹروں میں سے کسی کو توقع تھی کہ وہ ایسا سوال کر بیٹھے گا۔بہرحال ایک ذہین افسر نے کہا کہ وردی یہاں نہیں ہے بلکہ دوسرے مقام پر سیف ہاؤس میں رکھی ہے اور یہاں سے جانے اور لا کر نپکووسکی کو دکھانے کے



لئے کچھ وقت لگے گا۔

جاسوس عارضی طور پر خاموش ہو گیا فوراً سی۔آئی۔اے کے ایک کیس آفیسر کو بھیجا گیا کہ وہ ڈھونڈ کر ایک کرنل کی وردی کہیں سے لے آئے تاکہ نپکووسکی کو دکھلائی جا سکے۔لندن بھر میں دو گھنٹے تک گھومنے اور تلاش کرنے کے بعد ایک ایسے امریکی کرنل کی وردی مل گئی جو کہ قد وقامت میں نپکووسکی جیسا تھا۔آپریٹر کامیابی سے میٹنگ میں عین اس وقت واپس آیا جبکہ اجلاس ختم ہو رہا تھا۔وردی لے کر نپکووسکی بہت خوش ہوا۔

کئی ماہ بعد جبکہ سی۔آئی۔اے کے آپریٹرز پہلے سے تیار تھے پیرس میں ایک بالکل نئی نپکووسکی کی پیمائش کے مطابق سلی ہوئی کرنل کی وردی میٹنگ کے کمرہ کے ساتھ والے کمرے میں لٹکا دی گئی جہاں کہ معلومات کا تبادلہ ہو رہا تھا۔جب میٹنگ ختم ہو گئی اور وردی نپکووسکی کو پیش کی گئی تو وہ اسے دیکھ کر اس کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔



سی۔آئی۔اے نے 1950ء میں مشرقی یورپ کے ایک سراغ رسان آفیسر کو وی آنا میں بھرتی کیا۔نپکووسکی کی طرح وہ بھی نظریاتی بنیادوں پر ادھر شامل ہوا تھا۔اس سے ایک اچھی بھلی تنخواہ اور آپریشن کے ختم ہونے کے بعد آرام دہ پنشن کا وعدہ کیا گیا اور یہ بھی کہ اس وقت وہ باقاعدگی سے بھاگ کر امریکہ آ جائے گا اس کے کیس افسر نے وی آنا میں اسے براہِ راست ادائیگیاں کرنے سے اجتناب کیا تاکہ مخالفوں کا اس کی طرف توجہ دینے کا خطرہ باقی نہ رہے۔

یہ احتیاطی تدبیر ایجنٹ کے سمجھ میں بھی آ گئی اور وہ اس پر راضی ہو گیا۔لیکن اس کے باوجود کچھ عرصے جاسوسی کرنے کے بعد اس نے اچانک ایک دن ایک بڑی

رقم کا مطالبہ کر کے اپنے کیس افسر کو حیران کر دیا اور یہ بتانے سے بھی انکار کر دیا کہ اتنی بڑی رقم کی اسے کیا ضرورت پڑ گئی ہے۔سی۔آئی۔اے کے مقامی اسٹیشن کے چیف اور ہیڈ کوارٹر سے مشورہ کیا گیا آخر یہ فیصلہ ہوا کہ خطرہ مول لے کر رقم اس کو دے دی جائے اور کیس آفیسر کو بتا دیا گیا کہ وہ اس رقم کو کسی ایسے کام میں صرف نہ کرے جس سے کہ کسی قسم کے خطرے کا اندیشہ ہو۔ایجنسی کے آپریٹروں نے یہ دیکھنے کے لئے کہ وہ اس رقم کو کس طرح تصرف میں لائے گا اس کی نگرانی شروع کر دی۔آنے والے ہفتہ کے آخر میں انہیں یہ دیکھ کر بہت حیرت ہوئی کہ وہ دریائے ڈینوب میں ایک موٹر بوٹ پر جو کہ اس نے خود خریدی تھی سیر کرتا پھر رہا تھا۔چند دنوں بعد اس کے کیس آفیسر کے حالات بظاہر ایسے نہیں کہ وہ اپنی تنخواہ سے ایسی ایک کشتی خرید سکے۔

ایجنٹ نے اس بات سے اتفاق کر لیا اور بتایا کہ جب وہ ایک چھوٹا سا لڑکا تھا تب سے اس کی یہ خواہش تھی کہ اس کی اپنی موٹر بوٹ ہو۔اب جبکہ اس کی یہ خواہش پوری ہو چکی ہے وہ اس پر بالکل تیار ہے کہ کشتی سے چھٹکارا حاصل کر لیا جائے۔

ایک دوسرا مشرقی یورپین جس نے کئی سال پہلے سی۔آئی۔اے کے لئے جاسوسی کی تھی اس نے پنشن اور مغرب میں سیاسی پناہ جیسی تمام مراعات حاصل کرنے سے انکار کر دیا وہ صرف بنی گڈ مین (Benny Good Man) کا ریکارڈ طلب کرتا تھا۔ایک ایجنٹ سے کام لینے میں سب سے زیادہ مشکل اس وقت پیش آتی ہے جب کیس افسروں کا تبادلہ کیا جاتا ہے۔سی۔آئی۔اے کی پالیسی یہ ہے کہ وہ اپنے اکثر آپریٹروں کو جو کہ بیرون ملک ملازمت کے لئے بھیجے جاتے ہیں سفارتی اور دوسرے قسم کے آفیسر ظاہر کرتی ہے اور اس طرح ان کو دوسروں کی نظر سے بچائے رکھتی ہے۔اس طرح کیس آفیسروں کو سفارتی نمائندے AID کے ملازمین محکمہ دفاع کے نمائندے وغیرہ ظاہر کیا جاتا ہے تو یہ بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ ان کی ہر دوسرے سے چوتھے سال تک دوسرے ملکوں یا واشنگٹن میں ہیڈ کوارٹر میں تبدیلیاں کی جائیں



جیسا کہ امریکہ کے دوسرے ملازمین کے ساتھ رواج کے مطابق کیا جاتا ہے۔جانے والا کیس آفیسر اپنے تمام ایجنٹوں کا نئے آنے والے کیس آفیسر سے تعارف کراتا ہے لیکن عام طور پر ایجنٹ نئے کیس آفیسر کے ساتھ ساتھ ابتداء میں کام کرتے ہوئے ہچکچاتے ہیں۔جب ایک افسر کے ساتھ ایک طویل رفاقت رکھتے ہوئے ایک دوسرے کو سمجھ چکے ہوتے ہیں عام طور پر ایسی تبدیلیاں نہیں چاہتے۔ان کی ہچکچاہٹ کبھی ایجنسی کی اس پالیسی کی وجہ سے بہت بڑھ جاتی ہے کہ نوجوان کیس آفیسروں کو منجھے ہوئے آپریٹروں کا انچارج مقرر کر دیا جاتا ہے اس طرح سے جونیئر آپریٹروں کو ایجنٹوں سے تجربہ حاصل ہوتا ہے۔

قاعدے کے مطابق پرانے ایجنٹوں کو پیشہ ورانہ رہنمائی اور ہمدردانہ دستگیری کی اتنی ضرورت نہیں ہوتی جتنی نئے بھرتی ہونے والوں کو ہوتی ہے۔بہرحال بہت سے ایجنٹ یہ محسوس کرتے ہیں کہ ایک ناتجربہ کار افسر کے ساتھ کام کرنے سے وہ خطرہ میں گھر جاتے ہیں اس لئے وہ تبدیلی سے گھراتے ہیں۔

تبدیلیاں کرنے کی پالیسی پر پوری طرح عمل کیا جاتا ہے لیکن عام طور پر بیشتر حالات میں اس سے آپریشن کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔اگر ایجنٹوں کی وفاداری کو برقرار رکھنے کے لئے ترغیبات اور وعدے ناکافی ثابت ہوں تو پھر بلیک میل کی دھمکیاں تو کہیں نہیں گئیں۔ان سے کام نکالا جاتا ہے۔

ایجنسی کے حفاظتی انتظامات کے لئے اکٹھے ہوئے ثبوت، خفیہ ٹھیکے ادائیگیوں کی دستخط شدہ رسیدیں گفتگو کے ٹیپ ریکارڈ اور مختلف فوٹو عام طور پر ضدی قسم کے ہچکچانے والوں کو بھی سی۔آئی۔اے کے لئے کام پر راضی کر دیتے ہیں۔

بعض بہت ہی نازک قسم کے آپریشنز کے موقعوں پر کیس آفیسروں کی تبدیلی کسی بہت ہی اہم ایجنٹ کی خواہش کے مطابق روک بھی دی جاتی ہے۔کسی آپریٹر کے کسی ملک میں ایک طویل عرصے تک رہنے کو اتنا زیادہ نقصان دہ نہیں سمجھا جاتا لیکن

آپریٹر کے جو نازک تعلقات ایجنٹ سے بڑھ چکے ہوتے ہیں ان کا برقرار رکھنا زیادہ اہم ہے۔ کیونکہ ان کے برقرار نہ رہنے سے اس سے زیادہ نقصان کا اندیشہ ہے۔



ایجنٹ طبعی اسباب سے بھی مر سکتا ہے اور حادثہ میں بھی۔ اسے گرفتار کر کے جیل میں بھی بھیجا جا سکتا ہے۔ اس پر مقدمہ بھی چلایا جا سکتا ہے۔ ان تمام واقعات کے پس پردہ آپریٹرز جو کہ واقعات پر گہری نظر رکھے ہوتے ہیں ان کے پیش نظر صرف اپنی ایجنسی کے مفادات کی حفاظت کا خیال ہوتا ہے عام طور سے وہ اس حقیقت کو چھپاتے ہیں کہ وہ آدمی حکومت کا خفیہ ایجنٹ تھا۔ بہرحال بعض اوقات ایجنسی خود ہی آپریشن کو ختم کر دیتی ہے اور ایجنٹ کو ٹھکانے لگا دیتی ہے۔ آپریشن کو ختم کرنے کا فیصلہ کسی ملک کا چیف آف دی اسٹیشن کرتا ہے جو کہ اس ملک میں موجود ہوتا ہے جہاں کہ آپریشن ہو رہا ہو لیکن اس کی منظوری وہ ہیڈ کوارٹر سے حاصل کرتا ہے۔

کسی ایجنٹ سے معاہدہ صرف اس وجہ سے بھی ختم کیا جا سکتا ہے کہ اسے ان رازوں تک رسائی حاصل نہیں ہو سکتی جن کی ایجنسی کو ضرورت ہے۔ زیادہ مشکل اور پیچیدہ جذباتی عدم استحکام ہوتا ہے۔ یا ذاتی اعتماد میں کمی جس کی وجہ سے آپریشن خطرہ میں پڑ جاتا ہے۔

افشائے راز اور گرفتاری کا خطرہ سب سے بدترین یہ کہ سیاسی بے اعتباری یہ گمان بھی ہو سکتا ہے کہ آدمی شروع ہی سے یا اب ڈبل ایجنٹ اشتعال انگیز یا دھوکہ دینے والا بن گیا اور وہ مخالف سراغ رساں ایجنسی سے راہنمائی حاصل کر رہا ہے یا پھر ایک ہی وقت میں دو ایجنسیوں کو بے وقوف بنا رہا ہے۔

بیکار یا مستحکم ایجنٹ عام طور پر خریدا جا سکتا ہے یا اگر ضروری ہو تو کامیابی



سے دھمکایا بھی جا سکتا ہے۔ ایک قابل اعتماد یا مفید ایجنٹ کی طرف سے اگر مخالفوں سے سمجھوتہ یا راز بتا دینے کا خطرہ ہو یا ایک ایسا ایجنٹ جس نے اپنے معاہدہ کے مطابق جاسوسی کا کام سرانجام دیا ہو اور اپنا کام خوش اسلوبی سے کیا ہو اسے کسی دوسرے ملک میں بسایا جا سکتا ہے۔ اس کو مناسب مالی امداد دی جا سکتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کو ملازمت دلانے میں اس کی مدد بھی کی جا سکتی ہے یا کم از کم اس کو کوئی ایک پیشہ اختیار کرنے میں بھی مدد دی جا سکتی ہے۔ ان کیسوں میں جہاں کہ ایجنٹ نے سی۔آئی۔اے کی زبردست خطرات میں گھرنے کے باوجود بھی غیر معمولی خدمت سرانجام دیں خاص طور پر اگر اس نے ایسا کرنے خطرہ مول لیا محفوظ ملک میں بسایا بھی جا سکتا ہے۔

**1949**ء کے ایکٹ کی رو سے سی۔آئی۔اے کے سنٹرل سراغ رسانی کے ڈائریکٹر کو اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ وہ قومی تحفظ کی خاطر یا سراغ رسانی کے مقاصد کو آگے بڑھانے کے لئے کسی خاص غیر ملکی کو امریکہ میں داخلہ اور مستقل رہائش کی اجازت دے سکتا ہے۔ کسی ایجنٹ اور اس کے کنبہ کے افراد کو بھی ''بلا لحاظ اس کے کہ ایمیگریشن یا ملک کے دوسرے قوانین وقواعد کی رو سے اس کے داخلہ اور مستقل رہائش کی اجازت نہ تھی'' اس کو ایسی اجازت دے سکتا ہے۔

آبادکاری کا مسئلہ بہرحال ہمیشہ آسانی سے طے نہیں ہو جاتا اور کبھی یہ سی۔آئی۔اے کی غلطی ہوتی ہے۔ **1950**ء کے آخر میں جبکہ جرمنی میں سراغ رسانی ایک بڑا کاروبار تھا۔ سابقہ ایجنٹوں اور بھگوڑوں کو عام طور پر کینیڈا اور لاطینی امریکہ میں دوبارہ آباد کیا جاتا تھا۔ ان علاقوں میں کمیونسٹوں کے مخالف مہاجرین کی مسلسل آمد اتنی زیادہ تھی کہ ایجنسی کی خفیہ سروسز کے لئے ان کا روکنا مشکل ہو گیا۔ وقتاً فوقتاً دوبارہ آبادکاری کے دوران سی۔آئی۔اے اپنا کوئی ہوشیار ایجنٹ بھی مہاجروں میں شامل کرتی رہتی تھی لیکن یہ پورا آپریشن تقریباً ناکام ہو گیا۔ کیونکہ چند ماہ کے اندر ہی کینیڈا اور برازیل دونوں کی حکومتوں کو یہ معلوم ہو گیا کہ سی۔آئی۔اے اس موقع کو ان کی

سوسائٹی میں اپنے آپریٹنگ ایجنٹ داخل کرنے کے لئے استعمال کررہی ہے۔

سابقہ ایجنٹوں میں سے سب کے سب امریکہ میں دوبارہ آباد نہیں ہونا چاہتے خاص طور پر سی۔آئی۔اے کی شرائط پر 1960ء میں لاطینی امریکہ کے اعلیٰ عہدہ کا ملازم جو کہ کئی سال سے سی۔آئی۔اے کا ایجنٹ تھا۔اسے مجبور کیا گیا کہ اندرونی سیاسی وجوہات کی وجہ سے اپنے آبائی ملک میں واپس چلا جائے وہ کسی نہ کسی طرح میکسیکو سٹی چلا گیا۔یہاں ایجنسی کے آپریٹروں نے اس سے پھر تعلقات قائم کئے اس کی گزشتہ خدمات کے پیش نظر ایجنسی اس بات پر تیار تھی کہ 1949ء کے سی۔آئی۔اے کے قانون کے تحت اسے امریکہ میں آباد کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ وہ اس معاہدہ پر دستخط کردے کہ امریکی حکومت سے اپنے خفیہ تعلقات کے بارے میں وہ ہمیشہ خاموش رہے گا اور یہ کہ اس ملک میں مہاجرین کی سیاسی سرگرمیوں میں حصہ نہ لے گا۔

بعض ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ جہاں آپریٹر کو کسی کو علیحدہ کرنے کے سلسلے میں شدید اقدامات کرنے پڑے۔ایسے کیس اگرچہ سی۔آئی۔اے میں بہت تھوڑے ہیں مگر بہت نازک ہیں۔لیکن جب کسی ایسے دھمکی دینے والے کو ہمیشہ کے لئے علیحدہ کرنا ضروری ہو جائے تو ایسا فیصلہ اعلیٰ سطح پر ڈائریکٹر آف سنٹرل انٹیلی جنس خود کرتا ہے۔خاص طریقوں اور فوجی آپریشنز کے علاوہ جسمانی تشدد اور قتل کو بطور خفیہ طریقوں کے قبول نہیں کیا جاسکتا تاوقتیکہ یہ طریقے خود ڈائریکٹر کو قبول نہ ہوں۔

اعلیٰ درجے کی جاسوسی کے لئے دو امکانات کو مدنظر رکھنا اور ان پر عمل کرنا بہت ضروری ہے۔اوّل پوشیدہ مواصلات اور دوم میل جول۔کیس آفیسر کو ایسے ذرائع استعمال کرنا چاہئیں جس سے کہ اس کا اپنے ایجنٹ کے ساتھ محفوظ مواصلاتی رابطہ قائم رہ سکے۔وگرنہ وہ معلومات جو کہ اس کے ایجنٹ نے چرائی ہیں یا اسے مہیا کرنی ہیں وہ اس تک نہیں پہنچ سکیں گی اور نہ ہی ان کے متعلق ہدایات و رہنمائی حاصل کی جا سکے گی۔



ایک ابتدائی مواصلاتی نظام کے علاوہ ایک متبادل نظام بھی ہونا چاہئے کہ اگر ایک نظام میں کوئی خرابی ہو جائے تو دوسرا استعمال کیا جاسکے۔وقتاً فوقتاً مختلف نظام استعمال کئے جانے چاہئیں تا کہ آپریشن کے دوران اس بات کا خطرہ نہ رہے کہ کسی ایک نظام کے بار بار استعمال ہونے سے کوئی اس سے آگاہ ہو جائے۔

جاسوسی کے کھیل میں جیسے دوسری سرگرمیوں کا معاملہ ہے اسی طرح خفیہ ایجنٹوں کے ساتھ مواصلاتی رابطہ کا بھی لگا بندھا اُصول نہیں ہے جب تک کہ استعمال میں لائے جانے والے طریقے محفوظ اور قابل عمل ہیں۔کیس آفیسر اس بات میں آزاد ہے کہ وہ اپنے ایجنٹ کے ساتھ ملاپ کے کون سے ذرائع استعمال کرے جو کہ اس کے آپریشن کے موقع کے لحاظ سے موزوں ہوں۔

اس ضمن میں کوئی باقاعدہ اُصول طے نہیں کیا جاسکتا۔موقعہ کی مناسبت سے مختلف ذرائع مواصلات کا استعمال ہی موزوں خیال کیا جاتا ہے۔

بہت سے ایجنٹ اپنے کیس افسر کو معلومات زبانی بتانا پسند کرتے ہیں ان کے نقطہ نظر کے مطابق ان میں دو فائدے ہیں۔یہ محفوظ بھی ہے اور آسان بھی بجائے اس کے کہ سرکاری کاغذات پر لکھائی پڑھائی ہوتی رہے یا خفیہ آلات استعمال کئے جائیں ان میں سے کوئی ایک پیغام بھی اگر مقامی حکام کے ہاتھ لگ جائے تو ان کا جرم ثابت ہو جائے گا اس ضمن میں ہر جاسوسی ایجنسی کے اپنے اپنے اُصول ہیں۔سی۔آئی۔اے بہرحال دستاویزات کو ترجیح دیتی ہے دستاویزات کے مندرجات کی پڑتال کی جاسکتی ہے جس سے ایجنٹ کی صداقت کی تصدیق ہوتی ہے۔ان کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے اور اس کی تفصیلات کا ہیڈ کوارٹر کے ماہرین زیادہ صحیح تجزیہ بھی کر سکتے ہیں۔

مثال کے طور پر پنکووسکی کیس میں روس کی وہ خفیہ دستاویزات جو کہ اس نے مہیا کی تھیں کہیں زیادہ قیمتی تھیں بہ نسبت ان ذاتی خیالات کے جو اس نے ماسکو میں فوجی حلقوں میں ہونے والے واقعات کے متعلق قائم کئے تھے۔

کچھ ایجنٹ ایسے بھی ہیں جو اپنے کیس افسروں سے جہاں تک ہو سکے کم سے کم ذاتی تعلق پیدا کرنا چاہتے ہیں ان کے نزدیک ہر خفیہ ملاقات اس نظر سے دیکھی جاتی ہے کہ ان کے راز فاش ہونے اور قید میں جانے کا دعوت نامہ ہے بلکہ اس سے بھی بدتر، ایسے ایجنٹ مواصلات کا سلسلہ بالکل بالواسطہ طریقے سے رکھنا چاہتے ہیں یا پھر مشینی ذرائع سے۔ جیسے کہ ریڈیو کوڈ کے پیغامات نظر نہ آنے والی روشنائی سے تحریر شدہ دستاویز، یا مائکرو ڈاٹس وغیرہ کے ذرائع سے لیکن سی۔آئی۔اے اپنے کیس آفیسروں پر اس بات کا زور دیتی ہے کہ وہ اپنے ایجنٹ سے ذاتی رابطہ قائم رکھیں۔ سوائے انتہائی خطرناک موقعوں کے جاسوس کے اخلاق اور فعالیت کی سطح انداز ہ وقتاً فوقتاً آپریٹر سے بالمشافہ ملاقات ہی سے کیا جا سکتا ہے اس طرح کیس آفیسر اپنے ایجنٹ کی جذباتی اور نفسیاتی حالت سے بھی آگاہ رہتا ہے۔

ہر مرتبہ اگر کیس آفیسر اپنے ایجنٹ سے ذاتی رابطہ قائم کرے گا تو اس کا خطرہ ہے کہ کہیں مقامی سیکورٹی فورسز دونوں کو نہ دیکھ لیں۔

اس خطرے کو کم از کم کرنے کے لئے ملاقات کے بالواسطہ ذرائع کو اکثر اوقات استعمال کیا جاتا ہے خاص طور پر اس وقت جبکہ معلومات کو ایجنٹ سے آپریٹر تک پہنچانا ہو۔ اس کا ایک معیاری طریقہ ''کٹ آوٹ'' (Cut Out) کا استعمال ہے (ایک واسطہ جو دو کے درمیان ہوتا ہے)۔

کٹ آوٹ، خواہ چاہے نہ چاہے وہ دوسرا ایجنٹ بھی ہو سکتا ہے چاہے وہ دوسرے ملک ہی میں کیوں نہ ہو۔ اس بات کا سوال نہیں ہے کہ وہ نفس مضمون سے واقف ہے کہ نہیں اس کا کام یہ ہے کہ وہ مواد کو ایجنٹ یا کیس آفیسر سے موصول کرتا رہے اور اس کے بعد اس مواد کو آگے بھیجتا رہے۔

## ڈیڈ ڈراپ اور برش کنٹیکٹ:

حصول معلومات کا ایک اور طریقہ ''ڈیڈ ڈراپ'' (Dead Drop) یا



''ڈیڈ لیٹر ڈراپ'' (Dead Letter Drop) ہے۔ یہ ایک قسم کا خفیہ پوسٹ بکس ہے جسے ایک کھوکھلا درخت، پارک میں بچھی ہوئی بینچ کا اندرونی حصہ پتھر کی پرانی دیوار میں گردن کی طرح کا کوئی حصہ یا کوئی اور ایسی قدرتی جگہ جو کہ مواد کو ترسیل کرنے کے لئے استعمال کی جا سکے۔ نیکو وسکی آپریشن میں ایک جگہ جسے کہ ''ڈیڈ ڈراپ'' کے طور پر استعمال کیا گیا وہ ماسکو میں ایک بلڈنگ کے ایسے حصے میں بنی ہوئی تھی جو اندر داخل ہونے کے ساتھ بھاپ سے گرم ہونے والے ریڈی ایٹر کے پیچھے تھی۔

ایجنٹ پہلے سے مقرر کئے ہوئے وقت کے مطابق اپنا مواد ڈیڈ ڈراپ میں رکھ دیتا تھا۔ اس کے بعد ایک کیس آفیسر یا ایک ''کٹ آوٹ'' جو اس کام کے لئے مقرر کیا گیا تھا وہاں سے متعلقہ مواد حاصل کر لیتا۔

ایک اور طریقہ بھی جو اکثر استعمال کیا جاتا ہے اسے ''برش کنٹیکٹ'' کہتے ہیں۔ اس میں ایجنٹ یا اس کا کیس آفیسر یا کٹ آوٹ کسی پہلے سے طے شدہ عام جگہ سے گزرتے ہوئے ملتے ہیں ایجنٹ اپنے ملنے والے سے بلاوجہ جھگڑا کر لیتا ہے مثال کے طور پر کسی پُر ہجوم جگہ پر، کسی تھیٹر کی لابی میں یا کسی قصبہ کی پُر ہجوم گلی میں یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ دونوں ایک دوسرے کو نہیں جانتے۔ دونوں یہ کوشش کرتے ہیں کہ وہ ایک لمحے کو ایک دوسرے سے گلے مل جائیں اور اتنی دیر میں ایک آدمی دوسرے کی جیب یا ہاتھ میں چپکے سے کچھ تھما دیتا ہے یا وہ جلدی سے آپس میں اخبارات یا بریف کیسوں کا تبادلہ کر لیتے ہیں۔

اس قسم کا ملاپ نہ صرف انتہائی مختصر ہوتا ہے بلکہ مخفی اور عام طور پر بہت محفوظ بھی بشرطیکہ اس پر صحیح طرح عملدرآمد کیا جائے۔ ''برش کنٹیکٹ'' میں بنیادی اہمیت درست ٹائمنگ کی ہے اگر ملاپ کرنے والوں میں سے کسی ایک فریق نے ٹائمنگ کی غلطی کی تو دونوں مارے جاتے ہیں بہر حال اب تک اسے محفوظ ترین طریقہ تصور کیا جاتا ہے۔

## جوابی نگرانی:

اگرچہ کیس افسر بالواسطہ بہت سی ملاقاتیں کرتا ہے تاہم اسے موقعہ بموقعہ اپنے ایجنٹ سے براہِ راست ملاقاتیں بھی کرنی پڑتی ہیں۔ جب بھی ایسا کوئی خفیہ ملاپ کسی بس میں، پارک میں یا ہوٹل میں ہوتا ہے تو اکثر ایجنسیوں کے دوسرے آپریٹر اس کی پوری نگرانی حفاظتی اقدامات کے طور پر کرتے ہیں تاکہ ایسا نہ ہو کہ مخالف بات لے اُڑیں یا مداخلت کریں۔ اس کو جوابی نگرانی کہتے ہیں۔

کیس آفیسر ہر مقام پر اجتماع کے لئے پہلے ہی سے محفوظ اور خطرے کے اشارے مقرر کر لیتا ہے اور ان سے اپنے ایجنٹ اور جوابی نگرانی کرنے والوں کو آگاہ کر دیتا ہے۔ اس طریقے سے ایجنٹ، آپریٹر، اور ٹیم کا ہر ممبر ایک دوسرے کو میٹنگ شروع کرنے یا اس سے پہلو تہی کرنے یا اسے ختم کر دینے کا اشارہ کر سکتا ہے اگر کسی غیر معمولی بات کا احساس ہو جائے تو فرار کے کئی متبادل راستے پہلے ہی سے مقرر کر لئے جاتے ہیں۔

محفوظ گھر (Safe Houses) بھی ایجنٹ سے ملاقات کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ خصوصاً ایسے موقعوں پر جبکہ بہت سے معاملات پر بات چیت کرنی ہو۔ محفوظ گھر کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ وہاں ایسا ماحول میسر آ جاتا ہے جہاں ایجنٹ اور کیس آفیسر آرام کر سکتے ہیں اور کسی نگرانی کے خطرہ کے بغیر آزادانہ گفتگو کر سکتے ہیں لیکن جتنی زیادہ دفعہ ایک جگہ کو استعمال کیا جائے اتنا ہی زیادہ اس بات کا اندیشہ ہوتا ہے کہ مخالف اس کو تاڑ لیں گے راز داری کی ضرورت خفیہ آپریٹر کو مصروف رکھتی ہے لیکن یہ ایسی ضرورت ہے جس پر کہ آپریٹر کی کامیابی کا دارومدار ہے۔ کوئی بھی کیس آفیسر خصوصاً ٹارگیٹ ملک میں کسی ''سیف ہاؤس'' کو زیادہ دیر تک استعمال نہیں کرتا اور ایک خاص مدت کے بعد اسے تبدیل کر لیتا ہے کیونکہ سیف ہاؤس کا کسی بھی وقت دُشمن انٹیلی جنس کی نظر میں آ جانا ممکن ہے۔





سی۔آئی۔اے کو ہمیشہ اس سے دلچسپی رہی کہ وہ مشرقی یورپ اور سابقہ سویت یونین روس میں حکومت کے مخالف گروہوں سے رابطہ قائم کرے۔ سرد جنگ کے ابتدائی دنوں میں ایجنسی نے اپنا بہت سارو پیہ اور ایجنٹ آہنی پردے کے پیچھے اس لئے بھیجے کہ وہ وہاں جا کر اس حکومت کے خلاف بے چینی کو ہوا دیں اور تباہ کاری بھی کریں۔ کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ مشرقی یورپ اور روس کے خلاف معاندانہ سرگرمیاں نسبتاً کم بھی پڑ گئیں اور ان میں پہلے جیسی شدت بھی نہیں رہی ایجنسی نے ابھی تارکین وطن کے گروہوں سے جو مغربی یورپ اور امریکہ میں رہ رہے ہیں روابط قائم رکھے ہوئے ہیں۔ بعض اوقات ان گروپس کو اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ملکوں میں کیا ہو رہا ہے اور اکثر وہ سی۔آئی۔اے اور اپنے وطن کی حکومت کے مخالفین کے درمیان مخفی رابطہ کا کام دیتے ہیں۔

ایشیاء فاؤنڈیشن جس کی بنیاد سی۔آئی۔اے نے 1965ء میں رکھی تھی اس کو بہت بھاری اقتصادی امداد دی جاتی تھی، اس کے لئے بورڈ آف ڈائریکٹرز کا انتخاب بھی بہت احتیاط سے کیا گیا تھا یہ فاؤنڈیشن مشرقی ملکوں میں تعلیمی اور سماجی سرگرمیوں کو فروغ دینے کے لئے بنائی گئی تھی۔ اس کا کام علمی تحقیقات کانفرنسوں اور سمپوزیم کا انعقاد اور پروفیسروں وغیرہ کے دوروں کے پروگراموں کا تھا۔ جس کے لئے سی۔آئی۔اے سالانہ آٹھ ملین ڈالر کی امداد مہیا کرتی تھی۔

اگرچہ فاؤنڈیشن کی اکثر سرگرمیاں جائز تھیں تاہم سی۔آئی۔اے اسے بھی اس طرح اپنے استعمال میں لاتی تھی کہ اس کے افسروں اور ممبروں کے ذریعے اپنا اثر ونفوذ پیدا کرے۔ فاؤنڈیشن کے مختلف ملکوں میں کمیونسٹوں کے مخالف تعلیمی گروہوں کو روپیہ فراہم کرتی تھی تاکہ ایشیاء بھر میں چین، شمالی ویت نام اور شمالی کوریا کے خلاف منفی رجحانات کو تقویت دی جائے اور غیر ملکی ایجنٹ اور نئے آفیسر بھرتی کئے جائیں۔

اگرچہ فاؤنڈیشن خفیہ کارروائیوں کے لئے پردہ کا کام دیتی تھی اس کا اصل

مقصد کمیونسٹوں کے خلاف اور امریکہ کی موافقت میں خیالات کو پھیلانا تھا۔کبھی مکاری سے اور کبھی دھونس سے۔ایشیاء فاؤنڈیشن کی سرگرمیوں کا مرکز سمندر پار کے ملک تھے لیکن آرگنائزیشن کا زیادہ تر زور بجائے مشرق بعید کے امریکی دانشوروں کی برادری پر تھا۔فاؤنڈیشن کے پروگراموں میں زیادہ تر امریکی دانشور حصہ لیتے تھے اور وہ مشرق بعید کے متعلق سی۔آئی۔اے کے نظریات کو مقبول بنانے کے لئے کوشش کرتے تھے۔بجٹ کے موقع پر ایشیاء فاؤنڈیشن سمندر پار کے ملکوں میں پراپیگنڈہ آپریشنز کے نام پر رقوم حاصل کرتی تھی۔ایشیاء فاؤنڈیشن امریکی عوام میں ایشیاء کے متعلق ایجنسی کے نظریات پھیلانے کی بھی باقاعدہ مجرم تھی۔

1967ء میں نیشنل سٹوڈنٹ ایسوسی ایشن کو سی۔آئی۔اے کے امداد دینے کے انکشاف کے بعد ایشیاء فاؤنڈیشن سے ایجنسی کے تعلقات روشنی میں آئے فاؤنڈیشن واضح طور پر ان آرگنائزیشن میں سے تھی جنہیں امداد دینے پر Katzenbach کمیٹی کی سفارشات کی بناء پر مکمل پابندی عائد ہو چکی تھی۔ 1967ء میں امداد کے قطعی بند ہو جانے کی وجہ سے فاؤنڈیشن کو بالکل ختم کر دینا پڑتا مگر ایجنسی نے اسے ایک خاص فنڈ سے فائدہ اُٹھانے کا موقعہ دیا تا کہ وہ دو سال کے اندر اندر اپنے فنڈز کے متبادل ذرائع کا انتظام کرے۔یہ تسلیم کر لیتے ہوئے کہ ایجنسی نے خفیہ امداد دوبارہ نہیں دی۔ایشیاء فاؤنڈیشن اب اپنے پاؤں پر کھڑی ہو گئی ہے۔

1960ء کے دوران سی۔آئی۔اے نے اثاثوں کی نئی قسم کی کمپنیاں قائم کیں تا کہ انہیں پراپیگنڈہ آپریشنز کے لئے استعمال کیا جا سکے۔یہ کمپنیاں مقابلتاً زیادہ خفیہ تھیں۔لیکن ایشیاء فاؤنڈیشن اور ریڈیو فری یورپ کی طرح اب ظاہر ہوئی ہیں۔ جیسے جیسے امریکی حکومت باہر کے ملکوں سے اپنے امدادی پروگرام بند کرتی چلی جائے گی غالباً ایجنسی سے بھی کہا جائے گا کہ دوسری قوموں میں وہ بھی اسی پروگرام کے مطابق عمل کرے۔



سی۔آئی۔اے نے کمیونسٹ ملکوں سے بھاگ کر آنے والوں کو بھی پراپیگنڈہ کے لئے استعمال کیا ہے یہ ایک ایسی حکمت عملی ہے جو کہ اس ملک میں سمندر پار کے ملکوں سے زیادہ موثر ہے۔یہ بھگوڑے سی۔آئی۔اے کی طرف سے بغیر کسی جبر کے اپنے وطن اور وہاں کی سیاست کے بارے میں خود بخود ہی دلچسپ کہانیاں سناتے لیکن ایسے تمام افراد کو فوراً ہی سی۔آئی۔اے کی نگرانی میں لے لیا جاتا اور ان سے معلومات حاصل کرنے کے لئے فرینکفرٹ کے قریب بھگوڑوں کے ایک استقبالیہ سنٹر میں لے جایا جاتا اور ان میں ان کو جن کے پاس زیادہ معلومات ہوتیں مغربی جرمنی امریکہ کے محفوظ ٹھکانوں پر لے جایا جاتا۔

ان کی پچھلی زندگی اور پیشے وغیرہ کی معلومات حاصل کر لینے کے بعد سی۔ آئی۔اے ان کو مغرب میں بسانے کے لئے پوری احتیاط کر لیتی تھی اور اگر ضروری ہوتا تو اس کی شناخت بھی تبدیل کر دی جاتی۔بعض اوقات جب ایجنسی ان کی اچھی طرح چھان بین کر لیتی تو ان بھگوڑوں سے اپنی سابقہ زندگی پر مقابلہ یا کتاب لکھنے کے لئے ہمت بندھاتی اور ان کی امداد کرتی۔کیونکہ بھگوڑوں کو اب سی۔آئی۔اے کی مہیا کردہ سہولتوں ہی میں زندگی بسر کرنی ہوتی تھی یا اپنے اخراجات کے لئے براہِ راست سی۔آئی۔اے کا دست نگر بن کر رہنا پڑتا تھا اس لئے وہ سی۔آئی۔اے سے عدم تعاون کر کے اپنے مستقبل کو تاریک نہیں کر سکتے تھے۔

سی۔آئی۔اے ان کی تحریر میں کچھ زیادہ ردوبدل نہیں کرتی تھی ان سے صرف ایسی معلومات حذف کرنے کو کہا جاتا تھا جو حفاظتی اقدامات کے لئے ضروری سمجھی جاتیں یا جو امریکی حکومت کی موجودہ پالیسی کے خلاف ہوتی اور ایسی معلومات شامل کرنے کی ہمت افزائی کی جاتی تھی جن سے امریکہ یا سی۔آئی۔اے کی پالیسیوں کی حمایت ہوتی ہو اور اس کے لئے ان بھگوڑوں کو اگر کسی قسم کے لٹریچر کی ضرورت ہوتو انہیں سی۔آئی۔اے کی طرف سے مہیا کیا جاتا۔کیونکہ ایسی کتابوں سے

کمیونسٹ جاسوسی سروسز کی سرگرمیوں کا انکشاف ہوتا تھا اور ساتھ ہی ان کتابوں سے سی۔آئی۔اے کے مخالفین پر برتری ظاہر ہوتی تھی۔ اگرچہ بسا اوقات مخالفین بھی کامیابی حاصل کرتے تھے۔ لیکن ایجنسی اس بات کو ترجیح دیتی تھی کہ دُنیا ان کی کامیابیوں سے آگاہ نہ ہو اور یہ بھگوڑے ایسا کوئی کام نہ کرتے جو ان کے مفاد کے خلاف ہو جاتا۔



بھگوڑوں کو امداد دینے کی غرض سے تصانیف سمیت انہیں کسی پبلشر کے پاس اشاعت کی غرض سے بھجوا دیا جاتا۔ پبلک ریلیشنز کے بعض ادارے جو ایسی کتابوں کو عوام میں روشناس کراتے انہیں سی۔آئی۔اے امداد دیتی تھی جیسا کہ ایک چیکوسلاویکین میجر لیڈلیسلا بٹ مین کے معاملہ میں کیا گیا جو کہ 1968ء میں بھاگ کر آیا تھا 1972ء میں اس کی کتاب "The Deception Game" کی اشاعت سے پہلے ''وال سٹریٹ جرنل'' کے رپورٹر نے اس کا انٹرویو لیا۔ جس نے اسے امریکہ کے محکمہ جاسوسی کے افواہ سازی کے طریق کار کا حوالہ دیا۔

میجر بٹ مین نے کہا ''ہمارا خیال تھا کہ اس قسم کی دغابازی کے بجائے امریکن زیادہ مؤثر ذرائع رکھتے ہیں جیسا کہ اقتصادی امداد کے پروگرام جو کہ سیاہ پراپیگنڈہ آپریشن سے زیادہ مؤثر تھے۔''

ممکن ہے کہ بٹ مین نے چیکوسلاویکیہ کے محکمہ جاسوسی میں اپنے ساتھ کام کرنے والوں کے خیالات کے متعلق صحیح بتلایا ہو۔ پھر بھی اس کے الفاظ پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ بٹ مین یقیناً سی۔آئی۔اے کے پراپیگنڈہ اور افواہ سازی کے پروگرام کے متعلق جانتا ہو گا جیسا کہ سی۔آئی۔اے والے ان کی بابت جانتے تھے۔ لیکن اگر



بٹ مین کے بیان کو ان کے چیکوسلاویکی اور روسی افواہ سازی کے پروگرام کی وسیع تعریف کی روشنی میں دیکھا جائے تو وہ ان کی تصویر کا وہی رُخ دکھاتی ہے جو سی۔آئی۔اے والے امریکی عوام کو دکھانا چاہتے ہیں یعنی یہ کہ کمیونسٹ مغربی ممالک کو ہمیشہ دھوکا دینا چاہتے ہیں جبکہ سی۔آئی۔اے ہنرمندی سے ان کے فریب کا پردہ چاک کرتے ہوئے ایسے بے اُصول جوڑ توڑ سے بچاتے ہیں۔

کتابوں کی اشاعت سے پراپیگنڈہ ایک عرصے سے سی۔آئی۔اے کا کامیاب حربہ رہا ہے۔ 1953ء میں ایجنسی نے ایک کتاب "The Dynamics of Soviet Society" شائع کرائی جسے کہ والٹ روسٹو اور میساچوسٹ انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی کے شعبہ برائے انٹرنیشنل سٹڈیز کے ممبروں نے لکھا۔ والٹ روسٹو بعد میں صدر جانسن کا اسسٹنٹ برائے نیشنل سیکورٹی افیئرز بھی بنایا گیا۔ یہ شعبہ 1950ء میں سی۔آئی۔اے کے خرچہ سے بنایا گیا تھا اور یہ کتاب دو مختلف انداز میں علیحدہ علیحدہ چھاپی گئی ایک تو صرف سی۔آئی۔اے اور گورنمنٹ کی پالیسی بنانے والوں کے لئے اور دوسری عام پبلک کے لئے۔ دونوں کے انداز میں معمولی سی تفصیلات میں فرق کے سوا بنیادی مقصد ایک ہی تھا کہ یہ باور کرایا جائے کہ سوویت یونین ایک سامراجی طاقت ہے، جس نے پوری دُنیا کو فتح کرنے کا تہیہ کر رکھا ہے اور اب یہ امریکہ کی ذمہ داری ہے کہ اس کیمونسٹ خطرہ کا سدباب کرے۔

سی۔آئی۔اے کے بہت سے کتابی آپریشنز بہت مکارانہ اور خفیہ ہیں۔ سی۔آئی۔اے کا ایک سابق افسر جو کہ روسی معاملات کا ماہر تھا کہتا ہے کہ 1967ء میں ایک دن سی۔آئی۔اے کے ایک آپریٹر نے جو کہ کوورٹ ایکشن سٹاف میں کام کرتا تھا ایک کتاب "The foreign aid programme of soviet block" دکھائی جو کہ ایک جرمن ''کرٹ ٹلر'' کی لکھی ہوئی تھی۔ کتاب مجھے دلچسپ معلوم ہوئی اور میں نے اس سے عاریتاً مانگ لی۔ تو کوورٹ ایکشن کے

آدمی نے مجھے جواب دیا تم اسے لے لو ہمارے پاس نیچے سینکڑوں اور ہیں۔ٹلر کی یہ کتاب موضوع کا غیر جانبدارانہ تجزیہ تھی اس میں تیسری دُنیا کے لوگوں کو کمیونسٹوں کی طرف سے دی جانے والی امداد پر شدید نکتہ چینی کی گئی تھی۔

روسی معاملات کے ماہر کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ ایجنسی نے یہ معلوم کر لیا ہو گا کہ ٹلر کمیونسٹوں کے بیرونی امداد کے پروگرام میں دلچسپی رکھتا ہے۔ایک کتاب لکھنے کے لئے اس کی ہمت افزائی کی ہوگی جس میں کہ کمیونسٹوں کے خلاف لکھا جائے اس کے لئے اسے مواد مہیا کیا گیا ہوگا۔

تمام انٹیلی جنس سروسز کا کتابوں کی اشاعت کے لئے مالی امداد دینے کا ایک خاص انداز ہے۔بہت سے مصنفین کو ان مضامین پر لکھنے سے خوشی ہوتی ہے جو ان کے نام کو اُچھال سکیں۔ان کا جھکاؤ اسی طرف ہوتا ہے جدھر سے ان کی دوست ایجنسی کے پروپیگنڈے کے مقاصد کو تقویت حاصل ہو اس قسم کی کتابیں اس مواد کو جو ان میں چھاپا جائے اور مصنف کو معاشرتی عزت اور سند کا مقام کچھ عرصے کے لئے دلا سکتی ہیں۔مگر وہ ایک خاص مقصد سے جو کہ غیر جانبدارانہ نہیں ہوتا،لکھی جاتی ہیں لہٰذا جب اس کا راز کھل جاتا ہے تو مصنف اور کتاب کا تمام مواد دونوں مشتبہ ہو جاتے ہیں۔

ایلین ڈاس نے ''دی کرافٹ انٹیلی جنس'' میں یہ لکھا کہ نپکووسکی کی ناکامی سے سوویت انٹیلی جنس سروسز کو اس بات کے انکشاف نے ہلا کر رکھ دیا کہ مغرب نے ان روسی حکام کا پتا چلا لیا ہے جو کہ ان کے پاس لمبے عرصے کے لئے کام کرنے کو تیار ہیں اور دوسرے وہ جنہوں نے ظاہر ہو کر کبھی کام نہیں کیا۔اور جو اپنی حفاظت کے خیال سے پس پردہ ہی رہنا چاہتے ہیں۔

یہ تحریر ان کے زخموں پر نمک پاشی کے لئے کافی تھی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ''دی نپکووسکی پیپرز'' کی اشاعت سے دُنیا کے عوام کو یہ معلوم ہو گیا کہ ایک مغربی جاسوسی روس کی اعلیٰ صفوں میں سے راز معلوم کر سکتا



ہے اس سے روسی حکومت اُلجھنوں سے دوچار ہوگئی۔مزید برآں بحیثیت ایک ایجنٹ کے نپکووسکی کی کامیابی نے سی۔آئی۔اے کا وقار امریکی عوام اور باقی دُنیا میں بلند کر دیا۔

شروع میں نپکووسکی سی۔آئی۔اے کا جاسوس نہیں تھا۔وہ برطانوی محکمہ جاسوسی کے لئے کام کرتا تھا۔ترکی میں اس نے سی۔آئی۔اے میں شمولیت اختیار کرنا چاہی تھی مگر نا کام رہا زیادہ تر اس وجہ سے کہ خفیہ سروسز کا سوویت بلاک ڈویژن زیادہ محتاط تھا کیونکہ اس نے K.G.B کے ہاتھوں کئی تازہ شکستیں کھائی تھیں۔ایسے میں ان کی ہچکچاہٹ فطری بات تھی کہ ایسا نہ ہو کہ وہ پھر دھوکا کھا جائیں۔مگر نپکووسکی مغرب کے لئے جاسوسی کرنے کا تہیہ کر چکا تھا۔

1960ء میں اس نے برطانوی محکمہ جاسوسی سے رابطہ قائم کیا جنہوں نے اسے بھرتی کر لیا۔برطانیہ نے سی۔آئی۔اے کو اس سے آگاہ کر دیا اور اس بات کی پیش کش کی کہ دونوں مل کر مشترکہ منصوبہ کے طور پر آپریشنز کریں۔سی۔آئی۔اے کے ماسکو اور دوسری جگہوں کے آپریٹر نے نپکووسکی سے معلومات حاصل کرنے اور مغرب میں اس کی آمد کے موقع پر اپنی ضروریات سے آگاہ کرنے کا ایک واضح خفیہ طریقہ کار وضع کیا نپکووسکی پیپرز کی دُنیا بھر میں خوب فروخت ہوئی اور خاص کر امریکہ میں۔اس کی اشاعت سے سویت یونین روس میں یقیناً بے چینی پیدا ہوئی۔

کئی سال بعد رچرڈ ہیملو نے اگرچہ نپکووسکی کا نام لئے بغیر ایک تقریر میں جو کہ اس نے ''امریکن سوسائٹی آف نیوز پیپرز ایڈیٹرز'' کے اجتماع میں کی بتایا کہ ''چند اچھے کھاتے پیتے اور اچھے عہدوں پر فائز روسیوں نے ہماری مدد کی'' جس کی وجہ سے ہم سوویت تحریک کا بھانڈا پھوڑ سکے۔

نارتھ ڈکوٹا کے سینیٹر ملٹن ینگ اس جھوٹ سے بہت متاثر ہوئے تھے جو سی۔آئی۔اے کی اوور سائٹ (Over Sight) سب کمیٹی میں بھی شامل تھے۔

1971ء میں سینٹ میں بجٹ پر بحث کے دوران جبکہ محکمہ سراغ رسانی کے اخراجات میں کمی زیر بحث تھی تو سینیٹر نے کہا کہ اگر آپ سراغ رسانی کے متعلق کچھ مستند اور دلچسپ تحریر پڑھنا چاہتے ہیں تو نیکو وسکی پیپرز پڑھیئے۔ یہ بہت دلچسپ کہانی ہے یہی وجہ ہے کہ کیوبا میں سراغ رسانی سے جو کچھ ہمیں ملا وہ ہمارے لئے بہت اہم تھا اور جس کے متعلق روسی سوچ رہے تھے کہ اب وہ کیا کریں گے لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ اہم ہے کہ سی۔آئی۔اے کے تجزیہ کار جو کہ میزائل کے ہنگامے کے وقت کیوبا کے مسئلہ پر کام کر رہے تھے اور صدر کے لئے رپورٹیں مرتب کر رہے تھے۔ سویت میزائل کی دریافت اور اس کے بعد تک نیکو وسکی سے انہیں کوئی معلومات نہیں ملیں نہ ہی کسی دوسرے روسی جاسوس سے۔ کلیدی جاسوسی اطلاع جس سے میزائل کی موجودگی کا مواصلاتی سیارے کے بھیجے ہوئے فوٹوؤں روسی جہاز کی نقل وحرکت (جو اس نے روس سے بھیجی تھی) اور کیوبا کے بوتھ سے حاصل کئے گئے فوٹو اور کیوبا کے مہاجرین کی اطلاعات پر مبنی تجزیہ رپورٹ سے پتا چلا۔ نیکو وسکی کی ٹیکنیکل پس منظر میں بھیجی ہوئی معلومات اس ہنگامے سے بہت پہلے مل گئی تھیں وہ کسی حد تک مفید تو ضرور تھیں لیکن خاص اہمیت کی حامل نہیں تھیں۔

سابقہ سوویت یونین روس کے بہت سے دانشوروں نے نیکو وسکی پیپرز پر آزادانہ نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا کہ وہ بوگس بھی ہیں اور نیکو وسکی جرنل سے بھی نہیں لئے گئے روسی معاملات کے ماہر، مانچسٹر گارڈین اور واشنگٹن پوسٹ کے کالم نویس وکٹر نے لکھا کہ یہ کتاب سی۔آئی۔اے کی ہی لکھوائی معلوم ہوتی ہے اس نے لکھا کہ نیکو وسکی کے پاس نہ ہی تو اتنا اچھا وقت تھا اور نہ اتنا موقع کہ وہ ایسے مسودے لکھتا علاوہ ازیں کتاب کے پبلشر Dobule & Co اور مترجم پیپر ڈیری بن بھی K.G.B سے بھاگ کر سی۔آئی۔اے میں آئے ہوئے تھے۔

دونوں نے اصلی روسی مسودہ معائنہ کے لئے دینے سے انکار کر دیا تھا اور



نیکو وسکی پیپرز میں سٹائل اور تکنیک کی بھی غلطیاں تھیں جو کہ نیکو وسکی سے ممکن نہ تھیں۔

برطانوی محکمہ سراغ رسانی بھی نیکو وسکی معاملات میں پراپیگنڈہ کے میدان میں خود اپنی برتری دکھانے کا خواہش مند تھا۔ نیکو وسکی کا رابطہ افسر M-I-6 کا گریویل وائن تھا جو کہ ایک تاجر کے بھیس میں کام کر رہا تھا اور عین اس وقت گرفتار کیا گیا تھا جبکہ نیکو وسکی اور وہ سویت جاسوس گورڈن یونسڈیل کی دی ہوئی معلومات کا تبادلہ کر رہے تھے۔ جب وائن (Mynne) برطانیہ میں واپس آیا تو M-I-6 نے اسے خود اس کے حالات اور کوائف کے متعلق ایک کتاب لکھنے کے لئے مشورہ دیا جس کو "Contact on Gorky Street" کا نام دیا گیا۔ برطانوی محکمہ سراغ رسانی دو وجوہ کی بناء پر کتاب چھپوانا چاہتا تھا اوّل تو یہ کہ اس سے Wynne کی مالی امداد ہو جائے گی جو کہ روس میں ڈیڑھ سال کی قید کاٹ کر آیا تھا۔ دوسرے M-I-6 کا مرکزی نقطہ نگاہ یہ تھا کہ وہ اس انتہائی مخالف پبلسٹی کا جواب دینا چاہتے تھے جو کہ ان کے اپنے ایک سنیئر افسر ہیرالڈ کم کے 1963ء میں بھاگ جانے کی وجہ سے بدنامی کا موجب بنی ہوئی تھی اور بعد میں اس کی یادداشتوں کے مجموعے کے نام سے K.G.B نے چھپوائی تھی۔

مزے کی بات یہ ہے کہ "Contact on Gorky Street" میں وائن نے اس امداد کا جو اسے سی۔آئی۔اے سے ملی کہیں بھی تذکرہ نہیں کیا۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی وجہ برطانوی محکمہ سراغ رسانی کا پیشہ ورانہ حسد ہو یا برطانوی عادات یا زیادہ تر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے اس بات کا اظہار کرنا مطلوب ہو کہ اس آپریشن میں سی۔آئی۔اے نے معمولی سا کام کیا ہے۔

ایک دوسری کتاب Kmrushehev Remember کے چھپنے کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ سی۔آئی۔اے چھپوانے میں کس حد تک ملوث ہے یہ خودنوشت سوانح ہے کسی حد تک خودستائی کا یہ کام روس کے سابقہ وزیراعظم نے خود

ہی شروع کیا تھا۔ اس کتاب کے ماسکو سے نیویارک کی کمپنی ٹائم انکار پوریٹڈ کے پبلشنگ ڈویژن لٹل براون اینڈ کمپنی سے پہنچنے تک کئی ایک عجیب وغریب حالات و واقعات دکھائی دیتے ہیں ٹائم انکار پوریٹڈ بتانے سے قاطر ہے کہ اس نے 180 گھنٹے کی ٹیپ کی ہوئی یہ یادداشتیں جو کہ ان کتابوں کی بنیاد ہیں کیسے حاصل کیں اور ان ٹیپوں کو K.G.B جو کہ روس میں ہر جگہ موجود رہتے ہیں اور اپنے کام میں ہوشیار ہیں ان کی موجودگی میں روسی حکومت کے علم کے بغیر سوویت روس سے کس طرح باہر لایا گیا۔ اس تمام آپریشن پر اگر غور کیا جائے خصوصاً اس کے سیاسی مضمرات پر جو کہ بہت اہم تھے کیسے ممکن ہے کہ سوویت انتظامیہ نے چشم پوشی کرتے ہوئے چپکے سے اجازت دے دی ہو۔ جو سلوک الیگزنڈر سے کیا گیا برخلاف اس کے خروشیف کو اس بناء پر نہ تو بدنام کیا گیا اور نہ ہی ملک بدر کیا گیا۔

اس کہانی سے وابستہ رازوں کے متعلق مضامین جو ٹائم انکار پوریٹڈ نے شائع کی دوغلے پن سے خالی نہ تھیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ صحیح ہوں لیکن امریکی اور برطانوی دانشوروں اور سراغ رسانی کے ان افسروں کی نظر میں جن کا روسی معاملات سے واسطہ رہا ہے ان کو من وعن قبول کرنا مشکل ہے۔ مثال کے طور پر کیا ٹائم انکار پوریٹڈ نے کتاب چھاپنے سے پہلے پروف کاپی کو ہیلنسکی کی معرفت خفیہ طور پر ماسکو بیورو میں بھیجنے کا خطرہ مول لیا تھا۔ مختصراً یہ کہ خروشیف یادداشتوں کی کہانی کی اصل حقیقت کے متعلق عوام کو کبھی کوئی پتا نہ چل سکے گا اور اگر یہ یادداشتیں سچی ہیں تو پھر یہی ہو سکتا ہے کہ روس اور امریکہ خفیہ تعاون کے ذریعے ایسی معلومات اور اطلاعات کی وسیع پیمانے پر تشہیر کر رہے ہیں اور دونوں اپنے ملکوں کے عوام کی آنکھوں سے ایک دوسرے کے تعاون سے اصل معاملات کو اوجھل رکھنا چاہتے ہیں۔

صدر ٹرومین ایک عرصہ سے ایک بات سے پریشان تھے کہ سی۔آئی۔اے اپنے بنیادی کام سے ہٹ کر نہ صرف تخریب کاری کے ایک ہتھیار کے طور پر کام کر رہی



ہے بلکہ بعض اوقات تو ملک کی پالیسی سازی پر بھی اثر انداز ہو جاتی ہے۔ لہٰذا سی۔آئی۔اے کے سازشی اقدامات کی نگرانی کے لئے ایک اعلیٰ سطحی کمیٹی نمبر 40 بنائی گئی جس کے ممبران ڈائریکٹر سنٹرل انٹیلی جنس، انڈر سیکرٹری آف اسٹیٹس برائے سیاسی امور، ڈپٹی سیکرٹری دفاع اور چیئرمین چیف آف جنرل سٹاف ہیں۔

جن دنوں چلی کے معاملات پر میٹنگ ہوئی ان دنوں اٹارنی جنرل جان مچل بھی اس کے ممبر تھے۔ نوکر شاہی اور سیاست دانوں کا یہ مختصر سا گروہ صدر اور حکومت کے محکموں کے آدمیوں کے مشورہ سے امریکی کی خفیہ خارجہ پالیسی بناتا ہے۔

جون 1970ء میں چلی کا الیکشن کمیٹی نمبر 40 کا موضوع بحث تھا۔ اسی ستمبر میں الیکشن ہونے تھے اُمیدواروں میں سے ایک معروف مارکسٹ کمیونسٹ مسٹر ایلینڈے اہم اُمیدوار تھے۔ اگرچہ چلی میں امریکہ کے سفیر سے اس نے وعدہ کر لیا تھا کہ اگر وہ منتخب ہو گیا تو حکومت ڈیموکریٹک ہو گی لیکن امریکہ کی بہت سی کمپنیاں جن میں سے دو مشہور کمپنیاں انٹرنیشنل ٹیلی فون و ٹیلی گراف اور اناکونڈا کاپر بھی ہیں نے چلی میں بہت زیادہ سرمایہ کاری کر رکھی تھی اور ایلنڈے سے خوفزدہ تھیں نمبر 40 کمیٹی میں مسٹر ہیلمز کے ذہن میں غالباً 1964ء کا تجربہ تھا جن دنوں وہ کلینڈسٹائن سروس کا چیف تھا۔

یہ چھ سال پہلے کی بات تھی جن دنوں اس نے خفیہ ساز باز سے ایلنڈے کے مقابلے میں ایڈورڈ فیری کو صدارت کے الیکشن میں کامیاب کرایا تھا۔ لیکن اب چھ سال بعد ایلنڈے کا پلہ بھاری دکھائی دے رہا تھا اور امریکہ کے دخل در معقولات کی وجہ سے چلی کے لوگوں میں امریکہ کے خلاف جذبات شدید تھے۔ چلی کے بائیں بازو کا پریس سی۔آئی۔اے پر الزامات کی بوچھاڑ کر رہا تھا اور ووٹروں پر اس کا اثر بڑھ رہا تھا۔

1965ء میں پنٹاگون کی بے تدبیری سے کیملوٹ پراجیکٹ جو کہ کئی کروڑ ڈالر کا سوشل سائنس ریسرچ کا منصوبہ کہا جاتا ہے اور چلی کے علاوہ دوسرے ملکوں میں

بھی چل رہا تھا اس کا راز بھی کھل گیا کہ وہ چلی میں انٹی ڈیمو کریٹک انقلاب لانے کے لئے راہ ہموار کرنے کے امکانات کا امریکی منصوبہ ہے۔ اس پر چلی کے تمام مکاتب فکر کے اخباروں نے خوب لے دے کی کہ یہ چلی کے اندرونی معاملات میں امریکی سامراج کی دخل اندازی ہے اور سب نے شدید احتجاج کیا۔ اس سے بھی چلی میں امریکہ شہرت کو شدید دھچکا لگا نتیجہ یہ ہوا کہ امریکی حکومت کو چلی میں اس پراجیکٹ کو خیر باد کہنا پڑا۔

**1968**ء میں سی۔آئی۔اے کے اپنے بورڈ آف نیشنل اسٹیمیٹ نے لاطینی امریکہ کے تمام حالات اور کوائف کے پس منظر کو اچھی طرح سوچنے اور سمجھنے کے بعد امریکی پالیسی سازوں کو رپورٹ دی کہ ترقی پذیر لاطینی امریکہ میں انقلابی قوتیں اتنی مضبوط ہیں کہ باہر سے ان میں کوئی دراندازی نہیں کی جا سکتی۔ جب کمیٹی نمبر **40** چلی کے معاملات پر غور کر رہی تھی تو رپورٹ میں دی گئی رائے کو نظر انداز کر دیا گیا۔ ایلنڈے چلی کا صدر منتخب ہو گیا۔ چند ماہ بعد صدر نے وائٹ ہاؤس میں منعقد ایک پریس کانفرنس میں بیان دیا۔ ''چلی میں جو واقعات ہوئے ہیں امریکہ حکومت کے لئے وہاں کے آزادانہ انتخابات میں دخل دینا مناسب نہیں تھا۔ ایسا کرنے سے پورے لاطینی امریکہ میں اس سے بھی بدترین حالات پیدا ہوتے جو چلی میں ہوئے ہیں۔

**1972**ء کے آخر میں ڈائریکٹر ہیلمز سے جبکہ وہ جان ہاپکن یونیورسٹی میں ایک لیکچر دے رہا تھا ایک طالب علم نے سوال کیا آیا سی۔آئی۔اے نے **1970**ء کے چلی کے انتخاب میں گڑبڑ پھیلانے کی کوشش کی تھی۔

مسٹر ہیلمز نے جواب دیا۔

''آپ کو اس سے کوئی سروکار نہیں۔ آپ ہی کے طرفداروں کی جیت ہوئی تھی۔''



مسٹر ہیلمز بوجوہ پریشان ہو گیا تھا۔ کچھ ہی دن بعد کالم نویس جیک اینڈرسن نے تحریر کیا کہ انٹرنیشنل ٹیلی فون اور ٹیلی گراف کی کہانی میں درحقیقت سی۔آئی۔اے یہ کوشش کر رہی تھی کہ کسی طرح ایلنڈے کی کامیابی کو ناکام بنا دیا جائے باوجودیکہ وہ عوام کے ووٹوں سے کامیاب ہوا تھا۔

ایلنڈے کو منتخب ہوئے تین سال ہی ہوئے تھے کہ چلی میں اس کے خلاف فوج اور پولیس نے متحد ہو کر خونی انقلاب برپا کر ہی دیا۔ ایلنڈے قتل کر دیا گیا اور ملٹری جنتا نے حکومت قائم کر لی۔ امریکی تاجر سی۔آئی۔اے اور امریکن حکومت سب اپنے آپ کو بری الذمہ قرار دیتے رہے۔ عوام کو ان سب کے کردار کا کبھی بھی پتا نہ چلتا اگر **21** اکتوبر **1973**ء کے واشنگٹن پوسٹ میں سی۔آئی۔اے کے ڈائریکٹر ولیم کولبی کا ہاؤس فارن آفیسرز کمیٹی کے سامنے دیا گیا وہ خفیہ بیان پریس میں نہ آ جاتا جس میں اس نے تسلیم کیا کہ فوجی انقلاب میں سی۔آئی۔اے کا ہاتھ تھا۔ چلی کی تمام بڑی بڑی سیاسی پارٹیوں سے خفیہ گٹھ جوڑ تھا اور سیاسی گروہوں کو کچھ امداد فراہم کی گئی تھی۔ کولبی (جو کہ ویت نام میں بھی سی آئی اے کا ڈائریکٹر رہ چکا تھا) نے بھی کانگرس کے ارکان کو اس انقلاب کے بعد بتایا کہ اس انقلاب کا اچھا پہلو یہ ہے کہ اس سے چلی میں خانہ جنگی کے امکانات ختم ہو گئے ہیں۔

یہ ہے وہ طریقہ کار جس سے تیسری دُنیا میں عدم استحکام لایا جاتا ہے۔

چلی میں اگر سی۔آئی۔اے یہ سب کچھ نہ کرتی تو امریکی حکومت خود ایسے اقدامات کرتی جیسا کہ ستمبر **1970**ء میں ہنری کیسنجر نے ایک پریس کانفرنس میں کہلوایا کہ ایلنڈے کی مارکسٹ حکومت ارجنٹائنا بولیویا اور پیرو کی حکومتوں کا بھی ستیاناس کر دیتی۔ ایک اور واقعہ سے بھی وائٹ ہاؤس کے عزائم کا پتا چلتا ہے اور وہ ہے مئی **1972**ء میں واشنگٹن میں چلی کے سفیر کے ہاں ان جاسوسوں کی کارروائی جن میں سے بعض نے اگلے ماہ واٹر گیٹ اسکینڈل میں بھی حصہ لیا۔ علاوہ ازیں

اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے حکام نے کانگریس کے سامنے یہ اقرار کیا کہ امریکہ نے ایلنڈے حکومت کی اقتصادی امداد بند کردی دیگر نجی ذرائع اور بین الاقوامی اقتصادی اداروں سے قرض کے حصول میں رکاوٹیں اور رخنہ اندازی کی تا کہ سوشلزم کی ساکھ کونقصان پہنچایا جائے۔

ڈاکٹر ہنری کسنجر نے ان دنوں جب وہ چار سالوں تک سی۔آئی۔اے کے انتہائی خفیہ پروگراموں کے انچارج رہے کہا کہ چلی کے معاملات میں اتنی شدید دشواریاں تھیں کہ یہ دھندہ سی۔آئی۔اے کے بس کا نہ تھا غالباً یہ بات سی۔آئی۔اے کی پردہ داری یا حکومت کے عزائم کی رازداری کے لئے کہی گئی تھی۔



سی۔آئی۔اے اپنی مہمات کے لئے طریقہ کار میں خودمختار ہے لیکن وہ کسی ناپسندیدہ حکومت کا تختہ اُلٹنے یا کسی حکومت کی امدادی کارروائی ازخود ہرگز نہیں کرسکتی جب تک کہ اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ صدر امریکہ کی خواہش کے مطابق اسے ایسا کرنے کے احکام نہ دے سی۔آئی۔اے تو ایک پردہ ہے جس کی آڑ میں شکاری شکار کھیلتے رہتے ہیں۔

موجودہ دور میں جاسوسی سرگرمیوں کا رُخ کہ دوسرے ملکوں کے اندرونی معاملات میں مداخلت کی جائے محکمہ سراغ رسانی کی اصطلاح میں ''کورڈ ایکشن'' (Coverd Action) کہلاتا ہے۔

دوسری جنگ عظیم کے دوران امریکہ کے سٹریٹیجک سروس کے محکمہ او۔ایس۔ایس نے برطانوی خفیہ سروس کے ماہرین سے جرمنی اور جاپان کے خلاف جارحیت کے لئے حربے استعمال کرنے کے متعلق بہت کچھ سیکھا۔ جنگ کے خاتمہ کے



بعد صدر ٹرومین نے او۔ایس۔ایس کے ادارے کی ضرورت محسوس کرتا تھا جو کہ گورنمنٹ کے سراغ رسانی کے مختلف محکموں سے آنے والی معلومات کو یکجا کرنے کا کام سرانجام دیا اس کا خیال تھا کہ امریکہ میں اگر ایسا ادارہ ہوتا تو 1939ء میں جاپانیوں کے لئے پرل ہاربر پر اتنا کامیاب حملہ کرنا اگر ناممکن نہ ہوتا تو مشکل ضرور ہوتا۔

یہی وجہ تھی کہ 1947ء میں سی۔آئی۔اے کی باقاعدہ تنظیم کا قانون بنایا گیا۔ بعد میں ایلن ڈلس نے سینٹ کی آرمڈ سروسز کمیٹی میں ایک یادداشت پیش کی جس میں کہا گیا کہ امن کے زمانہ میں سراغ رسانی کے انداز بدلنے ہوں گے۔ طریقہ کار جدا ہوگا۔ آدمی بھی دوسرے ہوں گے اور مقاصد بھی جدا۔ ہمیں مخالف نظریات سے نبٹنا ہوگا جیسا کہ جمہوریت اور کیمونزم، نہ صرف روس اور مغربی ملکوں کے واسطہ سے بلکہ یورپ، ایشیاء اور جنوبی امریکہ کے اندرونی سیاسی نظریات کی آویزش سے بھی۔ یہ ڈلس ہی تھا کہ چھ برس بعد جب وہ سی۔آئی۔اے کا ڈائریکٹر بنا تو اس نے قانون میں اس دفعہ کا اضافہ کرایا کہ سی۔آئی۔اے جاسوسی کے ایسے تمام اقدامات اور فرائض بجالائے گی جو قومی تحفظ کی کونسل کی طرف سے اسے سونپے جائیں گے اس سے سی۔آئی۔اے کی قوت کو بہت سہارا ملا۔ صدر ٹرومین اس بات کے حق میں نہیں تھا کہ زیر زمین سازشیں تیار کرنے کا کام سی۔آئی۔اے کو سونپا جائے۔ اس کی بجائے اس نے ایک دوسرا ادارہ او۔پی۔سی کے نام سے قائم کیا اور سابقہ او۔ایس۔ایس کے ایک آدمی مسٹر فرینک جی ونسر جونیئر کو اپنے اختیارات استعمال کرتے ہوئے اس کا سربراہ مقرر کردیا۔ سی۔آئی۔اے کا کام او۔پی۔سی کی امداد اور اعانت تھا۔

ونسر اپنی رپورٹ براہِ راست سیکرٹری دفاع اور سیکرٹری آف اسٹیٹ کو بھیجا کرتا تھا لیکن دوسال بعد جب جنرل والٹر بیڈل سمتھ سی۔آئی۔اے کا انچارج بنا تو اس نے ایسے تمام محکموں کو سی۔آئی۔اے کے ماتحت ضم کر لینے کے حکم پر 4 جنوری

1951ء کو صدر ٹرومین سے تحریری منظوری لے لی۔ ایلن ڈلس کو تنظیم کا چیف اور ونسر کو اس کا ڈپٹی مقرر کیا گیا امریکہ کو کوریا کی جنگ میں ملوث ہو جانے کی وجہ سے اس تنظیم میں بہت توسیع ہوئی۔

1950ء میں اس تنظیم کے باقاعدہ ملازمین کی تعداد پانچ ہزار تھی جو کہ بڑھ کر 1955ء میں پندرہ ہزار ہوگئی۔ اس کے علاوہ عارضی ملازمین اور ایجنٹ ہزاروں کی تعداد میں ملازم رکھے گئے ان سالوں کے دوران مغربی یورپ میں غیر کمیونسٹ حکومتوں کے استحکام۔ دُنیا بھر کی سیاسی پارٹیوں اور مشرقی یورپ میں اپنے پروپیگنڈہ کے لئے ریڈیو فری یورپ اور ریڈیو لبرٹی کے قیام چین میں گوریلا سرگرمیوں کے لئے، ایشیاء فاؤنڈیشن کا قیام، گوئٹے مالا اور ایران میں بائیں بازو کی حکومتوں کا تختہ اُلٹنے اور دوسری زیر زمین سرگرمیوں پر ایک کھرب سے زیادہ امریکی ڈالر خرچ آئے۔

1950ء کے اواخر میں یوکرائن اور البانیہ میں روس کے خلاف گوریلا سرگرمیاں شروع کی گئیں۔ سی۔آئی۔اے نے ان دونوں ملکوں میں اپنے ایجنٹ اور سامان بھیجے۔ لیکن نہ تو کوئی گڑبڑ ہوئی نہ ایجنٹوں اور روپیہ و دیگر سامان کا کچھ پتا ہی چل سکا۔ 1950ء میں سی۔آئی۔اے سے اسی طرح کی ایک اور شدید غلطی ہوئی جبکہ پولینڈ میں ایک زیر زمین سازش کا انتظام کیا گیا جس سے وہاں بھی انقلاب لانا مقصود تھا۔ کروڑوں ڈالر قسطوں میں وہاں بھیجے گئے۔ ایسے جاسوس اندرون پولینڈ بھیجے گئے جنہوں نے مغربی جرمنی میں سی۔آئی۔اے کے آدمیوں سے ریڈیو اور پوشیدہ تحریروں کے ذریعے برابر کا رابطہ بھی قائم رکھا۔ کبھی کبھی ایک آدھ جاسوس کام کی ترقی کی رفتار سے آگاہ کرنے اور مزید جاسوس اور روپیہ بھی مانگنے آجاتا لیکن سی۔آئی۔اے کو سالوں بعد معلوم ہوا کہ پولینڈ کی خفیہ پولیس کو پہلے ہی دن سے اس سازش کا علم ہو گیا تھا۔



پولینڈ میں درحقیقت زیر زمین کوئی سازش ہی نہ تھی۔ پولینڈ کی خفیہ پولیس نے کمیونسٹوں کے مخالفوں کو دھوکہ دینے کے لئے یہ ڈھونگ چلنے دیا کہ اس طرح پولینڈ سے بھاگ جانے والے واپس آجائیں گے تو ان کو جیل بھیج دیا جائے گا۔ اس طرح پولینڈ والوں نے کروڑوں ڈالر ہتھیا لئے۔

روسی عوام کی محتاط بود و باش کی وجہ سے روایتی جاسوسی کے ذریعے سی۔آئی۔اے والے کوئی اہم معلومات حاصل نہ کر سکے۔ ان کے چند ایک افسر اگر روسی علاقوں میں داخل ہو بھی گئے تو روس کی خفیہ ایجنٹ بھرتی کرنا اور دوسری خفیہ سرگرمیاں شروع کرنا تقریباً ناممکن ہو گیا۔ مشرقی یورپ میں بھی سی۔آئی۔اے والوں کو ایک ایسی ہی صورت حال سے واسطہ پڑا۔

سی۔آئی۔اے والوں کو روس اور مشرقی یورپ سے بھاگ کر آنے والے ان چند اشخاص سے جن کے پاس بہت سی معلومات تھیں۔ بہت سے قیمتی راز معلوم ہو گئے جو کہ انہوں نے از خود بتا دیئے۔ البتہ سی۔آئی۔اے نے جاسوسی کے ذریعے کچھ کام کی معلومات ضرور حاصل کیں جیسے کہ مشرقی یورپ کے ایک کمیونسٹ افسر سے خروشیف کی تقریر کی وہ نقل مل گئی جو اس نے 1956ء میں سٹالن کے خلاف کی تھی۔ اسے نیویارک ٹائمز میں چھپوا دیا گیا۔

1950ء کے وسط میں بسل اور اس کے افسر ایلن ڈلس نے یہ محسوس کر لیا کہ روایتی جاسوس روس اور دوسرے کمیونسٹ ملکوں کے راز معلوم نہیں کر سکتے۔ ان ملکوں کے راز صرف مشینی ذرائع سے ہی حاصل کئے جا سکیں گے۔ لہٰذا یو۔ٹو جاسوسی طیارہ بنایا گیا جو کہ بہت اونچائی سے کیمروں اور دوسرے الیکٹرونک آلات کی مدد سے روس کے دفاعی نظام اور دوسرے ہتھیاروں کے متعلق بہت ہی اہم اطلاعات حاصل کر لایا۔ اس سے بھی زیادہ اہم مواصلاتی نظام جاسوسی تھا۔ اس کے الیکٹرانک اور دوسرے آلات کی مدد سے روس کے دفاعی نظام اور دوسرے ہتھیاروں کے متعلق

بہت ہی اہم اطلاعات حاصل ہوئیں۔ اس کے الیکٹرانک اور دوسرے آلات پر کھربوں ڈالر خرچ کیئے گئے۔ لیکن اس کے باوجود بسل اور ڈلس دونوں اس بات پر متفق تھے کہ دوسرے ملکوں میں اندرونی طور پر مداخلت کے لئے جاسوسوں کی پھر بھی ضرورت ہے۔

جنگ کے بعد روس کے اثر ونفوذ کو مغربی یورپ میں روکنے کے لئے زیر زمین جاسوسی کی زیادہ ضرورت تھی۔ مشرقی یورپ تو اس کے زیر اثر تھا ہی۔ جنگ سے اقتصادی اور معاشی طور پر تباہ حال مغربی یورپ کا روس کے اثر میں چلے جانے کا شدید خدشہ تھا۔ لہٰذا سی۔آئی۔اے نے ان ملکوں کی سیاسی پارٹیوں لیڈروں لیبر یونینوں اور دوسرے گروہوں کو خصوصاً مغربی جرمنی فرانس اور اٹلی میں اور مشرقی یورپ سے بھاگ کر آنے والوں کو۔ تاکہ وہ اپنے ملکوں میں کیمونسٹوں کے خلاف مزاحمت کر سکیں۔ مالی امداد فراہم کی۔

سرد جنگ کے دوران سی۔آئی۔اے کے اس قسم کے ان گنت پروگرام چل رہے تھے۔ یہ انکشاف جنوری 1973ء میں کالم نویس ٹائم براؤن نے کیا۔ جو کہ ان پروگراموں میں سے بعض کا انچارج رہ چکا تھا۔

1950ء کے آخر تک مغربی یورپ میں امریکہ کی حامی حکومتیں چونکہ مستحکم ہو چکی تھیں۔ اب سی۔آئی۔اے کی خفیہ تنظیم کی توجہ تیسری دُنیا کی طرف ہو گئی تاکہ کیمونزم کے اثر کو ادھر بڑھنے سے روکا جائے۔ خصوصاً ان ممالک میں جہاں کہ سوشلسٹ تحریکوں کے پھیلنے کے زیادہ امکانات تھے۔ جیسا کہ ایران اور گوئٹے مالا وغیرہ۔ ایلن ڈلس کے واشنگٹن پوسٹ کے نامہ نگار کے نام ایک خط سے معلوم ہوا کہ جب کسی ملک کی کیمونسٹوں کی طرف جھکنے کی شہادت ہمیں مل جائے تو امداد طلب کرنے کی درخواست کا انتظار نہیں کر سکتے۔ ان حالات میں ان ماہرین کو جو یورپ میں خاصے تجربہ کار بن چکے تھے مشرق بعید کی اُبھرتی ہوئی قوموں میں تعینات کر دیا گیا



کیونکہ تیسری دُنیا کے ممالک کم یافتہ ہونے کی وجہ سے سی۔آئی۔اے کے اقدامات کے لئے موزوں حالات مہیا کرتے ہیں۔ تعلقات خارجہ کی کونسل کو رچرڈ بسل نے بتایا کہ ان ملکوں کی حکومتیں چونکہ بہت منظم نہیں وہاں تحفظ کا شعور کم ہے وہاں کی پارٹیوں، آبادیوں، تنظیموں اور افراد میں جو کہ سنٹرل گورنمنٹ سے باہر ہیں انتشار ہے لہٰذا اکثر وہاں اقتدار کی جنگ جاری رہتی ہے تمام گروہ بیرونی امداد پا کر احسان مند بن جاتے ہیں یہاں نسبتاً چھوٹی رقوم ان گروہوں کو براہِ راست دی جائیں یا سوئس بنک میں ان کا حساب کھول دیا جائے تو ان کی سیاسی وفاداریاں تبدیل کرنے میں جادو کا کام کرتی ہیں۔ ایسی فضا میں سی۔آئی۔اے والوں نے اکثر کامیابیاں حاصل کی ہیں۔

ان دنوں فضائیہ کے ایک کرنل ایڈورڈ لینس ڈیل کے فلپائن اور ویت نام کے کارناموں کو جو کہ اس نے سی۔آئی۔اے کے لئے سرانجام دیئے بہت شہرت حاصل ہوئی۔ لینس ڈیل مقامی کیمونسٹ گوریلوں کے خلاف فلپائن میں وزیر دفاع کا مشیر مقرر کر کے بھیجا گیا۔ وزیر دفاع نے وہاں کے کسان آبادی کا گوریلوں کے خلاف تعاون حاصل کرنے کے لئے زرعی اصلاحات اور ترقیاتی پروگرام کے نفاذ میں جلدی کی۔ لینس ڈیل نے احتیاطاً دوسری کئی سکیموں پر خفیہ فنڈ سے کروڑوں ڈالر خرچ کر دیئے۔ ایک موقعہ پر کیمونسٹوں کے ایک مرکز میں چند افواہ سازوں کو بھیجا گیا جنہوں نے یہ افواہ پھیلا دی کہ یہاں لوگوں کا خون چوسنے والے بھوت رہتے ہیں۔ دو چار روز بعد افواہ سازوں نے کمین گاہ میں اپنا اڈہ قائم کر لیا۔ جب گوریلوں کا دستہ پہرہ دیتا ہوا وہاں سے گزرا تو انہوں نے آخری آدمی کو دبوچ لیا اور اس کی لاش کو لٹکا دیا۔ جب گوریلوں نے یہ دیکھا تو وہ علاقہ خالی کر کے بھاگ گئے۔

1953ء میں وزیر دفاع میگاس سیکو فلپائن کا صدر چن لیا گیا۔ اب فلپائن میں کیمونسٹوں کے غالب آنے کا خطرہ ٹل چکا تھا، لینس ڈیل کا مشن کامیاب ہو چکا تھا اسے واشنگٹن واپس بلا لیا گیا۔

ایک سال بعد نگوڈین ڈیم کی حکومت کو سہارا دینے کے لئے لینس ڈیل کو دوبارہ جنوبی ویت نام میں تعینات کر دیا گیا اس نے شمالی ویت نام کے خلاف توڑ پھوڑ اور گوریلا سرگرمیاں شروع کر دیں۔ ساتھ ہی جنوبی ویت نام میں نفسیاتی جنگ ڈیم کے سیاسی مخالفین کے خاتمہ کی تدبیریں، ملٹری ٹریننگ اور سیاسی جوڑ توڑ شروع کر دیئے۔ 1955ء میں ڈیم کو جنوبی ویت نام کا صدر منتخب کرنے کے لئے اس نے الیکشن میں بھی کام کیا۔ اٹھانوے فیصد ووٹوں کی غیر معمولی اکثریت سے ڈیم کو کامیاب کرایا جس کی امریکی حکومت نے بہت داد دی اور پھر ڈیل جلد ہی امریکہ واپس چلا گیا۔

سی۔آئی۔اے کے دوسرے کارکن دوسرے ممالک میں کام کر رہے تھے۔ کرومیٹ روز ویلٹ نے 1953ء میں ایران میں ڈاکٹر مصدق کی حکومت کا تختہ اُلٹ دیا۔ 1954ء میں گوئٹے مالا کا انقلاب اور آخر 1950ء میں انڈونیشیا کے صدر سوئیکارنو کو صدارت سے علیحدہ کرنے کی ناکام کوشش سماٹرا کے باغیوں کی براہ راست امداد۔ ان سب میں اگرچہ سی۔آئی۔اے کا ہاتھ تھا لیکن صدر آئزن ہاور اور سیکرٹری آف اسٹیٹ مسٹر ڈلس امریکہ کے ملوث ہونے سے انکار ہی کرتے رہے۔ حالانکہ سی۔آئی۔اے، کے۔بی 26 طیارے باغیوں کی امداد کے لئے بمباری بھی کرتے رہے۔

18 مئی 1958ء میں انڈونیشیا نے ایک طیارہ مار گرایا اور اس کے پائلٹ ایلن پوپ کو گرفتار کر لیا لیکن امریکی حکومت نے اسے کرایہ کا سپاہی ظاہر کیا حالانکہ وہ سی۔آئی۔اے کی سول ایئر ٹرانسپورٹ ہوائی سروس کا ملازم تھا۔

انڈونیشیا کی قید سے رہائی پانے کے چند ماہ بعد پوپ پھر سی۔آئی۔اے کی چلائی ہوئی فائی ساؤدرن ایئر ٹرانسپورٹ کے ہوائی جہازوں میں کام کرنے لگا۔ یو۔ٹو طیارہ مار گرائے جانے کے بعد آئزن ہاور کے ذمہ داری قبول نہ کرنے کی وجہ سے



1960ء میں سربراہ کانفرنس منعقد نہ ہو سکی۔ سی۔آئی۔اے کا اثر و نفوذ اس حد تک تھا کہ صدر کینیڈی نے منتخب ہوتے ہی اعلان کیا کہ جے ایڈگر اور ایلن ڈلس ان کی حکومت میں بھی کام کرتے رہیں گے۔



1961ء میں بے آف پگس پر حملہ کی ناکامی سے امریکی اعلیٰ افسران سے لے کر عام پبلک تک سب میں سی۔آئی۔اے کی کارکردگی موضوع بحث بن گئی وہ کاسترو کی حکومت کا تختہ نہ اُلٹ سکی اور پبلک طور پر بھی سنگین غلطیاں کیں۔ ان کی وجہ سے صدر امریکہ کا جھوٹ پکڑا گیا۔

یہ پہلا موقع تھا کہ اس قدر وسیع پیمانہ پر سی۔آئی۔اے کے خلاف شدید نکتہ چینی ہوئی۔ صدر کینیڈی جس نے اس حملہ کی اجازت دی تھی اس نے محسوس کیا کہ سی۔آئی۔اے اس کی خارجہ پالیسی اور اس کے سیاسی مستقبل کے لئے ایک بوجھ بن گئی ہے۔ صدر کینیڈی اس سے بہت برہم ہوئے اس لئے کہ بے آف پگس جیسے واقعہ کا پھر اعادہ نہ ہو۔ سی۔آئی۔اے پر وائٹ ہاؤس کا کنٹرول زیادہ مؤثر کر دیا گیا وہ سی۔آئی۔اے کا محکمہ توڑ دینا چاہتے تھے۔ بہر حال سی۔آئی۔اے کو توڑنا تو ممکن نہ تھا البتہ سی۔آئی۔اے کا سنہری دور ختم ہو گیا۔

ایلن ڈلس کی پہلی سی وقعت جاتی رہی۔

1961ء کے آخر میں جان میکون کو ڈلس کی جگہ لایا گیا اور چند ہی ماہ میں میجر جنرل مارشل پٹ نے میجر جنرل چارلیس کیمبل سے ڈپٹی ڈائریکٹر کا عہدہ لے لیا۔ اور رچرڈ بسل کی بجائے رچرڈ ہیلمز کا تقرر کیا گیا، صدر کینیڈی نے جنرل میکسوئل ٹیلر کو جو کہ صدر کا نجی مشیر بھی تھا اور جسے اب چیئرمین آف دی جائنٹ چیف آف

سٹاف کے عہدہ پر جانا تھا۔حکم دیا کہ وہ اٹارنی جنرل رابرٹ کینیڈی، ڈلس اور چیف ایڈمرل ادمے بروک کے ساتھ مل کر سی۔آئی۔اے کے معاملات کی پوری طرح چھان بین کر کے رپورٹ دیں۔

ٹیلر کمیٹی نے زیادہ تر ان طریقوں پر تنقید کی جو بے آف پگس میں اختیار کیے گئے کمیٹی کی اہم سفارش یہ تھی کہ سی۔آئی۔اے آئندہ ایسے اقدامات میں حصہ نہ لے جس میں بندوق سے بڑے کسی ہتھیار سے کام لینا ہو۔ٹیلر رپورٹ اُصولی طور پر منظور کر لی گئی لیکن اس پر پوری طرح عملدرآمد نہ کیا گیا اور کاسترو کے خلاف جو دو منصوبے چل رہے تھے وہ بند نہ کیے گئے۔

1960ء کے آغاز میں کانگو میں گڑبڑ شروع ہوئی تو سی۔آئی۔اے اس میں زیادہ سرگرم ہوگئی۔کانگو کے سیاست دانوں کو خریدا گیا۔کیرل اور جوزف موبوتو کے حامیوں کو روپیہ اور ہتھیار مہیا کیے گئے 1964ء میں سی۔آئی۔اے نے اپنے تخریب کار کانگو بھیجے اور بی۔26 بمبار طیارے جنہیں کیوبا سے فرار ہونے والے ہوا باز اُڑا رہے تھے۔باقاعدگی سے باغی گروپوں پر بمباری کرتے رہے۔

انہی سالوں میں ویت نام میں امریکی مفادات وسیع تر ہوگئے۔لہٰذا امریکی حکومت اور سی۔آئی۔اے کے آدمیوں کی تعداد اور پروگرام بھی یہاں بڑھ گئے۔ علاوہ دیگر اقدامات کے سی۔آئی۔اے نے شمالی ویت نام پر گوریلا اور چھوٹی کشتیوں کے حملے بھی منظم کیے۔ہزاروں مسلح سپاہیوں کی بے قاعدہ یونٹیں تیار کیں جاسوسی اور تفتیشی نظام کا وسیع جال جنوبی ویت نام کی بستی بستی میں بچھا دیا گیا۔

دوسری طرف ہمسایہ ملک لاؤس میں بھی امریکی حکومت کے احکام پر سی۔ آئی۔اے وسیع پیمانے پر سیاسی بے چینی پیدا کرنے میں مصروف تھی کیونکہ 1963ء کے جنیوا معاہدہ کے فیصلہ کی رو سے تمام غیر ملکی فوجوں کو لاؤس سے نکال دیا گیا۔لیکن کینیڈی حکومت نے لاؤس کو خالی نہ کرنے کا فیصلہ کیا بلکہ اپنے پروگراموں میں



عت کر دی۔یہ اس لئے بھی جائز تھا کہ نہ صرف امریکہ بلکہ شمالی ویت نام بھی معاہدہ ں پابندی نہیں کر رہا تھا اس کے علاوہ کیوبا میں ناکامی کے بعد امریکی حکومت یونسٹوں کا ایک اور گھاؤ سہنے کو تیار نہ تھی۔فوجی اعتبار سے بھی لاؤس امریکہ کے لئے م تھا کیونکہ سی۔آئی۔اے کو اصطلاحی اعتبار سے مسلح فوج نہیں کہا جا سکتا۔لہٰذا مخفی ک کی پوری ذمہ داری سی۔آئی۔اے پر آن پڑی۔سی۔آئی۔اے کی تاریخ میں اس کے سب اقدامات میں یہ سب سے بڑا بھی اور سب سے مہنگا بھی تھا۔

سی۔آئی۔اے کی پرائیویٹ فوج میں 35000 سے زیادہ افیون کاشتکار ر پہاڑی قبائلی بھرتی کیے گئے۔اپنے بمبار اور سپلائی کے جہازوں کو اُڑانے کے لئے کرایہ کے پائلٹ بھرتی کیے گئے۔آخر جب سالوں کی لمبی جنگ میں یہ فوج کمزور پڑ ئی تو تھائی لینڈ سے سترہ ہزار کرایہ کے فوجی بھرتی کیے گئے۔

1960ء کے آخر میں سی۔آئی۔اے کے بعض مقامی افسران کے خیال ں چونکہ جنگ بہت لمبی ہوگئی تھی اس لئے جیتنے کے امکانات کم تھے۔تنظیم مخمصے میں پھنسی ہوئی تھی میدان جنگ میں کام کرنے والوں کی کمی پڑ گئی تھی۔نئی بھرتی کے لئے گوں کو دلچسپی نہیں تھی۔بالآخر اسے دوسرے علاقوں میں سے بھی اپنے آدمی جنوب شرقی ایشیاء میں بلانے پڑے۔



بسل نے سی۔آئی۔اے میں جاسوسی کے میدان میں جدید ترین ٹیکنیکل اور مکینیکل ذرائع استعمال کیے۔اسی نے یو۔ٹو جاسوسی طیارے کو رواج دیا۔اس نے ہی اک ہیڈ ایئر کرافٹ کارپوریشن کی وساطت سے 11-71 جاسوسی طیارہ جس کا نام حد میں ایس۔آر 71 رکھا گیا تیار کرایا جو کہ آواز سے تین گنا زیادہ تیز رفتار اور یو۔ٹو

سے بھی زیادہ بلندی سے اطلاعات فراہم کرتا تھا۔ مصنوعی سیاروں سے جاسوسی کا کام لینے کے لئے طاقتور کیمروں اور دوسرے آلات کے ذریعے پوری دُنیا بالخصوص روس اور چین کی خفیہ تنصیبات کی تصاویر لینے میں بھی اسی کی ہی ہدایات کام دے رہی تھیں اور مصنوعی سیاروں سے ہی تیسری دُنیا کے متعلق بھی جاسوسی کی جارہی تھی۔ اس وجہ سے بسل کی ان خفیہ خدمات کے صلہ میں 17 فروری 1962ء میں سیکرٹ انٹیلی جنس میڈل سے نوازا گیا۔

بسل نے کہا کہ دوسری قوموں کے اندرونی معاملات میں خفیہ ذرائع سے دخل اندازی کرنے کا اصطلاحی نام ''کورٹ ایکشن'' (Covert Action) ہے۔ جسے کہ کبھی کبھی ''انٹرونیشن'' (Intronation) بھی کہا جاتا ہے اعلیٰ افسران کے علاوہ وہ آفیسر جو دوسرے ملکوں میں جاسوسی کے کاروبار کی نگرانی اور رہنمائی کرتے ہیں۔ ''وہ کیس آفیسر'' (Case Officer) کہلاتے ہیں اور کسی ملک میں دو سے تین برس تک رہتے ہیں۔ ان کی تعداد ایک سے بیس تک ہوتی ہے۔

ان میں سے کچھ مصنوعی ناموں سے امریکی سفارت خانوں میں رہتے ہیں اور بعض بیوپاری، طلبہ، اخباری نمائندے کچھ مشنری اور بعض سیاحوں کے بھیس میں معصوم امریکی شہریوں کی حیثیت سے دوسرے ملکوں میں ان کے خفیہ دفاعی راز اور دیگر اہم قسم کی معلومات اکٹھی کرتے رہتے ہیں۔ خواہ وہ زمانہ امن ہو یا جنگ۔ یہ سب کچھ اس لئے کیا جاتا ہے کہ اگر اس وقت اس کی ضرورت نہ ہو مگر ضرورت پڑنے پر یہ معلومات کسی وقت بھی کام دے سکیں۔ لہٰذا کیس آفیسران مقاصد کی تکمیل کے لئے اس ملک کی حکومت کے محکموں مثلاً افواج، پریس، لیبر یونینز اور عوامی زندگی سے اقتصادی اور سیاسی گروہوں میں اپنے ایجنٹوں کا ایک جال بچھا دیتا ہے اور اس طرح امریکی مقاصد کی تکمیل کے لئے ہر قوم کی دُکھتی رگ ٹٹولی جاتی ہے تا کہ بوقت ضررت اس پر ہاتھ رکھا جا سکے اصطلاحاً اسے ''تعمیر اثاثہ'' کا نام دیا جاتا ہے اور حاصل شدہ



معلومات کو ''اثاثہ'' کا نام۔

یہ عمل بیسیوں ممالک میں جاری ہے۔ لہٰذا وائٹ ہاؤس جس ملک میں اندرونی مداخلت کرنا چاہتا ہے اس کے متعلق ضروری معلومات وکوائف صدر اور اس کے مشیروں کو مہیا ہو تو اس کے استعمال کی بھی بے پناہ خواہش ہوتی ہے لہٰذا سفارتی اور اس قسم کے دیگر سست رفتار ذرائع سے مقاصد حاصل کرنے کی بجائے ان سازشی ذرائع سے جلد مقاصد حاصل کر لئے جاتے ہیں۔ سی۔آئی۔اے کے اس طرح کے مربوط جاسوسی نظام اور طریقہ کار کی وجہ سے امریکی حکومت کے اعلیٰ صدر سمیت اس پر بہت بھروسہ کرتے ہیں۔

یوں بھی ہوتا ہے کہ کسی ملک میں سی۔آئی۔اے کا ''چیف آف اسٹیشن'' امریکی سفیر کی وساطت کے بغیر ہی سربراہ مملکت سے براہِ راست تعلقات رکھتا ہے۔ پس پردہ کیا ہو رہا ہوتا ہے۔ امریکی سفیر اس سے بالکل بے خبر ہوتا ہے۔ یہ طریقہ کار سیکرٹری آف اسٹیٹ یا اس ملک کے سربراہ کی خواہش سے اپنایا جاتا ہے۔

یہی کچھ تائیوان میں ہوتا رہا۔ ''چیف آف اسٹیشن'' کے تعلقات چیانگ کائی ٹیک کی بجائے براہِ راست اس کے بیٹے اور جانشین سے تھے خبریں یہاں تک تھیں کہ ''نوجوان چیانگ'' اور ''چیف آف اسٹیشن'' میں شراب و کباب کی محفلیں رات گئے تک جمی رہتی تھیں۔

سی۔آئی۔اے ملک کے اندر اور باہر گوویوں کے مزدوروں، یونین یڈروں، کلچرل، طلبہ کی تنظیموں اور ادیبوں وغیرہ سے خفیہ رابطہ قائم رکھتی ہے ان کو ہزاروں ڈالر بطور مالی امداد دیتی رہتی ہے۔ تا کہ بوقت ضرورت ان کو اپنی حکومتوں کے خلاف یا دوسرے مقاصد کے حصول کے لئے استعمال کیا جا سکے۔ کلچرل تنظیموں کو مالی مداد دینے والوں سے کچھ شدید غلطیاں ہوگئیں۔ سالوں تک امداد دینے سے امداد لینے والوں کا حلقہ اتنا وسیع ہوگیا کہ ان کی براہِ راست نگرانی ومحاسبہ مشکل ہوگیا۔ جب

اس کا انکشاف ہوا تو صدر جانسن نے تین ممبری کمیٹی بنا کر سیکرٹری آف سٹیٹ کو سربراہ بنا دیا دوسرے دو ممبر ڈائریکٹر ہیلم اور جان گارڈن تھے۔

1980ء کے عشرے میں خصوصاً پاکستان میں اسی پالیسی کے تحت این۔جی۔اوز کھڑے کیئے گئے جن کی آڑ میں سی۔آئی۔اے اپنا دھندہ کامیابی سے چلا رہی ہے۔ان بظاہر فلاحی تنظیموں کے اصل مقاصد کا علم ان کے کرتا دھرتا بھی نہیں رکھتے کیونکہ وہ صرف ڈالروں کے حصول اور غیر ملکی وزٹ کو اپنا مقصد حیات سمجھتے ہیں لیکن اس کی قیمت ملکی سالمیت کی صورت میں ادا کی جا رہی ہے۔

سراغ رسانی کے پیشے سے تعلق رکھنے والوں کی اکثریت اس بات سے اتفاق رکھتی ہے کہ سراغ رسانی کے عمل کا بنیادی اور اہم مقصد یہ ہے کہ غیر ملکی معاملات کے بارے میں کھلے اور خفیہ ذرائع سے جو معلومات حاصل ہوں ان کا احتیاط سے بامقصد تجزیہ کرنے کے بعد بروقت متعلقہ محکموں کو فراہم کی جائیں۔

حاصل ہونے والی معلومات کو جب پیش کیا جائے تو وہ مقصد اور نظریہ کے اعتبار سے متوازن ہوں۔کسی بھی حالت میں سراغ رساں کو اس بات کی اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ کوئی طریق عمل بھی تجویز کرے۔سراغ رسانی کا کام جب صحیح طریق پر سرانجام دیا جائے تو وہ صرف معلومات فراہم کرنے والا ایک ادارہ ہے۔ان ''معلومات'' کا استعمال کوئی اور کرتا ہے اور یہ اس کی صوابدید پر منحصر ہے کہ وہ کس ''اطلاع'' کا کتنی خوبی سے اپنے حق میں استعمال کرے۔

ستمبر 1965ء کی جنگ میں پاکستانی فوج کے کمانڈر انچیف جنرل موسیٰ نے ''ٹائم'' کے نمائندے کو انٹرویو میں اپنی کامیابی کی واحد اور مختصر وجہ یہ بیان کی تھی۔

''صحیح معلومات کا حصول اور ان کا برموقعہ استعمال'' امریکہ میں گنگا اُلٹی بہتی ہے وہاں یہ صرف نظریہ کی حد تک ہی ہے جہاں تک عملی حقیقت کا تعلق ہے سراغ رساں برادری پالیسی سازی کے میدان میں بہت اندر تک گھسی ہوئی ہے اور گھستی چلی



جا رہی ہے اور غالباً یہ توقع کرنا بھی غیر حقیقت پسندانہ ہوگا کہ ایک ایجنسی جو کروڑوں ڈالر سالانہ خرچ کرے اور جس کے سو سے زیادہ ملکوں میں ایک لاکھ پچاس ہزار ملازمین پھیلے ہوئے ہوں وہ اس کے علاوہ اور کچھ کرے گی۔

یہ بات اچھی طرح واضح ہے کہ جب رچرڈ ہیلمز کھلے بندوں 1971ء میں یہ کہے کہ ''ہم خارجہ پالیسی نہیں بناتے۔''

وہ اصطلاحی طور پر اس طرح ٹھیک ہی کہتا ہے کیونکہ جو کچھ وہ کرتے ہیں اپنے پروگراموں کی وائٹ ہاؤس سے منظوری کے بعد کرتے ہیں لیکن وہ جو یہ تصور دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ سراغ رساں برادری معلومات فراہم کرنے کے علاوہ اس بات میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتی کہ امریکہ کی خارجہ پالیسی بنانے اور اس آگے بڑھانے کے لئے وہ بھی عزائم رکھتے ہیں۔یہ قطعاً غلط ہے۔سی۔آئی۔اے امریکی خارجہ پالیسی بنانے میں ہمیشہ سے اہم رول ادا کرتی آئی ہے۔

سی۔آئی۔اے کو دوسرے ملکوں کے اندرونی معاملات میں دخل دینے کے لئے جب بطور آلہ استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے وہ اندازِ نظر بدل جاتا ہے جس اندازِ نظر سے قوم کے اعلیٰ سطح کے لیڈر دنیا کو دیکھنا چاہتے ہیں۔مقصد یہ ہے کہ سی۔آئی۔اے کی سرگرمیاں امریکی اعلیٰ سطح کے لیڈروں کی سوچ اور سمجھ پر اثر انداز ہوتی رہتی ہیں۔

وہ جانتے ہیں کہ اگر کسی مسئلے کو حل کرنے کے لئے ان کی سیاسی یا اقتصادی کارروائیاں ناکام ہو جائیں تو اپنی مشکل حل کرنے کے لئے انہیں سی۔آئی۔اے کی امداد لینی پڑے گی۔

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ آئزن ہاور نے اپنے عہد کے آخری دب مہینوں میں کیوبا سے اپنے تعلقات کو ٹوٹنے کی حد تک پہنچنے سے روکنے کی زیادہ کوشش کی ہوتی اگر اس نے سی۔آئی۔اے کو اس بات کی اجازت نہ دے دی ہوتی کہ کاسترو

کی حکومت کا تختہ اُلٹنے کے لئے مہاجرین کی ایک فوج کو خفیہ تربیت دی جائے۔

انتہائی راز داری جس میں کہ سی۔آئی۔اے کام کرتی ہے۔اس بات کے امکانات کو بڑھا دیتی ہے کہ صدر اسے حرکت میں آنے کے لئے کہے۔اس کو نہ تو کانگریس کے سامنے نہ پریس کے اور نہ امریکی عوام کے سامنے سی۔آئی۔اے کی سرگرمیوں کا جواز پیش کرنا ہے لہٰذا قبل از وقت افشائے راز کو روکنے کے لئے جو کچھ بھی وہ کرے امریکہ میں ایسی کوئی قوت نہیں ہے جو اسے وہ کچھ کرنے سے روک سے جو وہ کرنا چاہتی ہو۔

سی۔آئی۔اے کے آپریشن کی راز داری ایک صدر کو اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ وہ سی۔آئی۔اے کو دوسرے ملکوں میں سرگرمیوں کا اختیار دے دے جو اگر کھلے بندوں کی جاتیں تو حکومت امریکہ دُنیا بھر میں بدنام ہو جاتی کہ یہ قوم کسی قاعدے قانون کی پابند نہیں ہے۔ بین الاقوامی قانون اور اقوام متحدہ کے چارٹر میں اس بات سے واضح طور پر روکا گیا ہے کہ کوئی بھی ملک دوسرے ملک کے اندرونی معاملات میں دخل اندازی نہ کرے۔لیکن یہ اُصول شاید سی۔آئی۔اے کے لئے نہیں بنا۔

اگر دخل اندازی ایک خفیہ ایجنسی کرے جس کے آپریشنز کا فوری طور پر پتا نہ چل سکے کہ وہ امریکہ کی طرف سے کرائے گئے ہیں تو ایسی صورت میں ایک صدر کو بہت آسانی ہوتی ہے۔اسے اس بات کا اندیشہ نہیں ہوتا کہ ملک کے اندر یا دوسرے ملکوں میں اس کا ردِّعمل خراب ہوگا۔

1970ء میں جب ایلنڈے کو چلی کا صدر منتخب کر لیا گیا تو ایک پریس کانفرنس میں صدر نکسن سے سوال کیا گیا کہ امریکی حکومت ویت نام میں کمیونسٹوں کو اقتدار میں آنے سے روکنے کے لئے فوجی مداخلت کیوں کرنا چاہتی تھی لیکن چلی میں ایک مارکسٹ کو برسر اقتدار آنے سے روکنے کے لئے وہی کچھ کیوں نہیں روا رکھا گیا تو



صدر نکسن نے جواب دیا۔

"امریکہ کے لئے آزادانہ انتخاب میں دخل دینے سے میرے خیال میں پورے لاطینی امریکہ میں اس کے اثرات اس سے زیادہ خراب ہوتے جو کچھ کہ چلی میں اب ہوا ہے۔"

صدر نے یہ نہیں کہا کہ یہ سب کچھ اس کی منظوری سے ہوا تھا۔لیکن اپنے عمل کو پوشیدہ رکھنے سے کم از کم وقتی طور پر وہ متوقع خراب سیاسی ردِّعمل سے بچ گیا۔اگر یہ کام خفیہ طور پر سرانجام دینے کے لئے سی۔آئی۔اے موجود نہ ہوتی تو امریکی حکومت اپنے آپ کو چلی کے انتخاب میں ملوث کرنے کی ہرگز کوشش نہ کرتی۔کیونکہ ظاہر ہے کہ وہ اپنے اعمال کی ذمہ داری اپنے سر پر لینے کے لئے تیار نہ تھی۔

امریکی صدر خفیہ آپریشنز کو ہر مرض کی دوا سمجھتا ہے۔یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ Chest Nut کو بغیر کسی محنت و کوشش کے آگے سے باہر نکالنا ہو۔اور سفارتی ذرائع سے گفتگو کو پیچیدہ اور بدتر بنائے بغیر کام نکالنا ہو اور اگر سی۔آئی۔اے کی سرگرمیاں کہیں پکڑی بھی جائیں تو صدر کو اس کی ذمہ داری یا الزام سے بچا لیتی ہے۔علاوہ ازیں سی۔آئی۔اے میں یہ صلاحیت بھی موجود ہے کہ کسی بھی نازک موقع پر اس سے بہت ہی جلد کام لیا جا سکتا ہے اس کے کام میں بیوروکریسی کی سی تکلیف دہ رکاوٹیں بھی نہیں ہیں جیسا کہ پینٹا گون میں ہیں اس نے اپنی اس اہلیت کو ثابت کر دیا ہے کہ اسے تھوڑے سے وقت کے نوٹس پر حرکت میں لایا جا سکتا ہے جیسا کہ 1960ء کے شروع میں کانگو کے معاملہ میں کیا تھا جبکہ سی۔آئی۔اے نے فوری نوٹس پر فضائی قوت فراہم کر دی تھی۔

لاؤس میں سی۔آئی۔اے کے چالیس پچاس کیریئر افسروں نے جن کی امداد چند سو کرایہ پر حاصل کئے گئے افراد کر رہے تھے ایک پوری خفیہ جنگ شروع کر دی۔اور اگر پینٹا گون کو یہی مہم دی جاتی تو وہ کئی ہزار آدمیوں پر مشتمل ایک پوری فوج

تیار کرتے جیسا کہ انہوں نے ویت نام میں کیا تھا جس پر کہ امریکہ کو بہت زیادہ خرچ کرنا پڑا اور فوج کے برعکس جو کھلے بندوں جنگ کر سکتے ہیں کہ سی۔آئی۔اے آپریٹرز کو سیاسی پابندیاں اس طرح جکڑے ہوئے ہوتی ہیں کہ اس کا ایک بازو جنگلی مرغے کی طرح اس کی پشت کے ساتھ بندھا ہوا ہوتا ہے اور یہ بات ایجنسی کو صدر کی نظر میں اور بھی محبوب بنا دیتی ہے جبکہ صدر طریق جنگ کے متعلق اپنے جرنیلوں سے بھی اُلجھنا نہیں چاہتا کہ کسی موقع پر کون سا طریقہ جنگ اختیار کیا جائے۔ جب ایک مرتبہ سی۔آئی۔اے کے آپریشنز کسی ملک میں شروع ہو جاتے ہیں تو امریکہ کا کھونٹا اس قوم کے مستقبل کی گہرائیوں میں اُترتا چلا جاتا ہے۔

اگر امریکی صدر یہ فیصلہ کر لے کہ بجائے خفیہ جنگجوؤں کے اسے باقاعدہ فوج سے مداخلت کرنی ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس میں امریکی مفادات زیادہ ہوں گے لیکن اس کھلی مداخلت کا جواز بھی عوام کے سامنے رکھنا ہوگا۔ 1950ء اور 1960ء کے شروع میں صدر آئزن ہاور اور صدر کینیڈی دونوں ویت نام یا لاؤس کی بابت کسی قسم کا کوئی اقرار نہیں کرنا چاہتے تھے۔ تاہم غیر ملکی امداد کے فنڈ اور زبردست خفیہ آپریشن کے ذریعے وہ ان دونوں ملکوں میں غیر کیمونسٹ حکومتیں قائم کرنے اور انہیں زندہ رکھنے کے قابل ہو گئے۔ جب یہ رعایتیں ناکافی ثابت ہوئیں تو 1960ء کے آخر میں صدر جانسن نے یہ مناسب سمجھا کہ امریکی بری افواج کو ویت نام میں جنگ کرنے اور امریکی فضائیہ کو لاؤس میں بمباری کرنے کے لئے بھیجا جائے۔ یہ دلیل بھی دی جا سکتی ہے کہ سی۔آئی۔اے کے خفیہ آپریشنز اس دن سے ختم کر دیئے جانے چاہیئے تھے جب سے امریکی فوج کی بہت بڑی تعداد استعمال کی جانے لگی تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اگر ایجنسی سائیگون اور وینٹین حکومتوں کو اتنے عرصے تک برقرار رکھنے میں کامیاب نہ ہوتی تو امریکی حکومت بھی اس طرح کھلم کھلا مداخلت کبھی نہ کرتی۔ سی۔آئی۔اے اپنی غلطی سے بھی فائدہ اُٹھاتی ہے



اگر کوئی غلطی ہو جائے تو وہ اس ملک کو بلیک میل کرنے پر بھی اُتر آتے ہیں۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ 1958ء میں جب انڈونیشیا میں سی۔آئی۔اے کا ایک طیارہ گرا لیا گیا اور اس کا پائلٹ گرفتار کر لیا گیا تو اس کے پانچ دن کے اندر امریکی حکومت نے 37000 ٹن امریکی چاول مقامی کرنسی کے بدلے بیچنے کا اعلان کر دیا اور ایک ملین ڈالر مالیت کے چھوٹے فوجی ہتھیاروں اور سامان کی فروخت پر سے پابندی ہٹا لی۔ اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ اس وقت سی۔آئی۔اے سوئیکارنو حکومت کے خلاف فوجی بغاوت کی زور شور سے پشت پناہی کر رہی تھی اگر وہ گرفتار شدہ ہوا باز کو چھڑانے میں انتہائی سنجیدہ نہیں تھی تو ایسے وقت پر امریکی حکومت کے یہ اقدامات عجیب تھے۔ ظاہر ہے یہ سودے بازی تھی جس کے ذریعے پائلٹ کو رہا کروایا گیا۔

سنگاپور میں ایک مقامی طور پر بھرتی کئے ہوئے ایجنٹ کی سچائی کو جانچنے کے لئے سی۔آئی۔اے کے جھوٹ پکڑنے والے آلے کو سنگاپور بھیجا گیا کہ وہ دیکھے کہ آیا ایجنٹ قابل اعتماد ہے کہ نہیں۔ جب ایجنسی کے آپریٹر نے ایک ہوٹل کے کمرے میں پولی گراف مشین کے پلگ کا سوئچ دبایا تو اس سے پوری بلڈنگ کے فیوز اُڑ گئے۔ جھوٹ پکڑنے والا آدمی سی۔آئی۔اے کا ایک کیس آفیسر اور مقامی ایجنٹ سب کو گرفتار کر لیا گیا۔

اس حادثے سے سنگاپور کی حکومت اور حکومت برطانیہ بہت پریشان ہوئے۔ اس آدمی کو رہائی دلانے کے لئے گفت وشنید شروع ہوئی۔ سنگاپور کے وزیر اعظم لی کوان یو کے کہنے کے مطابق ان آدمیوں کی رہائی کے عوض امریکی حکومت نے 33 ملین ڈالر کی رقم دینے کی پیش کش کی۔ لی نے اس سے دس گنا کا مطالبہ کیا لیکن آخر کار کچھ نہ لیا۔ جو کچھ بھی ہوا بہر حال سی۔آئی۔اے کے دو آدمی رہا کر دیئے گئے اور نئے سیکرٹری آف اسٹیٹس ڈین رسک نے سنگاپور کے لیڈر کو ایک خفیہ خط لکھا جس میں اس واقعہ پر معافی مانگی گئی تھی۔

1970ء میں ''لی'' نے اس واقعہ کا مثال کے طور پر تذکرہ کرتے ہوئے ایک تقریر میں کہا کہ سی۔آئی۔اے اس قسم کی سرگرمیوں میں مصروف تھی۔اس پر سٹیٹ کے پریس کے دفتر نے ''لی'' کے الزامات کی سچائی پر بھروسہ نہ کرتے ہوئے سی۔آئی۔اے کے مہیا کردہ جواب کی روشنی میں سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کا بیان شائع کر دیا جس میں واقعہ کی صحت سے انکار کیا گیا۔''لی'' نے اس کے ردّعمل کے طور پر رسک کے اصل خط کو شائع کر دیا۔اس طرح اسٹیٹ کو اپنا اصل بیان واپس لینا پڑا اگرچہ ان کا کہنا اب بھی یہی ہے کہ رقوم کی پیش کش کبھی نہیں کی گئی۔

دُنیا بھر کے اخباروں نے اس خبر کو شہ سرخی بنا کر چھاپا اور اس طرح امریکی حکومت دُنیا بھر میں بدنام ہوئی۔اس واقعہ کی وجہ سے سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کو سراغ رسانی کے معاملات کے متعلق اپنے نشر واشاعت کے طریقوں کا پھر سے جائزہ لینا پڑا۔



1956ء سے 1961ء کے آخر تک پاکستان میں پشاور کے قریب امریکی فضائیہ کا ایک بہت بڑا اڈہ کام کرتا رہا جو کہ شروع میں سراغ رسانی میں آسانیاں بہم پہنچانے کے لئے بنایا گیا تھا۔

1960ء میں سویت روس پر فرانسس گرے پاور کی پرواز کے انکشاف سے کئی سال پہلے یوٹو طیارے پشاور کے اڈے سے سویت یونین کے اوپر اور چاروں طرف وہاں کی جاسوسی کرنے کی غرض سے پروازیں کرتے رہے۔

صدر آئزن ہاور شروع ہی سے بمقابلہ بھارت پاکستان کا قریبی اتحادی تھا۔آئزن ہاور انتظامیہ شروع ہی سے جبکہ بھارت اور پاکستان دونوں ملکوں میں کشیدگی چلی آرہی تھی پاکستان کی موافقت میں تھی تاہم اس علاقے کے بعض ماہرین کا



خیال یہ ہے کہ امریکہ کے پاکستان کی طرف جھکاؤ کی وجہ 1960ء تک یہ رہی کہ امریکہ پشاور کے اڈے پر اپنا قبضہ قائم رکھنا چاہتا تھا۔

ایک دوسری جگہ جہاں پر کہ امریکی مشینی سراغ رسانی کے بہت سے آلات نصب ہیں وہ تائیوان کا جزیرہ ہے۔یہاں امریکی حکومت کو نیشنلسٹ چین کی حکومت کو آلات کی تنصیب اور عمارات کی تعمیر کی ترغیب دینے کے لئے بہت کچھ نہیں دینا پڑا۔کیونکہ ان تنصیبات کا منشا خود ان کے ازلی دُشمن چین کے متعلق معلومات فراہم کرنا تھا اور ان معلومات میں سے چیانگ کائی شیک کی حکومت کو بھی حصہ ملنا تھا۔مزید برآں تقریباً پندرہ سال سے زیادہ عرصے سے نیشنلسٹوں کو اپنے وجود کو برقرار رکھنے کے لئے امریکہ کے سہارے کی ضرورت تھی۔وہ اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ امریکہ سے جاسوسی اڈوں کے عوض کوئی بڑی رقم وصول کر سکتے تاہم چیانگ حکومت نے سی۔آئی۔اے اور دوسری امریکی ایجنسیوں کو اپنے علاقے میں آزادی سے کام کرنے اور جہاں چاہیں وہیں تنصیبات تعمیر کرنے کی چھٹی دے کر امریکی حکومت کے لئے تائیوان کو چھوڑ کر چلے جانا بہت ہی مشکل بنا دیا ساتھ ہی امریکہ کے لئے چین سے اپنے تعلقات استوار کرنے میں رکاوٹیں کھڑی کر دیں۔

فضائی جاسوسی کے آلات میں سے بعض بہت اہم آلات جزیرہ پر ہی نصب ہیں۔جن کی مالیت ہزاروں ملین ڈالر ہے۔اب امریکہ چین سے اپنے تعلقات صرف اس صورت میں معمول پر لا سکتا تھا کہ تمام امریکی فوجیں اور وہ تمام افراد جو کہ سراغ رسانی کے کام پر لگائے گئے تھے سب کے سب تائیوان سے ہٹا دیئے جائیں چین سے سفارتی تعلقات کی بحالی کے باوجود سی۔آئی۔اے کے لئے تائیوان آج بھی ''اہم مرکز'' کی حیثیت رکھتا ہے۔

1960ء میں سویت یونین میں یوٹو کو مار گرانے کے واقعہ نے آئزن ہاور اور خروشیف کی ہونے والی سربراہی ملاقات نہ ہونے دی۔

جاسوسی جہاز ''لبرٹی'' 1967ء کی چھ روزہ جنگ کے دوران جبکہ ایکشن کی کارروائی کی اطلاعات بھیج رہا تھا وہ امریکہ سے آنے والے ایک پیغام سے بھٹک کر بہت دور چلا گیا جسے اسرائیلی ہوائی جہازوں اور کشتیوں نے ڈبو دیا۔ اس میں 34 امریکی مارے گئے تھے۔ سابقہ ڈی۔ای۔اے (D.E.A) اور سی۔آئی۔اے کے سٹافر (Staffer) پیٹرک میک گاروے نے اپنی کتاب "The my the and the madness" میں لکھا کہ اس واقعہ پر جائنٹ چیفس آف سٹاف نے اسرائیلی بحریہ کے اڈے پر ایک اچانک جوابی حملہ تجویز کیا جہاں سے کہ لبرٹی پر حملہ کیا گیا تھا۔ لیکن چیف کی تجویز رد کردی گئی کیونکہ اسرائیل کو ناراض کرنے کی قیمت امریکہ ادا نہیں کرسکتا تھا۔

اگلے سال شمالی کوریا والوں نے اسی طرح ایک جہاز پوبلو پر قبضہ کرلیا اور اس کے ملاحوں کو گرفتار کرلیا۔ سراغ رسانوں کی وجہ سے امریکن جنگ کے کنارے تک پہنچ گئے جسے کہ حکومت کا خفیہ بازو سمجھا جاتا ہے۔ جائنٹ چیفس آف سٹاف نے پھر ہوائی حملہ کرنے کو کہا پوبلو کے واقعہ کے ایک سال بعد ایک اور واقعہ ہوگیا۔

اس میں امریکی بحریہ کا ایک طیارہ E.C.121 جو کہ شمالی کوریا کے ساحل سے کچھ دور فضا سے جاسوسی کررہا تھا مار گرایا گیا۔ جائنٹ چیفس آف سٹاف نے پھر مار گرانے والے ملک پر ہوائی حملہ کرنے کی سفارش کی لیکن امریکی وزارت دفاع نے اس پر عمل سے معذوری ظاہر کی۔

اسی طرح اور بھی فضائی جاسوسی کی تباہ کن پروازیں ہیں جو چین پر کی گئیں لیکن رپورٹیں امریکی پریس میں نہیں آئیں۔ ان میں سے کچھ کا ذکر نیو چائنا نیوز ایجنسی نے کیا ہے مگر مغرب میں ان کو دشمن کا پروپیگنڈہ کہہ کر رد کردیا گیا۔

ان میں سی۔آئی۔اے کے بہت سے یوٹو طیارے بھی شامل ہیں۔ جنہیں نیشنلسٹ چین کے ہواباز اُڑا رہے تھے اور ان سے بھی زیادہ تعداد میں امریکی فضائیہ



کے بغیر ہواباز کے طیارے شامل ہیں۔

چینیوں کا دعویٰ ہے کہ 1964ء سے 1969ء تک ایسے 19 طیارے مار گرائے گئے تھے جو کہ چین پر پرواز کررہے تھے۔ امریکہ کے SR.71 بھی چین پر اُڑا کرتے تھے اور ایسا ہی وہ شمالی کوریا میں کرتے رہے۔ یہ تمام جاسوسی پروازیں 1971ء میں اس وقت تک جاری رہیں جب ڈاکٹر ہنری کسنگر نے چین کا پہلا دورہ کیا تھا اس کے بعد یہ پروازیں بند ہوگئیں اور تعلقات نارمل کرنے کا عمل شروع ہوا۔

اکتوبر 1969ء میں امریکہ اس بات کی کوشش کررہا تھا کہ چین سے سفارتی تعلقات پھر سے بحال کئے جائیں فضائیہ کے محکمہ سراغ رسانی نے کمیٹی نمبر 40 کی منظوری سے جنوبی چین کی فضائی جاسوسی کے لئے بغیر ہواباز کے طیارہ بھیجا۔

28 اکتوبر کو نیو چائنہ نیوز ایجنسی نے اطلاع دی کہ امریکی سامراج کا بغیر ہواباز کا جاسوسی طیارہ جو کہ بہت بلندی پر پرواز کررہا تھا مار گرایا گیا ہے۔ 1970ء میں کمبوڈیا پر امریکہ کے حملہ کے بعد پینٹاگون نے بغیر ہواباز کے جاسوسی طیارے کی ایک انتہائی اشتعال انگیز پرواز کی تجویز پیش کی۔ سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے اس کی پرزور مخالفت کی۔ ان کا ایک سرسری سا اندازہ یہ تھا کہ ان میں سے ہر تیسرا طیارہ مار گرایا جائے گا لیکن کمیٹی نمبر 40 نے اس کے باوجود بھی اس کی منظوری دے دی اور نتائج سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کی توقعات کے عین مطابق برآمد ہوئے۔

سرکاری طور پر تمام سراغ رسانی کی مہموں کا جو کہ سراغ رساں طیاروں اور جہازوں کے ذریعے کی جاتی ہیں جواز یہ ہے کہ یہ معلومات امریکہ کے قومی تحفظ کی امدادی کارروائیوں کے لئے جمع کی جاتی ہیں۔ سینکڑوں پروازیں اور بحری سفر جو ہر ماہ غیر دوست ملکوں کے ساحلوں کے آس پاس یا فضائیہ میں کئے جاتے ہیں ان میں پریشان کن ناکامیاں ناگزیر ہیں۔ پالیسی بنانے والے بھی جانتے ہیں کہ ان ناکام اقدامات کی وجہ سے بعض اوقات بین الاقوامی پریشانیاں پیدا ہو جاتی ہیں لیکن یہ

جاننے کے باوجود بھی ایسے اقدامات کی معمول کے مطابق منظوری دے دیتے ہیں اور ان دقتوں کو غالباً وہ حاصل ہونے والی معلومات کی قیمت ہی سمجھ لیتے ہیں لیکن اس بات کا احساس کہ ان میں سے بعض جاسوس حملے اب یا آئندہ کسی جنگ کا روپ دھار سکتے انہیں خوفزدہ بھی کر دیتا ہے۔

وہ اقدامات جن سے کسی ملک کی حدود کی سالمیت مجروح ہوتی ہو اس ملک کے اقتدار اعلیٰ کی خلاف ورزی ہے اور کوئی بھی ملک جو اپنے ملک سرحدوں میں کسی گھس آنے والے کو گولی کا نشانہ بنا دیتا ہے وہ اپنے قانونی حقوق کا استعمال کرنے میں حق بجانب ہے۔ جب **1961**ء کے موسم بہار میں سی۔آئی۔اے کی فوجی قوت کاسترو حکومت کا تختہ اُلٹنے میں ناکام ہوگئی تو ایجنسی کے انٹیلی جنس ڈائریکٹوریٹ کو بھی عارضی طور پر خفیہ سروسز کے برابر کی اہمیت حاصل ہوگئی۔ یہ اس لئے نہیں ہوا تھا کہ تجزیہ کاروں کے کام کی کوئی نئی تعریف ہوئی ہو بلکہ اس وجہ سے ہوا کہ بے آف پگس کے واقعہ کے بعد آپریٹر کی عام طور پر بے عزتی ہوئی تھی۔

نومبر **1961**ء میں جان میک کون کو ڈائریکٹر بنایا گیا۔ پوری تنظیم پر سے اس کا بھروسہ اُٹھ گیا تھا آخر کار اس کو ایک بہترین قومی سراغ رسانی کے ذریعے کی ضرورت اور قدر و قیمت کا احساس ہوگیا۔ کاسترو کے خفیہ ایجنٹ بہت پہلے ہی بے آف پگس کے واقعہ سے قبل سی۔آئی۔اے کی صفوں میں گھسے ہوئے تھے اور کاسترو کو اس کا علم تھا کہ سی۔آئی۔اے کیا کر رہی ہے۔ اس کی حکومت کے خلاف امریکنوں کے متوقع حملے ہی ممکن ہے کہ اس کے **1962**ء کے موسم بہار کے اس فیصلہ کے محرک بنے ہوں جس میں کہ اس نے روسیوں کو اپنے ملک میں جارحانہ ایٹمی ہتھیاروں کی تنصیب کی اجازت دے دی۔

کیوبا میں میزائل کے شاخسانہ نے سی۔آئی۔اے اور جاسوس برداری کے لئے ایک سنہری موقع فراہم کر دیا اگرچہ گزشتہ قومی سراغ رسانی کے اندازے جو کہ



سی۔آئی۔اے نے ایک ماہ قبل ہی لگائے تھے اور ان کی بنیاد پر صدر کینیڈی نے ٹیلی ویژن پر اعلان کر دیا تھا کہ اس بات کا کوئی امکان نہیں کہ روسی ایٹمی میزائل کیوبا کے جزیرے پر نصب کئے جائیں۔ یہ حقیقت اپنی جگہ پھر بھی قائم رہی کہ آیا سی۔آئی۔اے اور دوسری سراغ رساں ایجنسیوں نے روسی میزائلوں کی بابت ایسے وقت پتا چلا لیا تھا کہ صدر اس کا تدارک کر سکے اور یہ کہ انہوں نے صدر کو پالیسی کے متعلق کوئی سفارشات نہیں کیں جس نے کہ صدر کے اختیارات کو محدود کر دیا ہو۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان سالوں میں کاسترو کے قتل کا خیال سی۔آئی۔اے کو کئی مرتبہ آیا تھا۔ ای ہاورڈ ہنٹ کہتا ہے کہ بے آف پگس کے واقعہ سے قبل اس نے یہ تجویز پیش کی تھی جسے کہ رد کر دیا گیا۔ نومبر **1961**ء میں صدر کینیڈی نے **Tadlszule** سے جو کہ اس وقت نیویارک ٹائمز میں تھا پوچھا کہ اگر امریکہ کاسترو کو قتل کرا دے تو اس کی بابت تمہاری کیا رائے ہے۔ **Szule** نے جب یہ کہا کہ اس کے خیال میں یہ بہت گری ہوئی بات ہوگی تو صدر کینیڈی نے کہا ”مجھے خوشی ہے کہ تم نے اس طرح سوچا ہے۔ میرے پاس اس قسم کی تجویزیں آتی رہی ہیں اور مجھے اس کا پختہ یقین ہے کہ سیاسی قتل میں امریکہ کو ایک فریق نہیں بننا چاہئے۔“

لنڈن جانسن نے اپنے ایک سابق ایڈی کانگ لیو جونز کو بتایا ہم ایک قابل نفرت قتل کے قابل عمل ہونے کی بابت سوچتے رہے ہیں۔

کینیڈی کی موت سے تقریباً ایک سال پہلے سی۔آئی۔اے کی تیار کی ہوئی ایک قاتل ٹیم ہوانا میں پکڑی گئی تھی۔ صدر جانسن کا خیال تھا کہ اس ناکام کوشش کے پیچھے انتقاماً ڈلس کا ہاتھ تھا مگر یہ بات ثابت نہ کی جا سکی۔

کیوبا میں میزائلوں کا معاملہ **1962**ء کے بہار کے آخر میں شروع ہوا جب سی۔آئی۔اے کے تجزیہ کاروں نے یہ محسوس کیا کہ کیوبا کو روسی فوجی امداد بہت زیادہ پہنچ رہی ہے۔ سی۔آئی۔اے میں اس زیادتی کو کسی خطرہ کی گھنٹی نہ سمجھا گیا

حالانکہ اس وقت بھی روس کے کیوبا کی فوجوں کو نئے ساز و سامان سے مسلح کرنے کے سلسلے میں بہت کچھ کیا جاسکتا تھا۔ کیونکہ یہ سامان ابھی پہنچایا ہی جا رہا تھا۔ سی۔آئی۔اے کے پاس ایسے ذرائع بھی تھے جن سے یہ معلوم کیا جاسکتا کہ کیوبا میں کون سے ہتھیار لائے جا رہے تھے۔

1961ء سے آئزن ہاور انتظامیہ نے کاسترو حکومت سے سفارتی تعلقات توڑ لئے تھے ہوانا کے سفارت خانے میں سی۔آئی۔اے کا کوئی بھی آپریٹر کام نہیں کر رہا تھا۔ میامی میں مہاجرین لگاتار چلے آرہے تھے اور ایجنسی کے آفیسر پوچھ گچھ کے بعد انہیں وہیں آباد کر رہے تھے۔ یہ صحیح ہے کہ بے آف پگس کے واقعہ سے پہلے بہت سے مہاجرین جو کہانیاں سناتے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ہسٹریا کے دورے کے تحت ایسا کہہ رہے ہیں لیکن کبھی کبھی ان کہانیوں سے سونے جیسی قیمتی معلومات بھی جھانکا کرتی تھیں۔

صدر کینیڈی کی درخواست پر U.S.I.B نے کیوبا کو قومی سراغ رسانی کے مقاصد میں سرفہرست رکھا اور فوج کی مختلف سراغ رساں ایجنسیوں سے U.S.I.B نے اس سلسلے میں وسیع تر بنیاد پر ضرورت کے مطابق معلومات کی فراہمی کے لئے کہا۔ نئی معلومات کا تعین خاص کر تجزیہ کاروں کی مسلسل ضروریات کو پوری کرنے کی غرض سے کیا گیا تھا فضائیہ اور بحریہ نے بہت احتیاط سے جہازوں کے راستوں کی نگرانی کی اور کیوبا کی طرف جانے والے جہازوں کے فوٹو لئے۔ اٹلانٹک فلیٹ کے چھٹے بیڑے نے جو کہ (جس کے پاس کیوبا کے اندر Guan Tanamo by میں ایک چوکی بھی ہے) بحیرہ روم میں تھا۔ فضائیہ نے فضائی جاسوسی سے حاصل کی گئی معلومات مہیا کیں اور امریکی محکمہ سراغ رسانی نے جہازوں کی نقل و حمل کے فوٹو اور کیوبا کے پیغامات جو کہ الیکٹرانک آلات سے سنے گئے تھے مہیا کئے۔

N.S.A نے اپنے بڑے بڑے انٹینوں (Antennas) کی مدد سے



روسی جہاز اور کیوبا کے مابین مواصلات کو سنا کاسترو کے انٹرنیشنل ٹیلی فون اینڈ ٹیلی گراف کمپنی (آئی ٹی ٹی) کو قومی ملکیت میں لینے سے پہلے کیوبا کو زیادہ تر مواصلاتی نظام کو آئی۔ٹی۔ٹی چلا رہی تھی اور کمپنی سی۔آئی۔اے اور N.S.A کے قریبی تعاون سے پیغامات کو درمیان میں سے سننے کا کام کر رہی تھی کیونکہ زیادہ تر ابھی پرانے آلات سے کام لیا جا رہا تھا۔ این۔ایس۔اے بہت زیادہ معلومات حاصل کر رہا تھا۔ سی۔آئی۔اے مہینہ میں دوبارہ U-2 کی پروازیں کیوبا پر بھیجا کرتی تھی اور جلد ہی ان سے حاصل کئے گئے فوٹو تجزیہ کاروں کو بھیج دیئے جاتے تھے۔

1962ء کے موسم بہار کے آخر میں جب کہ روسی فوجی اور اقتصادی امداد زور شور سے کاسترو کو بھیجی جا رہی تھی اس وقت نہ تو سی۔آئی۔اے اور نہ ہی حکومت امریکہ کے کسی دوسرے ادارے کو خطرے کا احساس ہوا۔ ماسکو نے برلن میں کھچاؤ کی فضا کو نرم کر دیا تھا اس سے ماسکو کے پالیسی سازوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ انہوں نے برلن کے منقسم شہر میں جو مضبوط محاذ قائم کر رکھا تھا اس کی شدت میں بھی کمی آگئی لیکن اس کے باوجود بھی بدشگونی کے کئی ایک آثار تھے۔ سی۔آئی۔اے کو معلوم ہوا کہ پوشیدہ طور پر روس کے فوجی لڑائی کی صورت میں آبدوزوں کے ملاحوں کے طور پر کام کر رہے ہیں اور یمن میں بمبار طیاروں کے ہوابازوں کی حیثیت میں قیام پذیر ہیں۔

یہ روس کے طابقہ طرز عمل میں بہت بڑی تبدیلی تھی۔ جولائی میں تجزیہ کاروں نے دیکھا کہ کیوبا میں ہتھیاروں کی آمد کا سلسلہ اور بھی زیادہ ہوگیا اور اس کے ساتھ نوجوانوں کی بھی ایک بڑی تعداد روس سے آئی تھی۔ جو ماسکو کے کہنے کے مطابق اقتصادی ترقی کے پروگراموں کے مشیر کی حیثیت سے آئے تھے۔ اس پر سی۔آئی۔اے کو شبہ ہوا کیونکہ اور وجوہات کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھنے میں آیا تھا کہ تمام سویلین نوجوان تھے جیسے فوجی ہوں اور یہ بالکل ظاہر ہوتا جا رہا تھا کہ روس کیوبا کی فوج کے لئے بہت زیادہ فوجی ساز و سامان مہیا کر رہا تھا۔

سی۔آئی۔اے کے تجزیہ کاروں کا ایک چھوٹا گروہ جو کہ ماسکو اور اس کے اتحادیوں کے امدادی پروگراموں کے طریق کار کا ماہر تھا کو اس کا یقین ہو گیا کہ کیوبا میں اس قدر زیادہ ہتھیار جمع کئے جا رہے تھے کہ اس سے پہلے اس کی مثال نہیں ملتی۔ امریکہ کے اعلیٰ سطح کے افسروں کو اس خطرہ سے آگاہ کرنے کی ان کوششوں میں اگست میں رکاوٹ پڑ گئی کیونکہ فوج کی سراغ رسانی ایجنسیوں D.E.A اور N.S.A نے اچانک یہ بتایا کہ ان کے نزدیک کیوبا میں روس کی یہ زور شور کی سرگرمیاں زیادہ تر اقتصادی امداد کے متعلق ہیں۔ شاید یہ اس وجہ سے بھی ہوا کہ سی۔آئی۔اے نے بے آف پگس کے موقع پر اتنی غلط اور کمزور کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا کہ اب اس کے بعد اس صورت حال میں بھی اس پر اعتماد نہیں کیا جا رہا تھا۔ امریکہ کی فوجی جنتا کو بھی کیوبا کے معاملات کے متعلق اس کی اہلیت پر بھروسہ نہیں تھا۔

اگست 1962ء کے آخر میں D.E.A اور N.S.A دونوں سی۔آئی۔اے کی سراغ رسانی کی رپورٹوں کو رد کرنا ضروری سمجھنے لگے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سی۔آئی۔اے کے تجزیہ کار اس قابل تھے کہ وہ روس کی ہتھیاروں کی فراہمی کو بہ نسبت دوسری سراغ رساں ایجنسیوں کے زیادہ قریب سے مشاہدہ کر سکتے تھے۔ اگرچہ دوسری ایجنسیوں کے پاس بھی وہی معلومات تھیں لیکن سی۔آئی۔اے نے ایک زیادہ بہتر اور موثر تکنیک ایجاد کر لی تھی۔ علاوہ ازیں ایک خاص تحقیقاتی آلہ بھی جسے Crateoloty کہتے ہیں ایجاد کیا یہ ان بڑے بڑے کریٹوں کے اندر بند سامان کو دیکھنے کا لاثانی طریقہ ہے جو کہ روس کے اسلحہ لانے والے جہازوں کے ڈیک پر لدے ہوتے ہیں۔ ان بکسوں کے فوٹو دیکھ کر ماہرین نہایت وثوق سے بتا سکتے ہیں کہ یہ جہاز کہاں سے روانہ ہوا۔

فوجی سامان کی فہرست کے مندرجات کیا ہیں اور نتیجہ میں یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ ان بکسوں کے اندر بار برادری کے جہاز ہیں یا جٹ لڑاکا طیارے خود



جاسوس برادری میں بھی بہت سے لوگ اس نظام کو شبہ کی نظر سے دیکھتے تھے لیکن سی۔آئی۔اے کے ڈائریکٹر جان میک نے اس سے اخذ کردہ نتائج کو درست تسلیم کیا اور اس تکنیک پر اس کا بھروسہ صحیح ثابت ہوا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ تجزیہ کار سوویت روس کے پہلے جہاز کے جارحانہ میزائل کا پتہ نہ چلا سکے جو کہ کیوبا میں ستمبر کے شروع میں آیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ روس نے ہتھیار حسبِ معمول کریٹوں میں بھیجنے کی بجائے بڑے بڑے خالی ویگنوں میں جہاز پر لاد کر بھیجے جس کی وجہ سے کریٹالوجسٹ پتا نہ چلا سکے 19 ستمبر U.S.I.B نے قومی سراغ رسانی کے تخمینہ کی منظوری دے دی۔

اگرچہ یہ اعتراف کیا کہ سوویت روس کی ہتھیاروں کی تیاری پریشان کن ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اس بات کا امکان کم ہے کہ روسی ایٹمی میزائل بنا لیں گے۔ اس عرصے میں میک کون کا ذاتی طور پر یہ خیال تھا کہ روسی اس سے بھی کہیں آگے بڑھ چکے ہوں گے۔ اس نے اپنے پرائیویٹ خیالات کو سی۔آئی۔اے کی پوزیشن میں آگے نہ بڑھایا جیسا کہ اس نے بعد میں کہا کہ اس کی بنیاد چھٹی حس پر تھی نہ کہ جاسوسی معلومات پر۔ بہرحال اس نے وائٹ ہاؤس پر زور دیا کہ U.2 کی اضافی پروازوں کی منظوری دی جائے۔

صدر نے اکتوبر کے شروع میں اس بات سے اتفاق کر لیا لیکن سیکرٹری دفاع میکنارا کے زور دینے پر فضائی جاسوسی مشن کی ذمہ داری سی۔آئی۔اے کی بجائے فضائیہ کو سونپ دی کیونکہ زیادہ پروازوں کی وجہ سے خطرہ تھا کہ کہیں روسی سام میزائل نہ استعمال کریں۔



چودہ اکتوبر کو فضائیہ ایک یوٹو طیارہ ایسی جگہوں کی تصاویر لایا جو 6 میڈیم رینج کے بلاسٹک میزائل کے لئے تیار کی گئی تھیں اور جو بالکل حملے کی تیاری کی صورت میں تھے چار انٹرمیڈیٹ رینج جو کہ تعمیر کے ابتدائی مراحل میں تھے۔ ان کی تصویریں بھی موجود تھیں۔

سی۔آئی۔اے تجزیہ کار نے ان تصاویر کا مقابلہ جب پہلے سے موجودہ تصاویر سے کیا جو کہ مصنوعی سیارے نے روس سے بھیجی تھیں اور جو بالکل اسی طرح تھیں جیسی کہ یہ تصاویر تو پھر شناخت میں کوئی اختلاف باقی نہ رہ گیا اور اس کی تصدیق ان دستاویزات سے بھی ہوگئی جو پنکوو سکی نے مہیا کی تھیں۔

اکتوبر کے آخر میں صدر کینیڈی نے خروشیف کو اپنا مؤقف تبدیل کرنے پر مجبور کر دیا اور خروشیف نے یہ وعدہ کر لیا کہ کیوبا سے وہ اپنے ملک کے جارحانہ ہتھیار ہٹالے گا۔ جوابی طور پر امریکہ نے یہ وعدہ کیا کہ وہ کیوبا پر حملہ نہیں کرے گا۔ سی۔آئی۔اے نے وائٹ ہاؤس کی منظوری سے اس معاہدہ کی خلاف ورزی اس طرح کی کہ 1960ء کے آخر تک آہستہ آہستہ اپنے گوریلے بھیجتی رہی۔

سی۔آئی۔اے اور دوسری فوجی سراغ رساں ایجنسیاں اس بات کا یقین کرنے کے لئے کہ روسی ہتھیاروں کی واپسی مکمل ہوگئی ہے کیوبا کی برابر نگرانی کرتے رہے۔ باوجود اس کے اخبارات میں افواہیں بار بار گشت کرتی رہیں کہ روسیوں نے کچھ میزائل غاروں میں چھپا دیئے ہیں۔ سی۔آئی۔اے نے یہ بھی پتا لگایا کہ EI-28 جٹ بمبار طیاروں کا ایک سکواڈرن ایک چھپی ہوئی جگہ سے نکالا گیا جس کا کہ ایجنسی کو پہلے سے پتا تھا (روسیوں کو اس کا پتا نہ تھا) بعد میں صدر کینیڈی نے میزائل کے واقعہ کو سراغ رسانی کی بدترین ناکامی قرار دیا کیونکہ سی۔آئی۔اے روس کے جارحانہ اقدامات کی نہ صرف بروقت خبر دینے میں ناکام رہی اس نے تو اپنے اندازوں میں یہاں تک پیش گوئی کی کہ اس بات کا کوئی امکان نہیں کہ سوویت میزائل



یوبا میں لائے جائیں۔

کینیڈی اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھے کہ گرمیوں میں ایجنسی نے کیوبا میں روس کی بڑھتی ہوئی فوجی سرگرمیوں سے خبردار کیا تھا (جبکہ فوجی سراغ سانوں نے اس سے اختلاف کیا تھا)۔

صدر کینیڈی روس کی فوجی سرگرمیوں کی اطلاع کو میزائل کے سلسلہ کی نااہلی ی تلافی کے طور پر بھی ماننے کو تیار نہ تھے۔ اگرچہ یہ ایجنسی ہی کے خبردار کرنے کا نتیجہ ا کہ جزیرہ میں نقل و حرکت کی نگرانی زیادہ سختی سے کی گئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میزائل کی وجودگی کا پتا چلا بے آف پگس کے واقعہ کی وجہ سے سی۔آئی۔اے پر سے صدر کا تماد کس حد تک اُٹھ چکا تھا اس بارے میں تو کچھ نہیں کہا جا سکتا لیکن ظاہر ہے کہ صدر ینیڈی اس کارکردگی سے مطمئن نہ تھے اور اس سے بہتر معلومات اور کارکردگی چاہتے تھے۔

کیوبا کے میزائل کے معرکہ نے سراغ رسانی کی وراثتی خامیوں کو واضح کر یا۔ ان میں سے سب سے اہم یہ تھی کہ بعض واقعات کی محض ظاہری حالت کو دیکھ کر ی صحیح اور قابل اعتماد پیش گوئی نہیں کی جا سکتی۔ کیوبا میں میزائل لگانے کا خروشیف کا یصلہ اس وقت تک نہیں جانا جا سکتا تھا جب تک کہ روس اس ارادے کو عملی جامہ نہ ہناتا۔

خروشیف کے کردار کے نفسیاتی تجزیہ سے یہ تو معلوم کیا جا سکتا تھا کہ وہ غیر توقع انداز میں کوئی کام کر سکتا ہے لیکن حتمی طور پہ جاننا کہ وہ کیا کرے گا اس کے لئے خدائی بصیرت چاہیے۔ یا پھر ایسے جاسوس جن کی کریملین تک رسائی ہو اور ان میں سے دونوں باتیں سی۔آئی۔اے کے بس سے باہر تھیں۔

خروشیف اور کاسترو کے بدترین عزائم کو تو سمجھ ہی لینا چاہیے تھا۔ تقریباً دو برس پیشتر ایلن ڈلس اور اس کے خفیہ سروسز کے لیفٹیننٹوں نے کیوبا کے واقعات کے

متعلق اپنے ردِعمل کا اظہار کیا اور جب ان کی خواہشات کو جاسوسی معلومات کے رنگ میں قومی لیڈروں کے سامنے پیش کیا گیا تو نتیجہ بے آف پگس کے نتائج کی شکل میں سامنے آیا۔

جان میک کون نے اپنے آپ کو اپنے پیش رو کی نسبت زیادہ ذمہ دار افسر ثابت کیا جب اس نے ڈلس کے برعکس اپنے ذاتی شبہات کو صدر پر ٹھونسنے سے انکار کر دیا۔ تجربہ سے پتا یہ چلتا ہے کہ اگر میک کون بھی ڈلس جیسی تکنیک استعمال کرتا تو اس کے حق میں بہتر نتائج نکلتے۔

سی۔آئی۔اے اور باقی سراغ رساں برادری نے میزائل کے معرکے کے بعد اس کا بہت گہرا مشاہدہ کیا تو ان کو معلوم ہوا کہ بکھری بکھری سی بہت سی معلومات اور نازک سی شہادتیں موجود تھیں جن پر اگر توجہ دی جاتی تو اس کا بہت پہلے فیصلہ ہو جاتا کہ روس واقعی میزائل لگا رہا ہے۔

دفتری ہتھکنڈوں، ذاتی رنجشوں اور کسی حد تک انسانی کمزوریوں سب نے مل کر بہرحال بہت ہوشیار سراغ رساں آفیسروں کو بھی خروشیف کی سرگرمیوں کے اصل مقاصد سے آگاہ نہ ہونے دیا تاہم ان حالات میں سراغ رسانوں سے مقدور بھر جو کچھ ہو سکا وہ انہوں نے کیا اور اس میں ان سے کوئی کوتاہی نہیں ہوئی۔ ایک یا دو ایجنٹوں کی بالکل صحیح رپورٹیں جو کہ ستمبر میں حاصل ہوئی تھیں دوسری ہزاروں بے کار غلط یا گمراہ کن رپورٹوں کے ساتھ دفن ہوئی تھیں۔ کثیر ذرائع سے حاصل ہونے والی ڈھیروں خفیہ معلومات کی فراہمی اور تجزیہ کار ملازمین کی موجودگی اور وہ بھی بڑی تعداد میں بذاتِ خود اس بات کی ضمانت نہیں ہے کہ ان تمام آسانیوں کے باوجود سی۔آئی۔اے اور جاسوس برادری بالکل صحیح پیش گوئیاں کر سکتی ہے۔

حاصل کلام یہ کہ جاسوسی اندازے قائم کرنا ایک کھیل ہے جس میں کہ حقائق، منطق اور تجربہ کی ضرورت ہوتی ہے یہ پالیسی سازوں کے لئے ایک بہت ہی



مفید اوزار ہے لیکن خالص جاسوسی بھی کوئی جادو کا کارنامہ نہیں۔ انسانی عقل بہرحال محدود ہے اور کسی مرحلے پر بھی اس کے ٹھوکر کھانے کے امکانات کو رد نہیں کیا جا سکتا یہی وجہ ہے کہ دُنیا بھر کے ماہرین جاسوسی اُمور معلومات کے تجزیئے کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔



اپریل 1973ء کے آرمی میگزین کے ایک مضمون میں میجر جنرل دانیل گراہم جو کہ ڈیفنس انٹیلی جنس ایجنسی D.I.A کا سابقہ چیف آف سٹیمیٹس رہا اس عمل کو اس طرح واضح کیا ہے۔ D.O.D کے اندر اور باہر فیصلہ کرنے والوں کی ایک اچھی خاصی جماعت ہے۔ اس قسم کے خطرات کے اندازوں کے متعلق جس کی رائے یہ ہے کہ یہ اندازے اپنے فائدے، اپنے بجٹ کو چمکانے اور عام طور پر بڑھا چڑھا کر پیش کیے جاتے ہیں۔ گراہم نے یہ بات تسلیم کی کہ فوجی اندازوں میں اعتماد کی کمی سمجھ میں آنے والی بات ہے جو اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ مسلسل کئی اندازے غلط ہو گئے جو کہ بعد میں بمبار گیپ، میزائل گیپ اور میگاٹن گیپ سے منسلک کئے گئے۔ اس نے دعویٰ کیا کہ اب فوجی جاسوسی بہت زیادہ بہتر ہو گئی ہے اور اس قابل ہے کہ بامقصد اندازے لگائے جائیں۔

سراغ رساں برادری کے بہت سے مبصرین اس کی اس تشخیص سے اتفاق کریں گے کہ اندازوں کے متعلق فوج کا ریکارڈ خراب ہے۔ پینٹاگون سے باہر چند ایک اس کی اس بات کو مانیں گے کہ پینٹاگون کے روس کے متعلق اندازوں میں اب مقصدیت لوٹ آئی ہے۔ اب پینٹاگون کی تشخیص آج کے دس برس پیشتر کے اندازوں سے بلاشبہ حقیقت کے زیادہ قریب ہے۔

گراہم نے ایک دوسرا بنیادی نقطہ واضح کیا کہ فوجی تجاویز بنانے والے حلقوں میں اس کی ابتداء سمجھی جانے لگی ہے۔ اس نے کہا۔ دُشمن کی فوجوں اور سامان جنگ کے آئندہ کے اندازوں سے ان کی سرگرمیوں کا اظہار ہوتا ہے نہ کہ ان کی اہلیت کا۔

اہلیت بمقابلہ سرگرمی کی پرانی دلیل اب D.O.D میں کم ہی سنائی دیتی ہے۔ یہ سچائی اب بھی قائم ہے کہ سراغ رسانوں کو دُشمن کی فوجوں یا سامان حرب کے متعلق آئندہ ایک سال یا اس سے کچھ زیادہ عرصے کے لئے اندازوں سے پیدا ہونے والے مسئلوں پر قابو پانے کی بابت سوچا جاتا ہے تو آپ سرگرمیوں کی حدود میں داخل ہو جاتے ہیں۔ مثلاً جہاں تک معلوم ہے کہ جنگ عظیم دوم سے اب تک روس نے اپنی فوجوں اور روایتی اسلحہ کو اتنی تیزی سے اس قدر وسعت نہیں دی جتنی کہ اس میں اہلیت تھی۔ یہ اندازہ لگانا کہ وہ اپنے بعض ہتھیاروں کے نظام میں یا فوجوں کی تربیت میں آئندہ کوئی تبدیلی کرے گا کوئی خاص معنی نہیں رکھتا تھا۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ امریکی فوجوں کے استعمال کرنے والوں کے دماغوں میں یہ بات کتنی دیر بعد آئی۔ چونکہ فوج والے عام طور پر اندازوں میں زیادتی کے عادی ہیں اس لئے سی۔آئی۔اے پینٹا گون کے اندازوں پر اکثر زیادہ بھروسہ نہیں کرتی۔ اس لئے ایجنسی فوج کے فیصلوں کی مخالفت میں جوابی کارروائی کرتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سی۔آئی۔اے کے اندازوں میں کمی رہ جاتی ہے۔ گویا کہ دونوں کے اندازے افراط وتفریط کا شکار رہتے ہیں۔ قومی تحفظ کی بیورو کریسی میں ایجنسی کے اندازوں میں غلطیوں کی طرف رجحان کم ہی ہوا کرتا ہے۔ اگرچہ پینٹا گون کی غلطیوں کے مقابلے میں نسبتاً بہت ہی کم غلطیاں سی۔آئی۔اے سے سرزد ہوئی ہیں لیکن اس کے باوجود بھی ایجنسی کی غلطیوں کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ پس اگر روس کی اہلیت کچھ بڑھا کر بھی بتائی جاتی تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فوجی پالیسی وضع کرنے



والوں کو قومی تحفظ کا زیادہ موقع مل جاتا۔ جو اگرچہ ایک موہوم خطرے کے سدباب کے لئے اسلحہ پر کروڑوں ڈالر خرچ تو کر ڈالتے تھے لیکن بہت قلیل مقدار میں ہتھیار بنا کر قومی تحفظ کو خطرے میں تو نہ ڈالتے۔

فوجی ایجنسیوں اور سول جاسوس برادری کا یہ مسلسل اختلاف نیشنل انٹیلی جنس اسٹیمیٹس (N.I.E.S) جو کہ 1973ء تک قومی جاسوسی کا اعلیٰ معیار سمجھے جاتے تھے کی تیاری کے وقت بالکل کھل کر سامنے آ گیا۔

جیمز شیلنگر جو مختصر عرصے کے لئے ایجنسی میں رہا تو اس زمانے میں ایجنسی کے اندر تبدیلیاں شروع ہوئیں جو کہ موجودہ ڈائریکٹر کے زمانے تک جاری ہیں۔ بارہ سے چودہ آدمیوں پر مشتمل نیشنل اسٹیمیٹس کا ایک بورڈ بنایا گیا اور اس کے اسٹاف میں 40 سے 50 ماہرین شامل کئے گئے جنہوں نے پوری تحقیق اور پوری سوچ بچار کے بعد مختلف شعبوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نیشنل انٹیلی جنس اسٹیمیٹس تیار کئے۔

یہ دستاویزات جو کہ مکمل جاسوسی معلومات کا خلاصہ تھیں ہنری کسنگر اور نکسن انتظامیہ کی خارجہ پالیسی کی فوری ضروریات کے لئے ناکافی پائی گئیں۔ لہٰذا بورڈ آف نیشنل اسٹیمیٹس کو توڑ کر آٹھ سینئر افسروں کا ایک گروپ "نیشنل انٹیلی جنس آفیسرز" کے نام سے ترتیب دیا گیا جس کا کام یہ تھا کہ جب بھی اسے کہا جائے کم سے کم وقت میں بین الاقوامی صورت حال کے متعلق ایک بامقصد مگر مختصر دس سے بارہ صفحات پر مشتمل رپورٹ تیار کر کے دے جس کے کسنگر کے N.S.E کے سٹاف کو فوری ضرورت ہو۔

گزشتہ چند سالوں میں پچاس سے کچھ اوپر جو نیشنل انٹیلی اسٹیمیٹس لکھے گئے ہیں ان میں سے بیشتر میں ہر سال کے سیاسی کوائف درج ہیں۔ سی۔آئی۔اے اور پینٹا گون دونوں نے زیادہ کام اور توجہ غیر ممالک کی فوجی صلاحیتوں کے اندازے لگانے پر صرف کی ہے۔ خاص کر سویت روس کے متعلق۔ یہ اسٹیمیٹس سوویت روس کی حملہ آور فوجوں کے طریق کار، فضائی دفاعی قوت اور عام افواج کے متعلق موضوعات

پر ہیں۔ انہوں نے امریکی فوجی بجٹ اور فوجی سروس کی ہر شاخ کو متاثر کیا ہے اور پوری D.E.A میں اپنے نقطہ نظر کی شمولیت کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتی ہے۔

1963ء سے 1965ء کے دوران جبکہ پینٹا گون انٹی بلاسٹک میزائل نظام قائم کرنے کے لئے رقوم حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا تو فوج کی تینوں سروسوں نے مل کر اس خیال کو فروغ دیا کہ ماسکو اپنے انٹی بلاسٹک میزائل نظام کو اس طرح وسعت دینے کی کوشش کر رہا ہے جو کہ امریکی افواج کے ایٹمی حملہ کی دھمکی کو بے اثر بنا دے گا۔ لہٰذا پینٹا گون نے اس دلیل کا سہارا لیا کہ اگر ایسا ہوا تو امریکہ مغربی یورپ اور تیسری دُنیا میں سوویت روس کو جرأت مندانہ اقدامات کرنے سے نہیں روک سکے گا اور خود امریکہ کی سلامتی خطرہ میں پڑ جائے گی۔ ہو سکتا ہے کہ فوج یہ سوچنے میں مخلص ہو کہ روس نئی ایجادات کی وجہ سے اپنے اور امریکہ کے درمیان فاصلہ کو کم کرتا چلا جا رہا ہے اور ماسکو کو جوں ہی موقع ملا وہ امریکہ کو اپنی جارحیت کا نشانہ بنائے گا۔ مسلح افواج کو انٹی بلاسٹک میزائل نظام سے بہت زیادہ کامیابیاں ہوں گی۔ لہٰذا اس نظام کی تیاری کے لئے فوج کو کروڑوں ڈالر ملے تا کہ روس کے A.B.M میزائلوں پر قابو پایا جا سکے۔

امریکی فضائیہ اپنے لئے زیادہ دور تک مار کرنے والے میزائلوں کی ضرورت روس کے بی۔ ایم میزائلوں پر قابو پانے کے لئے ثابت کر سکتی تھی اور انہی وجوہات کی بناء پر بحریہ بھی اپنی میزائل بردار آبدوزوں کے لئے مزید رقوم کا مطالبہ کر سکتی تھی۔

دوسری جانب سی۔ آئی۔ اے اور سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ روس کے انٹی بلاسٹک میزائلوں کو امریکہ کی سلامتی کے لئے اتنا بڑا خطرہ نہیں سمجھتے تھے نہ ہی وہ یہ سمجھتے تھے کہ امریکہ کے متعلق روس اس قسم کے جارحانہ عزائم رکھتا ہے جیسا کہ پینٹا گون کا خیال تھا اور بہت سے تجزیہ کاروں کا یہ خیال تھا کہ کسی بھی قسم کے اے۔ بی۔ ایم بھی



بھی تیار نہیں کئے جا سکتے جو کہ امریکہ کے بین البراعظمی میزائلوں کو کامیابی سے روک سکیں۔

1972ء کے S.A.L.T کے بعض خشک مزاج مبصرین کی یہ رائے تھی کہ امریکہ اور روس دونوں نے اے۔ بی۔ ایم کی جگہوں کو محدود کرنے کا یہ معاہدہ اس لئے کیا ہے کہ دونوں کو اس کا بھروسہ نہیں کہ ان کا یہ نظام ٹھیک طرح کام کرے گا لہٰذا دونوں اس معاہدہ سے اس لئے خوش ہیں کہ اس سے جو رقم بچے گی اس کو وہ دوسری قسم کے ہتھیاروں کی تیاری پر صرف کر سکیں گے۔

جن دنوں جاسوس برادری میں اے۔ بی۔ ایم موضوع بحث تھے ان ہی دنوں شہری اور فوجی دونوں تجزیہ کاروں کو ٹوٹی پھوٹی معلومات مل رہی تھیں کہ اس میدان میں روس کیا کر رہا ہے اس بات پر بہت زیادہ زور دیا جا رہا تھا کہ اس سلسلہ میں اور زیادہ جاسوسی معلومات فراہم کی جائیں U.S.I.B اکثر معلومات کی نئی نوعیتیں قائم کر رہی تھی۔ کھلے ذرائع یعنی امریکہ کے سفارتی حلقوں اور روس کے میگزین، رسالوں سے کچھ اعداد و شمار اور مواد مل رہا تھا اور فضائیہ کے جاسوس طیارے روسی سرحدوں کے آس پاس اُڑانیں کر کے زیادہ معلومات حاصل کر رہے تھے۔ بڑے بڑے ریڈار اور دوسرے الیکٹرانک آلات کی مدد سے بھی معلومات فراہم کی جا رہی تھیں اور سب سے زیادہ قیمتی معلومات مصنوعی سیاروں سے آئے ہوئے فوٹوؤں سے مل رہی تھیں۔

اس کے باوجود بھی روسی "اے بی ایم" کے متعلق معلومات مکمل نہیں تھیں اور تجزیہ کار اس بات پر مجبور تھے کہ اس کٹی ہوئی نامکمل تصویر کے معمے کو ان نامکمل حصوں کی بناء پر ہی حل کریں۔ اکثر وہ نجی دانشور ماہرین سے مشورہ لیتے تھے امریکہ کی کارپوریشنوں مثلاً بیل لبارٹریز سے بھی مشورہ لیتے تھے جو کہ امریکہ کے لئے "اے بی ایم" کی تیاری اور تحقیقات کے سلسلے میں کام کر رہے تھے اور اس اُمید میں تھے کہ یہ

بکھرے ہوئے اعداد و شمار اور معلومات شاید ان لوگوں کی رہنمائی کرسکیں جو امریکہ میں اس قسم کے نظام کی تیاری پر کام کر رہے تھے۔

نجی اور فوجی دونوں تجزیہ کار اس بات پر متفق تھے کہ روسی لینن گراڈ پر کسی نئے قسم کا دفاعی نظام مستحکم کرنے میں لگے ہوئے تھے اور ماسکو پر کسی قسم کا دوسرا نظام، زیادہ تر نجی تجزیہ کاروں کا خیال یہ تھا کہ لینن گراڈ میں جو نظام قائم کیا جارہا تھا وہ امریکی بمباروں کے خلاف حفاظت کے لئے تھا اور ماسکو کا نظام جو کہ ابھی تحقیق اور تیاری کے مراحل سے گزر رہا تھا غالباً امریکی ''اے بی ایم'' کا نظام تھا اور ایک جدید ترین ''اے بی ایم'' نظام کی تحقیق مکمل ہو چکی تھی جو کہ ماسکو کے گرد تعمیر ہونا تھا۔

1963ء سے 1965ء کے اسٹیمیٹس کی فائلوں پر فوج کے نوٹ اور جوابی نوٹ لکھے جاتے رہے اور جاسوس برادری کی مختلف آراء کے ساتھ فائل وائٹ ہاؤس کو بھیج دی گئی۔ جانسن انتظامیہ نے ملٹری کو امریکی ''اے بی ایم'' کے لئے ترقیاتی فنڈ میں سے سینکڑوں ملین ڈالر مہیا کر دیئے۔ اگرچہ پینٹاگون ترقی کی رفتار کو تیز کرنے کے لئے اس سے بھی زیادہ رقم چاہتا تھا کئی سال بعد محکمہ سراغ رساں کو پتا چلا کہ لینن گراڈ کا نظام دراصل فضائی حملہ کے دفاع کے لئے تھا نہ کہ میزائل کے دفاع کے لئے۔ اگرچہ فوج نے فوراً پہلو بدلا کہ لینن گراڈ کے محاذ میں یہ صلاحیت ہے کہ اسے بہت ہی جلد میزائل کے استعمال کے قابل بنایا جا سکتا ہے۔ لیکن ماسکو کے محاذ پر روس محدود ''اے بی ایم'' کے لئے تعمیرات بنا رہا تھا۔ نجی شعبہ کے اندازے فوجی اندازوں کی بہ نسبت سچائی کے زیادہ قریب تھے۔ لیکن پینٹاگون جانسن انتظامیہ سے ''اے بی ایم'' نظام کو وسعت دینے کے لئے جتنے فنڈز کی ضرورت ہوتی وہ حاصل کرتے رہے۔

سراغ رسانوں کے یہ اختلاف ان کی برادری ہی تک محدود نہ تھے۔ بلکہ ہر فریق اپنے بجٹ کی رقم حاصل کرنے کے لئے اپنی خفیہ معلومات کے اعداد و شمار پریس



کانگریس کے ممبروں کو بھی بتا دیتا تھا۔ کالم نگار جوزف کرافٹ لکھتا ہے۔ ''گورنمنٹ کے سول ملازمین سے کہیں زیادہ اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے فوجی لوگوں کی یہ عادت بن گئی ہے کہ وہ راز افشاں کر دیتے ہیں'' جب کانگریس کے سامنے زائد رقوم کا مسئلہ پیش ہوتا ہے تو معلومات کا تقدس ختم ہو جاتا ہے۔ سی۔آئی۔اے کا سابقہ اسسٹنٹ ڈائریکٹر برائے تحقیقات سینٹ کی تعلقات خارجہ کی کمیٹی میں 28 مارچ 1973ء کو یہ بیان دینے میں بالکل حق بجانب تھا کہ گزشتہ 20 سال کی تاریخ ایسی مثالوں سے بھری ہوئی ہے کہ کانگریس کے اندر نہ صرف مختلف تنظیموں نے بلکہ خود پوری انتظامیہ نے اپنے پروگراموں کو آگے بڑھانے کے لئے سراغ رسانی کا ناجائز استعمال کیا۔''

1969ء میں سیکرٹری دفاع میلون لیئرڈ اور دفاع کے دوسرے افسروں نے جب کانگریس میں اے۔بی۔ایم پر بحث ہو رہی تھی تو تصویر کا صرف ایک رُخ پیش کرتے ہوئے کچھ خفیہ معلومات عوام میں مشتہر کر دیں۔ غالباً سی۔آئی۔اے یا سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ U.S.I.B کی اس کے خلاف اندازوں کی رپورٹ نیویارک ٹائمز میں شائع کرا دی اور پینٹاگون نے روسی ''اے بی ایم'' کے جن خطروں کی نشاندہی کی تھی ان خطروں کو غلط بتلایا گیا تھا۔

1971ء میں محکمہ دفاع نے مصنوعی سیاروں کی تصاویر سے حاصل کی گئی خفیہ معلومات جس میں روس کے ایک نئے بڑی قسم کے میزائل کی مبینہ تعمیر کے متعلق بتایا گیا تھا سینٹر ہنری جیکسن کو مہیا کر دیں اور اس نے سات مارچ کو اس بات سے خبردار کیا کہ روس کیا کر رہا ہے۔ عین اس وقت جبکہ فوج کا بجٹ کانگریس کے زیر غور تھا۔

سی۔آئی۔اے کے کسی گمنام ملازم نے جس کو یہ معلوم تھا کہ ایجنسی اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ روس اپنے ایٹمی میزائل کے سابقہ اڈوں کو صرف مضبوط کر رہا تھا نہ کہ کسی

نئے بڑے میزائل کا اڈہ تعمیر کر رہا تھا۔ پینٹا گون کی مخالفت میں اس نے اس خبر کو مشتہر کر دیا۔ پینٹا گون کی المناک خبر کے مقابلہ میں سی۔آئی۔اے کی یہ خبر صداقت کے زیادہ قریب تھی۔ اس کے ایک سال بعد تک امریکہ کی جاسوس برادری کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ روس میزائل کے متعلق کیا کر رہا ہے۔

روسی انٹیلی جنس ایجنسی کے۔جی۔بی نے بلاشبہ سی۔آئی۔اے کو بیشتر مواقع پر دیوار سے لگائے رکھا اور کے۔جی۔بی کے اندرونی حفاظتی حصار کو توڑنا امریکنوں کے لئے ناممکن ہو رہا تھا کہ اچانک روسی حکمرانوں نے اس بدترین تاریخی غلطی کا ارتکاب کر دیا جس کی انہیں کوئی خاص ضرورت نہیں تھی۔

یہ غلطی روس کی افغانستان میں مداخلت تھی۔ آج سی۔آئی۔اے اپنے سر پر سرخاب کا پر لگالے کہ اس نے روس کو شکست و ریخت میں بنیادی کردار ادا کیا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ آئی۔ایس۔آئی کے تعاون کے بغیر ہرگز ممکن نہ ہوتا اسے بدقسمتی ہی جانئے کہ یہ اعزاز بھی ہم سے سی۔آئی۔اے نے چھین لیا ہے۔



شاید قارئین کے لئے یہ بات حیران کن ہو کہ امریکن انٹیلی جنس کمیونٹی اس حقیقت کا برملا اعتراف کرتی ہے کہ اس نے اپنے بیرونی جاسوس مشنز میں ناکامیاں زیادہ اور کامیابیاں کم سمیٹی ہیں۔ خصوصاً امریکہ کے دو اہم سوویت یونین روس اور چین کے خلاف سی۔آئی۔اے کے جاسوس فی الحقیقت کامیاب نہیں رہے۔ ان کی محصور سوسائٹی اور اندرونی حفاظت کی مضبوط آرگنائزیشنوں کی وجہ سے سی۔آئی۔اے ان میں نفوذ کرنے سے معذور رہی ہے۔

ایجنسی نے کبھی کبھار تو جاسوسی سرگرمیوں کو پچھاڑا ہے اور وہ بھی ان



بھگوڑوں کی مدد سے جنہوں نے از خود اپنی خدمات سی۔آئی۔اے کے حوالے کر دی تھیں۔ 1955ء میں نیکو وسکی جب پہلی دفعہ انقرہ ترکی میں سی۔آئی۔اے کے آپریٹرز سے اس امکان کا جائزہ لینے آیا کہ اس بطور ایجنٹ لے لیں گے تو اس کی درخواست رَد کر دی گئی تھی صرف اس خوف سے کہ کہیں وہ ڈبل ایجنٹ نہ ہو۔

کئی سالوں بعد اسے برطانوی محکمہ سراغ رسانی کے بہادر افسر نے بھرتی کر لیا۔ تقریباً باقی سب روسی یا چینی بھگوڑوں نے اپنی مرضی سے سی۔آئی۔اے کے لئے جاسوسی کی یا بھگوڑے بن کر مغرب میں آ گئے جنہیں کہ امریکہ کے محکمہ جاسوسی نے بھرتی کرنے کے لئے کوئی سرگرمی نہیں دکھلائی۔ اپنی حکومت کے مخالفین کو جاسوسی کی اصطلاح میں بھگوڑا (Defector) کہتے ہیں۔ کامیابی سے بھرتی کیا ہوا ایک ایجنٹ یا ایک "Walk in" اور جو اپنی خدمات بطور جاسوس کے پیش کرتا ہے وہ De-Fecor in Place کہلاتا ہے وہ جسمانی طور پر تو اپنے ملک سے فرار نہیں ہوا ہوتا لیکن درحقیقت سیاسی طور پر اس میں خفیہ تبدیلی آتی ہے۔

مہاجرین اور تارکین وطن بھی بھوگڑے ہیں۔ اور سی۔آئی۔اے اکثر ان کو بطور جاسوس استعمال کرتی رہی ہے۔ تاکہ ان کو اپنے آبائی وطن جانے کا خطرہ مول لینے پر آمادہ کیا جا سکے۔ عام طور پر اس طرح بھی کہا جا سکتا ہے کہ جو آدمی ماضی قریب میں اپنا ملک چھوڑ کر آیا ہے۔ اور اپنے ملک اور حکومت کی وہ معلونات بیچنا چاہتا ہے جو اس کے علم میں ہیں اور اس طرح دوسری قوم میں سیاسی پناہ لینا چاہتا ہے وہ بھگوڑا ہے۔ بعض بغاوتوں کو بہت زیادہ مشتہر کیا جاتا ہے مقصد یہ ہوتا ہے کہ سی۔آئی۔اے اپنے کام کو عوام میں مقبول بنا سکے۔

سابقہ سوویت روس اور مشرقی یورپ سے فرار ہو کر آنے والوں کو مغربی جرمنی میں فرینک فرٹ کے قریب ایک استقبالیہ مرکز کنگ کیمپ میں رکھا جاتا تھا جس کا انتظام سی۔آئی۔اے والوں کے ہاتھ میں تھا۔ ایجنسی کے افسر جو کہ ان سے

مکمل معلومات حاصل کرنے کے ماہر ہوتے ہیں وہاں ان کے بارے میں مکمل تفتیش کرتے اور یہ اندازہ کرتے ہیں کہ ان سے کس قدر معلومات حاصل ہو سکیں گی۔

کچھ بھگوڑوں سے پوچھ گچھ کا سلسلہ مہینوں چلتا تھا اور کچھ کی تفتیش میں سال ہا سال لگ جاتے تھے۔سی۔آئی۔اے کے جرمنی میں ایک سابق چیف آف اسٹیشن ایک روسی لیفٹیننٹ جو کہ ٹینک پلٹن کا کمانڈر تھا۔طویل عرصے تک نگرانی اور پوچھ گچھ کو تعجب سے یاد کرتا ہے۔روسی کمانڈر کو ایک سلاویکی لڑکی سے محبت ہو گئی اور وہاں سے وہ اس کے ساتھ فرار ہو کر 1968ء میں روس کے چیکوسلاویکیہ پر حملہ کرنے کے بعد مغرب میں پہنچ گیا۔

ایجنسی کا سابق سنیئر افسر بتاتا ہے کہ اسے کس طرح ان کی شادی کے وکیل کا کردار بھی ادا کرنا پڑا جب جوڑے کے تعلقات اتنے خراب ہو گئے تھے کہ لیفٹیننٹ کسی سے بات کرنا گوارا نہیں کرتا تھا۔سی نئیر افسر دونوں کی محبت کا سلسلہ پہلے کی طرح قائم کرا کے اس میں کامیاب ہو گیا کہ روسی لیفٹیننٹ سے راز اُگلواتا۔حالانکہ اس قسم کے نچلے طبقے کے بھگوڑے افسر سے مفید جاسوسی رازوں کے حصول کی کچھ زیادہ توقع نہیں کی جا سکتی سی۔آئی۔اے کو سوویت ملٹری میں نفوذ میں بہت ہی معمولی کامیابی ہوئی۔اس کے لئے لیفٹیننٹ سے مہینوں پوچھ گچھ ہوتی رہی۔

اس سے ایجنسی کے تجزیہ کار روس کے آرمز ڈیوٹنس اور بری فوجوں کی تنظیمی معاملات کے متعلق بہت کچھ جاننے میں کامیاب ہو گئے۔اور یہ کہ ان کی تربیت، جوڑ توڑ کا طریق کار اور چیکوسلاویکیہ پر حملہ کے سلسلے میں فوجی تیاریاں کس طرح کی گئیں۔

اگرچہ جنگی نقطہ نظر سے ان معلومات کی کوئی خاص اہمیت نہ تھی لیکن سی۔آئی۔اے والوں کے لئے اپنی کارگزاری دکھانے کے لئے سوائے اس کے اور کوئی ذریعہ ہی نہ تھا کہ وہ اتنے نچلے طبقے کے روسی بھگوڑے سے وہ کچھ حاصل کریں جو کچھ



کہ کیا جا سکتا تھا۔

یہاں کے پہلے چیف آف اسٹیشن نے 1967ء کے آخر میں بڑے فخر سے K.G.B سے ان کے بھاگے ہوئے ایجنٹ ویگنے رونج کی بابت بتلایا کہ وہ بھی بہت سے دوسرے غیر معروف جیسے بروکلین کے کرنل روڈلٹ ایبل اور لندن کے گولڈن لینڈیل کی طرح ایک روسی آپریٹر تھا جو غلط نام سے مغربی جرمنی میں سالوں سے رہ رہا تھا۔جس طرح اس کے دوسرے ساتھیوں کا پتا چل گیا تھا اس کا نہ پتا چلا۔اور نہ ہی اسے گرفتار کیا گیا بلکہ جب رونج کو اپنے خفیہ مشن میں دلچسپی نہ رہی تو وہ سی۔آئی۔اے کی طرف بھاگ آیا۔

ایجنسی کے سابق ملازم کے مطابق رونج کی امریکی حکومت کے خلاف خفیہ خدمات نیکو وسکی کے مقابلہ میں زیادہ قیمتی سرمایہ کی حیثیت رکھتی تھیں۔اس کی خدمات کا یہ اندازہ بہرحال متنازعہ فیہ ہے کیونکہ سی۔آئی۔اے کو اس نے جو معلومات فراہم کی تھیں وہ ایجنسی کے تجزیہ کاروں کی نظر میں ایسی نہیں تھی جو کہ روس کی فوجی تیاریوں اور اس کے عزائم کا اندازہ لگانے میں مددگار ثابت ہوتیں۔ برخلاف اس کے K.G.B کے بھگوڑوں نے جرمنی میں روس کے محکمہ جاسوسی کے جاسوسوں کے طریقہ کار کی بابت بہت کچھ معلومات فراہم کیں۔

سی۔آئی۔اے کے آپریٹروں کے لئے جو کہ روسی حکومت میں نفوذ کرنے میں بالکل ناکام رہے تھے اور نتیجتاً مخالفوں کی کارروائیوں میں گھر گئے تھے مخالفوں کا ایک جاسوس رونج خود بخود ان کے پاس آ گیا اور اس کو سی۔آئی۔اے نے اپنی بڑی کامیابی قرار دیا۔

سی۔آئی۔اے جب ایک بار اس بات سے مطمئن ہو جاتی ہے کہ ایک بھگوڑا جو کچھ جانتا تھا وہ سب کا سب اس نے بتا دیا ہے تب دوبارہ آباد کر لینے والی ٹیم انہیں سنبھال لیتی تھی۔ٹیم کا مقصد بھگوڑے کو ایسی جگہ اور اس طرح آباد کرنا ہوتا ہے

جہاں وہ ہر طرح کے خوف وخطر سے آزاد خوشی سے رہ سکے اور اس بات کا خدشہ نہ رہے کہ کسی سے وہ سی۔آئی۔اے سے اپنے تعلقات کا اظہار کرے گا اور زیادہ اہم یہ کہ اسے اس بات کی بھی ترغیب نہ دی جاسکے کہ وہ اپنے وطن واپس چلا جائے۔

یہ ٹیم عام طور پر بھگوڑے کی اصلیت کو چھپانے کے لئے کوئی نہ کوئی کہانی بناتی ہے اور اس کی شخصیت کو ایک نیا روپ دیتی ہے اور ایک نئی زندگی گزارنے کے لئے بہت سارو پیہ پیسہ بھی اکثر اوقات عمر بھر کے لئے پنشن۔ بہت ہی اہم بھگوڑوں کو امریکہ لایا جاتا ہے لیکن ان کی بہت بڑی اکثریت کو مغربی یورپ، کینیڈا یا لاطینی امریکہ میں بسایا جاتا ہے۔

بھگوڑوں کو مطمئن رکھنے کی کوشش میں سی۔آئی۔اے جب تک ضروری سمجھتی ہے ہر ایک بھگوڑے کو اس کی دیکھ بھال کے لئے ایک ایک کیس آفیسر ساتھ لگائے رکھتی ہے۔ کیس آفیسر بھگوڑے سے مسلسل رابطہ قائم رکھتا ہے اس کے ہر ممکنہ مسائل حال کرنے میں اس کی مدد کرتا ہے۔ ایک متلون مزاج بھگوڑے پر ایجنسی کڑی نظر رکھتی ہے اس کے ٹیلی فون ٹیپ کئے جاتے ہیں اس کی ڈاک سنسر کی جاتی ہے تاکہ ناپسندیدہ واقعات وحالات کی روک تھام کی جاسکے۔

روایتی جاسوسی میں معلومات اکٹھی کرنے کے لئے انسانوں کو استعمال کیا جاتا ہے ٹیکنیکل جاسوسی میں مشینیں استعمال میں لائی جاتی ہیں جیسا کہ فوٹو اُتارنے والے مصنوعی سیارے اور دور کے علاقوں تک رسائی کے لئے الیکٹرانک نظام کے ذریعے سنسر کرنے والے آلات اور مواصلات سے درمیان میں سے پیغامات کو پکڑنے والے اسٹیشن۔ جنگ عظیم دوم سے قبل ٹیکنیکل ذرائع سے معلومات حاصل کرنے کا علم نہیں تھا۔ لیکن گزشتہ 25 برسوں میں ٹیکنالوجی کے دھماکے نے جس طرح جدید طریقہ زندگی کے ہر شعبہ پر اثر ڈالا ہے۔ اسی طرح سراغ رسانی کے شعبہ کو بھی زیادہ متاثر کیا ہے۔



جنگ کے بعد سے امریکہ نے اب تک کھربوں ڈالر نت نئی مشینوں کی دریافت اور ترقی پر خرچ کر دیئے ہیں تاکہ دوسرے ممالک خصوصاً کیمونسٹ جو کچھ کر رہے تھے اس کی معلومات حاصل ہوتی رہیں۔ جہاں پہلے ایجنٹ کو خفیہ معلومات جمع کرنے کے لئے صرف اپنی جدوجہد پر بھروسہ کرنا ہوتا تھا اب اسے پلک جھپکنے میں ہوائی لہروں سے آواز حاصل کرنے والے آلات اور دور دراز سے فوٹو حاصل کرنے والے کیمروں اور اسی طرح کے دوسرے آلات کی آسانیاں حاصل ہیں۔

سی۔آئی۔اے کی خفیہ سروسز میں ٹیکنیکل سروسز ڈویژن ایسا بہت سا سامان تیار کرنے کا ذمہ دار ہے جو کہ جدید ترین جاسوسی کے کھیل میں ضروری ہوتا ہے ان میں سے کچھ سامان تو غیر معمولی نوعیت کا ہے۔ ایک سگنل ٹرانس میٹر جو کہ مصنوعی دانتوں کی شکل کا ہے ایک پنسل جو کہ دیکھنے میں تو عام پنسل کی طرح ہے لیکن وہ خاص کاغذ پر ایسا بھی لکھتی ہے جو بظاہر نظر نہیں آتا۔ کاروں میں پیچھے کی طرف سے دکھانے والا ایک ایسا آئینہ جو نہ صرف ڈرائیور کو پیچھے کی ٹریفک دکھاتا ہے بلکہ کار میں پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے آدمی کو بھی۔ صوتی آلات، فوٹو گرافی کا سپیشل سامان، خفیہ مواصلاتی نظام کے علاوہ اصلی پراسرار کارروائی میں ایسے ایسے خفیہ آلات بھی استعمال ہوتے ہیں جنہیں کبھی چشم تصور نے بھی نہیں دیکھا۔

پچھلے وقتوں میں خفیہ جاسوسی سروسز صرف ایسے آدمی بھرتی کیا کرتی تھیں جو کہ بیرونی معلومات براہِ راست پہنچا سکتے تھے آج کل سی۔آئی۔اے اور دوسرے ایسے ادارے ایسے نگران یا چوکیدار کو تلاش کرتے ہیں جو کہ اس پوزیشن میں ہو کہ وہ ٹیلی فون ٹیپ کسی حساس جگہ پر لگا سکے۔ سی۔آئی۔اے کے لئے اب دوسرے ملکوں کی ٹیلی گراف اور ٹیلی فون کمپنیاں اس کام کا نشانہ بن گئی ہیں۔ دوسرے ملکوں کی وزارت خارجہ اور وزارت دفاع کے علاوہ متحارب قوموں کے مواصلاتی نظام میں بھی اس طریقے سے چوری سے خبریں حاصل کرنے کی کوشش کی جانے لگی ہے۔ اس کام میں

جب بھی ضرورت پڑے امریکی کمپنیوں سے بھی امداد لی جاتی ہے خصوصاً انٹرنیشنل ٹیلی فون اور ٹیلی گراف کمپنی سے، محکمہ ڈاک کو بھی سراغ رسانی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اس کمپنی کے بہت سے آپریٹروں کو ان تنصیبات کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اور ساتھ ہی ان تنصیبات میں نصب شدہ آلات کی مرمت کی بھی۔ لیکن بجلی کی لہروں سے نقل و حرکت کی نگرانی عام طور پر **T.S.D** کے ماہرین ہی کرتے ہیں جنہیں یا تو ہیڈ کوارٹر سے بلایا جاتا ہے یا علاقائی سپورٹ سنٹروں سے کام کی پیچیدگی کو مد نظر رکھتے ہوئے اسی مناسبت سے ہیڈ کوارٹر سے ماہرین بلائے جاتے ہیں۔ بعض آپریشنز میں **T.S.D** کے ماہرین سے تربیت دلائی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ ذمہ دار کیس آفیسرز کو بھی نصب کرنے اور دوسرے آلات کی تربیت دلائی جاتی ہے۔

برقی لہروں کے آپریشنز اپنی پیچیدگیوں اور حساسیت کے اعتبار سے کئی طرح کے ہوتے ہیں یعنی اپنی طاقت اور اثر کے اعتبار سے۔ ایک اعلیٰ درجہ اور بہت ہی خطرناک آپریشن کے لئے زبردست پلاننگ کی ضرورت ہوتی ہے جس کے دوران موقع کا پوری تفصیل سے جائزہ لیا جاتا ہے۔

عمارت کے فرش کے نقشے حاصل کرنے ہوتے ہیں یا اس کو لوگوں کی نقل و حرکت کے اعتبار سے دیکھنا ہوتا ہے۔ دیواروں کا مصالحہ اندرونی رنگ وروغن اور اسی طرح کا دوسری چیزوں کا خیال رکھنا ہوتا ہے۔ بلڈنگ کمرے یا دفتر میں جہاں کہ آلات کو نصب کرنا ہو وہاں لوگوں کی کام کی نوعیت کو دیکھنا ہوتا ہے تاکہ یہ تعین کیا جا سکے کہ یہاں کب آمد ورفت کی جاسکتی ہے۔

وہاں کے رہنے والوں اور حفاظتی نگہبانوں کی نقل وحرکت کا بھی علم ہونا چاہئے۔ جب یہ سب کچھ مکمل ہو جائے تو اس وقت یہ فیصلہ کیا جاتا ہے کہ آلات کو کہاں اور کب نصب کیا جائے۔ عام طور پر یہ کام رات کو سرانجام دیا جاتا ہے یا ہفتہ کے آخری دن پہلے سے ہوشیاری سے طے کئے گئے پروگرام کے مطابق وقت کی



پابندی کرتے ہوئے برقی لہروں کا یہ آلہ نصب کیا جاتا ہے دیواروں میں سوراخ کرنے کے لئے تیز رفتار مگر آواز نہ دینے والے برمے استعمال کئے جاتے ہیں۔ اور آلہ نصب کرنے کے بعد توڑ پھوڑ کی مرمت فوری طور پر سوکھنے والے پلستر سے کر دی جاتی ہے۔ اصلی رنگ سے بالکل ملتا ہوا رنگ کر دیا جاتا ہے تنصیب ملحقہ کمرے سے بھی مکمل کی جاتی ہے اوپر یا نیچے کے کمرے سے بھی۔

ایجنسی نے ان آلات یا ٹیپوں سے اپنے لئے بہترین معلومات حاصل کی ہیں اور جدید دور میں ان پر انحصار مزید بڑھ گیا ہے۔

**1990**ء میں سی۔آئی۔اے کے انسپکٹر جنرل نے لاطینی امریکہ میں خفیہ سرگرمیوں کی رپورٹ میں انکشاف کیا کہ اس علاقے میں ایجنسی نے جو معلومات اکٹھی کی ہیں اس کا بڑا حصہ برقی لہروں کے آلات کی مدد سے حاصل کیا گیا ہے۔ رپورٹ میں مزید کہا گیا کہ سی۔آئی۔اے نے بعض لاطینی قوموں کے اعلیٰ افسروں کی گفتگو ٹیلی فون سے ٹیپ کی ہے اور بہت سی کلیدی آسامیوں پر فائز لوگوں کے گھروں اور دفتروں میں خفیہ آلات لگانے میں کامیاب رہی ہے۔ ان لوگوں میں وفاقی وزراء تک شامل ہیں۔

بعض دوست ملکوں سے ایجنسی ان معلومات میں سے اپنا حصہ لیتی ہے جو کہ میزبان ملک کا محکمہ جاسوسی برقی لہروں کی مدد سے حاصل کرتا ہے۔ جبکہ اکثر اوقات ان ضرورتوں کے لئے یہ ممالک سی۔آئی۔اے سے تکنیکی معاونت حاصل کرتے ہیں۔ سی۔آئی۔اے ان امدادی کاموں کے دوران بھی معلومات حاصل کرتی رہتی ہے۔

یہ آلات ناپائیدار ہوتے ہیں۔ اکثر یہ نصب ہونے کے بعد کام کرنا بند کر دیتے ہیں یا چند دنوں تک اچھا کام کرنے کے بعد کسی دن اچانک خاموش ہو جاتے ہیں۔ بعض اوقات مقامی سیکورٹی سروسز والے جلد ہی ان کا پتا چلا لیتے ہیں۔ اور یہ شبہ

کرتے ہوئے کہ کمرہ میں خفیہ آلات نہ لگا دیئے ہوں مناسب مخالف جوابی اقدامات کرلیتے ہیں۔

کے۔جی۔بی کی عادت تھی کہ وہ باہر کے ملکوں میں مکانات اور دفاتر کرایہ پر لیتی، خاص کمروں میں نئی اندرونی دیواریں، چھتیں اور فرش بنوا کر اصلی عمارت کو ڈھانپ دیتی۔ اس طرح وہ ان ممکنہ خفیہ آلات اور ان کی کارکردگی کو غیر مؤثر بنا دیتی۔

برقی لہروں کے ان صوتی آلات کو بے اثر بنانے کی ایک آسان سی ترکیب جو کہ دُنیا بھر میں مانی ہوئی یہ ہے کہ اس کمرہ میں ریڈیو پر تیز آواز میں میوزک بجایا جاتے۔ میوزک اور اس طرح شور و ہنگامہ کی آوازیں آدمیوں کی آوازوں کو دبا دیتی ہیں جنہیں ریکارڈ کرنے کے لئے خفیہ آلات لگائے گئے ہوں۔ جس طرح کہ انسانی کان مختلف آوازوں کو علیحدہ علیحدہ سنا تا ہے برقی لہروں کے یہ آلات آوازوں کو علیحدہ علیحدہ نہیں کر سکتے اور آوازیں گڈمڈ ہو جاتی ہیں۔

سی۔آئی۔اے کے فنی ماہرین سننے والے آلات کو ترقی دینے کے لئے دن رات مسلسل اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ ایجنسی کی چھپ کر باتیں سننے کی استعداد میں اضافہ کیا جائے۔ عام طور پر دوسرے خفیہ آلات کی طرح برقی لہروں کے ذریعے سننے والے آلات کو بھی سی۔آئی۔اے کا ٹیکنیکل سروسز ڈویژن بناتا اور ترقی دیتا رہتا ہے۔

جاسوسی آلات کے علاوہ T.S.D (ٹیکنیکل سروسز ڈویژن) دوسری خفیہ فوجی سرگرمیوں میں استعمال کے لئے بھی چھوٹے چھوٹے آلات بناتی ہے مثال کے طور پر پلاسٹک بم، اپاہج بنانے اور مار ڈالنے والی دوائیاں، خاموش ہتھیار اور طاقتور کمانیں۔ سپیشل آپریشنز کے لئے ان سب کے ڈیزائن بھی بنائے جاتے ہیں اور انہیں عملی صورت میں بھی بنایا جاتا ہے۔



سی۔آئی۔اے کے خفیہ آپریٹرز جتنے بھی پیچیدہ قسم کے آلات استعمال کرتے ہیں وہ سب کے سب ایجنسی کے سائنس اور ٹیکنالوجی کے ڈائریکٹوریٹ کے بنائے ہوئے ہوتے ہیں یہ شعبہ سی۔آئی۔اے کے ان دوسرے شعبوں کی بھی معاونت کرتا ہے جو کہ خفیہ تحقیق اور ترقی کے کاموں میں مصروف ہے۔

ڈائریکٹوریٹ آف سائنس اور ٹیکنالوجی سی۔آئی۔اے کے محکمہ مواصلات کی مواصلات میں چوری اور جوابی حفاظتی اقدامات کے لئے نئے اور ترقی یافتہ طریقے دریافت کرنے میں معاونت کرتا ہے۔ اگرچہ ڈائریکٹوریٹ آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی کے ماہرین نے بعض شعبوں میں شاندار کام کیا ہے جیسا کہ فضا سے دُشمن کی پوزیشن اور طاقت کا اندازہ لگا لینا۔

خفیہ طور پر استعمال کرنے کے لئے برقی لہروں کے میدان میں ان کی کارکردگی حیران کن ہے ایک ایسا آلہ تیار کیا گیا ہے جو کہ لیزر شعاعوں کی مدد سے بند کمرے کے اندر بیٹھے ہوئے افراد کی گفتگو بند کھڑکی کے راستے سن اور ریکارڈ کر سکتا ہے اس سسٹم کی آزمائش کامیاب رہی خصوصاً مغربی افریقہ میں جدید ترین سیٹلائٹ سسٹم کے ذریعے دُنیا بھر میں کسی بھی "حرکت پذیر شے" کو نوٹ کر لینا سی۔آئی۔اے کا طرۂ امتیاز ہے البتہ اُسامہ بن لادن کے ضمن میں وہ کامیاب نہیں ہوئے۔ سی۔آئی۔اے کے سیٹلائٹ سسٹم نے ماضی قریب میں اُسامہ بن لادن کے ٹھکانوں کی جو تفصیلات بتائی تھیں وہاں امریکیوں نے میزائلوں کی بارش بھی کی لیکن مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہو سکے۔ جب کوئی سی۔آئی۔اے کا ایجنٹ کسی جگہ بگنگ سسٹم (Bugging System) لگانے میں کامیاب ہو جائے تو اس سے حاصل ہونے والی معلومات کو لینگلے میں اپنے ہیڈ کوارٹرز میں خفیہ سروسز کو بھیج دیتے ہیں اور معلومات کا ذریعہ حصول بھی بتاتے ہیں۔ جب خفیہ سروسز ان معلومات کو سی۔آئی۔اے کے تجزیہ کاروں کے پاس بھیجتی ہے تو اس کی اصلیت کو ظاہر نہیں کیا جاتا۔ یا

اطلاع کو اصل ایجنٹ کی رپورٹ میں دفن کر دیا جاتا ہے مثال کے طور پر خفیہ سروسز وزارت خارجہ کے کسی جاسوس کو جس نے پہلے بھی قابل اعتماد اطلاعات فراہم کی ہوں بہت اہمیت دیتی ہے۔ یا کسی مغربی کاروباری آدمی کو جس کے کہ مقامی حکومت میں وسیع تعلقات ہوں۔ تو سی۔آئی۔اے کے خیال میں سورس کی حفاظت زیادہ اہم ہے بہ نسبت اس کے کہ اطلاع کو براہِ راست بھیجا جائے۔

اس سے ''سورس'' کی حفاظت کی ضمانت تو مل جاتی ہے لیکن تجزیہ کے لئے رپورٹ کے نفس مضمون کی صداقت پر یقین رکھنا تجزیہ کار کے لئے مشکل ہو جاتا ہے۔



خفیہ تحریر نویسی کو ہمیشہ سے جاسوسی کے کھیل میں بہت اہمیت حاصل رہی ہے۔ دُنیا کی ہر جاسوسی ایجنسی جدید ترین ذرائع مواصلات رکھنے کے باوجود اپنے ایجنٹ کو ''خفیہ تحریر نویسی'' اور ''خفیہ تحریر شناسی'' کا فن ضرور سکھاتی ہے جاسوسی کے کھیل میں اس فن کی ابتداء کب ہوئی؟ تاریخ کے پاس اس کا جواب موجود نہیں البتہ یہ سلسلہ سینکڑوں سال سے جاری ہے۔

کئی سال پہلے سی۔آئی۔اے نے ایک خفیہ تاریخی لائبریری قائم کی تھی اور اس کے بعد سی۔آئی۔اے کے اندرونی استعمال کے لئے ایک خفیہ پیشہ ورانہ جرنل شائع کیا اور انجام کار سی۔آئی۔اے کی خفیہ سرگرمیوں کے متعلق ایک مفصل تاریخ ریٹائرڈ افسروں سے لکھوانا شروع کی۔

سراغ رسانی کی تاریخ کے مجموعے کو سی۔آئی۔اے میں سرکاری طور پر خاص لائبریری کہا جاتا ہے۔ جاسوسی ادب پر ایک دلکش لائبریری ہے جس میں افسانوی اور غیر افسانوی طرز پر کئی زبانوں میں ہزاروں کتابیں موجود ہیں اس کا



لائبریرین پیشہ کے اعتبار سے ایک کیریئر افسر ہے لیکن اس کا مشغلہ کئی ایک موضوع پر لکھی گئی کتابوں کی فہرست بنانا ہے۔

اسے سراغ رسانی کی نایاب کتابوں اور دستاویزات کو دُنیا بھر سے اکٹھی کرنے کے لئے ہر سال خاصا بجٹ دیا جاتا ہے آج سی۔آئی۔اے کے پاس دُنیا بھر میں شائع ہونے والی ایسی کتابوں کا مکمل ذخیرہ موجود ہے۔ ابھی چند سال پیشتر اس ذخیرہ کو اور وسعت دینے کی کوشش کی گئی۔ اس میں سراغ رسانی کے متعلق معلومات کے باب کا اضافہ کیا گیا ہے جس میں نظر نہ آنے والی روشنائی خفیہ سننے والے آلات، کیمرے اور دوسرے آلات و سامان جو کہ جاسوسوں اور ان کے افسروں نے فی الحقیقت بعض آپریشنز میں استعمال کئے تھے، رکھے گئے ہیں۔

سی۔آئی۔اے کے سہ ماہی پیشہ ورانہ رسالہ کا نام ''سٹڈیز ان انٹیلی جنس'' ہے۔ اُس کے مضامین میں سراغ رسانی کے عملی اور علمی پہلوؤں کے متعلق لکھا جاتا ہے۔ اس میں اس پر بھی بحث کی گئی ہے کہ جب ایک جاسوس دُشمن کے ہتھے چڑھ جائے تو تحقیقات کے دوران اس کا ردِّ عمل کیا ہونا چاہیے۔

نیشنل اسٹیمیٹس کا عمل کس طرح کام کرتا ہے؟ دُشمن کی سخت حفاظتی تدابیر کے باوجود اس کی سرحد کو کس طرح عبور کیا جائے اور پھر واپس کس طرح آیا جائے؟ کیوبا کے میزائلوں کے جھگڑے کے بعد اسی جرنل میں یہ بحث چل نکلی کہ آیا سی۔آئی۔اے روسی میزائلوں کا اتنا وقت پہلے پتا چلانے میں کامیاب رہی ہے کہ امریکی حکومت بروقت اس کا مداوا کر سکے یا ایسا کرنے میں ایجنسی ناکام رہی۔؟

کچھ مضامین خالصتاً تاریخی دلچسپی کے حامل ہیں جنگ عظیم دوم کے آخری دور میں اٹلی کے کاؤنٹ امیلو جو کہ اٹلی کی فوج میں تھا اس کو اپنا گرویدہ بنانے کی کامیاب کوشش کا ذکر جرمنوں کے ہاتھوں سے مسولینی کے وزیر خارجہ (جو اس کا داماد بھی تھا) کاؤنٹ کیانو کی ڈائری حاصل کرنا۔ جس پر کہ شروع میں مقدمہ چلایا گیا تھا۔

غالباً اس قسم کی کہانیاں عوام کے لئے بھی دلچسپی کا باعث ہوں گی۔ ''اسٹڈیز ان انٹیلی جنس'' جریدہ بظاہر تو اس نوعیت کے دوسرے جریدوں جیسا ہی ہے لیکن یہ عوام الناس کے لئے نہیں شائع ہوتا اور یہی اس کی انفرادیت ہے۔

جریدے پر Confidentiel ''خفیہ'' کی سرخ رنگ کی مہر چھپی ہوئی ہے اور یہ رسالہ صرف سی۔آئی۔اے کے ملازمین میں تقسیم کیا جاتا ہے یا پھر امریکہ ہی کی ''جاسوس برادری'' کی رسائی اس تک ممکن ہوتی ہے۔

شاید یہ بات قارئین کے لئے حیران کن ہو کہ دُنیا میں کئی جاسوسی ناول خود سی۔آئی۔اے اپنے خصوصی مصنفین کے ذریعے لکھاتی ہے تاکہ ایک مخصوص فضا پہلے ہی سے تیار کی جائے۔ اس ضمن میں یوں تو کئی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں لیکن روس کی شکست و ریخت سے پہلے فریڈرک فورسائتھ کا ناول "The Devil Altèrnetive" خصوصی شہرت کا حامل ہے جس کی کہانی روس کے اندر جنم لینے والی ایک زیرزمین تحریک سے متعلق ہے۔

سی۔آئی۔اے اپنی خفیہ سرگرمیوں کا باقاعدہ تاریخی ریکارڈ رکھتی ہے لیکن اس ریکارڈ تک کسی کی رسائی ررکن نہیں۔ یہ ریکارڈ صرف سی۔آئی۔اے کے اعلیٰ افسران کے لئے ہے اور وہ بھی یہ بات جانتے ہیں کہ یہ تاریخ کبھی شائع نہیں کی جائے گی۔ اس تاریخ کو سی۔آئی۔اے کے افسران ہی لکھتے ہیں اور انہیں اس کا معقول معاوضہ پیش کیا جاتا ہے۔ اس طرح جہاں ان کا کتھارسس ہو جاتا ہے وہاں اس بات کا امکان بھی نہیں رہتا کہ سی۔آئی۔اے کا یہ ریکارڈ کبھی ''آن ریکارڈ'' آئے گا۔





پراپیگنڈہ کو جاسوسی کا بہترین ہتھیار اس لئے بھی کہا جاتا ہے کہ صدیوں سے یہ آزمودہ نسخہ ہمیشہ کارگر رہا ہے۔ دُشمن ملک کے عوام کو گمراہ کرنے کے لئے بے چینی پھیلانے اور لاقانونیت پیدا کرنے کے لئے افواہ سازی اور پراپیگنڈہ بہترین اور مؤثر ہتھیار رہا ہے جس کی اہمیت ہمیشہ مسلم اور تسلیم شدہ ہے۔ چانکیہ نے ہندو سیاسیات کا بنیادی پتھر پراپیگنڈہ کو بتایا ہے اور آج بھی ''را'' کی طرف سے خصوصاً پاکستان میں اس ہتھیار کو کامیابی سے استعمال کیا جارہا ہے۔

1960ء کے وسط میں سی۔آئی۔اے کی خفیہ سروسز میں بہت سے پیشہ وروں کا خیال تھا کہ پراپیگنڈہ کے میدان میں غباروں کے ذریعے کامیاب افواہیں پھیلانے کا زمانہ اب عرصہ دراز سے ختم ہو چکا ہے سالوں پہلے سرد جنگ کے زمانے میں ایجنسی کے کارندوں نے جو کہ مغربی جرمنی میں تھے، کمیونسٹوں کے خلاف لٹریچر کو آہنی پردوں کے اس پار پہنچانے کے لئے اکثر غباروں سے کام لیا۔ ان آپریشنز سے قابل ذکر کامیابیاں حاصل ہوئیں جسا کہ خفیہ پراپیگنڈہ میں بنیادی طور پر ہونا چاہئے۔ انکا اچھا خاصا اثر ہوا۔ اس کا اندازہ یوں ہوا کہ سویت یونین اور اس کے مشرقی یورپ کے اتحادیوں نے اس پراپیگنڈہ کے خلاف سخت احتجاج کیا۔ تب سے پراپیگنڈہ کا کھیل عیارانہ طریقہ سے کسی بات یا معاملہ کو اور رنگ دینے کی شکل میں لڑائی کی صورت میں بدل گیا ہے۔ ایجنسی کے خفیہ ایکشن سٹاف نے غلط استدلال کے بہت سے طریقے وضع کر لئے تھے۔ 1967ء میں مشرق بعید کے ڈویژن کے افسروں نے تجویز کیا کہ غباروں کے ذریعے پراپیگنڈہ کی ایک نئی مہم چلائی جائے اس دفعہ اس مہم کا نشانہ خاص طور پر چین تھا۔

پیپلز ریپبلک آف چائنا اس وقت کلچرل انقلاب میں گھری ہوئی تھی۔ سرخ گارڈ کے نوجوان ملک بھر میں پرانے رسم و رواج اور قوانین کے خلاف طوفانی دورے

کے رہے تھے۔ابتری اور انتشار نے پوری قوم کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔سی۔آئی۔اے کے چین کے معاملات کے ماہرین جو ہانگ کانگ اور چین کے ملحقہ علاقوں میں تھے انہوں نے یہ سونگھ لیا کہ اس کا ردّعمل ہونا شروع ہو گیا ہے خصوصاً جنوبی چین کینٹین اور خوچو کے آس پاس کوانگ ٹنگ اور فوکن کے صوبوں کے علاقوں میں ان کا خیال تھا کہ سرخ گارڈ کی زیادتیوں کے خلاف مدافعت شروع ہو رہی ہے کیونکہ فوج اور کارکنوں کے اندر مخالف گروہوں کی مدافعت بڑھ رہی تھی وہ سابقہ لاء اور آرڈر کی بحالی چاہتے تھے۔

ایجنسی کے کارکنوں کے مطابق یہ حالات ایسے تھے جن کو ہوا دی جا سکتی تھی وہ یہ بھی جانتے تھے کہ چین سے کمیونزم کو یکسر ختم نہیں کیا جا سکتا صرف وقتی طور پر خفیہ پراپیگنڈہ کے بل بوتے پر کچھ سیاسی فوائد حاصل کئے جا سکتے ہیں چین امریکہ کا خوفناک دُشمن تھا۔سی۔آئی۔اے یہ محسوس کرتی تھی کہ چین جو کہ دُنیا کا سب سے زیادہ آبادی والا ملک ہے اس کی ترقی کی رفتار کو روکنے کے لئے اندرونی خلفشار کو ہوا دی جائے۔چین اس وقت دوبارہ بلاسٹک میزائل کے تجربات کر رہا تھا یہ امریکہ کی قومی سلامتی کے لئے کچھ کم خطرہ نہ تھا۔ان کا خیال تھا کہ اگر اسے اپنے اندرونی مسائل میں اُلجھا دیا جائے تو ویت نام کی جنگ میں چین کی مداخلت کے امکان کو کم کیا جا سکتا تھا۔جس طرح ان طریقوں سے جو کہ سالوں پہلے کوریا کی جنگ میں کامیابی سے آزمائے جا چکے تھے شاید چین کو بھی ویت نامیوں کی مادی امداد میں کمی کرنے پر مجبور ہونا پڑے اور اس طرح چین ترقی پذیر ملکوں میں انقلاب لانے سے رُک جائے۔

اس آپریشن کی منظوری کمیٹی نمبر 303 نے دے دی جواب کمیٹی نمبر 40 کہلاتی ہے۔ایجنسی نے گوداموں میں سے غبارے نکلوائے اور جہازوں کے ذریعے



تائیوان کے ایک خفیہ اڈہ پر بھجوا دیئے۔یہاں ان کو پراپیگنڈہ کے لئے ہوشیاری سے تیار کرائے گئے مخالف کتابچوں، لیفلٹوں اور اخباروں سے پُر کیا گیا اور موافق ہوا کو دیکھ کر تائیوان کے مغرب کی طرف چین کے صوبوں کی طرف روانہ کر دیا گیا۔جو لٹریچر اس طرح غباروں کے ذریعے گرایا گیا ایجنسی کے پراپیگنڈے کے ماہرین نے اس کی لکھائی چھپائی اور مضامین کا انداز پرانے چین کے قدامت پرستوں کی ان چند ایک مطبوعات جیسا ہی رکھا جو قدامت پرستوں نے محدود پیمانے پر خفیہ طور پر تقسیم کی تھیں۔

یہ مطبوعات کسی باقاعدہ انقلاب دُشمن تحریک کے نام پر نہیں چھاپی گئی تھیں بلکہ فرضی ایسوسی ایشنوں کے نام چھاپے اور تقسیم کئے گئے جن میں سے بعض کا تعلق افواج سے، کچھ کا کاشتکاروں کے کمیونز سے اور کچھ کا صنعتی یونینوں سے ظاہر کیا گیا۔تمام پراپیگنڈہ کا محور خاص طور پر سرخ گارڈز کے کاموں اور ان کی مبینہ زیادتیوں پر نکتہ چینی تھی۔زیادتیاں کچھ حقیقی اور کچھ من گھڑت تھیں۔اس کا مقصد بالواسطہ طور پر عوام کو ان لیڈروں کے خلاف بھڑکانا تھا۔جن کے کہنے یا جن کی اجازت سے سرخ کارڈز یہ سب کچھ کر رہے تھے۔توقع کی جاتی تھی کہ اس پراپیگنڈہ اور گمراہ کن افواہوں کا ردّعمل کلچرل انقلاب کے خلاف ہوگا اس طرح ایک طرف تو اندرونی طور پر انتشار بڑھے گا اور دوسری طرف پیکنگ کی لیڈر شپ میں طاقت کا توازن بگڑ جائے گا۔

سی۔آئی۔اے کا اندازہ یہ تھا کہ جس وقت چینیوں کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ یہ سب کچھ صرف پراپیگنڈہ ہی تھا تو امریکی حکومت ایسی ذمہ داری سے انکار کر دے گی اور چینی حکومت اس تمام بدمعاشی کا ذمہ دار چیانگ کائی شیک کی تائیوان حکومت کو قرار دے گی اس طرح سی۔آئی۔اے کا مددگار میزبان بدنام ہوگا اور سی۔آئی۔اے

پر کوئی حرف نہ آئے گا۔

اس مرحلے پر سی۔آئی۔اے نے منصوبہ بنایا کہ تائیوان میں دو خفیہ ٹرانس میٹر نصب کئے جائیں جن سے کہ اسی قسم کی نشریات اور گمراہ کن افواہیں نشر کی جائیں جیسی کہ غباروں کے ذریعے پھیلائی گئی تھیں۔ اگر چینی لوگوں نے ریڈیو براڈ کاسٹ کو بالکل سچ ہی سمجھ لیا تو سی۔آئی۔اے والے سمجھیں گے کہ کلچرل انقلاب کے خلاف جوابی تحریک زور پکڑ رہی ہے اور یہ سوچا جا سکے گا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ ریڈ گارڈز اور ان کے معاونین کے خلاف زیادہ کھل کر مزاحمت کی جائے۔

جب ایک مخصوص سوسائٹی نشانہ ہو ان تک صرف یہ اطلاعات اور خبریں پہنچیں کہ ان کو گورنمنٹ ان تک صحیح خبریں نہیں پہنچنے دیتی ان پر بہت اثر کرتی ہے۔ ایسی صورت میں اگر ہوشیاری سے کوئی گمراہ کن افواہ بھی اُڑا دی جائے تو بہت مفید ہوتی ہے۔ سامعین جب یہ محسوس کرنے لگیں کہ جو کچھ وہ سن رہے ہیں اس میں زیادہ تر سچ ہی ہے تو انہیں یہ بھی یقین ہو جاتا ہے کہ جو کچھ انہیں بتلایا گیا ہے وہ ٹھیک بھی ہے۔

ایجنسی کے پراپیگنڈہ ماہرین نے خبریں نشر کرنے کا ایک اور ذریعہ سی۔آئی۔اے کی ملکیتی فارن براڈ کاسٹ انفارمیشن سروس کا استعمال شروع کیا جو کہ روزانہ دُنیا بھر میں تقریباً درجن بھر مختلف مقامات جیسے ہانگ کانگ پانامہ، نائیجیریا، یونان اور سان فرانسسکو کے سننے والوں کے لئے خبریں نشر کرتا تھا اور اس سے یہ بھی پتہ لگایا جاتا تھا کہ آیا خفیہ ٹرانس میٹر کی صدا نشانے یعنی چین میں پہنچ بھی رہی ہے یا نہیں نیز یہ کہ متوقع نتائج پیدا کر رہی ہے یا نہیں۔

پراپیگنڈہ کا ایک تیسرا طریقہ بھی تھا جس میں ''مانیٹرنگ سروس'' نے آپریشن میں اپنا رول ادا کیا بر خلاف ان زیادہ تر اطلاعات کے جو کہ ایجنسی جمع کرتی



تھی اور خفیہ رکھتی تھی فارن براڈ کاسٹ انفارمیشن سروس کی مہیا کردہ اطلاعات کو امریکی حکومت پریس کارپوریشن اور تعلیمی برادری میں وسیع پیمانہ پر نشر کیا جاتا تھا یہ روزانہ کی رپورٹیں وغیرہ انگریزی میں ترجمہ کی جاتی تھیں اور مختلف ملکوں کے لئے مختلف رنگوں میں بھیجی جاتی تھیں۔

مشرقِ بعید کے لئے پیلا رنگ مخصوص تھا۔ مشرق وسطیٰ اور افریقہ کے لئے نیلا اور لاطینی امریکہ کے لئے گلابی علیٰ ہذا القیاس دوسرے ملکوں کے لئے بھی اگرچہ فارن براڈ کاسٹ انفارمیشنز سروس کے ایڈیٹر بھی سی۔آئی۔اے انٹیلی جنس ڈائریکٹوریٹ کے آدمی تھے پھر بھی خفیہ سروسز کے آپریٹر اپنے پراپیگنڈہ آپریشنز ان پر ظاہر کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ فارن براڈ کاسٹ انفارمیشن سروس کو مشرق وسطیٰ کے لئے روزانہ رپورٹ کے لئے تائیوان کے خفیہ اسٹیشن اور چین کے جوابی انقلابی تنظیم کے پروگراموں سے مواد حاصل کر کے نشر کرنا پڑتا۔

سی۔آئی۔اے کے آپریٹرز کو اس صورتِ حال سے اور اس حقیقت سے بھی کہ ایجنسی کے اپنے چین کے معاملات کے تجزیہ کاروں کو ان کے ہیڈ کوارٹر واقع واشنگٹن میں بھی غلط اطلاعات فراہم ہوتی تھیں کوئی خاص پریشانی نہ تھی۔ نہ کبھی انہیں اس بات کا خیال آیا کہ ان کی اس روش کی وجہ سے اخبار نویسوں اور دوسرے صحافیوں کو اپنے مضامین فارن سروس براڈ کاسٹ انفارمیشن سروس کی طرف سے فراہم کی گئی اطلاعات کی بنیاد پر لکھنے پڑتے ہیں نتیجتاً سی۔آئی۔اے کے تجزیہ کاروں کو خفیہ ریڈیو کی موجودگی کے بارے میں تو بتلایا جاتا تھا لیکن جو غلط اعداد و شمار گورنمنٹ کی دوسری ایجنسیوں یا پریس وغیرہ کو مہیا کئے جاتے تھے ان کی اصلاح کے لئے کوئی قدم نہ اُٹھایا گیا۔ علاوہ ازیں کمیونسٹ چین سے تو دُشمنی تھی ساتھ ہی مشہور جرنلسٹوں اور

پروفیسروں کے مقالے جو چین میں باغیانہ سرگرمیوں وغیرہ کے متعلق ہوتے تھے ان سے دُنیا کی نظروں میں پیکنگ کی مزید رسوائی ہوئی جو کہ سی۔آئی۔اے کی تاویل کیرو سے اس وقت کی امریکی خارجہ پالیسی سے مطابقت رکھتی تھی۔

سی۔آئی۔اے کا خفیہ ریڈیو اسٹیشن بہت کامیاب رہا اگرچہ بعد میں چین کی حکومت نے اس کی اصلیت معلوم کرلی اور اپنے عوام کو آگاہ بھی کر دیا کہ ریڈیو کی یہ سب خبریں جھوٹی تھیں۔ اس دوران میں سی۔ آئی۔ اے نے چین کی اندرونی مشکلات کی بابت گمراہ کن خبریں نشر کرنا شروع کر دیں۔



پراپیگنڈہ اور افواہ سازی کوئی نئی ایجادیں نہیں ہیں قومیں اور قوموں کے مختلف گروہ نام پیدا کرنے کے لئے ایک زمانہ سے ایسا کرتے چلے آئے ہیں اور اپنے دُشمنوں اور مخالفوں کو بدنام کرتے چلے آئے ہیں البتہ بیسویں صدی میں ذرائع ابلاغ میں ترقی کے ساتھ ساتھ پراپیگنڈہ کے انداز اور طریقوں میں فرق آگیا ہے کیونکہ اب انتہائی جلد اور ایک بڑے رقبے میں بیک وقت پراپیگنڈہ کیا جاسکتا ہے۔

نازی جرمنی نے ”بڑے جھوٹ“ کا بے پناہ استعمال کا کی۔ سوویت یونین اور دوسرے کمیونسٹ ملکوں نے بہت سے ایسے طریقوں کو استعمال کیا جو کہ جرمنوں نے ایجاد کئے تھے اور خود اپنی طرف سے نئے طریقے بھی ایجاد کئے۔ اگرچہ امریکہ نے اس میدان میں دوسری جنگ سے پہلے سرگرمی نہیں دکھائی۔ جنگ میں O.S.S اور آفس آف وار انفارمیشن نے نفسیاتی جنگ کا پروگرام بنایا اور اس میدان میں اپنی کوششیں تیز کر دیں۔ جیسا کہ سی۔ آئی۔ اے کے خفیہ ایکشن سٹاف کا خیال ہے۔ خفیہ



ایکشن سٹاف میں ماہر معاشیات، ماہر نفسیات مورخ اور ماہرین ابلاغ شامل ہیں۔ جو کہ مختلف ملکوں کے عوام کے مختلف طبقوں جیسے نوجوان دانشور وغیرہ کے ذہنی رجحان تک رسائی حاصل کرنے کے ذرائع کو جانتے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ ایک طبقے سے دوسرے طبقے کے نام پیغام کس طرح حاصل کئے جائیں۔

اپنی کارروائیوں کی تجاویز اور ان کو عملی جامہ پہنانے کے طریقے طے کرنے کے لئے وہ علاقہ کی دوسری ایجنسی کے افسران سے بھی مل جل کر کام کرتے ہیں ان کا طریقہ کار یہ ہے کہ کسی آپریشن کی تحریک افریقہ لاطینی امریکہ کے کسی مقامی اسٹیشن یا بنگلے میں واقع ہیڈ کوارٹر کی پراپیگنڈہ برانچ وائٹ ہاؤس، اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ یا پینٹا گون کی طرف سے سی۔ آئی۔ اے کے نام ہوتی ہے۔

اگر اس پروگرام کو اہم سیاسی نوعیت کا سمجھا جاتا ہے یا اس میں کوئی خطرہ محسوس کیا جاتا ہے یعنی اس میں حکومت کی بدنامی کا خطرہ ہو تو اس صورت میں اس کو ایک تجویز کی صورت میں خفیہ سروسز کی طرف سے ڈائریکٹر کے دفتر میں غور کرنے کے لئے بھیج دیا جاتا ہے اس کے بعد تجویز آخری منظوری کے لئے کمیٹی نمبر 40 کے پاس بھیج دی جاتی ہے اور کسی پراپیگنڈہ آپریشن کی نگرانی اور دیکھ بھال گورنمنٹ اور کلینڈ سٹائن خفیہ سروسز میں باہم ربط کی ذمہ داری خفیہ ایکشن سٹاف کی ہوتی ہے یا اس علاقے میں کام کرنے والوں کی بعض طویل المیعاد آپریشنز جیسا کہ ریڈیو فری یورپ اور ریڈیو لبرٹی میں روایتی طور پر خفیہ ایکشن سٹاف کی نگرانی میں کام کرتے تھے۔ لیکن مقابلتاً بالکل نئے اور چھوٹے آپریشنز کی ذمہ داری خفیہ ایکشن سٹاف کے سپرد ہوتی ہے چاہے وہ مشیروں کی حیثیت سے ہو یا کنٹرول کرنے کی حیثیت سے موقعہ اور محل کی مناسبت سے اس پر عمل کیا جاتا ہے۔

سی۔ آئی۔ اے جعلی دستاویزات بھی تیار کرتی ہے۔ مثال کے طور پر

1960ء میں ایجنسی کو معلوم ہوا کہ مغربی افریقہ کا ایک ملک چین کو تسلیم کرنے والا ہے اور مقامی حکومت نیشنلسٹ چین کے سفارتی نمائندوں کو زبردستی واپس بھیج دینا چاہتی ہے اس کو امریکی خارجہ پالیسی کے مقاصد کے منافی سمجھا گیا اور سی۔آئی۔اے اپنے کام میں مشغول ہوگئی۔

"دی پینٹا گون پیپرز" نے "سی۔آئی۔اے پراپیگنڈہ اور افواہ سازی کی سرگرمیوں کی کچھ اور مثالیں دی ہیں۔ کرنل ایڈورڈ لینڈیل نے 1954ء میں ایک انتہائی خفیہ دستاویز لکھی جس میں شمالی ویت نام کے بعض نجومیوں کی طرف سے مستقبل میں ویت نامی لیڈروں اور ان کی اسکیموں پر آنے والی تباہی اور جنوبی ویت نام کو ہونے والی کامیابیوں کے متعلق پیش گوئیاں شائع کی گئیں۔

لینڈیل لکھتا ہے اس کے ماتحتوں نے ہنوئی میں ہڑتال کا بندوبست کیا ویت منہ کے دستخطوں سے ایک کتابچہ شائع کیا گیا جس میں ٹونکنیز کو بتایا کہ جب شروع اکتوبر میں ویت منہ ہوئی پر قابض ہوں تو انہیں کس طرح ان کو خوش آمدید کہنا ہے اور ورکرز کو کس طرح تین دن کی چھٹی منانی ہے جائداد اور اقتصادی اصلاحات کس طرح کرنی ہیں۔

ان کتابچوں کی تقسیم کے دوسرے ہی دن شمالی ویت نام کے مہاجرین کی رجسٹریشن تین گناہ بڑھ گئی۔ دو دن بعد ویت منہ نیریڈیو پر ان کتابچوں کی تکذیب کر دی۔ لیکن ان کو ایسے انداز میں چھاپا گیا تھا کہ ان کے جعلی ہونے کا گمان تک نہ گزرتا تھا بلکہ وئیت منہ کے اکثر فوجیوں تک کا یہ خیال تھا کہ ریڈیو پر جو اعلان ہوا ہے وہ فرانسیسیوں کا فریب ہے۔ اور وہ ابھی تک پراپیگنڈہ کو ہی سچ مان رہے تھے۔

جنگ عظیم دوم کے بعد جرمنی اٹلی اور فرانس کی ان پبلشنگ کمپنیوں کو بھی جو کہ کمیونسٹوں کے خلاف مواد شائع کرتی تھیں امدادی رقوم دی گئیں۔ کئی سالوں تک



ایجنسی نیویارک میں کمیونسٹوں کے ایک روزنامہ دی ڈیلی ورکر کو امدادی رقوم دیتی رہی "دوکر" کے سٹاف کو یہ پتا تک نہ تھا کہ یہ امدادی رقوم سی۔آئی۔اے کی طرف سے آ رہی ہیں۔ یہ امداد روزنامہ کو ہزاروں کاپیوں کی پیشگی قیمت کے طور پر دی جاتی رہی۔ اس سے سی۔آئی۔اے امریکی عوام کو یہ بتانا چاہتی تھی کہ خود اس ملک میں بھی کمیونزم کا حقیقی خطرہ ہے۔

## افواہ سازی:

افواہ کیا ہے؟ عام زندگی پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں اور کس حد تک کارگر ہوتی ہے۔؟

ان سوالات کے حتمی جوابات دینا تو ممکن نہیں لیکن ماضی کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ انٹیلی جنس ایجنسیوں نے اپنے مخالفین کے کیمپوں میں افواہ سازی کے ذریعے ایسی ابتری پیدا کی جس سے انہیں بہترین نتائج حاصل ہوئے۔ اس ضمن میں بھارتی انٹیلی جنس ایجنسی "را" کی مثال پیش کی جاسکتی ہے جس نے بلاشبہ اپنے پیشرو چانکیہ کے اُصول افواہ سازی کو جدید اسلوب میں ڈھالا اور اس فن میں اتنی مہارت حاصل کر لی ہے کہ پاکستان اور بنگلہ دیش میں خصوصاً بہت سے مذہبی فسادات کروانے میں کامیاب رہی ہے۔

شاید قارئین کے لئے یہ بات باعث حیرت ہو کہ بھارتی صوبہ یوپی میں مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو ختم کرنے کے لئے "را" نے اپنے ہی ملک میں شیعہ سنی فسادات کروادیئے جس کے لئے "افواہ" کو بطور ہتھیار استعمال کیا گیا اور مسلمانوں کی طاقت منتشر ہو کر رہ گئی۔

کبھی عوام کو صرف سچ بتانا ہی پراپیگنڈہ کہلاتا ہے۔ کسی وقت سچائی کا مکسچر آدھے سچ میں تھوڑی سی غلط بیانی کو ملاوٹ جس سے کہ سننے والوں کو پھسلایا جاسکے

بھورا پراپیگنڈہ اور جب بالکل ہی جھوٹ بولا جائے تو سیاہ پراپیگنڈہ کہلاتا ہے۔اگرچہ عام طور پر اعتماد حاصل کرنے کی غرض سے کچھ سچ میں آدھا جھوٹ ملایا جاتا ہے۔

سیاہ پراپیگنڈہ اور گمراہ کن افواہوں میں فرق مشکل ہی سے کیا جا سکتا ہے۔ دونوں کی غرض و غایت جھوٹی خبریں پھیلانا ہوتا ہے تاکہ لوگوں کی رائے یا عمل پر اثر انداز ہوا جائے۔افواہ سازی دراصل سیاہ پراپیگنڈے ہی کی ایک قسم ہے جو کہ مکمل رازداری سے وابستہ ہے۔اور جیسے عام طور پر جعلی دستاویزات کا سہارا حاصل ہوتا ہے روسی نظام جاسوسی میں تو افواہ سازی کا ایک محکمہ ہے باقاعدہ موجود ہے۔

2 جون 1961ء کو رچرڈ ہیلمز نے جو کہ اس وقت خفیہ سروسز کا ڈپٹی ڈائریکٹر تھا سینٹ کی انٹر سیکورٹی سب کمیٹی کو کمیونسٹوں کی جعل سازیوں کے متعلق مختصراً بتایا۔اس نے 32 جعلی دستاویزیں بتائیں جن سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ امریکی حکام کو بھیجی گئی ہیں یا امریکی حکام نے بھیجی ہیں۔

ان میں سے بائیس ایسی تھیں جن سے امریکی سامراج کی تجاویز اور عزائم کا پتا چلتا تھا۔ان میں 17 میں آزاد دُنیا کے بہت سے ممالک میں امریکی مداخلت کے بارے میں بتایا گیا تھا۔17 میں سے گیارہ میں امریکہ پر یہ الزام تھا کہ امریکہ ایشیائی قوموں کے کاروبار میں بھی دخل اندازی کر رہا ہے ایک دستاویز سیکرٹری آف اسٹیٹ اور جاپانی وزیراعظم نے جاپانی فوج کو ایشیاء میں کسی بھی جگہ استعمال کرنے کی اجازت دے دی تھی۔

ایک دوسری دستاویز میں یہ الزام تھا کہ جنوب مشرقی ایشیاء میں سیٹو میں شامل قوموں کی فوجوں کو امریکہ اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرتا ہے۔دو میں یہ ثابت کیا گیا تھا کہ امریکہ انڈونیشیا کے صدر سوئیکارنو کی حکومت کا تختہ اُلٹنے کی سازی کر رہا ہے۔باقی دو سے صرف یہ بتانا مقصود تھا کہ امریکی حکومت سوئیکارنو کے باغیوں



کو فوجی امداد دے رہی ہے بظاہر اس سے انکار کر رہی ہے۔

انڈونیشیا کے متعلق یہ آخری دونوں مثالیں خاص طور پر دلچسپ ہیں۔ہیلمز نے جو دستاویزیں دی تھیں انہیں سرسری نظر دیکھنے سے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ دراصل وہ بھدی قسم کی جعل سازی تھی لیکن ان کا نفس مضمون درست تھا۔سی۔آئی۔اے نے 1968ء میں نہ صرف سوئیکارنو حکومت کا تختہ اُلٹنے میں مدد دی بلکہ ہیلمز بھی جو اس وقت خفیہ سروسز کا افسر تھا اس بات سے پوری طرح باخبر تھا۔اس کو یہ بھی معلوم تھا کہ معاملہ سے امریکی حکومت کی لاتعلقی کا اعلان جسے کہ حکومت نے جاری کیا تھا بالکل جھوٹ تھا۔

ہیلمز کی شہادت جو درحقیقت امریکی عوام کے خلاف ایک پراپیگنڈہ آپریشن تھا سی۔آئی۔اے کی اجازت سے پریس کو چھاپنے کے لئے دے دیا گیا۔اس نے نہ صرف کمیونسٹوں کے جھوٹ کی بابت خود جھوٹ بولا بلکہ ہیلمز نے اس دوران نہایت ہوشیاری سے ان تمام جھوٹوں سے پہلو بچایا جو جھوٹ کہ سی۔آئی۔اے حکومت کے نام پر بولتی ہے۔

1971ء تک ریڈیو فری یورپ اور ریڈیو لبرٹی سی۔آئی۔اے کے پراپیگنڈہ آپریشن کے سب سے بڑے ذرائع تھے۔ریڈیو فری یورپ کی نشریات پولینڈ ہنگری، چیکوسلواکیہ، بلغاریہ اور رومانیہ کے لئے تھیں۔جبکہ ریڈیو لبرٹی روس کے لئے تھا۔

یہ پرائیویٹ اسٹیشن اوائل 1950ء میں جب سرد جنگ زوروں پر تھی سی۔آئی۔اے نے کھلے بندوں چلائے تھے یہ نیویارک میں قائم کئے گئے بورڈ آف ڈائریکٹرز کے زیر سایہ چلائے جا رہے تھے۔جن میں مشہور سیاست دان، ریٹائرڈ جی لیڈر اور نامزد ارکان شامل تھے۔ان کے اسٹوڈیوز میونخ اور ٹرانس میٹر مغربی

جرمنی، سپین، پرتگال اور تائیوان میں تھے۔

دونوں اسٹیشن سال میں ہزاروں گھنٹوں کے پروگرام کمیونسٹ ملکوں کے لئے نشر کرتے تھے دونوں کے بجٹ کا تخمینہ 30 سے 35 ملین ڈالر سالانہ تھا اور کل خرچ کا 95 فیصد سے بھی زیادہ سی۔آئی۔اے برداشت کرتی تھی۔

ابتدائی سالوں میں ریڈیو فری یورپ اور ریڈیو لبرٹی دونوں آہنی پردے کو لپیٹ دینے کی کوشش میں ہر جھوٹ کو سچ ہر سچ کو جھوٹ ثابت کرتے رہے۔ 1956ء میں ہنگری میں بغاوت کے بعد ان کی نشریات کا لہجہ بدل گیا اس کی مسلسل برانگیختہ کرنے والی نشریات اپنے مقصد میں ناکام ثابت ہوئیں اور یہ کہ امریکی امداد آنے کے دعوے پورے نہ ہو سکے تو اس پر شدید نکتہ چینی کی گئی۔

ہنگری کے واقعات کے بعد یہ بالکل واضح ہو گیا کہ امریکہ محکوم قوموں کو آزادی دلانے میں سرگرمی سے حصہ نہیں لے گا۔ ریڈیو فری یورپ اور ریڈیو لبرٹی دونوں پر اب زیادہ زور اس بات پر دیا جانے لگا کہ اب پرامن انقلاب کے ذریعے کمیونسٹ غلبہ سے چھٹکارا حاصل کیا جائے۔ بہرحال سی۔آئی۔اے دونوں ریڈیو اسٹیشنوں کو مالی امداد اور کلیدی افراد فراہم کرتی رہی اور پروگراموں کی نگرانی کرتی رہی۔ بظاہر تو ریڈیو فری یورپ اور ریڈیو لبرٹی کا مقصد مشرقی یورپ کے لوگوں کو صحیح اطلاعات بہم پہنچانا تھا۔ اس مقصد میں وہ زیادہ تر کامیاب رہے اور ان کے پروگرام کروڑوں لوگ سنتے تھے حالانکہ ریڈیو فری یورپ اور ریڈیو لبرٹی کی نشریت میں کافی حد تک غلط بیانی سے کام لیا جاتا تھا ابتدائی سالوں میں تو مشرقی یورپ کے دیگر نشریاتی اداروں سے مقابلتاً زیادہ صحیح خبریں نشر کی گئیں۔ لیکن سی۔آئی۔اے میں اکثریت کا کہنا یہ تھا کہ ان ریڈیو اسٹیشنوں کا بنیادی کام یہ تھا کہ وہ مشرقی یورپ میں بے اطمینانی کے بیج بوئیں تا کہ کمیونسٹ حکومتوں کو کمزور کیا جا سکے۔



ایجنسی کے کچھ لوگ سختی سے اس بات پر اڑے ہوئے تھے کہ پولینڈ میں سماجی اضطراب ہی 1956ء میں لیڈ یسلا گومُلکا کو برسر اقتدار لایا۔ 1956ء ہی میں ہنگری کے لوگوں میں بے چینی 1967ء میں چیکوسلاویکیہ میں سٹالن کے حامی انٹونن ٹوینی کا زوال یہ سب کچھ دونوں ریڈیو اسٹیشنوں کی کوششوں سے ہوا۔

سی۔آئی۔اے کے بعض دوسرے عناصر ان ڈرامائی واقعات کو خاص طور پر ریڈیو فری یورپ اور ریڈیو لبرٹی سے منسلک نہیں کرتے تھے بلکہ ان کا کہنا یہ تھا کہ دونوں اسٹیشنوں نے مشرقی یورپ میں سٹالن کے خلاف اور آزادی کی تحریکوں میں تدریجی کردار ادا کیا ہے۔

اکثر پراپیگنڈہ آپریشن کی طرح ریڈیو فری یورپ اور ریڈیو لبرٹی کا خاص کام موجودہ رجحانات کو ان کے علاقوں میں برقرار رکھنا اور بعض اوقات ان کو اور بھی اُجاگر کرنا تھا۔

مشرقی یورپ میں جب واقعات ایجنسی کے حسبِ خواہش ہو رہے تھے اس صورت میں دونوں ریڈیو اسٹیشنوں کے براہِ راست اثرات کو ثابت کرنا تقریباً ناممکن تھا۔ کسی بھی حالت میں ان دو اسٹیشنوں نے جس قدر بھی کامیابی حاصل کی وہ ایجنسی کے لئے قابل اطمینان تھی۔

شروع ہی سے سی۔آئی۔اے کا یہ خیال تھا کہ ان اسٹیشنوں نے مشرقی یورپ میں نہ صرف صحیح خبریں مہیا کی بلکہ وہاں کے معاملات میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ مشرقی یورپ میں اطلاعات فراہم کرنے اور کمیونسٹ حکومتوں کو پریشان کرنے کے علاوہ ریڈیو فری یورپ اور ریڈیو لبرٹی نے خفیہ سروسز کو خفیہ اثاثے بھی مہیا کئے جو کہ سویت یونین روس اور مشرقی یورپ کے خلاف استعمال کئے گئے۔

دونوں ریڈیو اسٹیشنوں پر جو بڑی تعداد مہاجرین کی کام رہی تھی ان سے ہر

وقت ایجنٹ معلومات حاصل کر سکتے تھے۔ان سے رابطہ اور آپریشنز کو مخفی رکھنے کا کام بھی لیا جاسکتا تھا۔مزید برآں وہ خطوط جو سننے والے ریڈیو والوں کے نام بھیجتے تھے جاسوسی کا ایک بہت بڑا ذریعہ تھے۔وہ خطوط جو ڈاک اور مغرب کی طرف سے آنے والے مسافروں کے ذریعے پہنچتے تھے۔سی۔آئی۔اے کے لئے بہترین اثاثہ ثابت ہوئے۔

ایجنسی کے خفیہ کارکنوں کے نزدیک جاسوسی رازوں کے جمع کرنے کا بہترین ذریعہ یہی تھا۔ریڈیو فری یورپ اور ریڈیو لبرٹی کے ملازم تارکین وطن ان خطوط اور دوسری معلومات کے تجزیہ سے ایسی رپورٹیں تیار کرتے جن سے مشرقی یورپ میں ہونے والے واقعات کا پتا چلتا تھا۔اگرچہ اس تجزیہ کو سی۔آئی۔اے کے ہیڈ کوارٹر میں شبہ کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا اور امریکہ کی جاسوس برادری میں اس پر بھروسہ نہیں کیا جاتا تھا۔

مشرقی یورپ میں ہونے والے واقعات پر ریڈیو فری یورپ اور ریڈیو لبرٹی کے براہِ راست اثرات کو تو زیر بحث لایا جاسکتا ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ کمیونسٹ ممالک ان اسٹیشنوں سے بہت پریشان تھے۔ان ریڈیو اسٹیشنوں کو جام کرنے کی انتہائی کوششیں کی گئیں اور 1950ء کے آخر میں کمیونسٹ جاسوس سرگرمی سے اس کوشش میں مصروف رہے کہ ان اسٹیشنوں کی کارکردگی کو نقصان پہنچایا جائے۔انہوں نے ریڈیو سٹاف سے مل کر بھی یہ مقصد حاصل کرنے کی کوشش کی۔کئی دفعہ وہ کامیاب بھی ہوئے۔حتیٰ کہ 1960ء کے وسط میں سی۔آئی۔اے کے ہیڈ کوارٹر کا یہ خیال تھا کہ ان دونوں جگہوں میں کمیونسٹوں کے ایجنٹ گھس گئے ہیں اور میونخ سے تجزیہ کی جو رپورٹیں آرہی ہیں وہ ان جھوٹی معلومات کی بنیاد پر مہیا کی جارہی ہیں جنہیں کہ مخالف ایجنٹ پھیلا رہے ہیں۔



انہی دنوں سی۔آئی۔اے کے بہت سے افسر یہ سوچنے لگے کہ ریڈیو لبرٹی اور ریڈیو فری یورپ اپنی افادیت کھو چکے ہیں اسٹیشنوں کے موافقین کو بجٹ کے وقت اپنے سالانہ اخراجات کا جواز پیش کرنے کے سلسلے میں مشکلات بڑھ رہی تھیں۔مشرقی یورپ کی حکومت کی دلچسپیاں بھی ان اسٹیشنوں سے کم ہوتی جارہی تھیں اور جام کرنے کی کوششیں بھی خاصی کم پڑ گئیں۔

ایجنسی نے کئی دفعہ اندرونی طور پر رڈیو لبرٹی اور ریڈیو فری یورپ کی افادیت کو جانچا اور ہر دفعہ نتیجہ یہی رہا کہ سی۔آئی۔اے کا یہ خرچہ بند کر دیا جائے لیکن ہر دفعہ معاملات کی جانچ پڑتال کرنے کے بعد کچھ ایسے پرانے لوگ جو کہ شروع سے ایجنسی سے وابستہ رہے ہیں ریڈیو کو برقرار رکھنے کے حق میں کچھ نئے اور مبہم دلائل دیتے ان کارکنوں کو ریڈیو فری یورپ اور ریڈیو لبرٹی سے شدید جذباتی لگاؤ تھا۔

اسٹیشنوں کی موافقت میں نیٹو کے سابق چیف لوئس کلے، سی۔بی۔ایس کے صدر فرینک سٹانٹن اور جنرل موٹرز کے صدر جیمس ارش جیسے بااثر اشخاص تھے جو کہ ریڈیو کے بورڈز آف ڈائریکٹرز میں رہ چکے تھے۔یہ سب لوگ سی۔آئی۔اے کے پلاننگ پروگرامنگ اور بجٹنگ کی معاندانہ کوششوں کا جواب تھے علاوہ ازیں سی۔آئی۔اے کے اعلیٰ منتظمین بھی ان اسٹیشنوں کو بند کرنے سے اس وجہ سے ہچکچاتے تھے کہ تیس سے پینتیس ملین ڈالر کا یہ خرچہ بند بھی کر دیا گیا تو بھی یہ رقم سی۔آئی۔اے سے بچائی نہ جاسکے گی۔

1960ء تک دونوں اسٹیشنوں کو فنڈز مہیا ہوتے رہے باوجود کہ ان اسٹیشنوں کے سی۔آئی۔اے سے مالی امداد پانے کا قصہ کافی پھیل چکا تھا اور 1967ء میں نیشنل سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن میں سی۔آئی۔اے کے عمل دخل کے اسکینڈل کے بعد صدر جانسن کی خاص کمیٹی جسے Katzenoach کمیٹی کہا جاتا

ہے نے سفارش کی کہ سی۔آئی۔اے کو اس بات کی اجازت نہیں ہونی چاہئے کہ وہ قوم کی کسی تعلیمی یا پرائیویٹ والینٹری آرگنائزیشن کو مالی امداد مہیا کرے۔

اس کے باوجود سی۔آئی۔اے نے وائٹ ہاؤس کی اجازت سے ریڈیو فری یورپ اور ریڈیو لبرٹی کی مالی امداد جاری رکھی اور یہ سلسلہ نتائج کے حصول تک چلتا رہا۔



سی۔آئی۔اے کے ملازمین سخت حفاظتی اقدامات کے عادی ہو گئے ہیں اور ان کی خلاف ورزی کرتے ہوئے وہ بہت ہی کم گرفت میں آتے ہیں اس سے زیادہ فطری بات اور کیا ہوگی کہ ایک ایسی ٹیلی فون بک سے کام لیا جائے جس پر لکھا ہو کہ یہ خفیہ استعمال کے لئے ہے۔ یہ ایک ایسی ٹیلی فون بک ہوتی ہے جسے جان بوجھ کر نامکمل رکھا جاتا ہے اس میں خفیہ سروسز میں کام کرنے والے کسی آدمی کا نام نہیں ہوتا اور شش ماہی میں اس میں سے وہ نام بھی حذف کر لئے جاتے ہیں جن کی ڈائریکٹوریٹ میں غیر پوشیدہ ملازمت ہوتی ہے۔ پس اگر وہ کتاب کسی ایسے ہاتھ میں پہنچ جائے جو اس کو رکھنے کا مجاز نہ ہو تو کوئی مہم جو غیر ملکی ایجنٹ یہ نہیں جان سکے گا کہ سی۔آئی۔اے کے ہیڈ کوارٹر میں کتنے آدمی کام کر رہے ہیں۔

جن کے نام عارضی طور پر اس فہرست میں شامل نہیں کئے جاتے ان کے نام اگلے ایڈیشن کی ڈائریکٹری میں آجاتے ہیں۔ اس وقت ٹیلی فون کی قید سے آزادی دلانے کے لئے اوروں کے نام چنے جاتے ہیں اس انتشار میں مزید اضافہ اس حقیقت سے ہو جاتا ہے کہ ایجنسی کے بہت سے فون نمبر بھی حفاظتی اقدامات کے طور پر برابر بدلتے رہتے ہیں۔ بہت سے ملازمین عام استعمال میں آنے والے ٹیلی فون



نمبروں کے کچھ نشان رکھ لیتے ہیں وہ نمبر وہ اپنی میز کی ذاتی ڈائریکٹری میں نوٹ کر لیتے ہیں۔ اس لئے ان کو اور زیادہ محتاط رہنا پڑتا ہے۔ اور شام کو دفتر چھوڑنے سے پہلے ان کو لوہے کی الماری میں مقفل کر کے جانا ہوتا ہے بصورت دیگر انہیں حفاظتی قواعد کی خلاف ورزی کی وجہ سے جوابدہ ہونا پڑتا ہے۔

پہلی خلاف ورزی کی صورت میں ملازم کو تحریری تنبیہ کی جاتی ہے اور کئی ہفتوں تک اس کے دفتر میں اس کی حفاظتی نگرانی کی جاتی ہے خواہ ملازم مرد ہو یا عورت۔ بار بار خلاف ورزیوں کی صورت میں بغیر تنخواہ کے اس کو دفتر سے کئی ہفتوں کے لئے علیحدہ کر دیا جاتا ہے یا پھر نوکری سے برخاست کر دیا جاتا ہے۔

ٹیلی فون ڈائریکٹریوں کے علاوہ دوسرا خاص قسم کا سامان جس میں ٹائپ رائٹر مشین کے ربن اور ردی کاغذ بھی شامل ہیں چھٹی کے بعد اور ان دنوں میں جب دفتر بند ہو لوہے کی الماریوں میں بند کر دیا جاتا ہے۔ حفاظتی گارڈ رات کو اور ہفتے کو چھٹی والے دن تقریباً ہر آدھے آدھے گھنٹے بعد ساری ایجنسی کی پڑتال کرتے رہتے ہیں اور دیکھتے رہتے ہیں کہ کوئی خفیہ دستاویز باہر تو نہیں رہ گئی، کسی الماری کا تالہ تو کھلا نہیں رہ گیا اور یہ کہ کوئی جاسوس ہال میں چھپا ہوا تو نہیں۔

اگر کوئی گارڈ یہ دیکھتا ہے کہ وہ چیزیں جن کو کہ بند ہونا چاہئے غیر محفوظ حالت میں رکھی ہیں تو اس صورت میں وہ آدمی جو ان چیزوں کو حفاظت سے بند کر کے نہ گیا اور دفتر کے اندر کا وہ آدمی جس کی ذمہ داری یہ تھی کہ دفتر کی عمارت میں ڈبل پڑتال کرے دونوں آدمیوں کی فائلوں میں سزا کے طور پر تحریر کر دیا جاتا ہے کہ انہوں نے حفاظتی قواعد کی خلاف ورزی کی ہے۔

یہ حفاظتی اقدامات ہیڈ کوارٹر کی بلڈنگ کے اندر کئے جاتے ہیں جس کے باہر چاروں طرف بارہ فٹ اونچا خاردار تاروں کا جنگلہ لگا ہوا ہے وہاں مسلح سپاہی اور

پولیس کے کتوں کا پہرہ رہتا ہے اور اسے ایک خاص قسم کے نظام سے سربمہر کر دیا جاتا ہے جس سے کہ اس کی ضمانت ہو جاتی ہے کہ کوئی شخص اپنی صحیح شناخت کرائے بغیر نہ تو جنگلے کے اندر داخل ہو سکتا ہے اور نہ ہی اصل عمارت میں۔

سی۔آئی۔اے کے ہر ملازم کو ''بیج'' جاری کیا جاتا ہے جس پر اس کی تصویر بھی ہوتی ہے یہ نہ صرف اندر داخل ہوتے وقت گارڈ کو دکھلانے ہوتے ہیں بلکہ جب تک وہ شخص عمارت کے اندر رہے بیج اس طرح رکھنا ہوگا کہ برابر دکھائی دیتا رہے۔ بیج کے کناروں پر بیس یا کچھ زیادہ چھوٹے چھوٹے سے بکس لگے ہوتے ہیں جن میں سے بعض میں سرخ رنگ کے حروف اور بعض خالی ہوتے ہیں۔ ہر لفظ حفاظت کا ایک خاص مفہوم رکھتا ہے جس کا تعلق اس آدمی سے ہوتا ہے جس کے پاس وہ شناختی بیج ہوتا ہے۔

سی۔آئی۔اے کے بعض دفاتر ایسے ہیں کہ وہاں داخلہ پر پابندی ہے۔ اور صرف وہ آدمی جن کے پاس داخلہ کی خصوصی اجازت ان کے بیج پر کندہ ہے اس کے اندر جا سکتے ہیں۔ ان حصوں کی نگرانی ایجنسی کا پولیس والا کرتا ہے جو کہ شیشے کے ایک پنجرے میں بیٹھا ہوتا ہے جہاں سے کہ وہ ایک گھومنے والے فریم کو کنٹرول کر رہا ہوتا ہے جس میں سے بیک وقت صرف ایک ہی آدمی گزر سکتا ہے اور وہ اس آدمی کو گزرنے نہیں دیتا جس کے پاس اجازت نامہ نہ ہو وہ دفاتر جہاں خاص رازداری کی ضرورت ہوتی ہے ان کی حفاظت کے لئے گھومنے والے فریم کے ساتھ ایک چھپا ہوا تالہ بھی لگایا جاتا ہے جو کہ کسی کا بیج اچھی طرح چیک کرنے کے بعد اس کے ہاتھ کا نقش لے کر ہی کھلتا ہے۔

سی۔آئی۔اے کے ہیڈ کوارٹر میں ایک صفائی کرنے والی عورت کو بھی حفاظتی پاس حاصل کرنا ضروری ہے تاکہ وہ اپنے آپ کو بیج حاصل کرنے کا اہل بنا سکے



اور اسے بھی ہر وقت وہ بیج لگانا ہوتا ہے۔ جب وہ دفتروں میں صفائی کا کام کر رہی ہوتو ایک مسلح گارڈ اس کے ہمراہ رہتی ہے جہاں پر کہ تمام ضروری سامان عام طور پر پہلے ہی مقفل ہوتا ہے ایجنسی کے بعض کمرے اتنے خفیہ ہوتے ہیں کہ صفائی والی عورت اور گارڈ دونوں ہی کی نگرانی ایک تیسرا شخص کرتا ہے جو کہ خود اس دفتر کا ملازم ہوتا ہے شارٹ سرکٹ کیمروں کا نظام اس کے سوا ہے۔

ایک گہری رازداری ہے جو کہ ہر جگہ پھیلی ہوئی ہے ایجنسی کے بلیٹن بورڈ پر قابل فروخت اشیاء کے جو کارڈ لگائے جاتے ہیں ان پر لکھا ہوتا ہے "Call biil extension 6464" سی۔آئی۔اے کے خفیہ ملازمین نہ ہی عام ملازمین کو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ اپنے سابقہ نام کسی کو بتائیں جس سے کہ ان کے کالبوں کا اتہ پتا معلوم ہو جائے۔ صرف 1973ء میں ملازمین کو اس بات کی اجازت دی گئی کہ ٹیلی فون پر وہ کسی کو جواب دے سکتے ہیں مگر چار عددوں کا Extentsion No نہیں بتا سکتے۔

سی۔آئی۔اے کے ملازمین کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو ایجنسی کا ملازم ظاہر نہ کریں بلکہ اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ یا محکمہ دفاع یا کسی دوسرے محکمہ کا بتائیں اب تجزیہ کاروں اور ہنرمندوں کو اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ وہ یہ بتا سکتے ہیں کہ وہ ایجنسی کے لئے کام کر رہے ہیں اگرچہ انہیں اپنا خاص دفتر بتانے کی اجازت نہیں ہے۔

خفیہ سروسز کے آدمیوں کی واشنگٹن کے لعاقہ میں آسانی سے نشاندہی ہو سکتی ہے کیونکہ وہ عام طور پر اپنے آپ کو اسٹیٹ یا دفاع کا ملازم ظاہر کرتے ہیں لیکن اگر ان سے ان دفاتر کی تفصیلات پر کوئی بات کی جائے تو وہ انتہائی ناموزوں جواب دیتے ہیں اور اس قابل نہیں ہوتے کہ اپنے دفتر کا صحیح ایڈریس بتائیں کبھی کبھی فون نمبر دے دیتے

ہیں جس کی ان کی خفیہ تنظیم کے ایکسچینج کے صحیح نمبر سے مطابقت ہو جاتی ہے۔لیکن یہ Extentsion تاروں کے کسی ہوشیار نظام سے ’’ملینگلے‘‘ Lengly سے مل جاتے ہیں۔



# کے۔جی۔بی
# (K-G-B)

# کے۔جی۔بی

# (K-G-B)

روس کی خفیہ تنظیم کے۔جی۔بی طویل عرصہ تک دُنیا کے لئے خوف ودہشت کی علامت بنی رہی اور اس بات سے انکار ممکن نہیں کہ جب تک کے۔جی۔بی متحرک اور فعال تھی اِس نے دُنیا میں ہر جگہ امریکی جاسوسی تنظیم سی آئی اے کا مقابلہ کیا اور بیشتر مقامات پر اسے چاروں شانے چت بھی کیا ہے۔''کے۔جی۔بی'' روسی زبان کے ان الفاظ کا مخفف بنتا ہے۔

"Komitet Gosuuourstvennay Bezoposnest"

روسی زبان میں اس کا مطلب ہے''ریاست کو تحفظ فراہم کرنے والا ادارہ'' روس میں کمیونسٹ پارٹی کے قیام کے ساتھ ہی ایسے شعبے قائم ہو گئے تھے، جو فوج کے ماتحت تھے لیکن ان کا واسطہ زیادہ تر سویلین ہی سے ہوتا تھا۔ کے۔جی۔بی بھی ان میں سے ایک اہم شعبہ تھا جس کا سربراہ فل سٹار جنرل ہوتا تھا اور جو براہِ راست روس کے حکمران جماعت کے ماتحت تھا۔ اس کے علاوہ وہ کسی کو بھی جوابدہ نہیں تھا۔ بنیادی طور پر اس ادارے کے قیام کا مقصد روس کی اندرونی حفاظت اور بیرونی تحفظ تھا۔ اور اس کا دائرہ کار ساری دُنیا کے ممالک تھے۔ گو کہ روس میں ملٹری انٹیلی جنس کے لئے علیحدہ

محکمہ ''چیکا'' قائم ہے جس کا ذکر آگے آئے گا۔

کے۔ جی۔ بی اپنے قیام کے ساتھ ہی خصوصی اہمیت اختیار کر گئی۔ اسے براہِ راست سٹالین کی طرف سے احکامات موصول ہوتے اور جوابدہی ہوتی تھی۔ دوسری جنگِ عظیم کے دوران میں ان خصوصی شعبوں نے جرمنوں کے خلاف اہم معلومات حاصل کیں مثلاً کے۔ جی۔ بی (K.G.B) کے ڈپٹی چیئرمین جنرل جی۔ کے سِھانوف کے مطابق دوسری جنگِ عظیم کے دوران جاسوسوں نے دُشمنوں کے منصوبوں سے تعلق رکھنے والی چار ہزار سے زائد معلومات فراہم کیں۔ ان میں سے پندرہ سو کے قریب جنرل سٹاف کو دے دی گئیں چھ سے زائد ائیر کمانڈر کو فراہم کی گئیں اور چار سو سے زائد معلومات محاذوں پر کمانڈروں اور ملٹری کونسلر کو دی گئیں۔ ان جاسوسوں کا ریڈ آرمی جنرل سٹاف سے قریبی رابطہ تھا۔ **1941**ء سے **1943**ء تک روسی ایجنٹوں نے جرمن سیکرٹ ایجنٹس کے اسّی (80) ریڈیو سٹیشنوں پر قبضہ کر لیا پھر ان کے ذریعے غلط اور گمراہ کن معلومات نشر کیں۔ روسی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہٹلر کو اگر جلدی شکست ہوگئی تو اس میں ان ریڈیو سٹیشنوں کا بنیادی ہاتھ ہوتا تھا جنہوں نے جرمنوں کو غلط معلومات فراہم کیں۔

جنگِ عظیم دوم کے بعد کے۔ جی۔ بی (K.G.B) اور اس کے ذیلی ادارے اتنے طاقتور اور بااثر ہوگئے تھے کہ خود فوجی جرنیلوں نے حفاظتی دستوں کو اقتدارِ اعلیٰ کی رسہ کشی کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا۔ اسی رسہ کشی کا ایک واقعہ **1952**ء میں دیکھنے میں آیا۔ جب روسی جنرل بیریا نے دوسری انفنٹری ڈویژن کو بھیجی اور تمام طاقت کو اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کی۔ اسی دوران اس نے فوجی ڈسٹرکٹ کے فوجی دستے فوجی مشقوں کے لئے بائیلو رشیا بھیج دیئے۔ اس نے غلطی یہ کی کہ اپنے فوجی دستے ہیڈ کوارٹر میں روانہ کر دیئے اس دوران دپولٹ بیورو کو اس کے ارادے کی خبر ہوگئی اور خروشیف اور بدگامین وغیرہ نے **1952**ء میں بیریا کو گرفتار کر



لیا۔ چھ ماہ بعد اسے سزائے موت دے دی گئی۔ روس کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ جب کمیونسٹ پارٹی نے سیکورٹی دستوں کے خلاف فوج استعمال کی لیکن بعد ازاں بھی یہ رسہ کشی جاری رہی۔ غالباً اسی نوعیت کا ایک اور واقعہ **1967**ء میں رونما ہوا۔ جب پیرم سویٹ نے کانتی میروسکائے آرمڈ ڈویژن کے لئے ایک خصوصی انعام کا اعلان کیا۔ لیکن بہادری اور کارنامے کی تفصیل نہیں بتائی۔ اس اعلان کے فوراً بعد یہ خبر اچانک شائع ہوئی کہ کے۔ جی۔ بی (K.G.B) کے دو جنرل بھی شامل تھے۔ ایک تھرڈ ڈائریکٹوریٹ کا سربراہ تھا اور یہ ڈائریکٹوریٹ فوجی جاسوسوں کی جاسوسی کرتا تھا۔ ماہرین کا خیال تھا کہ فوجی آرمڈ ڈویژن کو ایک بار پھر کے۔ جی۔ بی (K.G.B) کے خلاف استعمال کیا گیا لیکن کہا جاتا ہے کہ کے۔ جی۔ بی کو پھر بھی پارٹی لیڈرشپ کا بھرپور اعتماد حاصل رہا۔ دوسری جنگِ عظیم کے اختتام تک صورتِ حال یہ تھی کہ کے۔ جی۔ بی اور اس کے ذیلی ادارے داخلی سالمیت کے لئے وقف تھے لیکن جب جرمنی کو شکست ہوگئی اور روسی اقتدار کے سائے وسطی یورپ میں پھیلنے لگے تو کے۔ جی۔ بی کا دائرہ وسیع ہوگیا۔ روس کے جاسوس اور ایجنٹ تمام دُنیا میں پھیل گئے انہیں اجازت تھی کہ وہ اپنے مقاصد کے حصول کے لئے مخالفوں کو اغواء اور قتل بھی کر سکتے ہیں۔

کے۔ جی۔ بی کی سرگرمیاں خاص طور پر اس وقت تیز ہوگئیں جب **1980**ء میں روس امریکہ کا ہم پلہ ہوگیا اور ایک سپر پاور کے طور پر اُبھرا۔ اس وقت روس کی جاسوسی تنظیم کے۔ جی۔ بی بنیادی طور پر ملک کی سالمیت اور تحفظ کی ذمہ دار ہے اور کمیٹی آف سٹیٹ سیکورٹی کے نام سے موسوم ہے۔ متعدد فوجی اور نیم فوجی تنظیمیں اس کے ماتحت کام کرتی ہیں۔ کے۔ جی۔ بی کو اپنے فوجی اور سیاسی مقاصد کی تکمیل کے لئے کئی افواج کی امداد حاصل ہے اس کی تفصیل یہ ہے:

کے۔ جی۔ بی کے اپنے فوجی دستے جو سرحدوں پر تعینات تھے، تیرہ لاکھ جوانوں پر مشتمل ہے اور ٹینکوں، خودکار مشینوں، ہوائی جہاز اور بحری جہازوں سے

پوری طرح لیس یہ دستے براہِ راست کے۔جی۔بی ہیڈ کوارٹر کے سامنے جوابدہ ہیں اور وزارتِ دفاع اور اس کے جنرل سٹاف سے اس کا کوئی واسطہ یا تعلق نہیں ہے۔ انہیں براہِ راست ہیڈ کوارٹر سے احکامات ملتے ہیں اور ان کا کام چھاپہ ماروں اور باغیوں سے لڑنا سرحدی آبادی میں غداری اور مخالفوں کا سراغ لگانا، مفتوح علاقوں میں پارٹی کنٹرول کرنا اور کیمونزم کے مخالف عناصر کا قلع قمع کرنا تھا۔ ان دستوں کو داخلی سالمیت کے جوانوں کی امداد بھی حاصل ہوتی ہے۔ یہ دستے سرحدوں پر نقل و حرکت پر کڑی نگرانی کرتے ہیں۔ 1968ء کے بعد چین کی سرحد پر جو جھڑپیں ہوئیں ان میں کے۔جی۔بی کے انہی دستوں نے حصہ لیا۔ انہی دستوں کے مشیر پہلے ویت نام کی جنگ میں ہنوئی میں مقیم تھے۔

روس نے جن علاقوں اور ملکوں کو اپنی فوجیں خواہ کسی بھی بہانے داخل کیں وہاں کے۔جی۔بی نے کیمونزم کی ترویج، تعلیمی پالیسی کا کنٹرول، کیمونزم کے مخالفین کا خاتمہ کرنے کے لئے وہاں کے لوگوں میں پہلے آپس میں مخالفت پیدا کی، شوہر کو بیوی کی اور بیوی کو شوہر، بچوں کو والدین کی جاسوسی پر مقرر کیا۔ افسر کو ماتحت اور ماتحت کو افسر کی جاسوسی پر مقرر کیا۔

اس طرح وہاں کے لوگوں کو اتنا خائف کیا کہ وہ کیمونسٹ پارٹی کے خلاف زبان کھولنے سے ڈرتے ہیں اپنے عزیز ترین دوستوں کے سامنے بھی زبان کھولنے کی جرأت نہیں ہوئی کہ مبادہ وہ جاسوس نہ ہوں۔ پولینڈ، ہنگری، چکوسلواکیا، مشرقی جرمنی، روسی ترکستان میں یہی کچھ ہوا۔ افغانستان میں یہی کچھ کیا گیا تھا۔

روس دوسرے ملکوں میں زیرِ زمین تحریکوں کو مالی امداد دیتا رہا، انہیں مختلف نوع کی کارروائیاں کرنے کی ترغیب دیتا۔ یہ سب کچھ کے۔جی۔بی اور اس کے ذیلی ادارے کرتے تھے۔ وہاں حکومتوں کا تختہ اُلٹ دیا جاتا اپنے حواریوں اور بہی خواہوں کو سرخ جنت کے خواب دکھائے جاتے۔ کے۔جی۔بی (K.G.B) کا ہیڈ کوارٹر



کریملین (ماسکو) میں زرشنسکی سکوائر سے صرف چند گز کے فاصلے پر واقع عمارتوں کے اندر قائم ہے۔ اس کے گردونواح میں بالشوئی تھیٹر واقع ہے اور یہیں سے ریڈ سکوئر کو سڑک جاتی ہے۔

کے۔جی۔بی نے روس کے اندر ہی نہیں روس کے باہر بھی جاسوسی کا ایک جال بچھا رکھا ہے۔ مختلف لوگوں کے بارے میں معلومات جمع کی جاتی تھیں۔ کے۔جی۔بی کو یہ اختیار حاصل تھا کہ وہ کسی بھی شخص کو ملازمت، یونیورسٹی میں داخلے اور ملک سے باہر جانے کے لئے نااہل قرار دے سکتی تھی، شہریوں کے کیمپ اور ذہنی شفاخانے اس کی نگرانی میں چلتے تھے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ کے۔جی۔بی کے سینٹر کے قریب ہی لوبیانکا قید خانہ ہے جہاں حکومت کے متعدد مخالفین کو موت کی سزا دی گئی۔ کے۔جی۔بی کو جدید خطوط پر استوار کرنے میں یوری اندروپوف نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ انہوں نے 1968ء میں اس تنظیم میں شمولیت اختیار کی اور 1983ء میں لاورنٹی بیریا جب حکمران ”پولٹ بیورو“ میں شامل ہوئے تو اس تنظیم کی سربراہی انہیں سونپی گئی۔ ان کی عمر ساٹھ سال تھی۔ 1956ء میں ہنگری میں سفیر روسی سربراہ برژنیف کی اعتمادی دوست تھی اور روسی سربراہ دُنیا بھر میں جو کارروائیاں انتہائی خفیہ طور پر انجام دینا چاہتے ہیں اس کے لئے اندروپوف کو ہی ہدایت دیتی تھی۔

کے۔جی۔بی (K.G.B) صرف زمین پر ہی جاسوسی کارروائیوں میں مصروف نہیں بلکہ فضائی وسعتوں (خلا) میں بھی اس کے جاسوس سیارے محوِ گردش رہتے ہیں۔ یہ سیارے کمپیوٹر کے ذریعے کام کرتے اور زمین پر دُشمن کے فوجی اڈوں کی رپورٹ اور تصاویر بھیجتے تھے۔ جدید ترین نظام کے باعث خلا میں مخالف ملکوں کو سیاروں کو تباہ کرنے کی اہلیت بھی رکھتے تھے۔ ان سیٹلائیٹس کی کارروائیوں کو دُنیا کی نظروں سے خفیہ رکھنے کے لئے جدید ترین بندوبست کیے گئے تھے اور اس میں کے۔

جی۔بی کامیاب بھی رہی لیکن کبھی کبھی انسانی غلطی سے زیادہ مکافات عمل کی وجہ سے کوئی ایسا حادثہ ہو جاتا جس سے یہ بھید کھل جاتا۔ایسا ہی ایک حادثہ فروری 1988ء کو پیش آیا جب روس کا ایک ”کاسموس ایم-95“ نامی جاسوسی سیارہ فضا میں پھٹ کر تباہ ہو گیا۔اس میں ایٹمی توانائی کا ایک چھوٹا ساری ایکٹر بھی نصب تھا۔اُنیس فٹ لمبا اور پانچ فٹ وزنی یہ سیارہ زمین سے ڈیڑھ سو میل کی بلندی پر گردش کرتا تھا جو کشش ثقل میں کچھ خرابی آنے کی وجہ سے کرہ ہوائی میں داخل ہونے کے بعد تباہ ہو گیا اور ایک امریکی سیٹلائیٹ نے اس کی تباہی نوٹ کر لی جس کے بعد سے روسی حکام بہت محتاط ہو گئے۔

کے۔جی۔بی کو گسٹاپو کی طرح لامحدود اختیارات حاصل تھے۔کیونکہ لینن کے نظریہ حکومت کی بنیاد اس کے یہ الفاظ ہیں کہ ”حکومت کو لامحدود طاقت حاصل ہونی چاہئے اور وہ ملکی قوانین کی زد میں آنے کے باوجود جوابدہی اور احتساب سے بالاتر سمجھی جائے۔“

اس کی بھی شکل ہمیں کے۔جی۔بی میں دکھائی پڑتی ہے جس کا بجٹ لامحدود اختیارات کا حامل اور خفیہ تھا اور حکومتی کاغذات میں بھی اس کا اندراج نہیں ہوتا تھا۔

روسی سفارت خانوں کے عملے اور روسی جاسوسوں کی تعداد نوے لاکھ تھی جن کے ذریعے روس دُنیا کے بیشتر ممالک میں ہڑتالیں، مظاہرے اور قتل و غارت کرتا تھا۔ تیسری دُنیا کے کئی ممالک میں تو روسی سفارتخانے کا اسی فیصد عملہ خالصتاً کے۔جی۔بی کے آدمیوں پر مشتمل ہوتا۔روسی نظام سے نظریاتی اختلاف رکھنے والے شہریوں کو اس خفیہ تنظیم نے لاکھوں کے حساب سے پر اسرار طور پر موت کے گھاٹ اُتارا۔مرنے والے تو تکلیف سے چھوٹ گئے اگر آپ یہ اندازہ لگانا چاہیں کہ کے۔جی۔بی کے خوف سے سہمے ہوئے عوام کی روس میں کتنی تعداد تھی تو آپ کو روس کی ساری آبادی کا شمار کرنا پڑے گا۔روسی سفیر بذاتِ خود کے۔جی۔بی کے آفیسر ہوتے۔پال کرنٹو جسے



1981ء میں انڈونیشیا میں سفیر مقرر کیا گیا کے۔جی۔بی کا ایک ماہر جوسوس تھا۔ برطانیہ نے اسے جاسوسی اور خفیہ سرگرمیوں کے الزام میں 1952ء میں ملک سے نکال دیا۔اس سے کچھ عرصہ بعد اس نے یوگوسلاویہ میں کے۔جی۔بی کی ایک خفیہ کارروائی کی نگرانی کرتے ہوئے مارشل ٹیٹو کے دفتر کی دیواروں میں خفیہ ٹرانسمیٹر نصب کروائے۔کولمبیا میں روسی سفیر مقرر ہونے سے پہلے نیکولائی ینلوس ارجنٹائن میں ایک جھگڑا کھڑا کر دیا جس میں بیس گاڑیوں کو آگ لگائی گئی اور نتیجتاً اسے ارجنٹائن سے نکال دیا گیا۔پیٹر گکو جسے دسمبر 1952ء میں مراکش میں روسی سفیر نامزد کیا گیا۔ 1946ء سے کے۔جی۔بی کا ممبر تھا۔اس نے دُنیا میں بیس مختلف مقامات پر دہشت پسندوں سے ساز باز کی۔1982ء میں افغانستان میں سفیر تھا لیکن ستمبر 1983ء میں اسے اس لئے کابل سے خیر باد کہنا پڑا کہ اس نے ایک ممتاز افغان صحافی کو (جو کمیونزم کا مخالف تھا) تعارف کروادیا تھا۔

روسی سفارت خانوں میں کے۔جی۔بی عملے کی اتنی بھرمار تھی کہ عام حکمت عملی کے پیش نظر سفارتی مقاصد کے لئے اس تعداد کا کوئی جواز نہیں۔1981ء میں ماسکو میں میکسیکو کے سفارتخانے میں صرف پانچ آدمی تھے لیکن میکسیکو میں سفارت خانے میں روس کے ساٹھ (60) آدمی تھے ماسکو میں امریکی سفارت خانے میں ایک سو آٹھ (108) امریکی تھے۔جب کہ واشنگٹن میں روسی سفارت خانے میں دوسو (200) آدمی تھے۔ماسکو میں لبنان جیسے چھوٹے ملک کے سفارت خانے میں دو لبنانی نمائندے تھے جبکہ عین اسی وقت بیروت میں روسی سفارت خانے میں پچیس آدمی تھے جبکہ ناروے میں روسی سفارت خانے میں 25 آدمی تھے۔روس میں مغربی جرمنی کے سفارت خانے میں صرف 20 جرمنوں کا عملہ تھا جبکہ جرمنی میں روس کے سفارت خانے میں 150 روسی کام کر رہے تھے۔اعداد و شمار کے۔جی۔بی کی سرگرمیوں کی منہ بولتی تصویر ہیں۔جس چھوٹے ملک کے محض دو سفارتی نمائندے

روس میں ہیں اس میں روس کو اپنے 25 نمائندے بھیجنے کی کیا ضرورت ہے؟ روسی نمائندے کا یہی تنازعہ اقوامِ متحدہ میں بھی تھا۔ کے۔جی۔بی نے اقوامِ متحدہ اور مختلف بین الاقوامی تنظیموں کو بھی اپنا جاسوسی ہدف بنایا تھا۔

اس سلسلہ میں نہایت دلچسپ بات یہ ہے کہ کے۔جی۔بی دُنیا کے بیشتر ممالک میں ایسے لوگوں پر بیس بیس سال تک نظر رکھتی تھی جن میں ترقی کی صلاحیتیں ہوتیں ان سے شروع ہی سے تعلقات پیدا کرتی۔ انہیں گانٹھتی اور جب وہ کوئی ممتاز مقام حاصل کر لیتے تو ان سے فائدہ اُٹھاتی۔ یسووسکی نے اس وقت اوتھان سے تعلقات بڑھانے شروع کئے جب اوتھان برما میں وزیر اطلاعات تھا یہ 1950ء کی بات ہے اور اقوامِ متحدہ کے سیکرٹری جنرل کا عہدہ انہیں 1961ء میں ملا۔ یسووسکی اس وقت رنگون میں روسی سفارت خانے میں متعین تھا اور اس نے اوتھان سے اپنی دوستی اتنی بڑھائی کہ لیسووسکی کی بچی کا برمی زبان میں نام رکھا۔ اس کے بعد لیسووسکی بنکاک چلا گیا جہاں سے اس نے 1950ء میں ایک انڈونیشی سرکاری افسر کو کے۔جی۔بی کا ایجنٹ بنایا۔ پھر وہ ماسکو چلا گیا اور وہاں سے اقوامِ متحدہ میں منتقل ہو گیا۔

دستور یہ ہے کہ اقوامِ متحدہ کے سیکرٹری جنرل کے عملے میں امریکہ، روس، برطانیہ، فرانس اور چین کا ایک ایک فرد لازمی ہونا چاہئے۔ جب اوتھان 1961ء میں اقوامِ متحدہ کے سیکرٹری جنرل مقرر ہوئے تو وہاں کے سیکرٹریٹ میں وہ صرف ایک ہی روسی کو ذاتی طور پر جانتے تھے اور وہ تھا لیسووسکی۔ چنانچہ اوتھان نے اسے ہی اپنا پرسنل اسسٹنٹ بنا لیا۔ ویسے اوتھان کو اس بات پر افسوس یا ندامت نہیں تھی کیونکہ انہیں کبھی کسی نے خبردار نہ کیا تھا کہ لیسووسکی کے۔جی۔بی (K.G.B) کا ایجنٹ ہے اور اگرچہ اوتھان کا بیان ہے کہ لیسووسکی کبھی میری کسی پالیسی یا اقدام پر اثر انداز نہیں ہوا اور نہ ہی میں نے اس کے مشورے پر عمل کیا لیکن سیکرٹری جنرل پر اثر انداز ہوئے بغیر وہ 1983ء (جب تک وہ نیویارک میں رہا) کے۔جی۔بی کو انتہائی مصدقہ خبریں



قبل از وقت پہنچاتا رہا۔ اقوامِ متحدہ کے سیکرٹریٹ کی اندرونی کارکردگی کی کوئی بات کے۔جی۔بی سے پوشیدہ نہیں رہتی تھی اس اعلیٰ حیثیت میں وہ ہر اس غیر ملکی سفارتی نمائندے سے کھلے بندوں ملتا تھا جس میں کے۔جی۔بی کو ذرا بھی دلچسپی ہوتی تھی اقوامِ متحدہ کے پردہ میں اس نے کے۔جی۔بی کے لئے تمام امریکی یونیورسٹیوں کا دورہ کیا تاکہ کام کے طلبہ ہاتھ آسکیں۔

کے۔جی۔بی نے بیرون روس اپنے جاسوسی جال کے علاوہ روس کے اندر مختلف قسم کے جال پھیلا رکھے ہیں خود روسیوں کو دبانے اور تنگ کرنے کے علاوہ کے۔جی۔بی کا یہ بھی کام تھا کہ وہ باہر سے آئے ہوئے غیر ملکی لوگوں کو تنگ کرتے اور انہیں اس بات پر مائل کرتے کہ وہ اپنے ملکوں میں واپس جا کر کے۔جی۔بی کے لئے کام کریں اس کے لئے وہ جلدی میں نہیں ہوتے بلکہ اس وقت تک انتظار کرتے جب ان لوگوں کو اپنے ملکوں میں سیاسی حالات سازگار ملیں اس طرح کے۔جی۔بی دوسرے ممالک میں روسی جاسوسوں کی جان خطرے میں ڈالے بغیر انہیں اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرتی رہی۔

دوسرے ملکوں کے سفارت خانے کے ساتھ کے۔جی۔بی کیا سلوک کرتی تھی اس کی ایک چھوٹی سی جھلک مندرجہ ذیل واقعے میں دیکھئے:

یہ 1969ء کی بات ہے بخارسٹ میں امریکی سفارت خانے میں ایک امریکی افسر حفاظتی اقدامات کی جانچ پڑتال کر رہا تھا اس مقصد کے لئے وہ ایک ریڈیو، مانیٹرنگ استعمال کر رہا تھا۔ ریڈیو میں دو آدمی واضح طور پر گفتگو کرتے ہوئے سنائی دیئے وہ بہت حیران ہوا جب اس نے ان دونوں میں سے ایک کی آواز پہچان لی یہ تو اسی سفارت خانے کے ایک آفیسر کی آواز تھی جو ساتھ والے کمرے میں بیٹھا کرتا تھا۔ سیکورٹی آفیسر بھاگ کر اس آفیسر کے کمرے میں گیا اور زبانی کچھ کہنے کی بجائے ایک کاغذ کے پرزے پر اسے جلدی میں لکھ کر دیا ''کمرے سے باہر آجاؤ'' باتیں کرتے

رہو لیکن ذرا محتاط رہو۔تمہاری آواز نشر ہو رہی ہے۔

سیکورٹی افسر کا خیال تھا کہ اس کمرے میں کوئی خصوصی ٹرانس میٹر لگا ہوا ہے لیکن جب وہ کمرے سے باہر آئے تو بھی اس افسر کی باتیں ریڈیو مانیٹر پر لگا تار سنائی دیتی رہیں اب سیکورٹی آفیسر کو خیال ہوا کہ ضرور ایک ٹرانس میٹر اس آفیسر کے لباس میں چھپایا گیا ہے اس نے اس کے لباس کی خوب تلاشی لی لیکن کچھ برآمد نہ ہوا۔البتہ اس کے کہے ہوئے فقرے ریڈیو ٹرانس میٹر میں باقاعدہ سنے جا رہے تھے۔آخر کار سیکورٹی آفیسر نے اسے اشارہ کیا کہ وہ اپنے جوتے اُتارے۔سیکورٹی آفیسر نے جوتے کی ایڑی اُکھاڑی، یہاں ٹرانس میٹر رکھا تھا۔

ہوا یوں تھا کہ چند روز پہلے اس جوتے کی مرمت کی ضرورت پیش آئی۔ سفارت خانے کا ملازم (جو روسی تھا اور کے۔جی۔بی کا ایجنٹ تھا) اس جوتے کو مرمت کروانے لے گیا۔مرمت ایسے ہوئی کہ ایڑی کو دوبارہ لگانے سے پہلے اسے بالکل کھوکھلا کر دیا گیا اور اس میں صرف پانچ تولے وزنی لیکن نہایت طاقتور ٹرانس میٹر نصب کر دیا۔ایک باریک سا سوراخ مائیکروفون کے لئے جگہ رکھا گیا اور ایک دوسرے باریک سے سوراخ میں ایک پن لگا دیا گیا اسے ذرا سا ہلانے سے وہ ملازم روزانہ رات کو ٹرانس میٹر بند کر دیتا اور صبح پھر چالو کر دیتا۔چنانچہ اس جوتے کو پہننے والے افسر کی ہر بات کے۔جی۔بی نے مانیٹر کی اور اگر سیکورٹی آفیسر اس ٹرانس میٹر کا انکشاف نہ کرتا تو خدا جانے اس کی ہر قسم کی گفتگو کب تک نشر ہوتی رہتی۔

ان کارروائیوں میں کے۔جی۔بی اکثر ایسی غلطیاں بھی کر جاتی ہے جو دُنیا کے لئے اور خود روس کے لئے انتہائی خطرناک ہوتی ہیں۔1961ء میں کے۔جی۔بی کے ایک ایسے ہی اقدام سے نہ صرف روس بگڑی ہوئی اقتصادی حالت کو بہتر بنانے کی جو کوشش خروشیف کر رہا تھا اس میں رکاوٹ بن گئی بلکہ خروشیف کو بھی وزارت عظمیٰ سے ہاتھ دھونے پڑے۔



خروشیف کو احساس ہوا کہ وہ ایک بڑے سیاسی بحران میں پھنسا ہوا ہے اور اس صورت سے بچ نکلنے کی ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ روس کی گرتی ہوئی اقتصادی حالت کو سنبھالا دینے کے لئے جرمنی کے ساتھ ایک تجارتی معاہدہ کیا جائے اس نے ذاتی طور پر کوششیں کیں اور پھر پبلک طور پر اپنے دورۂ جرمنی کا اعلان کر دیا۔

اتفاقاً عین اسی ہفتے ایک جرمنی ماہر ہورسٹ ماسکو میں جرمنی سفارت خانے کی چیکنگ کے لئے آیا۔اس کا کام جرمن سفارت خانے میں روس کی طرف سے نصب کئے گئے خفیہ ٹرانس میٹروں کا پتہ چلا کر انہیں اُکھاڑنا تھا تاکہ سفارت خانے کی باتیں باہر نہ جا سکیں اسے ایسے کئی خفیہ ٹرانس میٹر ملے۔انہیں اُکھاڑنے سے پہلے وہ ان میں اتنا زبردست بجلی کا جھٹکا دیتا کہ سننے والوں کو شدید تکلیف ہوتی۔یہ بات تو خیر قابل برداشت تھی لیکن کے۔جی۔بی اس وقت بوکھلا اُٹھی جب ہورسٹ نے سفارت خانے کی ایک پیغام رساں مشین کے ساتھ ایک برقی آلہ دریافت کیا جو کہ کے۔جی۔بی نے خفیہ طور پر وہاں لگوایا تھا۔یہ مشین اپنے ملکی دارالحکومت کو خفیہ زبان میں پیغامات بھیجتی تھی۔یہ مشین خودکار تھی اور پیغام کو خفیہ زبان میں منتقل کرنے سے پہلے ہی اُچک لیتا اور وہ کے۔جی۔بی کے ہاتھوں میں عام فہم جرمن زبان میں پہنچ جاتا۔صرف یہی نہیں بلکہ جب اس پیغام کا خفیہ زبان کے پیغام سے مقابلہ کیا جاتا تو اصل زبان کو خفیہ زبان میں منتقل کرنے کا جرمن طریقہ بھی روس کے ہاتھ آ گیا۔

چنانچہ اس مشین کے پکڑے جانے پر کے۔جی۔بی بہت ناراض تھی اور اس نے اس کا بدلہ لے لیا اگلے اتوار کو ہورسٹ ماسکو سے باہر ایک گرجا میں تھا کہ اسے اچانک اپنی ٹانگوں میں درد محسوس ہوا اور اس کی حالت غیر ہو گئی جرمنوں نے امریکی سفارت خانے سے رابطہ قائم کیا تو امریکی ڈاکٹروں نے بتایا کہ ہورسٹ کے جسم میں نائٹروجن گیس داخل کی گئی ہے جو اس کے جسم کے گوشت کو کھا رہی ہے۔ہورسٹ کو بچا تو لیا گیا لیکن یہ بیماری بہت طویل اور تکلیف دہ تھی جرمن گورنمنٹ کے غصے کی حد نہ

رہی اور انہوں نے اعلان کیا کہ خروشیف کو اس وقت تک جرمنی کے دورے کا دعوت نامہ نہ بھیجا جائے گا جب تک کہ ہورسٹ کا معاملہ صاف نہیں ہو جاتا۔ روس کی طرف سے 13 اکتوبر کو معذرت بھی کی گئی۔ لیکن اب دیر ہو چکی تھی کیونکہ عین اسی وقت روس کی حکمران پارٹی نے خروشیف کو برخاست کر دیا۔ آیا خروشیف کا دورۂ جرمنی اسے روس کی وزارت عظمیٰ پر فائز رہنے میں مدد دیتا یا نہیں۔ یہ ایک علیحدہ بات ہے لیکن کے۔جی۔بی کی بے موقع مداخلت نے ان تمام امکانات پر پانی پھیر دیا۔ جو روسی اقتصادی حالت کو بہتر بنانے کے لئے پیدا ہوئے تھے اس وقت روس کو جرمنی کے تجارتی تعاون کو شدید ضرورت تھی۔

روس کے حکمرانوں کا وہاں کے عوام کے متعلق کیا رویہ ہے ان سے کس قسم کی وفاداری کی توقع رکھتے ہیں اس کا اندازہ اس عزت واحترام سے ہوتا ہے جو وہاں کے ایک نوجوان پاوکٹ کو ملی۔ یہ نوجوان 1932ء میں چودہ سال کی عمر میں مارا گیا۔ روسی حکومت نے اس کی یاد میں اس کا ایک مجسمہ نصب کیا۔ ماسکو کی ایک سوشل عمارت کو اسی کا نام دیا گیا اور کمیونسٹ پارٹی کی ایک نوجوان تنظیم روسی نوجوانوں کو بتاتی کہ پاوکٹ کی زندگی روشنی کا ایک مینار تھی۔ ہر روسی شہری کو اس کے نقش قدم پر چلنا چاہئے اس نوجوان نے کیا کارنامہ انجام دیا تھا یہ بھی ملاحظہ فرمائیے۔

جب روس میں کروڑوں کسانوں سے زمینیں چھین کر اجتماعی کاشت کاری کا نظام رائج کیا گیا تو پاوکٹ ایک ہیرو کے طور پر اُبھرا۔ زیادہ خوشحال کسانوں کو یا تو قتل کر دیا گیا یا خفیہ پولیس انہیں ہانک کر کیمپوں میں لے گئی۔ ان کسانوں میں کچھ نے اپنی جانیں بچانے کے لئے پاوکٹ کے باپ سے رجوع کیا۔ پاوکٹ کا باپ بہت وفادار اور کٹر قسم کا کمیونسٹ تھا لیکن اس نے انسانی ہمدردی کے طور پر چند کسانوں کو تھوڑی دیر کے لئے پناہ دے دی۔ پاوکٹ نے اپنی قومی ذمہ داری خیال کرتے ہوئے اپنے باپ کے خلاف مخبری کر دی کہ اس نے چند کسانوں کو پناہ دے رکھی ہے



روسی حکومت نے اس کے باپ کو گولی مار دی۔ کسان اس پر اس قدر مشتعل ہوئے کہ انہوں نے پاوکٹ کی تکا بوٹی کر ڈالی۔

اس گھر کو جہاں ایک بیٹے نے باپ سے غداری کی حکومت روس نے مقدس مقام قرار دے دیا اور وہاں کے اخبارات اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ایک لکڑی کے مکان کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہیں وہ عدالت لگی جس کے روبرو عظیم سپوت پاوکٹ نے اپنے باپ پر یہ الزام ثابت کیا کہ اس نے کسانوں کو (جو خود بھی روسی تھے) یہاں پناہ دی یہ وہ متبرک اور یادگار جگہ ہے جہاں پارٹی اور حکومت سے وفاداری کا بڑا کارنامہ انجام دیا گیا۔

روس میں کے۔جی۔بی غیر ملکیوں کے پیچھے سائے کی طرح لگی رہتی ہے کے۔جی۔بی کے افسران کے سر پر یہ جنون طاری تھا کہ غیر ملکی لوگ ایسے جراثیم لئے پھرتے ہیں جو حکومت کو تباہ کر کے رکھ دیں گے غیر ملکی روس میں عارضی طور پر ہوں یا مستقل طور پر سکونت پذیر ہوں۔ کے۔جی۔بی ان کی حرکت پر کڑی نظر رکھتی، ناپسندیدہ اشخاص کی ان سے ملاقات نہیں ہونے دیتی اور کوشش کرتی کہ ان غیر ملکیوں کو اپنے مفاد کے لئے استعمال کیا جائے روس میں دوسرے ممالک کے جو سفارتی نمائندے ہیں وہ ایک طرح کے قید خانے میں بند رہتے تھے۔

کے۔جی۔بی دیگر ممالک کے دفاعی راز کیسے چراتی تھی اس کا اندازہ آپ کو اس سچی کہانی کے مطالعے سے بخوبی ہو جائے گا۔

30 اکتوبر 1963ء کی صبح نیویارک سے کے۔جی۔بی، کے ریزیڈنٹ ایجنٹ بورس ایوانوف کا ایک ارجنٹ بحری تار ماسکو ہیڈ کوارٹر پہنچا جسے فوراً پولٹ بیورو کے ارکان کے سامنے رکھ دیا گیا۔ بورس نے اطلاع دی تھی: رات امریکی ایف بی آئی نے ''کے۔جی۔بی'' کے تین افسروں کو ایک امریکی انجینئر جان ڈبلیو بوٹنکو سے ملاقات کرتے ہوئے گرفتار کر لیا ہے۔ دو افسر اقوام متحدہ میں کام کرتے تھے اور انہیں

سفارتی تحفظ حاصل تھا اس لئے انہیں چھوڑ دیا گیا۔ تیسرا آلیگور رالیگزنڈروش ایوانوف، امٹورگ ٹریڈنگ کارپوریشن میں شوفر تھا اور سفارتی تحفظات سے مستثنیٰ، اس لئے وہ اور جان بوٹنکو جیل بھیج دیئے گئے۔ بورس نے مزید لکھا تھا کہ ایف بی آئی کے ہاتھ چرائی ہوئی خفیہ دستاویزیں اور الیکٹرونک اور فوٹوگرافی کے آلات لگ گئے ہیں، اس لئے ایوانوف جلدی رہا نہ ہو سکے گا۔

دوپہر کے وقت کے۔جی۔بی کے سیکنڈ ڈائریکٹوریٹ کے سربراہ جنرل اولیگ گریبانوٹ نے یوری نوسنکو کو طلب کیا۔ نوسنکو سوویت یونین آنے والے امریکی سیاحوں کے خلاف آپریشن ڈیپارٹمنٹ کا افسر اعلیٰ تھا۔ گریبانوف نے صورت حال واضح کی اور کہا: ''ایوانوف کو چھڑانے کے لئے ہمیں ایک یرغمال چاہئے۔ آج کل کون کون سے امریکی سیاح یہاں ہیں؟''

''جناب موسم ختم ہو رہا ہے۔'' نوسنکو نے کندھے اُچکائے۔

''کوئی تو ہوگا......؟'' گریبانوف کے لہجے میں اصرار تھا۔

''جی ہاں، ایک ہے...... پروفیسر برغون۔''

''کون شخص ہے یہ......؟'' گریبانوف نے اشتیاق سے پوچھا۔

''کے۔جی۔بی'' کے پاس پوری معلومات تھیں۔ نوسنکو نے مفصل بیان کر دیں۔ ''ییل یونیورسٹی میں پروفیسر ہے۔ دوسری عالمی جنگ کے دوران امریکی سفارت خانے میں کام کرتا رہا پھر جرمنی بھیج دیا گیا۔ وہاں روس سے بھاگ کر آنے والوں سے اکثر ملا کرتا۔ امریکی فاؤنڈیشنوں کے پیسے پر وہ کئی بار سوویت یونین آچکا ہے۔''

''بات صاف ہے۔'' گریبانوف خوشی سے چیخا: ''وہ جاسوس ہے۔''

''جناب، پروفیسر جب بھی سوویت یونین آیا، ہمارے ڈیپارٹمنٹ نے اس پر گہری نظر رکھی، وہ جاسوس نہیں ہے۔ ابھی چند روز پہلے تفلس میں کے جی بی نے



برغورن کی کافی میں دوا ڈال دی۔ وہ شدید بیمار ہو گیا اور کئی روز ہسپتال میں رہا۔ ہمارا مقصد اس کے کپڑوں، جوتوں اور سامان وغیرہ کی تلاشی لینا تھا، لیکن اسے ملزم قرار دینے والی کوئی چیز نہ ملی۔ پروفیسر کو ہمارے ملک سے دلچسپی ہے اور یہ اس کا میدان ہے۔ اس نے سوویت یونین کے بارے میں تین کتابیں لکھیں ہیں، لیکن وہ جاسوس نہیں ہے۔''

''تو پھر اسے جاسوس بنا دو۔'' گریبانوف نے حکم دیا۔

اسی روز سہ پہر، کے۔جی۔بی کے ڈس انفارمیشن ڈیپارٹمنٹ نے نوسنکو کو جعلی دستاویزات دے دیں۔ ان میں سوویت روس کے فضائی دفاع سے متعلق معلومات فراہم کی گئی تھیں۔ نوسنکو نے عملدرآمد کا منصوبہ بھی تیار کر لیا۔ خروشیف ماسکو سے باہر تھا اس لئے کے جی بی کے چیئرمین ولاڈیمیر سیمیشاستنی نے برزنیف کو فون کیا جس نے پولٹ بیورو کی طرف سے منصوبے کی منظوری دے دی۔ چند لمحے بعد گریبانوف نے نوسنکو کو حکم دیا: ''اپنے منصوبے پر عمل شروع کر دو۔''

31 اکتوبر پروفیسر برغورن کا ماسکو میں آخری دن تھا۔ اگلے روز اسے روانہ ہو جانا تھا۔ وہ امریکی ناظم الامور والٹر اسٹل کے ہاں شام کے وقت الوداعی دعوت میں شریک ہوا۔ وہاں سے امریکی سفیر کی کار میں میٹروپول ہوٹل پہنچا۔ کار سے نکل کر ہوٹل کے دروازے میں داخل ہوا ہی تھا کہ ایک روسی نے آگے بڑھ کر کچھ کاغذات جلدی جلدی اس کے ہاتھ میں تھمانے کی کوشش کی۔ جونہی پروفیسر نے کاغذات کو ہاتھ لگایا، کے۔جی۔بی کے ایجنٹوں نے اسے پکڑ لیا اور گھسیٹ کر لے گئے اور لبیانکا جیل میں پہنچا دیا۔

امریکی سفیر کو ہلر کو روسی شوفر نے جو کے۔جی۔بی کا ایجنٹ تھا، امریکی سفارت خانے کو اس واردات سے بے خبر رکھا۔ سفارت خانے کے لوگ یہی سمجھتے رہے کہ پروفیسر اپنے پروگرام کے مطابق یکم نومبر کو روس سے چلا گیا ہے۔ انہیں اس

کی گرفتاری کی خبر کے۔جی۔بی کے ایک سگنل سے ملی: ''ایوانوف کے بدلے میں برغورن۔''

صدر کینیڈی نے امریکی انٹیلی جنس کے ایک ایک ڈویژن سے دریافت کروایا: ''کیا برغورن واقعی جاسوسی کے کسی مشن میں ملوث ہے؟'' ہر طرف سے جواب نفی میں تھا۔ 14 نومبر کو کینیڈی نے پریس کانفرنس میں سوویت کارروائی کی مذمت کی اور مطالبہ کیا کہ برغورن کو فوراً رہا کیا جائے۔

صدر کی شخصی مداخلت پر کریملن دم بخود رہ گیا۔ خروشیف فوراً ماسکو پہنچا۔ پروفیسر کو اغوا کرنے یا نا کردہ جرم اس کے سر تھوپنے کا مسئلہ نہ تھا۔ مصیبت یہ تھی کہ خروشیف کے خیال میں امریکی پروفیسر، صدر کا دوست نکلا تھا۔ خروشیف نے پوچھا: ''یہ احمقانہ اقدام کس نے کیا تھا؟'' سیمیشا ستنی اور گریبانوف نے ذمہ داری برزنیف کے سر ڈال دی...... برزنیف نے توجیہہ کی: ''نہیں، نہیں...... انہوں نے مجھے یہ نہیں بتایا تھا کہ پروفیسر کینیڈی کا دوست ہے۔ میں نے ایسی حرکت کی منظوری نہیں دی۔''

16 نومبر کو سوویت وزیر خارجہ گرومیکو نے، خروشیف کے احکام پر امریکی حکومت کو اطلاع دی کہ پروفیسر برغورن نے جو کچھ کیا ہے، اس سے قطع نظر اسے رہا کیا جا رہا ہے۔

یہ ہے روسی خفیہ پولیس کے۔جی۔بی، کا ایک پہلو۔ روس میں خفیہ سیاسی پولیس بالشویک انقلاب کے پہلے روز سے کام کر رہی ہے۔ پہلے یہ چیکا کہلاتی تھی۔ چیکا 20 دسمبر 1917ء کو قائم کی گئی۔ یہ ایک تفتیشی تنظیم تھی، لیکن جلد ہی کمیونسٹوں کے نظریاتی مخالفوں کو مٹانے کا انتقامی آلہ بن گئی۔ اس کے بانی ڈژرنسکی نے 1918ء میں اعلان کیا: ''ہم منظم دہشت گردی کے حق میں ہیں...... چیکا عدالت نہیں ہے...... چیکا کا کام یہ ہے کہ وہ انقلاب کا دفاع اور دُشمن کو مغلوب کرے اگرچہ اس کی تلوار سے بے گناہوں کے سر ہی قلم کیوں نہ ہوں۔''



بالشویک انقلاب کے دوران اور اس کے بعد چند برسوں میں چیکا نے سرکاری طور پر دو لاکھ انسانوں کو مختلف طریقوں سے موت کے گھاٹ اُتارا۔ غیر سرکاری طور پر تین لاکھ بلکہ اس سے بھی زیادہ لوگ اس کے ہاتھوں مارے گئے۔ یعنی جن کے قتل کا حکم کسی مجاز محکمے نے نہیں دیا بلکہ جو جیلوں، کنسنٹریشن کیمپوں اور بغاوتوں میں ختم ہو گئے۔ یہ وحشیانہ قتل و غارت کمیونسٹ پارٹی کے فیصلے بلکہ حکم پر ہوا۔ بعض اُصول پرست کمیونسٹوں نے اس بہیمیت پر احتجاج کیا تو لینن نے جون 1918ء میں اس کا دنداں شکن جواب دیا: ''یہ احتجاج بے معنی ہے۔ ہم اس پر کان نہیں دھریں گے۔ دہشت گردی کی قوت اور اجتماعی صورت کی حوصلہ افزائی کی جائے گی۔'' جن کمیونسٹوں نے مخالفت کی تھی ان کا مذاق اُڑاتے ہوئے اس نے کہا: ''یہ تنگ نظر دانشور چھوٹی چھوٹی غلطیوں پر آہیں بھرتے اور تلملاتے ہیں۔'' یہی نہیں، اس نے چیکا کے حکام کو تار بھیجے جن میں انہیں بے رحمانہ دہشت عام پھیلانے کا حکم دیا۔

چیکا کا نام مختلف اوقات میں بدلتا رہا، لیکن کام نہیں بدلا۔ کمیونسٹ چونکہ صرف حکومتی نمائندے اور اقلیت میں تھے اس لئے لینن نے بھانپ لیا تھا کہ وہ ملک پر صرف طاقت کے ذریعے قابض رہ سکتے ہیں اور 1918ء میں قائم ہونے والی یہ خفیہ سیاسی پولیس مختلف ناموں سے اس کمیونسٹ اقلیت کی طاقت کا سب سے بڑا ہتھیار بنی چلی آئی ہے۔ اس کے بل پر یہ اقلیت نہ صرف گزشتہ 61 برس سے بیس پچیس کروڑ آبادی پر حکومت کر رہی ہے بلکہ دوسرے ملکوں کو بھی اپنا صید زبوں بنانے کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں میں مصروف ہے...... کل اس کا نام چیکا، اوگپو، این۔کے۔وی۔ڈی وغیرہ تھا آج اس نے کے۔جی۔بی، کا لبادہ اُوڑھ رکھا ہے۔

انٹیلی جنس کی تنظیمیں اور ادارے ہر ملک اور ہر زمانے میں رہے ہیں، لیکن کے۔جی۔بی، کی کہیں نظیر نہیں ملتی۔ نہ ماضی کی تاریخ میں نہ حال کے ادوار میں۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ یہ تنظیم اگر ختم ہو جاتی تو روس میں پورے

کمیونسٹ نظام کی عمارت دھڑام سے زمین پر آ گرتا۔ وہ تمام بنیادی ذرائع کالعدم ہو جاتے جن کے ذریعے کمیونسٹوں نے افکار، تحریر وتقریر، آداب واطوار، علوم وفنون، مذہب، تعلیم، پریس، پولیس اور فوج پر قابو پا رکھا ہے۔ سوویت روس میں رہنے والی اقلیتوں کو کچلنے، افراد پر نگاہ رکھنے، بھاگنے والوں کو روکنے اور تمام آبادی کو سوویت حکمرانوں کی خواہشات اور مفادات کے آگے جھکانے کے موثر ہتھکنڈے سب کے سب رُخصت ہو جاتے۔ دُنیا بھر کے سوویت سفارت خانے بالکل سکڑ کر رہ جاتے، بلکہ بعض ملکوں میں تو شاید ایک سوویت نمائندہ باقی نہ رہتا۔ سوویت روس کی وہ صلاحیت بالکل جاتی رہتی جس کے ذریعے وہ بیرونی دُنیا میں جاسوسی، تخریب کاری، قتل وخونریزی، دہشت گردی، تالا بندی، مظاہروں بغاوتوں اور چھاپہ مار جنگوں کی وارداتیں کرواتا رہا ہے۔

ماسکو میں نفسیاتی اور دماغی علاج گاہ سربسکی انسٹی ٹیوٹ ایک پرانی سی عمارت میں ہے جس کے آہنی دروازے پر چوبیس گھنٹے مسلح پہرہ رہتا ہے۔ ڈینیل آرفس کے۔جی۔بی کے کرنل کی یونیفارم میں انسٹی ٹیوٹ میں داخل ہوتا ہے اور وردی اُتار کر سفید جبہ پہنتا ہے اور ڈاکٹر لنٹس بن جاتا ہے۔ کرنل ڈاکٹر لنٹس ایک خصوصی ڈیپارٹمنٹ کا سربراہ ہے۔ یہاں ان سوویت شہریوں کا دماغی علاج ہوتا ہے جو سیاسی بے یقینی اور عدم استحکام کے ''مریض'' ہوتے ہیں۔ سربسکی انسٹی ٹیوٹ میں علاج دوسرے دماغی ہسپتالوں کی طرح دواؤں اور جدید ترین طریقوں سے کیا جاتا ہے۔ بعض اوقات مریضوں کو گیلے کنوس میں ممی کی طرح لپیٹ کر مضبوطی سے باندھ دیتے ہیں۔ کنوس خشک ہو کر آہستہ آہستہ سکڑنے لگتا ہے اور اس کے ساتھ ہی مریض یوں محسوس کرتا ہے جیسے اس کا پورا جسم چیرا جا رہا ہو۔

19 نومبر کو کرنل ڈاکٹر لنٹس کا واسطہ ایک بڑے ''مشکل'' مریض سے پڑا۔ یہ میجر جنرل پیٹر گریگورینکو تھا۔ اس نے دوسری جنگِ عظیم میں محاذ جنگ پر نمایاں



خدمات انجام دی تھیں اور اعلیٰ ترین فوجی اعزاز حاصل کیئے تھے۔ اسے 7 مئی 1969ء کو گرفتار کیا گیا۔ جرم یہ تھا کہ میجر جنرل نے تاتاریوں پر ظلم وستم ڈھانے اور انہیں زدوکوب کرنے کے خلاف احتجاج کیا تھا۔ نیز مطالبہ کیا تھا کہ سوویت یونین، چیکوسلاویکیہ سے اپنی فوجیں واپس بلائے۔ تاشقند کے ماہرین امراض دماغی نے اسے ذہنی طور پر صحت مند قرار دیا تھا۔ لیکن ڈاکٹر لنٹس کی تشخیص کے مطابق وہ مراق کے دماغی مرض میں مبتلا تھا۔ چنانچہ اسے چرنا خوفسک کے بدنام زمانہ جیل کے دماغی ہسپتال میں منتقل کر دیا گیا۔ 17 جنوری 1971ء کو گریگورینکو کا ایک بار پھر طبی معائنہ ہوا۔

''پیٹر گریگورینکو، کیا آپ نے اپنے اعتقادات بدل ڈالے ہیں؟'' ایک نفسیاتی ماہر نے پوچھا۔

''اعتقادات، دستانے نہیں ہوتے، انہیں کوئی آدمی آسانی سے نہیں بدلتا۔'' جنرل نے جواب دیا۔

''علاج جاری رہے گا۔'' ڈاکٹر نے اعلان کیا اور جنرل کو مزید ''علاج'' کے لئے سیاسی وارڈ کی کوٹھڑی میں بھیج دیا گیا۔



اگست 1971ء میں کے۔جی۔بی نے لتھوانیا کے شہر پرینائی سے فادر جوزس زِسکس کو گرفتار کیا۔ اس پر الزام تھا کہ وہ کیتھولک بچوں کو ''پکی روٹی'' پڑھاتا ہے۔ مظاہروں کے خوف سے اس پر مقدمہ چلانے کی تاریخ اور جگہ خفیہ رکھی گئی، لیکن 11 نومبر کی صبح کوئی چھ سو مرد، عورتیں اور بچے کوناس کی عوامی عدالت کے سامنے جمع ہو گئے۔ بہت سوں کے ہاتھ میں پھول تھے۔ پولیس اور کے۔جی۔بی کے سفید پوش

آدمیوں نے ہجوم کو منتشر کرنے کے لئے لاٹھی چارج کیا۔ ایک عورت کی پسلی ٹوٹ گئی، ایک اور عورت بے ہوش ہوگئی اور بہت سی دوسری عورتوں اور مردوں کو ٹانگوں سے گھسیٹ کر پولیس گاڑی میں پھینک دیا گیا۔ یہ سب کچھ چشم زدن میں ہوا...... خون آلود اور کچلے ہوئے پھول عدالت کی سیڑھیوں پر دیر تک پڑے رہے۔ افراتفری ختم ہوئی تو ایک پولیس والے کی نظران پر پڑی، چنانچہ سیڑھیاں صاف کی گئیں۔

دس بچوں سے گواہ کے طور پر پوچھ گچھ کی گئی۔ ''وہ تمہیں کیا پڑھاتا تھا؟'' تفتیش کرنے والے نے ایک نو برس سے بھی کم عمر کی بچی سے پوچھا۔

''چوری مت کرو، کھڑکیاں مت توڑو۔'' بچی نے جواب دیا۔ کئی بچے تو اتنے خوف زدہ تھے کہ جواب دینے کی بجائے بس روتے رہے۔

سرکاری وکیل نے اپنے کیس کا خلاصہ اس طرح پیش کیا: ''بچوں کو جتنی تعلیم کی ضرورت ہوتی ہے، وہ اسکول میں حاصل کر لیتے ہیں۔ گرجے میں جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے ہم بچوں کو اسکول کے سوا کسی اور جگہ پڑھانے کی اجازت قطعاً نہیں دیں گے۔''

سزا: فادر زبسکس کو ایک برس کے لئے اصلاحی کیمپ میں بھیج دیا گیا۔

پولیس جب اسے لے کر جا رہی تھی تو اس کے چہرے پر مار پیٹ کے نشان صاف دکھائی دے رہے تھے۔

8 ستمبر 1976ء کو ڈنمارک کا ایک کنٹینر ''ونڈی لگ'' سویڈن کے ساحل سے کوئی چالیس میل دور سالمن مچھلیاں پکڑنے جا رہا تھا کہ ایک موٹر بوٹ آتی دکھائی دی۔ اس میں صرف ایک آدمی سوار تھا۔ اس نے بلند آواز سے پوچھا: ''کشتی کمیونسٹوں کی تو نہیں؟'' نفی میں جواب پا کر وہ چیخا: ''میں سوویت شہری ہوں اور بھاگ کر آیا ہوں۔''

کنٹینر کے کپتان اور دوسری ملاحوں نے اسے اپنی کشتی پر بٹھا لیا اور موٹر



بوٹ کو اس کے ساتھ باندھ کر لے چلے۔ کھلے سمندر میں سفر کرنے سے اس شخص کا برا حال تھا۔ اس کی کوئی بات انہیں سمجھ میں نہ آتی تھی۔ بس اتنا اندازہ ہو سکتا کہ وہ لتھوانیا یا ایسٹونیا کا رہنے والا ہے۔ اس نے بھاگ نکلنے کا منصوبہ بہت مدت پہلے سے بنایا تھا۔ چنانچہ وہ اتنی خوراک اور گیسولین جمع کرنے میں لگا رہا جس کی مدد سے سویڈن پہنچ سکے، لیکن مخالف ہوا اور طوفانی سمندر کی وجہ سے اسے بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ خوراک ختم ہوگئی اور جب ونڈی لک نظر آیا تو صرف چند گیلن گیسولین باقی تھی، ڈنمارکیوں نے جب اس کو بتایا کہ خشکی اور آزادی چند گھنٹے کے فاصلے پر ہے تو اس کے چہرے پر اطمینان اور احسان مندی کی لہر سی دوڑ گئی۔

کیپٹن لارسن نے کنٹینر کا رُخ بدلا اور سویڈن کی طرف ہو لیا۔ اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ ایک جنگی جہاز بڑی تیزی سے ان کی طرف بڑھ رہا ہے۔ جہاز پر سبز پھریرا جس پر ہتھوڑا اور درانتی بنے ہوئے تھے، لہرا رہا تھا۔ اس پرچم سے ظاہر تھا کہ جہاز روسی بحریہ کا نہیں کے۔جی۔بی کا ہے۔ سوویت جہاز جونہی قریب پہنچا میگافون کے ذریعے ایک افسر نے ''ونڈی لک'' کو رُک جانے کا حکم دیا، لیکن ملاحوں نے حکم کو نظر انداز کر کے اپنا سفر جاری رکھا، حتیٰ کہ جہاز بالکل سر پر آ گیا۔ انہوں نے دیکھا سوویٹ ملاح مشین گنوں کا منہ کھولنے والے ہیں۔ اگرچہ یہ لوگ سوویت حدود اختیار سے بہت دور بین الاقوامی پانیوں میں تھے، لیکن اب حکم ماننے کے سوا چارہ نہ رہا تھا، کنٹینر رک گیا۔ سوویت افسر ریوالور لئے ''ونڈلک'' میں آ گئے اور جہاز کی تلاشی دینے کا مطالبہ کیا۔ مفرور جس کیبن میں چھپا ہوا تھا سوویت افسر نے اس میں جانا چاہا، تو کپتان لارسن نے اس کا راستہ روکنے کی کوشش کی، مگر سوویت افسر نے اسے ایک طرف دھکیل دیا اور چیخا: ''یہاں میرا حکم چلے گا۔'' لارسن نے کہا: ''یہ شخص ہمارے اسٹاف کا آدمی ہے، موٹر بوٹ جب ہم نے پکڑی تو خالی تھی، کوئی شخص اس میں سوار نہ تھا۔'' سوویت افسر نے موٹر بوٹ کی تلاشی لی تو اس کا پاسپورٹ ہاتھ آ گیا۔ روسیوں

نے اسے اپنی کشتی پر پھینکا تو وہ بری طرح چیخ رہا تھا۔

بائیس دن کے بعد ڈنمارک کا ایک کنٹیز "تھامس مونکر" سویڈن کے جزیرہ گوٹ لینڈ سے کچھ دور سالمن مچھلیاں پکڑنے کے لئے جال بچھا رہا تھا۔ دھوپ نکلی ہوئی تھی اور سمندر پرسکون تھا۔ اچانک دور فاصلے پر ایک روسی جہاز نمودار ہوا اور تھامس مونکر کی طرف ایسی تیزی سے بڑھا گویا اسے ٹکر مار کر تباہ کر دے گا۔ ڈینش کپتان نے بین الاقوامی سگنل دیئے۔ راستہ بھی بدل ڈالا، لیکن جہاز نے پیچھا نہ چھوڑا۔ انہوں نے دیکھا روسی جہاز کے برج پر چار افسر کھڑے ہیں۔ جہاز اوپر ہی اوپر چڑھا آتا تھا حتیٰ کہ وہ تھامس مونکر کے پچھلے حصے سے آٹکرایا۔ ڈنمارکی جہاز زور سے ہلا، خوش قسمتی سے وہ روسی جہاز کے پہلو میں جا لگا ورنہ دوسری ٹکر اس کے ٹکڑے کر ڈالتی۔ روسی جہاز جال توڑتا ہوا نکل گیا۔ ڈینش عدالت تحقیقات کے لئے بیٹھی۔ اس نے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ روسی جہاز نے ڈینش ماہی گیروں کو انتباہ کیا تھا اگر کوئی روسی مفرور سمندر میں پایا جائے تو اس کی مدد نہ کریں۔



مارچ 1969ء کی ایک صبح کا ذکر ہے۔ بخارسٹ کے امریکی سفارت خانے کا ایک سیکورٹی افسر ایک خصوصی ریڈیو مانیٹر کے ذریعے سفارت خانے کو چیک کر رہا تھا کہ اس نے دو آدمیوں کو آپس میں بڑی بے تکلفی سے سرکاری معاملات پر باتیں کرتے سنا۔ اس نے فوراً پہچان لیا۔ ایک آواز سفارت خانے کے سنیئر ڈپلومیٹ کی تھی۔ وہ دوڑ کر اس کمرے میں گیا جہاں وہ بیٹھے تھے اور انہیں کہا کہ ان کی آواز فضا میں ہے، وہ کسی اور کمرے میں جا کر باتیں کریں۔ دونوں اشخاص دوسرے کمرے میں چلے گئے، لیکن ڈپلومیٹ کی آواز بدستور ریڈیو پر سنائی دے رہی تھی۔ سیکورٹی افسر



فوراً سمجھ گیا کہ روسیوں نے ٹرانس میٹر اس کے کپڑوں یا سامان میں نصف کر رکھا ہے۔ اس نے ہر شے کی تلاشی لی، لیکن کوئی چیز ہاتھ نہ آئی اور ڈپلومیٹ کی آواز بدستور نشر ہو رہی تھی۔ آخر افسر نے اشارہ کیا کہ جوتے اُتار دو۔ ڈپلومیٹ نے جوتے اُتار دیئے۔ سیکورٹی افسر ہاتھ میں لے کر انہیں تولتا اور بغور جائزہ لیتا رہا۔ پھر اس نے بائیں جوتے کی ایڑی الگ کر دی، ٹرانس میٹر پکڑا گیا تھا۔ چند روز پہلے سفارت خانے میں کام کرنے والی ایک لڑکی اس ڈپلومیٹ کے جوتے مرمت کے لئے لے گئی تھی۔ اس "مرمت" کے دوران جوتے کی ایڑی کھوکھلی کر دی گئی اور اس میں ٹرانس میٹر نصب کر کے اوپر چمڑا لگا دیا گیا۔ ٹرانس میٹر کا وزن صرف دو اونس تھا، لیکن بڑا ہی طاقتور......ایڑی میں ایک چھوٹا سا سوراخ تھا جس کے ذریعے مائیکروفون کی آواز فضا میں پہنچتی تھی۔ اتنے ہی ایک اور چھوٹے سے سوراخ میں پن......اس پن کے ذریعے خادمہ رات کے وقت ٹرانس میٹر بند کر دیتی اور صبح پھر کھول دیتی۔ اگر یہ انکشاف نہ ہوتا تو اس ڈپلومیٹ کی کہی ہوئی ایک ایک بات باہر منتقل ہوتی رہتی۔

مختلف شہروں اور مقامات کے یہ صرف چند واقعات ہیں ان واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ کے۔جی۔بی دُنیا بھر میں کس طرح کام کر رہی ہے۔ ان میں سے بعض واقعات بڑے ڈرامائی ہیں۔ تاہم سب ایک ہی مقصد کی نشاندہی کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ کے۔جی۔بی ملک کے اندر اور باہر ہر جگہ اپنے آپ کو کمیونسٹ پارٹی اور اس کے مسلط کردہ نظام کی تلوار اور ڈھال تصور کرتی۔ یہ تلوار تو یوں ہے کہ اس کے ذریعے پارٹی کے حکمران اپنی مرضی نافذ کرتے ہیں اور ڈھال اس طرح کہ انہیں اپوزیشن سے محفوظ رکھتی ہے چونکہ یہ ان کے اقتدار کی پاسباں متصور ہوتی تھی، اس لئے سوویت لیڈروں نے ملک کے بھاری وسائل اس کے حوالے کر رکھے تھے۔ اس کی ذمہ داری کا دائرہ بھی بہت وسیع تھا۔ رہے اختیارات تو آج تک اتنے اختیارات کسی خفیہ پولیس کو حاصل نہیں رہے۔ بعض سوویت لیڈر اسے پسند نہیں کرتے۔ اس کا عملہ ضرورت سے

زیادہ ہے اور اس کے اندر سخت قسم کی بیوروکریسی نے جڑیں پکڑ رکھی تھیں، پھر اس کے ایجنٹ گاہے گاہے بھاگ بھی نکلتے۔ کسی مغربی ملک کی تنظیم میں ایسے نقائص اور خامیاں ہوتیں تو لوگ اب تک مطالبہ کر کے اس کے بخیے ادھیڑ چکے ہوتے۔

1967ء کی عرب اسرائیل جنگ بھی کے۔جی۔بی کی فاش غلطی سے چھڑی۔ اس نے اپنی جو رپورٹ پولٹ بیورو کو بھیجی تھی اس میں اسرائیل کے بارے میں بالکل غلط اندازے لگائے تھے۔ اس نے کہا تھا کہ اسرائیل اس وقت نہ جنگ چاہتا ہے اور نہ اس کی اہلیت ہی رکھتا ہے۔ جونہی اسرائیل کو اپنا وجود خطرے میں نظر آئے گا وہ عربوں کو مراعات دینے پر آمادہ ہو جائے گا اور سوویت یونین کا وقار بڑھ جائے گا، چنانچہ کریملن نے جمال ناصر پر زور دیا کہ وہ جنگجویانہ پالیسی اختیار کرے۔ پھر کے۔جی۔بی نے جھوٹی رپورٹیں بھیجیں کہ اسرائیل شام کی سرحد پر فوجیں جمع کر رہا ہے۔ مصر معاہدے کی رو سے شام کا دفاع کرنے پر مجبور تھا۔ شام پر اسرائیلی حملے کا مطلب تھا مصر اور اسرائیل میں جنگ۔ مزید برآں کے۔جی۔بی نے جمال ناصر کو یقین دلایا کہ اگر اسرائیل لڑا بھی تو آخری فتح عربوں ہی کی ہوگی۔ یہی نہیں اب ایسی شہادت بھی ملتی ہے جس سے سوویت روس کے چہرے سے عربوں کی ہمدردی کا نقاب صاف اُتر جاتا ہے۔ جمال ناصر کے سخت اور جنگ بازانہ رویے کے پیش نظر اسرائیل نے عرب ملکوں پر اچانک حملہ کر دینے کا فیصلہ کیا۔ کے۔جی۔بی کو اس فیصلے کی خبر ہو چکی تھی، لیکن اس نے اسے عربوں سے چھپائے رکھا۔

ان تباہ کن غلطیوں کے باوجود کے۔جی۔بی کریملن کا ملک کے اندر اور بیرونی دُنیا میں واحد سہارا ہے اور وہ اس پر پورا پورا اعتماد کرتا ہے۔ ملک سے باہر کے۔جی۔بی کو اپنے عزائم میں جب بھی ناکامی ہوتی کریملن اس کی قوت اور دائرے کار میں اور اضافہ کر دیتا۔ اسی طرح اندرون ملک مخالفت بڑھتی تو کے۔جی۔بی سوویت عوام کو دبانے اور کچلنے کا عمل اور تیز کر دیتی۔



کے۔جی۔بی کے افسر افراد، خاندانوں، گھروں اور پارٹی پر حکومت کرنے والوں پر نظر رکھتے ہیں۔ ان کے پاس جدید ترین الیکٹرونی آلات اور خصوصی ٹیلی فون سرکٹ ہیں جن کے ذریعے ان کا آپس میں رابطہ قائم رہتا ہے۔ 1960ء تک وہ ایٹمی اسلحہ سے مسلح تھے، لیکن پھر فوج نے کریملن کو یقین دلایا کہ اندرونی کشمکش میں ایٹمی ہتھیاروں کا استعمال ناقابل عمل اور نقصان دہ ہے، تو یہ ہتھیار واپس لے لئے گئے۔

کے۔جی۔بی سوویت یونین کی 41595 میل بری اور بحری سرحدوں کی نگرانی کرتی تھی۔ 1965ء میں اس نے دو ہزار سے زیادہ اشخاص ملک سے فرار ہوتے پکڑے۔ سوویت تعزیرات کی رو سے یہ ایک ایسا جرم ہے کہ موت تک کی سزا دی جاسکتی ہے۔ کے۔جی۔بی کے آدمی ہر دفتر میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں حتیٰ کہ کمیونسٹ پارٹی میں بھی۔ بیریا سوویت پولٹ بیورو میں اسی خفیہ سیاسی پولیس کا نمائندہ تھا جو اس وقت این۔کے۔وی۔ڈی کہلاتی تھی۔ 1973ء میں پولٹ بیورو کے سترہ ارکان تھے ان میں سے تین شیلیپن، اینڈروپوف اور پلشی کے۔جی۔بی سے تعلق رکھتے تھے اور اعلیٰ ترین مناصب پر کام کر چکے تھے۔ چوتھا رکن مازوروف دوسری عالمی جنگ میں خفیہ پولیس کے دستوں کی کمان کرتا رہا تھا۔ شیلیپن 1958ء سے 1961ء تک کے۔جی۔بی کا چیئرمین رہا۔ وہ سوویت ٹریڈ یونین کی تنظیم کا سربراہ بھی رہا۔ یہ تنظیم ملک کے اندر مزدوروں کو شکنجے میں جکڑے رکھتی ہے اور ملک سے باہر آزاد مزدور تحریکوں کو تباہ کرتی اور انہیں اپنے ایجنٹوں کے چنگل میں دے دیتی ہے۔ اینڈروپوف کے تین کے۔جی۔بی نائٹ، کمیونسٹ پارٹی کے مرکزی کمیٹی کے رکن ہیں۔ ایسی ہی ایک شخصیت کے۔جی۔بی کے جنرل الیگزنڈر پانیوشکن کی تھی۔ یہ شخص امریکہ اور چین میں سفیر رہ چکا تھا۔ 1950ء میں کے۔جی۔بی نے ملک کے طول وعرض میں قتل کی جو وارداتیں کرائی تھیں ان کا منصوبہ اسی نے بنایا تھا۔ سوویت سپریم کورٹ کے دو جج سرجی نیتیکوف اور نکولائی چستیانوف بھی کے۔جی۔بی جنرل رہ چکے ہیں۔

سوویت خبر رساں ایجنسی، نووستی کا ڈائریکٹر ایوان ایوانوش اودلٹسوف بھی کے۔جی۔بی کا ایک افسر رہ چکا تھا۔ یہ شخص پراگ میں کونسلر تھا اور چیکوسلاواکیہ پر روسی حملے کی تیاری میں اس نے بھی حصہ لیا تھا۔ نووستی کا ایک ڈویژن، دسواں ڈویژن کہلاتا تھا۔ اس کا سارے کا سارا عملہ کے۔جی۔بی کے ارکان پر مشتمل تھا۔ ان میں سے ایک مشہور برطانوی غدار ہیرلڈ اے آر فلبی (کم) تھا۔ مذہبی فرقوں کے امور کی کونسل، اسٹیٹ سائنٹفک اینڈ ٹیکنیکل کمیٹی، تنظیم نوجوانان کی کمیٹی اور صلیب احمر کے ادارے بھی کے۔جی۔بی کے آدمیوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ یہی حال بیرونی تجارت کی وزارت، ایوان صنعت اور غیر ملکیوں سے معاملات کرنے والی دوسری ایجنسیوں کا ہے۔

سوویت یونین آنے والا کوئی غیر ملکی کے۔جی۔بی کے سایے سے نہیں بچ سکتا۔ اسٹالن کے دور میں اجنبیوں سے بیزاری کی جو کیفیت تھی اگرچہ وہ اب نہیں رہی۔ تاہم کمیونسٹ قیادت غیر ملکیوں کو ابھی تک خطرے کی نظر سے دیکھتی ہے۔ کے۔جی۔بی ہر جگہ ان کی نگرانی کرتی ہے جیسے ان کے پاس کوئی ایسی چیز ہے کہ انہیں ذرا بھی آزاد چھوڑا گیا، تو حکومت زمین بوس ہو کر رہ جائے گی۔ کوئی شخص آزادی کے ساتھ سوویت شہریوں سے مل جل نہیں سکتا۔ ماسکو میں دُنیا بھر کی حکومتوں کے سفارت خانے ہیں۔ ان سفارت خانوں کا ہر رکن جانتا ہے کہ وہ کے۔جی۔بی کے محاصرے میں ہے اور سفارت خانے کی عمارت میں کہی جانے والی کوئی بات کے۔جی۔بی سے پوشیدہ نہیں۔ کے۔جی۔بی کے پیشہ ور ''نقب زن'' کتنی ہی بار سفارت خانوں میں ''نقب'' لگا چکے ہیں۔ وہ سفارت خانے میں داخل ہوتے ہیں، مقفل الماریاں اور آہنی سیف کھولتے ہیں اور اہم دستاویزات کے فوٹو اُتار لیتے ہیں اور اس کام میں جدید ترین ریڈیو الیکٹرو آلات استعمال کرتے ہیں۔ ٹھیک ٹھیک، یہ اندازہ کرنا تو مشکل ہے کہ ان ''نقب زنوں'' نے اب تک کتنا کچھ مال لوٹا ہے۔ تاہم یہ بات سب جانتے



ہیں کہ وہ جاپان کا خفیہ کوڈ اُڑا چکے ہیں۔ یہی حشر کینیڈا کے خفیہ کوڈ کا ہوا ہے۔ سفارت خانے کے ایک کلرک کو عورت کے ذریعے پھانس کر کے۔جی۔بی یہ راز اُچک لے گئی۔ سفارت خانے پر حملے کی اجازت کمیونسٹ پارٹی کا سیکرٹری خود دیتا ہے اور اس کے لئے کئی مہینے تیاری کی جاتی ہے۔ بیرونی ملکوں کے سفارت خانوں میں جو روسی ملازم ہوتے ہیں وہ سب ''کے۔جی۔بی'' کے آدمی ہوتے ہیں، زیادہ تر ممتاز افسر۔ یہ ملازم ان حملوں میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ کے۔جی۔بی کا میجر یوری نوسنکو 1964ء میں بھاگ کر سوئٹزرلینڈ کے راستے امریکہ پہنچا تو اس نے ایسے ہولناک انکشافات کیے کہ مغربی ملکوں کو ماسکو میں اپنے سفارت خانوں کی تشکیل از سر نو کرنا پڑی۔

کے۔جی۔بی نے سویڈش سفارت خانے میں جس طرح نقب زنی کی اس سے اس کے طریق کار کا ہلکا سا اندازہ ہو سکتا ہے۔ سب سے پہلے ایک خوبصورت ایجنٹ عورت کے ذریعے سفارت خانے کے چوکیدار کو پھانسا گیا۔ چوکیدار کی ڈیوٹی شام کے وقت شروع ہوتی تھی، وہ روزانہ رات کو اس عورت سے ملنے چلا جاتا۔ سفارت خانے نے ایک خونخوار کھولا کتا بھی پال رکھا تھا۔ چوکیدار کی غیر حاضری میں ہفتے میں دو تین بار کے۔جی۔بی کا ایک افسر گوشت لے کر آتا اور اسے کھلاتا۔ اس طرح اسے ''غیر جانبدار'' بنا لیا گیا۔ سفارت خانے پر چھاپہ مارنے کے لئے ایسا دن چنا گیا جب زیادہ تر عملہ ایک پارٹی میں شرکت کرنے گیا ہوا تھا۔ پچھلے پہر ہی سے نگرانی کرنے والی مختلف ٹولیاں سفارت خانے کے اردگرد کی سڑکوں اور گلیوں میں بٹھا دی گئیں اور انہیں حکم دے دیا گیا کہ کوئی سویڈش کار آئے تو اسے آگے بڑھنے نہ دیا جائے۔ ٹیلی فون مانیٹرز کے ذریعے شہر بھر میں موجود سویڈش لوگوں کی مصروفیات کا پتہ چلا لیا گیا۔ کتے کے آگے گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے ڈال دیئے گئے۔ پھر دس بارہ آدمیوں کی ایک ٹیم پہنچ گئی۔ سفارت خانے کا دروازہ کھولا۔ کتا غرایا، لیکن افسر نے

فوراً گوشت کا ایک بڑا سا ٹکڑا ڈال دیا اور وہ اسے بھنبھوڑنے میں مصروف ہو گیا۔ سفارت خانے میں داخل ہو کر وہ الماریوں اور آہنی سیفوں کی طرف بڑھے۔ قفل ساز، فوٹو گرافر اور مہر بند دستاویزات کو کھولنے کے ماہرین گھنٹہ بھر اپنے اپنے کام میں لگے رہے۔ کتا جب بھی کوئی مشکل کھڑی کرتا افسر گوشت کے ٹکڑے سے اس کی تواضع کر دیتا۔ کے۔جی۔بی کی یہ ٹیم اپنی مہم سرانجام دے چکی تو اس طرح رُخصت ہو گئی جیسے سفارت خانے میں کسی نے قدم تک نہیں رکھا تھا۔

نوسنکو ہی نے بتایا کہ 1952ء میں جب امریکی سفارت خانے کی عمارت تعمیر کی گئی تو دیواروں میں چوالیس خفیہ مائیکروفون نصب کر دیئے گئے تھے۔ انہیں ایسی مہارت سے نصب کیا گیا تھا کہ سیکورٹی افسر الیکٹرونی آلات سے دیواروں کی اکثر چھان بین کرتے رہے، لیکن ان کا کبھی پتہ نہ چلا۔ امریکی سفارت کاروں کو ہدایت تھی کہ وہ دیواروں کی اکثر چھان بین کرتے رہیں، لیکن ان کا کبھی پتہ نہ چلا۔ امریکی سفارت کاروں کو ہدایت تھی کہ وہ احتیاط سے بات چیت کیا کریں۔ اس کے باوجود بارہ تیرہ برس تک یہ مائیکروفون سفارت خانے میں ہونے والی ایک ایک بات کو باہر کے۔جی۔بی کو پہنچاتے رہے۔ یہی نہیں سفارت خانہ امریکی مفادات، تجارتی معاملات اور بین الاقوامی واقعات پر ردعمل سے متعلق جو رپورٹ بھی واشنگٹن بھیجتا، وہ کریملن میں پہنچ جاتی۔

سوویت روس کے حکمران غیر ملکی نظریات سے بڑا خوف کھاتے، اس لئے غیر ملکیوں پر کڑی نظر رکھتے۔ اتنا ہی خوف انہیں ان سوویت دانشوروں سے رہا جنہیں اپنی حکومت کی پالیسیوں سے اختلاف تھا۔ وہ شعر اور نثر میں اپنے نظریات کا اظہار کرتے لیکن کے۔جی۔بی کی کڑی نگرانی کی وجہ سے سوویت عوام تک اپنے خیالات نہیں پہنچا سکتے تھے۔ اس کے باوجود کے۔جی۔بی انہیں خطرناک قوت سمجھتی۔ چنانچہ اس نے علوم وفنون کے اداروں میں اپنے آدمی بھر رکھے تھے۔ وہ افسر بھی تھے اور عام



مخبر بھی۔ یہ لوگ دانشور طبقے کے خیالات اور تخلیقی صلاحیتوں کو کنٹرول کرتے۔ کوئی دانشور ذرا بھی آزادی سے سوچتا یا پارٹی لائن کے خلاف کوئی بات اس کے قلم سے نکل جاتی تو وہ جیل خانے پہنچ جاتا۔ الیگزنڈر الیگزنڈروش فیدیف، کے۔جی۔بی کا معاون تھا۔ 1946ء سے 1956ء تک سوویت رائٹر یونین کا سکرٹری رہا۔ اس نے چھ سو سے زیادہ دانشوروں کو کنسنٹریشن کیمپوں میں پہنچایا۔ خروشیف نے جب اعتراف کیا کہ اسٹالن نے بے گناہوں کا قتل عام کیا اور معصوم لوگوں کو غلام کیمپوں میں مرنے کے لئے بھیج دیا تھا اور ظلم وستم کا شکار ہونے والے ادیب بحال کر دیئے گئے تو 1956ء میں فیدیف نے گولی مار کر خودکشی کر لی۔ اس نے اپنے خط میں لکھا سوویت یونین کی زندگی اس کے لئے ناقابل برداشت ہو گئی ہے۔ وہ مزید زندہ رہنا نہیں چاہتا۔

ستمبر 1976ء میں مرکزی کمیٹی نے الیکسی دی رومانوف کو ''سوویت کلچر'' کا ایڈیٹر مقرر کرنے کا اعلان کیا۔ یہ جریدہ (دوسرے تمام اخبارات اور رسائل کی طرح) پارٹی شائع کرتی تھی۔ یہ دانشوروں اور ادیبوں کو بتاتا کہ انہیں کیا سوچنا اور کیا لکھنا چاہئے۔ رومانوف ہی کی مخبری پر 1945ء میں مشہور روسی مصنف الیگزنڈر سولزی نٹسن کو گرفتار کیا گیا۔ کے۔جی۔بی ادیبوں، مصنفین اور دوسرے تعلیم یافتہ افراد کو پارٹی لائن کے مطابق سوچنے اور لکھنے پر مجبور کرتی رہی اس کا اندازہ دو واقعات سے ہو سکتا ہے۔

میخائل شولوخوف کا نام عظیم ناول نگار کی حیثیت سے لیا جاتا رہا۔ The Quiet Don (جس کا ترجمہ اُردو میں کمیونسٹوں نے ''اور ڈان بہتا رہا'' کے نام سے شائع کروایا) شولوخوف کی تصنیف بیان کی جاتی ہے۔ اس پر اسے ادب کا نوبل پرائز بھی مل چکا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ شولوخوف کو نوبل انعام ملا تو روسیوں نے اسے سراہا اور اس پر مزید ترقی کی راہیں کھلیں، لیکن سولزی نٹسن کو ملا تو ایک ہنگامہ مچ گیا

اور اسے ''غدار'' اور ''مغرب کا پٹھو'' کے القاب سے نوازا گیا۔ شولوخوف کا کام اپنے ساتھی ادیبوں کو مطعون کرنا رہا ہے۔ 1966ء میں یوری ڈینلیل اور آندرے سنیافسکی کو سزائے قید ہوئی، تو شولوخوف نے بے حد تعریف کی۔ اس نے کہا: ''یہ کالے ضمیر والے نوجوان اگر 1920ء کے اس یادگار زمانے میں ہوتے جب لوگوں پر قانونی عدالتوں میں نہیں انقلابی ٹربیونلوں میں مقدمہ چلائے جاتے تھے، تو انہیں بالکل ہی مختلف سزائیں دی جاتیں۔ اس کے باوجود یہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ سزائیں سخت ہیں۔'' اگلے سال شولوخوف نے ان سوویت مصنفین پر حملے کیے جو پریس کی آزادی کا مطالبہ کر رہے تھے۔ اس نے انہیں ''خود ساختہ لیڈر'' قرار دیا اور کہا کہ یہ امریکی سی۔آئی۔اے کے ایجنٹ ہیں۔ لینن کا حوالہ دیتے ہوئے اس نے مزید کہا: ''ہمیں خالص جمہوریت پر ہنسی آئی ہے۔'' کے۔جی۔بی کے مظالم کی صفائی پیش کرنے والا یہ نام نہاد ادیب ماسکو اور دیہاتی علاقے میں بڑے ٹھاٹھ کی زندگی بسر کرتا رہا، کے۔جی۔بی اس کے ساتھ بڑے لطف وکرم سے پیش آتی اور اس کا تحفظ کرتی رہی۔

شولوخوف نے اپنے ادیب ساتھیوں کو ذلیل کرنے کا سلسلہ جاری رکھا تو ایک نوجوان شاعر یوری گلانسکوف نے اسے چیلنج کر دیا۔ اس نے اپنے دستخطوں سے ایک بیان جاری کیا: ''شولوخوف کو سچ سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ سنیافسکی اور ڈینلیل پر غداری کا الزام لگانا اور بہتان تراشی کرنا اس کے لئے ضروری تھا، غالباً اس لئے کہ استغاثہ ایسا الزام لگانے کی اخلاقی پوزیشن میں نہ تھا، چنانچہ یہ کام اس نوبل انعام حاصل کرنے والے نے انجام دیا اور اس نے استغاثہ کی شرمناک تقریر جھاڑ دی......
تم اے شہری شولوخوف! اب ادیب نہیں ہو۔ کسی زمانے میں بس اوسط درجے کے ناول نگار ہوا کرتے تھے اور اب وہ بھی ایک مدت سے نہیں رہے۔ اب تم صرف ایک عام سے بازاری سیاسی لیڈر ہو...... تمہاری طرح کے لوگوں کو سوسائٹی میں سرکاری



مشینری کے سوا کسی شخص کی حمایت حاصل نہیں۔''

اس اشتہار کے چھپتے ہی کے۔جی۔بی نے گلانسکوف کو سوویت دشمن سرگرمیوں کے الزام میں گرفتار کر لیا اور جنوری 1968ء میں اسے سات سال قید بامشقت کی سزا سنا دی گئی۔ اس کے وکیل نے مقدمے کے دوران میڈیکل سرٹیفکیٹ پیش کیا کہ وہ السر کے اذیت ناک مرض میں مبتلا ہے۔ اس کی ماں پوٹما کیمپ 17 اے میں اس کے لئے شہد کا مرتبان لے کر گئی اور جیلر سے کہا کہ اس کا بیٹا سخت تکلیف میں ہے، اسے دے دو، لیکن اس نے شہد ضبط کر لیا اور کہا: ''وہ بیمار نہیں ہے۔'' کیمپ کے ڈاکٹر نے کہا: ''وہ محض ایک شہدا ہے اور کام چوری کرتا ہے۔ بیمار قطعاً نہیں ہے۔ تک بندی کرتا ہے اور اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھتا ہے۔'' گلانسکوف کا خاندان بار بار التجا کرتا رہا کہ اسے طبی امداد پہنچائی جائے، لیکن حکام یہی کہتے رہے وہ چنگا بھلا ہے۔ اس کے دوستوں نے مشہور شاعر یفگنی یفتوشنکو سے درخواست کی کہ وہ بیچ میں پڑ کر گلانسکوف کے علاج کا انتظام کروائے، مگر وہ انقلابیوں کی مدد کے لئے چلی جانے کی تیاریوں میں مصروف تھا، اس چھوٹے سے کام کے لئے اسے فرصت کہاں سے میسر آ سکتی؟ گلانسکوف کا السر بگڑتا چلا گیا۔ ایک ساتھی قیدی ڈاکٹر نے اس کا آپریشن کیا، لیکن اس کا زخم بگڑ گیا۔ استدعا پر استدعا کی گئی کہ مریض کو سول ہسپتال میں منتقل کر دیا جائے، مگر حکام نے ہر التجا اور استدعا مسترد کر دی۔ آخر وہ 4 نومبر کو کیمپ ہی میں مر گیا۔ موت کے وقت وہ صرف 33 برس کا تھا۔

کمیونزم میں چونکہ مذہب افیون کا درجہ رکھتا تھا اس لئے کے۔جی۔بی کا پہلا شکار مذہبی لوگ تھے۔ مختلف کلیساؤں سے وابستہ اور خدا اور مذہب پر ایمان رکھنے والے افراد اور گروہوں کو کمیونزم کا دشمن سمجھا جاتا اور وہ مسلسل نگرانی میں رہتے۔ خدا کو ماننے کا مطلب یہ تھا کہ وہ کمیونزم کے نظریہ کو پورے کا پورا تسلیم نہیں کرتے اور عظیم لینن کی تعلیمات سے اتفاق نہیں رکھتے۔ علاوہ ازیں وہ خطرناک لوگ ہیں اور

مزدوروں کی انتظامی تلوار چیکا ان کے سر پر پڑ سکتی تھی لیکن کیا یہ انتقامی تلوار واقعی مزدور طبقے کی تھی۔ کے۔ جی۔ بی بے رحمی اور تندخوئی سے اپنے اختیارات استعمال کرتی، وہ کسی انسان حق یا قانون دانوں کی قائل نہیں تھی۔ کے۔ جی۔ بی کی طاقت سخت قوانین، ایجنٹوں اور مخبروں کی فوج کے باوجود ایسے لوگ تھے جو پولٹ بیورو اور حکومت کی پالیسیوں پر تنقید کرنے سے نہیں چونکتے بلکہ بعض اوقات وہ زیر زمین تنظیمیں تک قائم کر لیتے۔ بہت سے لوگ نظام پر نکتہ چینی کرنے کے بجائے مذہب کے دفاع انسانی حقوق اور قوم پرستی کے نظریات پر گفتگو کرتے۔ ایسے بہادر لوگوں کی اکثریت کے۔ جی۔ بی کے انتقام کا شکار ہو جاتی۔ لاتعداد کیمپوں یا کارخانوں میں ہمیشہ کے لئے غائب ہو جاتے یا اپنی زندگیاں نفسیاتی ہسپتالوں اور پاگل خانوں میں ختم کر دیتے۔ چند لوگوں کو پتہ چلتا کہ ان کا کیا حشر ہوا عوام الناس کو ان کی ہوا بھی نہیں لگتی تھی صرف چند خوش قسمت رہے تھے جو "کے۔ جی۔ بی" کا شکار ہوئے لیکن بیرونی دُنیا کو ان کا علم ہو گیا ان میں سولزی نتسن، میکیسوف، سخارف اور لیستو ینوف یہ محض چند مستثنیات ہیں ورنہ ہزاروں نامعلوم افراد کے۔ جی۔ بی کی چکی میں پستے رہے۔

بعض بڑے آدمی بھی کے۔ جی۔ بی کے چنگل سے نہیں بچ پائے جنرل گریگو دینکو ان میں سے ایک ہیں وہ 1964ء سے ظلم وستم کا بنا چلا رہا ہے۔ فروری 1980ء میں اسے دماغی علاج کے کلینک میں بھیج دیا جہاں جون 1984ء میں اس کا علاج ہو رہا تھا۔ درحقیقت جنرل گریگو دینکو کی دماغی بیماری کے۔ جی۔ بی کی ساختہ پرداختہ تھی پہلی گرفتاری کے وقت وہ چنگا بھلا ایک صحت مند آدمی تھا لیکن کئی سال تک دماغی امراض کے ہسپتال میں رہنے کے نتیجے میں وہ واقعی بیمار ہو گیا۔ ایک مرتبہ مشرقی جرمنی میں اسپیشل ڈیپارٹمنٹ کے پریشنل سیمینار میں بحث مباحثے کے دوران گریگو دینکو کا ذکر چھڑ گیا ایک افسر نے پوچھا کیا وہ واقعی بیمار ہے ان کے چیف ترازوش



شانیلنیکو جس نے اس کیس کو ڈیل کیا تھا جواب دیا نہیں۔ اس پائے کے روسی فوجی جرنیل پر سویت دشمن جرائم کا مقدمہ چلانا ہی ممکن نہ تھا۔ دُنیا کی رائے عامہ چیخ اُٹھی۔ چنانچہ اسے دماغی طور مریض ظاہر کر دیا گیا۔

کے۔ جی۔ بی کے ہتھکنڈوں کی ایک نمایاں مثال پیا تریا کر ہے اس کا باپ خانہ جنگی کے دوران مشہور فوجی کمانڈر رہا تھا اور 1938ء میں اسے اسٹالین کے حکم پر چیکسوں نے گولی ماردی تھی۔

چیکا (Cheka) ایک کینہ پرور سیاسی پولیس ہے۔ اس کے ڈائریکٹر مٹر فیلکس نے 1918ء میں بڑے غصے کی حالت میں اعلان کیا کہ ہم بہت غصے اور پریشانی سے اعلان کرتے ہیں کہ ہم مخالف کو کچل کر رکھ دیں گے۔ چیکا (Cheka) کوئی عدالت نہیں جو آپ کے انصاف کے لئے قانون کا سہارا لے۔ یہ وہ تلوار ہے کہ اگر اس کی زد میں کوئی بھی آجائے تو کچل کر رکھ دیں گے۔ چیکا وہ ادارہ ہے جو کسی پر رحم نہیں کرتا۔ اس ادارے نے سویت یونین کے ہزاروں نہیں بلکہ کروڑوں بے گناہ انسانوں کو تہہ تیغ کر دیا۔ اس ادارے نے خفیہ طور پر روس اور روس کے باہر کے ملکوں میں بے شمار سیاسی قتل عام کا بازار گرم کئے رکھا۔ اس ادارے کی جیلوں میں معصوم بچوں سے لے کر بوڑھوں تک بے گناہ لوگوں کو صرف اس لئے بند رکھا گیا کہ وہ مذہب پسند تھے اور مذہب کے ساتھ چیکا نے جو سلوک روا رکھا اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

بالشویک انقلاب کے دوران اور اس کے بعد کم وبیش دو لاکھ انسانوں کو تہہ و تیغ کر دیا گیا۔ جس میں ہزاروں کی تعداد میں بے گناہ شہری تھے۔ ان کا نہ کوئی رونے والا تھا اور نہ کوئی دیت یا قصاص طلب کرنے والا جس نے سر اُٹھایا وہی اس کی تلوار کی زد میں آیا۔ اس کے بعد ایک دوسرے انقلاب میں تین لاکھ انسانوں کو تہہ تیغ کر دیا گیا۔ ان لوگوں میں زیادہ تر وہی لوگ تھے۔ جن کو خدا اور رسول (ﷺ) پر پکا ایمان تھا اور مذہب کے پیرو کار تھے۔ ان کا گناہ صرف یہ تھا کہ خدا ایک ہے اور اس کا کوئی

شریک نہیں۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے آخری رسول ہیں۔ دوسرے نمبر پر ان کا قصور صرف یہ تھا کہ وہ لوگ چیکا (Cheka) اور (K.G.B) کی بدکرداریوں اور ظلم وتعدی کے خلاف احتجاج کر رہے تھے۔

لینن نے 1918ء میں ایک تقریر میں کہا۔

چیکا (Cheka) انقلاب دشمن عناصر کو ختم کرنے کے لئے مالشویک کمیشن تنظیم ہے۔ چیکا (Cheka) ایک ایسی تنظیم ہے جو اغواء کرنے اور سیاسی قتل کا وظیفہ سرانجام دیتی ہے۔ اگرچہ بالشویک انقلاب سے پہلے عیسائی روس نے ایک ادارہ اور خیران (Okhrana) کے نام سے قائم کیا تھا۔ جو لوگ اس تنظیم میں کام کرتے تھے۔ انہوں نے بھی کمیونسٹوں کے لئے کام کیا۔

تزاری حکومت کے زمانے میں کمیونسٹوں کے لئے وسیع پیمانے پر مراعات تھیں۔ اس لئے اوخرا (Okhrana) کی مخفی جاسوسی تنظیم نے بھی ان کے لئے کام کیا۔

21 دسمبر کو نیشنل کمیشن دھیستو زراء نے اعلان کیا کہ اوخران (Okhrana) کو سیاسی قتل عام اور دہشت گردی کے اختیارات بھی دیئے گئے ہیں۔ چیکا اور اوخیران دونوں نے اعلان کیا کہ مزدور، کسان، افیسر، ڈاکٹر اور ہر شعبۂ زندگی سے تعلق رکھنے والوں کو چاہیئے کہ ہمیں اپنے دشمنوں کے بارے میں مطلع کریں۔ ایک بار کمیونسٹوں نے بھی اوخرانا اور چیکا دہشت گرد تنظیموں کے خلاف احتجاج کیا۔ مگر لینن نے کہا کہ ہم اوخرانا اور چیکا کے بارے میں کسی کی بات نہیں سنیں گے۔ کیونکہ ان دونوں تنظیموں کو ملک نے تمام اختیارات عطا کئے ہیں۔





1924ء میں جب لینن ناکارہ ہو کر دوسرے جہاں کی تیاری کرنے لگا تو اس نے اپنی قوم کے لئے وصیت نامہ لکھا جو سراسر ڈکٹیٹر شپ کا حکم ظلم واستبداد اور دہشت گردی سے قائم رکھنے کے الفاظ پر مشتمل تھا۔ اس نے خفیہ پولیس (Cheka) کے بل بوتے پر حکومت کی۔ لینن نے روس کے عیسائی معاشرہ کو کمیونسٹ معاشرہ بنا کر عوام میں ایسا خوف وہراس پیدا کر دیا کہ وہ حکومت کے خلاف مظاہرہ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ لینن نے خفیہ تنظیم پولیس (Cheka) کے ذریعے روس کے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں مظلوم اور بے گناہ انسانوں کو مار ڈالا۔ جن کا گناہ صرف یہ تھا کہ وہ مسلمان تھے۔ سائبیریا کی جیلیں روسی مردوں اور عورتوں سے بھر گئیں۔ ان مزدوروں اور کسانوں کو جن کے ذریعے انقلاب لایا گیا تھا۔ ایک ایک کر کے ختم کر دیئے گئے۔

روس میں لینن اور سٹالین کی حکومتیں کلیتہً مطلق العنان تھیں۔ قید خانے دہشت گردی، موت کی سزا بغیر مقدمہ چلائے زبردستی جرائم کا منوانا اور لوگوں کے سامنے عوامی کچہریوں میں اپنے مخالفین کو ذلیل وخوار کرنا اور موت کے گھاٹ اُتارنا۔ لینن اور سٹالین کی حکومت کے کارنامے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب حکومت کے خلاف کسی کو لب کشائی کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ اور مطلق العنان حکمران بڑی فرعونیت سے ایوانِ حکومت پر قبضہ جمائے بیٹھے رہے۔ ہر شخص خوف وہراس کا شکار یہاں تک کہ لوگ اپنا دکھ درد زبان پر لانے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔

25 فروری 1956ء کو خروشیف نے اپنی ایک تقریر میں گزشتہ کوتاہیوں اور غلطیوں کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ اب خوف اور ڈرانے کا وقت نہیں۔ لوگوں نے بھی محسوس کیا کہ خروشیف نے پرانی اور گزشتہ غلطیوں کا اعتراف کیا ہے۔ مگر ولی طور پر روس کے شہری مطمئن نہیں تھے۔ کیونکہ خروشیف بھی لینن اور سٹالین کا بھائی تھے۔

6 جولائی 1957ء کو پراودا اخبار نے مزید وضاحت کی اور ان خیالات کا

اظہار کیا کہ جہاں تک ہمارے ملک کا تعلق ہے۔ کمیونسٹ پارٹی کو مکمل طور پر اس بات کا حق ہے کہ وہ اپنی مرضی کے خلاف کسی کو تقریر و تحریر کا حق نہیں دے گی پارٹی نے اپنے بنیادی ڈھانچے میں سماجی طور پر کوئی تبدیلی نہیں کی۔ مگر سوویت روس کے تمام امورِ مملکت خفیہ پولیس تنظیم (K.G.B) اور چیکا (Cheka) کے ہاتھ میں رہے۔ اشتراکی جاسوسوں کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے خروشیف نے کہا کہ ہم ہر سطح پر انقلابی نگرانی بڑی سختی سے مضبوط کریں گے اور اس کو ملکی حفاظت کا ایک حصہ بنائیں گے۔“

1964ء میں جب خروشیف کو پارٹی سے خارج کر دیا گیا تو اُس کے بنیادی ڈھانچے میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ پارٹی کے نئے سربراہ برژنیف نے خفیہ پولیس تنظیم کے۔جی۔بی کو مزید فعال بنایا۔ اور اختیارات لامحدود کر دیئے۔ برژنیف نے کے۔جی۔بی کو فعال بنانے کے ساتھ ساتھ افغانستان میں بھی ایک خفیہ پولیس تنظیم خاد (Khuad) کے نام سے تشکیل دی۔ اقتدار حاصل کرتے ہی برژنیف نے اس بات کی تصدیق کی کہ کے۔جی۔بی ہمارے ملک کی سلامتی کا ایک اہم اور فعال ادارہ ہے۔ برژنیف کے دورِ حکومت میں کمیونسٹ پارٹی نے کانگریس کی لائبریری میں چوبیس سو سے زائد ایسی کتابیں رکھیں جو 1964ء سے 1972ء تک کے عرصے کے سوویت یونین کی پالیسیوں کے۔جی۔بی کے کارناموں کے متعلق مضامین پر مشتمل تھیں۔ روسی حکومت نے محسوس کر لیا کہ خفیہ تنظیم کے۔جی۔بی بغیر کوئی چارہ نہیں لہٰذا ان کو ماڈرن اور فعال بنایا جائے۔ کے۔جی۔بی ایسی دہشت گرد خفیہ تنظیم ہے۔ جس کے ڈنگ سے اُس کے اپنے حاکم اور افسران بھی محفوظ نہ رہ سکتے تھے۔

برژنیف کے دورِ حکومت میں بھی کے۔جی۔بی نے اغواء، قتل، دھ
بازی، سیاسی شخصیات کا اغواء اور قتل اور اس قسم کے منصوبے اندرون ملک اور بیر
ملک سیاسی لیڈروں کو قتل کرنے اور دوسرے ملکوں میں انتشار پھیلانا، نتیجتاً حکو



اُلٹنا، منشیات کا کاروبار کرنا، بلیک میل کرنا اپنا معمول بنائے رکھا۔ اس تمام صورتِ حال کا منطقی نتیجہ بالآخر روس کی شکست و ریخت کی صورت میں سامنے آیا اور یہ بات ثابت ہو گئی کہ جبر و استحصال سے کچھ عرصے کے لئے تو کاروبار مملکت چلایا جا سکتا ہے لیکن اسے ہمیشہ نہیں چلایا جا سکتا۔



# بیرون روس کے۔جی۔بی (K.G.B) کے کارنامے

کے۔جی۔بی کوسی۔آئی۔اے پر بیرون ملک جاسوسی اور تخریب کاری کے مسئلے پر ہمیشہ فوقیت حاصل رہی ہے۔شاید ہی کبھی اُس کے ایجنٹ اپنی غلطی سے پکڑے گئے اور کے۔جی۔بی کے بھگوڑوں نے اُسے خاصا بدنام کیا جس کی ایک اہم مثال سلف الیگزنڈروف تھا۔

سلف الیگزنڈروف کو کے۔جی۔بی نے ایک صحافی کے روپ میں جاسوس کے لئے جاپان میں لانچ کیا تھا جس نے جاپان میں اپنی ذہانت اور ترتیب کی بنیاد پر کے۔جی۔بی کے لئے بہترین رزلٹ حاصل کئے اور وہاں کے۔جی۔بی کا ایک باقاعدہ نیٹ ورک قائم کیا لیکن اس نے محسوس کیا کہ کے۔جی۔بی نے اصل میں اُس کے جذبہ حب الوطنی کو ایک انتہائی گھناؤنے مقصد کے لئے استعمال کیا ہے جس پر وہ بڑی چالاکی سے کے۔جی۔بی کے چنگل سے نکلا اور امریکہ پہنچ گیا۔الیگزنڈروف نے امریکہ میں سیاسی پناہ حاصل کرنے کے بعد کے۔جی۔بی کے معاندانہ عزائم کا پردہ چاک کیا اور اُس کے لئے بے پناہ مسائل بھی کھڑے کر دیئے۔امریکی مصنف بحن بیرن نے جولائی 1983ء میں سلف الیگزنڈروف سے ملاقات کی اور اس کی



کہانی ایک غیر جانبدار مصنف کی حیثیت سے قلمبند کی۔اس کہانی نے دُنیا بھر کے انسانوں کو بہت متاثر کیا اور انہیں اس بات کی اچھی طرح سمجھ آئی کہ تھوڑے فرق سے دراصل دُنیا میں خفیہ جنگیں لڑنے والی جاسوسی تنظیم ہے اور کتنا گھناؤنا کام کر رہی ہیں۔اس کہانی کے مطالعہ سے آپ کو نہ صرف امریکہ بلکہ کے۔جی۔بی کا بھی اصلی روپ دکھائی دے گا۔

الیگزنڈروف کے چہرے پر رُخساروں کی اُبھری ہوئی ہڈیاں، ہونٹوں پر چپکی، ایک مستقل مسکراہٹ، ستواں ناک اور گھنے سیاہ بال، اُس کی شخصیت کا ایک خوشگوار تاثر اپنے مخاطب پر چھوڑتے تھے۔کے۔جی۔بی کے لئے اُس کی خدمات کا سارا ڈیپارٹمنٹ معترف تھا اور یہ سمجھا جاتا تھا کہ الیگزنڈروف کو کسی مشن پر بھیجنے کا مطلب ہے کامیابی کا صد فیصد حصول۔ریکارڈ اس کی گواہی دینے کے لئے کافی تھا۔اس کی آنکھوں میں ایک خاص قسم کی چمک تھی جو مخاطب کو نہ صرف متاثر کرتی تھی بلکہ اکثر اوقات اسے مسحور بھی کر ڈالتی، ان سب جسمانی اوصاف کو جمع کریں تو وہ ایک ایسا کھلاڑی نظر آتا تھا جو فٹ بال کو سیدھا گول میں پہنچا سکتا تھا یا اوپر تلے پانچ وکٹیں ایک بال ضائع کئے بغیر حاصل کر سکتا تھا۔وہ جب خوبصورت اور مرصع ریستوران میں ایک شان بے نیازی سے داخل ہوتا تو ریستوران کا منیجر اس کی طرف فوراً متوجہ ہو جاتا حالانکہ الیگزنڈروف وہاں پہلی دفعہ قدم رکھ رہا ہوتا تھا۔اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنی چال ڈھال، تہذیبی رویئے اور شائستہ گفتگو سے عام آدمی کے بجائے اونچے پائے کا انسان نظر آتا تھا۔بعض لوگ اسے سفارت خانے کا اعلیٰ افسر سمجھتے تھے، کچھ لوگوں کا خیال ہوتا کہ وہ کسی غیر ملکی وفد کا نمائندہ ہے۔

الیگزنڈرروف کی اس شائستہ مزاجی میں اس کی تربیت نے سب سے زیادہ حصہ لیا تھا، وہ ثانوی تعلیم کے مدرسے میں داخل ہوا تو اسے معلوم ہوا کہ سکول میں انگریزی کے علاوہ متعدد غیر ملکی زبانیں تجرباتی طور پر پڑھائی جاتی تھیں، الیگزنڈروف

کوبچپن سے ہی سیر وسیاحت کا شوق تھا اور یہ بات اس کے دل میں بیٹھ گئی تھی کہ جب تک کسی ملک کی زبان پر دسترس حاصل نہ ہو اس ملک کی سیر کرنا بالکل بے معنی اور بے مصرف ہے۔ چنانچہ اس نے روسی زبان کی لازمی تعلیم کے ساتھ متعدد دوسری زبانیں بھی شوقیہ طور پر سیکھ لیں، وہ سکول میں ہر زبان کے طالب علم کے ساتھ اس ملک کے لب و لہجے میں بات کرنے کی کوشش کرتا تو کوئی شخص پہچان نہ سکتا کہ ایک غیر ملکی باشندہ ان کی زبان میں بول رہا ہے۔ چھ سال کے اس کامیاب تجربے کے بعد الیگزنڈروف ماسکو یونیورسٹی میں گیا تو اس نے انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل لینگویجز میں داخلہ لیا اس نے پوسٹ گریجویٹ ریسرچ کے لئے ''جاپان کی سیاست'' کا موضوع منتخب کیا۔ اس تحقیق کے سلسلے میں اس نے چھ مرتبہ جاپان کا سفر اختیار کیا اس دوران میں اس نے ساحل سمندر سے گرفتار کئے جانے والوں مچھیروں کے متعدد انٹرویو لئے اور اس طرح ایسی بہت سی باتیں کھنگال نکالیں جنہیں عام طور پر پیشہ ور سیاست دان چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس عرصے میں اسے جاپانی زبان پر عبور حاصل ہو گیا تھا۔ الیگزنڈروف کی فطری صلاحیتوں اور بے پناہ قوت عمل کے پیش نظر اسے پہلے سوویت امن کمیٹی میں کام پر لگایا گیا۔ لیکن اس کے عملی اوصاف اس وقت زیادہ سامنے آئے جب اس نے ''ایفروایشین یکجہتی کمیٹی'' میں خدمات سرانجام دیں۔ یہاں الیگزنڈروف نے ایک فعال کارکن کی حیثیت میں بیشتر وہ کارنامے سرانجام دیئے جن سے سوویت مقاصد کو تقویت ملتی تھی اور بالواسطہ یا بلاواسطہ مفادات حاصل ہو سکتے تھے، اس نے غلط افواہیں پھیلانے، دشمن کا خبروں کا روسی نقطہ نظر سے تجزیہ کرنے، اپنے مخالف کے عوام میں دشمنی کا بیج بونے، بدحواسی پھیلانے، بے حسی پیدا کرنے، مایوسی اور محرومی کے احساس کو جنم دینے اور منفی پروپیگنڈا کے فن میں یہ دعویٰ حاصل کر لیا تھا اور جھوٹ بولنے میں تو اتنی مہارت پیدا کر لی تھی کہ اس کے چہرے کا تاثر ہر بات کو صداقت پر مبنی ثابت کر دیتا۔ چنانچہ پولٹ بیورو کے ارکان نے الیگزنڈروف کے کام کی ہمیشہ



تعریف کی۔ وہ عوام کے مزاج کو بڑی آسانی سے تبدیل کر دیتا اور انہیں اپنی مرضی کے راستے پر ڈال کر مطلوبہ مطالب کر لیتا تھا۔

الیگزنڈروف کی شیریں زبانی اور خوش لباسی بھی مثبت نتائج حاصل کر رہی تھی۔ وہ جب غیر ملکی لوگوں سے ملتا تو اس عالمانہ انداز میں گفتگو کرتا کہ وہ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہیت، اس کا سب سے بڑا حربہ یہ تھا کہ وہ اپنے مخاطب کے ذہن کو پڑھ لیتا اور پھر اس کے مقاصد کے مطابق گفتگو کرتا۔ وہ کج بحثی اور اختلاف رائے سے گریز کرتا تھا۔ چنانچہ وہ آسانی کے ساتھ امریکی سفارت کاروں کے حلقے میں بھی داخل ہونے کا موقعہ پیدا کر لیتا۔ اکثر اوقات وہ اسرائیلیوں کے ساتھ نشست جمانے میں کامیاب ہو جاتا تھا۔ پی۔ ایل۔ او کے سربراہ یاسر عرفات تک اسے رسائی حاصل تھی۔ الیگزنڈروف کو یہ اعزاز حاصل تھا کہ برزنیف اپنی تقریریں اس سے لکھواتا تھا۔ سیاسی امور پر اس کے تجزیئے ریڈیو ماسکو سے نشر ہوتے تھے، اس کے مقالے ''نیو ٹائمز'' میں نمایاں طور پر شائع کئے جاتے تھے، چنانچہ اسے زبان پر ہی نہیں قلم پر بھی عبور حاصل تھا وہ مختصر سے وقت میں خاصی بڑی ضخامت کا مقابلہ اپنے حافظے کے زور پر مرتب کر سکتا تھا اور اکثر اوقات اعداد وشمار کے لئے بھی وہ حوالے کی کوئی کتاب استعمال نہیں کرتا تھا۔

کے۔ جی۔ بی نے الیگزنڈروف پر اندھا دھند اعتماد نہیں کیا، ایک طویل عرصے تک اس کی خفیہ نگرانی کی جاتی رہی۔ اس کی ہر حرکت کا مشاہدہ کیا جاتا اور پھر کے۔ جی۔ بی کے ایک خاص شعبے میں اس کے ذہنی عمل کا تجزیہ کیا جاتا تھا۔ 1966ء میں اسے سوویت ملٹری کے ساتھ انٹیلی جنس کے لئے کام تفویض کیا گیا تو اس کے سارے ماضی اور حال کو پوری باریک بینی سے کھنگالا گیا۔ 1968ء میں اسے ایک جاپانی سفارت کار متعینہ ماسکو کا تختہ حیات اُلٹنے کا فریضہ سونپا گیا تو اس کے کردار کی تحقیق دوبارہ گہری نظر سے کی گئی، تیسری دفعہ اس قسم کی تحقیقات اس وقت عمل میں

لائی گئی جب الیگزنڈروف کو کے۔جی۔بی کے چیف ڈائریکٹریٹ نمبر ایک میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز کیا گیا تھا۔اس ڈائریکٹریٹ کا کام بیرونی ممالک میں روس کے خفیہ منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا تھا اور بے حد حساس ادارہ تھا۔



کے۔جی۔بی کے روسی افسر الیگزنڈروف کی تحقیقات بے حد خفیہ انداز میں کرتے تھے،اس کے کمرے میں آوازیں ریکارڈ کرنے والے آلات نصب کردیئے جاتے،اس کے ٹیلی فون ٹیپ کیے جاتے،کئی کئی دنوں تک اسے زیرنگرانی رکھا جاتا اور باہمی باتوں کے دوران اسے اشتعال دلانے کی کوشش کی جاتی،اس تمام عرصے میں یہ بات خصوصی طور پر دیکھی گئی کہ وہ اپنے نظریات کے اظہار کی کبھی کوشش نہیں کرتا تھا وہ کیفیت جو فریق مخالف کی بات سن کر عموماً چہرے پر عیاں ہوجاتی ہے وہ اسے دل میں چھپائے رکھتا تھا۔ان سب باتوں کے پیش نظر کے۔جی۔بی نے الیگزنڈروف کو جاپان میں متعین کرنے کا فیصلہ کیا اور اسے ”نیوٹائمز“ کا نمائندہ بنا کر ٹوکیو بھیج دیا۔

ستر کی دہائی میں ٹوکیو کو بہت اہمیت حاصل ہوگئی تھی۔کے۔جی۔بی کو ٹوکیو ریذیڈنسی کو دُنیا کی چار یا پانچ دوسری اہم ترین ریذیڈنسیوں کا درجہ حاصل تھا۔جاپان نے ٹیکنالوجی میں اتنی ترقی کرلی تھی کہ اس کے راز چرانے کے لئے بیشتر ترقی یافتہ ممالک سرگرداں تھے۔کے۔جی۔بی کا خیال تھا کہ نئی ٹیکنالوجی کے فروغ وارتقاء میں امریکہ اور جاپان کا چولی دامن کا ساتھ ہے،چنانچہ اس کی کوشش تھی کہ وہ کسی نہ کسی طرح جاپان سے امریکی رازوں کو حاصل کرلے اور سرد جنگ میں ایک قدم آگے بڑھانے میں کامیاب ہوجائے۔الیگزنڈروف ماسکو میں واقع فارن انٹیلی جنس سکول میں پہنچا تو ٹوکیو کی طرف اس کا سفر شروع ہوچکا تھا۔اس نے سکول کی طرف پہلا قدم



بڑھایا تو اسے احساس ہوا کہ یہ ماسکو کے اندر ایک چھوٹا سا خودکفیل ماسکو تھا،اس سکول میں جدید دور کی ہر آسائش اور ہر طرح کی سہولت موجود تھی،دُنیا سے رابطے کا ایک اندرونی نظام قائم تھا،ٹیلی ویژن،ریڈیو،اخبارات اور ٹیلی فون کے ذریعے آپ ساری دُنیا کو دیکھ سکتے تھے،لیکن اس سکول کی چھ فٹ اونچی خشت بند چاردیواری سے جس پر کانٹے دار تاریں لگی ہوئی تھیں،باہر جانا ممکن نہیں تھا۔ہفتے میں چھ دن طلبہ کو خفیہ منصوبے بنانے اور انہیں تکمیل تک پہنچانے کی تعلیم دی جاتی تھی،صبح کو صحت مند اور چاک وچوبند رکھنے کے لئے ورزش کا ایک خصوصی پروگرام وقع کیا گیا تھا۔اس میں اتھلیٹک،جاگنگ اور فٹ بال وغیرہ ہی شامل نہیں تھے بلکہ اکثر دست بدست لڑائی میں جوڈو کراٹے کی مشق بھی کرائی جاتی تھی،کسی افسر کو اپنا نام ظاہر کرنے کی اجازت نہیں تھی،ایک دوسرے کو مخاطب کرنے کے لئے خفیہ کوڈ نمبر الاٹ کیے گئے تھے جنہیں ایک ہفتے کے بعد یا اس سے بھی کم عرصے میں ضرورت پڑنے پر تبدیل کردیا جاتا تھا۔

**1972**ء کے سرما کے اوائل میں الیگزنڈروف کو اپنے ساتھی طلبہ کے ساتھ واپس ماسکو بھیج دیا گیا۔اب ان طریقوں کا امتحان مقصود تھا جن کی عملی تربیت انہیں سکول میں دی گئی تھی،چنانچہ اب وہ ایک دوسرے کی جاسوسی کرتے،ایک دوسرے کے خلاف رپورٹیں تیار کرتے،مصنوعی ضرورت پیدا کرکے فوری نوعیت کی میٹنگ بلائی جاتی اور اس میں دُشمن سے نمٹنے کے لئے چند لمحات میں لائحہ عمل تیار کیا جاتا۔اپنے متعین کیے ہوئے ایجنٹوں کے کام کی نگرانی کی جاتی،انہیں پیغام دینے اور ان کے جواب خفیہ طور پر بننے کی مشق کرائی جاتی،اس مقصد کے لئے چھوٹے چھوٹے ریڈیو استعمال ہوتے تھے جو کوٹ کی آستین میں آسانی سے چھپائے جاسکتے تھے اور یہ اتنے حساس ہوتے تھے کہ زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ ریڈیو کی گرفت میں لے کر منزل مقصود پر پہنچ جاتا تھا۔

اس ٹریننگ کے آخری حصے میں کے۔جی۔بی کے افسروں نے خود غیر ملکی ایجنٹوں کا کردار ادا کیا۔ اب طلبہ کا تعاقب صرف نگران عملہ نہیں کرتا تھا۔ بلکہ طلبہ کو کھلے میدان میں عملی استعداد دکھانے کے لئے آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا، انہیں ہدایت یہ تھی کہ اگر انہیں ذرا اس شبہ بھی ہو کہ ان کی نگرانی کی جا رہی ہے تو وہ اپنا کام وہیں روک دیں، میٹنگ ہو رہی ہو تو اسے ملتوی کر دیں اور عوام کے ہجوم میں اس طرح گم ہو جائیں کہ پھر پہچانے نہ جا سکیں، اگر وہ نگرانی کی شناخت میں ناکام ہو جاتے تو انہیں فیل کر دیا جاتا تھا۔ تاہم اگر وہ شک وشبہ میں غلط مبتلا ہو جاتے اور اپنی کارروائی معطل کر دیتے تو اس صورت میں بھی انہیں فیل کر دیا جاتا تھا۔

ٹریننگ کے دوران الیگزنڈر روف کی کامیابی کا تناسب بہت اچھا تھا، اس نے قریباً ہر شعبے میں اعلیٰ مہارت کا ثبوت دیا۔ اس سب کے باوجود ٹوکیو برانچ میں ذمہ داریاں سونپنے کے بجائے اسے کے۔جی۔بی نے ایک برس تک ماسکو میں نیو ٹائمز سے وابستہ رکھا۔ فروری 1975ء میں ایک شام وہ ایک گرجے میں عبادت کے لئے جا رہا تھا کہ اسے ایک کار میں کے۔جی۔بی کے کسی ایجنٹ کی موجودگی کا احساس ہوا۔ یہ ماسکو میں اس کی آخری شام تھی، اگلی صبح اس نے اپنے نئے عہدے کا چارج لینے کے لئے ٹوکیو روانہ ہو جانا تھا۔ اس نے اپنی جیب سے کے۔جی۔بی کے سرخ کارڈ کا ایک کونہ اس طرح نکالا کہ کار میں بیٹھے ہوئے شخص کی نظر اس پر پڑ جائے۔ الیگزنڈر روف نے اس سے مخاطب ہو کر کہا: ''میں اپنے ایک دوست کی تلاش میں ہوں، اس نے بھورے رنگ کا لمبا کوٹ اور فر کی ٹوپی پہن رکھی ہے۔ اس کا قد میرے جتنا ہے اور ناک کی ہڈی اونچی مگر آگے سے ذرا مڑی ہوئی ہے۔ کیا آپ نے اس قسم کا کوئی آدمی گرجے کے اندر جاتے دیکھا ہے۔؟'' کار میں بیٹھے ہوئے آدمی نے اپنی گردن باہر نکالی اور کہا: ''کامریڈ اس شکل کا کوئی آدمی اندر نہیں گیا۔ میں بہت دیر سے یہاں کھڑا ہوں۔ چند عورتیں اندر گئی ہیں۔'' اس نے آنکھ دبا کر کہا: ''لیکن یہ سب



بوڑھی عورتیں تھیں۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے یہ احساس نہ ہونے دیا کہ اس نے لیگزنڈر روف کا کے۔جی۔بی کارڈ دیکھ لیا ہے۔

''وہ ضرور آپ کی نظر بچا کر اندر گھس گیا ہوگا، میں ذرا جلدی سے اسے دیکھ آؤں۔'' یہ کہہ کر الیگزنڈر روف گرجے میں گھس گیا۔ گرجے میں جا کر الیگزنڈر روف گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا، اس نے اپنی گردن جھکا لی آنکھیں بند کر لیں اور دل ہی دل میں دُعا کرنے لگا۔

''اے خدا! میں تیری رہنمائی کا طلب گار ہوں، تجھ سے رحم کی التجا کرتا ہوں۔ خدایا! میرے گناہ معاف کر۔ میری روح کو تسکین عنایت کر۔''

الیگزنڈر روف کی شخصیت کا یہ پہلو نیا نہیں تھا لیکن اس پہلو کی طرف کے۔جی۔بی کے نمائندوں کی نظر نہیں گئی تھی یا شاید انہوں نے اسے اہمیت نہیں دی تھی، الیگزنڈر روف پکا عیسائی تھا، وہ روس سے محبت کرنے کے باوجود اپنے مذہبی عقائد اور تصورات سے کبھی علیحدہ نہیں ہوا تھا۔ ایک عرصے سے روسی نظام کے خلاف اس کے دل میں نفرت پیدا ہو گئی تھی، اور وہ دل ہی دل میں اس پر لعنت ملامت کرتا رہتا تھا۔ کے۔جی۔بی کے افسران الیگزنڈر روف کے دل میں پیدا ہونے والی اس تبدیلی سے ناشناسا تھے۔

الیگزنڈر روف کا والد پیشے کے اعتبار سے کیمیا کا ایک ریسرچ سکالر تھا۔ لیکن اسے مجبوراً فوج میں نوکری کرنی پڑی تھی جہاں اسے اپنے فطری مزاج کے خلاف کام کرنا لازم تھا۔ اس بات نے اس کے دل میں بغاوت کا شعلہ ہمیشہ سلگائے رکھا۔ الیگزنڈر روف کے والد نے کمیونسٹ پارٹی پر کبھی تنقید نہیں کی تھی، وہ سوویت افسروں کی کارگزاریوں پر بھی منفی رائے کا اظہار نہیں کرتا تھا۔ اس نے کمیونزم کے نظریاتی زاویے پر بھی کبھی بحث نہیں کی، اسے روس کی سرزمین سے گہری محبت تھی، وہ اس ملک کے بارے میں ضبط شدہ کتابیں کسی نہ کسی طریقے سے حاصل کر لیتا اور پھر ان کا ایک

ایک لفظ پڑھ ڈالتا تھا۔روس کے انقلابی مصنفین اس کے محبوب لکھنے والے تھے، اپنے والد سے ہی الیگزنڈر روف کو معلوم ہوا کہ انقلاب سے پہلے کے روس نے جو ادب پیدا کیا وہ عالمی معیار کا تھا، روس نے طبیعات، ریاضی اور کیمیا میں نمایاں خدمات سرانجام دی تھیں، اس ملک میں اتنا اناج پیدا کیا جاتا تھا کہ پورے ملک کو پیٹ بھر کر غذا فراہم کرنے کے بعد بہت سا غلہ وسطی یورپ میں برآمد کیا جاتا تھا۔یہاں جو صنعتیں قائم تھیں ان کا مقابلہ امریکہ کے سوا دُنیا کا کوئی دوسرا ملک نہیں کر سکتا تھا۔انگلینڈ اور جرمنی تو صنعتی ترقی میں اس سے بہت پیچھے تھے، یہ کہتے کہتے الیگزنڈر روف کے والد کا سرفخر سے بلند ہو جاتا، اس کی آنکھوں میں ایک خاص قسم کی چمک پیدا ہو جاتی۔الیگزنڈر روف کے والد کا سرفخر سے بلند ہو جاتا، اس کی آنکھوں میں ایک خاص قسم کی چمک پیدا ہو جاتی۔الیگزنڈر روف کو یوں محسوس ہوتا کہ یہ باتیں سن کر اس کا سینہ بھی گرم ہو گیا ہے۔اس کے دل میں حب الوطنی کا جذبہ جاگ اُٹھا ہے۔

اپنے خاندان کے دوسرے بزرگوں سے الیگزنڈر روف نے جو کہانیاں سنی تھیں ان میں سرکاری کارندوں کے ظلم کا ذکر زیادہ تھا۔تاہم اسے یقین تھا کہ اس کے بزرگ سچے اور دیانتدار ہیں اور ان کی باتیں حقیقت سے بعید نہیں ہیں۔الیگزنڈر روف نے ان سے ناقابل بیان ظلم کی داستانیں سنی تھیں کہ کس طرح بے گناہ لوگوں کو قید میں ڈال دیا جاتا تھا۔انہیں جسمانی ایذا پہنچا کر ان سے باتیں اُگلوانے کی کوشش کی جاتی، لوگوں کو اکٹھا کر کے گولی کا نشانہ بنا دیا جاتا۔تہ خانوں میں ان پر ظلم توڑے جاتے، اعلیٰ پائے کے سائنس دان، مصنفوں اور فوج کے افسروں کو قتل کروا دیا جاتا۔اس قسم کی کہانیاں سن کر الیگزنڈر روف کے دل میں آہستہ آہستہ یہ خیال بیٹھنے لگا کہ روس کا نظام خوف اور دہشت پر مبنی تھا اور یہ اس کی قسم آئندہ ترقی کے لئے ہرگز موزوں نہیں تھا۔

"کبھی کبھی ضروری ہو جاتا ہے کہ ہم سچ کو منظرِ عام پر لانے کے بجائے چھپا دیں۔" اس کے والد شفیق انداز میں کہتے "لیکن تمہیں اپنے ساتھ ہمیشہ سچ بولا



چاہئے۔سچ کو زندہ رکھنا بہت ضروری ہے۔"

**1954**ء میں الیگزنڈر روف کے والد کی وفات ہوگئی وہ کینسر کا پرانا مریض تھا، الیگزنڈر روف کی ماں یہودی تھی، لیکن جب سوتیلی ماں نے الیگزنڈر روف کو قانونی طور پر اپنا بیٹا بنا لیا تو اس کے دامن سے یہودی ہونے کا داغ بھی مٹ گیا اور اس کے ساتھ ہی مستقبل میں اس کے خاندانی وراثت کی تحقیقات کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا۔

ماسکو یونیورسٹی کی تعلیم کے دوران ہی اس نے ایک بے حد خوبصورت لڑکی نٹالیا کے ساتھ شادی کر لی جو فن تعمیر کی طالبہ تھی، نٹالیا کا باپ روس کی سائنس اکادمی میں ملازم تھا وہ جنگلات کے فن میں ایک خصوصی ماہر تھا، اس کی والدہ ملک کی ایک معروف دانشور خاتون تھی، شعر و شاعری کے علاوہ اسے کہانیاں لکھنے کا شوق بھی تھا۔ ان لوگوں سے بھی الیگزنڈر روف نے پارٹی کے وفادار عناصر کے انخلاء اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کی ملک بدری اور مشقت کیمپوں میں محبوس کر دیئے جانے کے واقعات سنے تھے، تاہم 60ء کی دہائی کے اوائل میں الیگزنڈر روف کا خیال تھا کہ خروشیف اور اس کے ساتھیوں نے سٹالن کے زمانے میں ہونے والے ظلم کا استیصال کر دیا تھا اور اب سوویت یونین نسبتاً بہتر دور میں سے گزر رہا تھا۔اس عرصے میں اس نے اپنے والد کی نصیحت یاد رکھی، اپنے ضمیر کو مطمئن رکھنے کے لئے اس نے اپنے اندر کے سچ پر اعتماد قائم رکھا اور ہر اس بات کا باطن سمجھنے کی کوشش کی جو اس کی آنکھوں کے سامنے وقوع پذیر ہوتی تھی، اس نے دیکھا کہ ملک کے حالات میں نمایاں تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔صداقت کا چہرہ بڑے ریاکارانہ انداز میں تبدیل کیا جا رہا تھا۔جھوٹ پر ملمع چڑھایا جاتا تھا اور حقیقت کو اپنی ضرورت کے مطابق مسخ کرنے کی کوشش کی جاتی تھی، پورا ملک اس وقت لامحدود قلیت میں مبتلا تھا۔

وہ افواہوں پر ہرگز یقین نہیں کرتا تھا، لیکن جب کے۔جی۔بی کے افسران تمام باتوں کی تصدیق نجی محفلوں میں کر دیتے تو اسے یہ سب سچ مانے بغیر چارہ نہ

رہتا۔ بہت سے لوگ جنہوں نے کیمونزم کے نظریئے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا، یا اس نظام پر تنقید کی تھی یا اپنی عدم اطمینانی کا اظہار کیا تھا وہ دماغی امراض کے ہسپتالوں میں پڑے تھے۔ جو شخص بھی سوشلسٹ حقیقت کو تسلیم نہ کرتا اسے خلل دماغ کا شکار قرار دے دیا جاتا۔ اس قسم کے لوگوں کو نفسیاتی کلینک میں داخل کروا دیا جاتا جس کے باہر غنڈے بیٹھے رہتے تاکہ کوئی شخص اندر جا کر ان لوگوں سے صحیح صورت حال معلوم نہ کر سکے، اخبارات میں صرف وہی باتیں چھپتیں جو سوشلسٹ نظام کے حاکموں کے خوف اور دبدبے کو گہرا کر سکتی تھیں، یوں لگتا تھا جیسے سارا ملک ایک عقوبت خانہ بنا ہوا تھا۔ لوگ ایک دوسرے کو دیکھتے لیکن دل کی بات نہ کہہ سکتے کیونکہ ہر دوسرا آدمی حکومت کا جاسوس تھا۔

الیگزنڈروف کو یہ سہولت حاصل تھی کہ وہ ایفرو ایشین سالیڈریٹی کمیٹی کے غیر ملکی مہمانوں کے ساتھ سوویت یونین میں ہر جگہ جا سکتا تھا۔ وہ اپنے سرکاری مہمانوں کو ماڈل فارم، کارخانے، ہسپتال، سکول اور نرسریاں دکھاتا۔ یہ ایسے ادارے تھے جو غیر ملکی مہمانوں کے معائنے کے لئے خاص طور پر بنا سنوار کر رکھے جاتے تھے، یہ اس ملک کی جعلی شان و شکوہ کو ظاہر کرنے والے ''شوپیس'' تھے لیکن ساحلوں کو ان اجتماعی کھیتوں تک جانے کی اجازت نہیں تھی جہاں کھڑی فصلیں برباد ہو رہی تھیں، غلہ کاٹنے والی مشینیں فاضل پرزوں کی عدم موجودگی کے باعث زنگ آلود ہو رہی تھیں، فیکٹریاں ناکارہ مشینوں کی وجہ سے بند پڑی تھیں، نکاسی آب کی نالیاں غلاظت سے بھری پڑی تھیں اور ضرورت مند لوگ دکانوں کے باہر خالی تھیلے پکڑے قطار در قطار کھڑے ہوتے تھے۔ الیگزنڈروف کو یہ سب حقیقی چیزیں نظروں سے اوجھل رکھنے کے لئے بڑی تگ و دو کرنی پڑتی تھی لیکن اس سب کا فائدہ یہ تھا کہ اس کی آگہی میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا، حقیقت اپنا بے رحم چہرہ اس پر منکشف کر رہی تھی۔

ان حالات میں اب اس کے سامنے جاپان تھا۔ جہاں اسے توقع تھی کہ وہ



مستقبل کی طرف تازہ نگاہ سے دیکھے گا اور اس کا باطن روشن ہوگا۔ جاپان میں فرد کام کرنے، زیادہ پیسہ کمانے، آسائش کی اشیاء خریدنے اور اپنی قیمت خود بنانے میں آزاد تھا۔ یہاں کے۔جی۔بی کا خطرہ نہیں تھا۔ کوئی فرد کنسنٹریشن کیمپ میں سزا بھگتنے اور اعصاب کی شکستگی کے لئے بھیجا نہیں جاتا تھا۔ اب الیگزنڈروف سوچنے لگا کہ بالشویک انقلاب عوام کے ساتھ دھوکہ تھا۔ لیکن وہ اس نظام سے فرار اختیار نہیں کر سکتا تھا۔ اس مایوسی اور تاریکی میں اچانک الیگزنڈروف کو روشنی کی ایک کرن نظر آئی یہ کرن اس کے مذہب سے پھوٹی تھی۔ وہ اس وقت اس کی تعبیر نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن اسے یقین تھا کہ اس کرن کی روشنی نہ بجھ سکتی ہے اور نہ کم ہو سکتی ہے۔



ٹوکیو روانہ ہونے سے قبل الیگزنڈروف کے افسروں نے اسے کے۔جی۔بی کی طرف سے ایک دعوت میں مدعو کیا۔ اس پارٹی کا انتظام سنیما کلب میں کیا گیا تھا۔ یہ کلب روس کے نامی گرامی ایکٹروں، مغنیاؤں، رقاصاؤں اور کیمونسٹ پارٹی کے ان ارکان کے زیر انتظام تھا جو آرٹ اور کلچر کو کنٹرول کرتے تھے۔ دعوت کی وہ شام خاصی بے رنگ اور بے روح تھی، ابتدا سے اختتام تک الیگزنڈروف پر بوریت طاری رہی، آخر جب مہمان آہستہ آہستہ رُخصت ہونے لگے تو کے۔جی۔بی کے ایک کرنل نے اسے چند لمحوں کے لئے رُکنے کے لئے کہا۔ وہ اسے کے ساتھ تنہائی میں کچھ باتیں کرنا چاہتا تھا۔ الیگزنڈروف رُک گیا تو وہ اس کے لئے ووڈکا کا ایک جام لے آیا اور بولا: ''اس ایک جام کے ساتھ میں تمہیں تین نصیحتیں کرنا چاہتا ہوں۔ اگر تم میرے کسی لفظ کو دہراؤ گے تو میں اسے تسلیم نہیں کروں گا۔ بلکہ کہوں گا کہ تم جھوٹے ہو اور یہ بات میں پانچ مختلف طریقوں سے ثابت کر کے دکھا دوں گا۔'' یہ کہتے وقت کرنل کے

چہرے پر ایک خبیث مسکراہٹ طاری تھی۔ کرنل نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا: ''تمہیں یہاں جو ٹریننگ دی گئی ہے وہ سب نظریاتی ہے تم اس سے رہنمائی حاصل کر سکتے ہو۔ لیکن یہ سب کتابی ہے۔ یاد رکھو عقل سلیم تمہاری بہترین رہنما ہے، اس کی روشنی میں فوری فیصلہ تمہیں بہت سی مصیبتوں سے بچا سکتا ہے۔'' الیگزنڈر روف نے دیکھا کہ کرنل کے چہرے سے خباثت اچانک غائب ہو گئی تھی، وہ اب اسے ایک مخلص انسان دکھائی دے رہا تھا۔

''میری دوسری نصیحت یہ ہے کہ امریکی خفیہ ادارہ سی۔آئی۔اے سے ہمیشہ دور رہو، سی۔آئی۔اے کے افسر تمہیں لنچ پر بلا کر بہت مسرت محسوس کریں گے، وہ تمہیں کھانے پر مدعو کرنے کے لئے ہر وقت مستعد نظر آئیں گے، کبھی کبھی وہ تمہیں اپنے ذاتی بنگلے پر بھی بلائیں گے، ان کا مقصد صرف یہ ظاہر کرنا ہوگا کہ امریکی خاندان کتنی خوشحال اور آسودہ زندگی گزارتے ہیں، یہاں تمہیں خوبصورت امریکی لوگ ملیں گے جو تمہارے ملک کے بارے میں تم سے بھی زیادہ معلومات رکھتے ہیں، یہاں تمہیں کوئی ایسی لڑکی بھی نظر آئے گی جو ہالی وڈ کی ایکٹرسوں کی طرح غمزہ وعشوہ ادا دکھانے میں ماہر ہوگی اور روسی زبان اس شیریں انداز میں بولے گی جیسے ٹوکیو کے ریاض میں بلبل چہک رہا ہو۔ وہاں بظاہر تم اپنی شام گزار رہے ہو گے لیکن اس وقت اصل میں تمہارا کام تمام ہو چکا ہوگا امریکی برائی تمہارے مزاج پر اثر انداز ہو چکی ہوگی۔''

الیگزنڈر روف نے کرنل کی طرف دیکھا، وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس لمبی تقریر کے اثرات دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ الیگزنڈر روف نے کرنل کی طرف دیکھا، وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس لمبی تقریر کے اثرات دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ الیگزنڈر روف نے ووڈکا کی ایک چسکی لی اور اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ کرنل کہہ رہا تھا:

''تیسری بات یہ ہے کہ پرونی کوف سے تم جتنا دور رہ سکو گے تمہاری صحت اور سلامتی کے لئے اتنا ہی مفید ہوگا۔ یہ شخص سی۔آئی۔اے سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔''



لیفٹیننٹ کرنل ولاڈی میر پرونی کوف ٹوکیو کے۔جی۔بی ریذیڈنسی میں ''سکینڈ ان کمانڈ'' تھا۔

آخری بات کہنے کے بعد کرنل سنیما کلب سے باہر نکل گیا الیگزنڈر روف کے ذہن میں اس کا ابتدائی جملہ ہیجان بپا کر رہا تھا کہ ''اگر تم میرے کسی ایک لفظ کو بھی دہراؤ گے تو میں پانچ طریقوں سے تمہیں جھوٹا ثابت کر دوں گا۔'' لیگزنڈر روف نے کرنل کی سب باتیں اپنے ذہن کے تہ خانے میں چھپا دیں۔



ٹوکیو میں روس کا سفارت خانہ ایک گیارہ منزلہ بلند و بالا عمارت میں واقع تھا، اس کے گرد و پیش میں بیشتر عمارتیں پست قد تھیں، روسی ریذیڈنسی باوقار اور بے حد پرشکوہ نظر آتی تھی، الیگزنڈر روف اپنا بریف کیس اُٹھائے ریذیڈنسی میں پہنچا تو میجر وائج سلیف پروگوف اس کا انتظار کر رہا تھا۔ دسویں منزل پر پروگوف نے دو فولادی دروازے کھول کر اسے اندر آنے کے لئے کہا، اب وہ ایک چھوٹی سی راہداری سے گزر کر دمتری یروخن کے دفتر کی طرف جا رہے تھے، یروخن نے صرف 42 سال کی عمر میں کے۔جی۔بی کے میجر جنرل کا عہدہ حاصل کر لیا تھا۔ وہ روسی بالائی حلقوں میں بہت قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ یروخن کی آنکھیں شکرے کی طرح تیز تھیں، اس نے یوں ظاہر کیا جیسے وہ بہت مصروف ہے۔ اس نے الیگزنڈر روف کے ساتھ رسمی طور پر ہاتھ ملایا تو اس میں خاصی سرد مہری موجود تھی، اس نے الیگزنڈر روف کو یہ کہہ کر فارغ کر دیا: ''مجھے بتایا گیا ہے کہ تمہیں جاپان کے امور پر خاص مہارت ہے، اپنی میز پر جاؤ اور ابھی کام شروع کر دو۔''

باہر کی وسطی گلی میں الیگزنڈر روف نے دیکھا کہ ایک چھوٹے سے قد کا شخص

جس نے ٹوئیڈ کی جیکٹ، نیلے رنگ کی نئی قمیض اور فلالین کی بھوری پتلون پہن رکھی تھی، اس کی طرف آ رہا تھا، دھاری دار ٹائی اس کے لباس میں سب سے زیادہ نمایاں نظر آتی تھی۔

یہ ولاڈی میر پرونی کوف تھا۔

پرونی کوف ایک کسان زادہ تھا، دو باتوں نے اسے احساس کمتری میں مبتلا کر رکھا تھا، اول یہ کہ اس کا خاندانی پس منظر شاندار اور قابل رشک نہیں تھا، دوم یہ کہ اس کا قد ناٹا تھا۔ صرف پانچ فٹ اور چھ انچ تاہم اس نے مسلسل اور جانفشاں محنت سے اپنے احساس کمتری پر عبور حاصل کر لیا تھا۔ **1950**ء میں اسے ٹوکیو میں روس کے دفتر خارجہ میں ایک جونیئر پوسٹ پر لگایا گیا تھا، اس نے سب پہلے مغربی سفارت کاروں سے اعلیٰ لباس پہننے کا سلیقہ سیکھا، اس نے جاپان کی قدیم تاریخ کا مطالعہ کرنے کے بعد ایسے متعدد حوالے یاد کر لئے جن کے ماخذات اب دستیاب نہیں تھے، وہ اپنی گفتگو میں قدیم جاپان کا ذکر کرتا تو اکثر جاپانی حیران رہ جاتے کیونکہ پرونی کوف کی باتیں کبھی بھی ان کے مطالعے میں نہیں آئی تھیں۔ پرونی کوف نے نئی موٹر کاروں کی خوبیوں اور خامیوں کا مشاہدہ بھی بڑی گہری نظر سے کیا تھا اور وہ ایک آٹو موبائل ماہر کی حیثیت سے سفارت کاروں کے حلقے میں اور خاص طور پر سفارت کاروں کی بیویوں سے ان کاروں پر باتیں کر کے انہیں متاثر کر سکتا تھا، آخری اور اہم بات یہ تھی کہ فرانسیسی شرابوں کے بارے میں اس کی معلومات محیر العقول تھیں، سفارت خانے میں کوئی پارٹی ہوتی تو روس کے سفیر کبیر شرابوں کا انتخاب میں ہمیشہ پرونی کوٹ سے مشورہ کیا کرتا تھا اور اس کا مشورہ بالعموم پارٹی کی کامیابی کا باعث ہوتا۔ کہا جاتا ہے کہ پرونی کوٹ نے کوئی نشہ آور سفوف تیار کر رکھا تھا جو فرانسیسی شراب کو چہار آتشہ بنا دیتا۔ روسی سفارت خانے سے ایک دفعہ شراب پینے والا شخص پھر کبھی دعوت کو ٹھکرا نہ سکتا۔ بلکہ تاڑ میں رہتا کہ روسی سفارت خانے میں اس قسم کی تقریب



دوبارہ کب ہوتی ہے۔

ایک برس کے عرصے میں پرونی کوف نے اپنی ضرورت کے مطابق ایک جاپانی صحافی کے ساتھ دوستی قائم کر لی اور اسے ایجنٹ کی حیثیت میں روسی سفارت خانے میں ملازمت دلا دی۔ یہ صحافی اپنے شعبے میں زیادہ تجربہ کار یا بہت نمایاں حیثیت کا مالک نہیں تھا، لیکن اس کے دل میں بلند مقام حاصل کرنے اور پر تعیش زندگی گزارنے کی آرزو موجود تھی، وہ شطرنج پر پوری نظر رکھ کر چالیں چلنے والا نوجوان تھا اور اکثر ایسی سازشوں کا بیج بوآتا کہ خود پرونی کوف حیران رہ جاتا وہ اس نوجوان کو آفت کا پرکالہ کہہ کر شاباش دیتا تھا۔ اس کی ان خوبیوں کی بناء پر کے۔جی۔بی نے اسے ایک خفیہ افسر کے عہدے پر متعین کر دیا۔ اس کامیابی سے شہہ پا کر پرونی کوف نے آئندہ تین برس میں چھ مزید ایجنٹ تلاش کر لئے جو جاپانی عوام کے مزاج پر اثر انداز ہو سکتے تھے اور رائے عامہ کو تبدیل کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ انہیں ایجنٹوں نے جاپان کے کابینہ منسٹر ہیرو ہیڈے اشیدا کی رسائی کے۔جی۔بی تک کرائی اور یوں پولٹ بیورو کے بعض اہم ارکان وزیر اشیدا کے ذاتی شناسا بن گئے۔

پرونی کوف جب الیگزنڈروف سے ملا تو اس کے جذبات میں والہانہ سرگرمی موجود تھی، اس نے پہلی ملاقات میں الیگزنڈروف کو اس کی زندگی، اس کے کیرئیر اور اس کی عملی کارگزاریوں کے بارے میں اتنی باتیں بتا دیں جیسے پرونی کوف اس کا ہم زاد ہو اور اس کے متعلق لمحے لمحے کی خبر رکھتا ہو۔ اس نے الیگزنڈروف کے محبوب کتے ''بیوٹی'' کا نام لے کر پوچھا ''ماسکو سے ٹوکیو تک سفر کے دوران اس کی طبیعت کیسی رہی؟'' اس نے تربیت کے دوران جاپانی سمندروں میں جو تحقیقی کام کیا تھا اور ناآسودہ مچھیروں کے انٹرویو سے جو نتائج نکالے تھے وہ ان سے پوری طرح آشنا تھا۔ الیفروایشین کمیٹی کے ذہانت کے امتحان میں اس نے اعلیٰ پوزیشن حاصل کی تھی اور اسے یہ بھی علم تھا کہ الیگزنڈروف نے ایک سوال کا جواب اپنے کوٹ کے کالر

میں چھپا رکھا تھا لیکن پھر خوف دامن گیر ہو گیا اور وہ نقل نہ کر سکا۔ وہ اس کی بیوی کا نام ہی نہیں بلکہ اس کے دادا اور نانی کا نام بھی جانتا تھا اور اسے معلوم تھا کہ جب وہ تحقیق مکمل کرنے کے لئے جاپان پہلی دفعہ آیا تھا تو اپنے معصوم بیٹے کو کس آیا کے پاس چھوڑ آیا تھا اور وہ کتنے روبل فی دن لیتی تھی۔

"میرے خیال میں تمہاری بیوی انتہائی خوبصورت ہے۔" پرونی کوف نے کہا: "تم بہت خوش قسمت ہو، مجھے توقع ہے کہ تم میری مدد قبول کرو گے، میں تمہاری طرف دست تعاون بڑھاتا ہوں۔ تم جاپان چونکہ نئے نئے آئے ہو، اس لئے تمہیں کسی دوست کی شدید ضرورت ہے۔" یہ کہہ کر وہ تھوڑی دیر کے لئے رُکا اور پھر بولا: "بات یہ ہے کہ ریذیڈنٹ ان دنوں بہت مصروف ہے اور وہ توقع کرتا ہے کہ ہم اس کے معاملات میں دخل نہ دیں اور اسے تنہا کام کرنے دیں۔ اگر تمہیں کوئی مسئلہ درپیش آئے، یا تم یہ محسوس کرو کہ کسی بات کی وضاحت تمہیں درکار ہے، یا جاپان کے نمایاں اشخاص کے بارے میں تمہیں تازہ ترین یا سابقہ معلومات کی ضرورت ہے تو بلا توقف میرے پاس آؤ، میں ہر وقت تمہاری مدد کے لئے تیار ہوں گا...... اور ہاں کیا تمہاری بیوی جاب کرنے میں دلچسپی رکھتی ہے؟ ممکن ہے میں اس کا انتظام بھی کر سکوں۔"

پرونی کوف کی بات واضح تھی، وہ بڑے پُر خلوص انداز میں کہہ رہا تھا کہ علم سب سے بڑی طاقت ہے اور وہ ہر چیز کے بارے میں علم رکھتا ہے...... اس کا پیغام یہ تھا کہ "میری خدمت کرو، تمہیں ایک طاقتور انسان کی سرپرستی حاصل ہو جائے گی اور اس میں وہ اس کی بیوی نتالیا کو بھی شامل کرنا چاہتا تھا...... لیکن نتالیا اس کی اجازت کے بغیر سفارت خانے میں نوکری پر کبھی آمادہ نہ ہوئی اور پرونی کوف کے اشارے سے پہلے الیگزنڈروف نے اس بارے میں کبھی سوچا تک نہیں تھا۔

پرونی کوف کی رہنمائی میں الیگزنڈروف سفارت خانے کا دورہ کر رہا تھا، اس نے الیگزنڈروف کو خاص طور پر ترجمے کا کمرہ دکھایا جہاں دُنیا کی مختلف زبانوں کی



سائنسی معلومات کو روسی زبان کا روپ دیا جا رہا تھا۔ لائن ایکس پر سائنٹفک کوائف چرائے جاتے تھے، ایک آلہ تیز رفتار جاسوسی کے لئے نصب تھا۔ ریڈیو اور مائیکرو ویو کی نشریات کو جام کرنے یا ان کا رُخ موڑنے کی تمام ضروریات بھی اس کمرے میں فراہم کر دی گئی تھیں، اس کمرے کی دیواریں دوہری تھیں ان کے درمیان خلا موجود تھا، چھت اور فرش بھی ڈبل بنائے گئے تھے، چنانچہ ایک کمرے کی کارروائی کی خبر دوسرے کمرے میں پہنچ نہیں سکتی تھی، ساتھ کے کمرے میں اگر اونچی آواز میں میوزک چل رہا ہو تو وہ دوسرے کمرے میں سنائی نہ دیتا تھا۔ ہاں کام کرنے والے ماہرین کو بوریت سے بچانے کے لئے انہیں میوزک بھی سنایا جاتا تھا۔ لیکن اس کے لئے تاریں الگ تھیں اور یہ ہر کارکن کے کان میں ساتھ لگی رہتی تھیں کارکن جب چاہتا موسیقی کی لہروں پر جھومنے لگتا اور اپنی تفریح طبع کا سامان خود فراہم کر لیتا تھا۔

پرونی کوف کے دفتر کے باہر ایک کشادہ جگہ پر زینتھ روم واقع تھا۔ اس کمرے میں جاپان اور دوسری دُنیا کے زیر استعمال آنے والی ریڈیائی لہروں کو پکڑا جاتا تھا، خفیہ پولیس کے پیغامات سنے جاتے تھے اور ان معلومات کی روشنی میں جوابی کارروائی کا پلان تیار کیا جاتا تھا۔ جب بھی ریذیڈنسی کا کوئی افسر جاپان کی کسی اہم میٹنگ میں اپنے ایجنٹ کو جاسوسی پر مامور کرتا تو زینتھ روم میں ایک ٹیکنیشن نہ صرف اس میٹنگ کی کارروائی کو سنتا بلکہ ایجنٹ کی مداخلت پر جو ردعمل پیدا ہوتا اور جاپانی حکومت کے فیصلوں یا شرکائے مجلس کی رائے میں جو تبدیلی پیدا ہوتی تھی، اس کا ریکارڈ بھی محفوظ ہو جاتا تھا۔ میٹنگ کا رُخ اگر روسی مفادات کے خلاف ہونے لگتا تو زینتھ روم سے ریڈیو پر ایجنٹ کو اطلاع دی جاتی کہ وہ میٹنگ کو برخواست یا ملتوی کرا دے۔ زینتھ روم کے باہر ایک ٹی وی کیمرہ بھی نصب تھا جو ریموٹ کنٹرول سے دور دور کی تصویریں اس کمرے میں پہنچا دیتا۔ یہ کیمرہ ان لوگوں کا تعاقب بھی کرتا جنہیں جاپانی سفارت خانے نے روس کی مخبری پر مامور کر رکھا تھا اور جو روسی سفارت خانے

کے باہر سفید کپڑوں میں گھومتے پھرتے اور خبریں سونگھتے رہتے تھے۔ روسی سفارت خانے کا کوئی افسر دفتر سے باہر جاتا تو یہ اس کی نگرانی شروع کر دیتے تھے لیکن اس وقت زیتھ روم میں ان کی ساری نقل و حرکت دیکھی جارہی ہوتی تھی۔

الیگزنڈر روف کے لئے یہ سب آلات نئے نہیں تھے، اسے ان میں معمول سے زیادہ کوئی بات نظر نہ آئی تھی، اسے یہ سب دیکھ کر حیرت تک نہ ہوئی تھی، البتہ ریذیڈنسی کی بارہویں منزل پر بعض غیر ملکی الیکٹرانک آلات اس کے لئے عجوبہ کی حیثیت رکھتے تھے، ٹوکیو کی ریذیڈنسی اگرچہ جدید اور نئی تھی لیکن یہ ماسکو کے ٹریننگ سینٹر سے مختلف نہیں تھی، الیگزنڈر روف نے محسوس کیا کہ واشنگٹن، نیویارک، لندن، پیرس، بون، روم، میڈرڈ، میکسیکو سٹی، اوٹاوا، براسیلیا، بنکاک، کراچی، نئی دہلی، کینبرا اور دُنیا کے دوسرے ممالک کے دارالحکومتوں میں روس کے خفیہ افسر گلیوں، بازاروں اور دفتروں میں گھوم پھر کر یہی کچھ کر رہے تھے جو ٹوکیو میں ہو رہا تھا۔ یہ بالکل معمول کی باتیں تھیں، معمول کے کام تھے۔ لیکن ٹوکیو کو یہ اہمیت حاصل تھی کہ یہاں سوویت یونین کے ذہین اور بہترین تربیت یافتہ نوجوان موجود تھے، انہیں مخبری کے شعبہ میں سند افتخار دی گئی تھی اور وہ اپنی زرخیز دماغی اور اعلیٰ تعلیم سے اس میدان میں انوکھے کارنامے سرانجام دے سکتے تھے۔ اس قسم کی باتوں پر غور کرنے کے بعد اس نے سوچا کہ ''جاسوسی کے نظام کو جدید تر بنایا جائے، روس کو نئی معلومات کا وہ ذخیرہ بھیجا جانا چاہئے جو اس کے پاس پہلے موجود نہیں، یہ ایسی معلومات ہونی چاہئیں جن سے روس کی ترقی میں عملی اور مثبت کام لیا جا سکتا ہے۔''

الیگزنڈر روف اب اپنے دماغ اور دل کے ساتھ مزید بحث نہیں کرنا چاہتا تھا، اس نے اپنے دل کو اپنے دماغ کے سائے میں پناہ لینے کی تلقین کی اور پھر کام میں مصروف ہو گیا۔





الیگزنڈر روف کو ٹوکیو میں جن لوگوں سے ملنے، تعلقات بڑھانے اور ان کے ذہنی، سماجی اور سیاسی رجحانات کا مطالعہ کرنے کی ہدایت کی گئی تھی ان میں ایک دلچسپ شخصیت کا فرضی نام مسٹر کنگ تھا۔ وہ جاپان کی سوشلسٹ پارٹی کا راہنما تھا۔ اس شخص کا مطالعہ کرتے ہوئے الیگزنڈر روف کو ایک روسی کرنل کا جس نے طویل عرصے تک امریکہ میں ملازمت کی تھی، ایک لیکچر یاد آ گیا۔ کرنل صاحب کے پیش نظر یہ موضوع تھا کہ ''بیرونی ممالک کے لوگ کے۔جی۔بی کے ایجنٹ کیوں بن جاتے ہیں؟'' اس سلسلے میں اس نے چند الفاظ کی ابتدائی حروف سے بنایا ہوا ایک انگریزی لفظ MICE استعمال کیا اور ہر حرف کی توضیح یوں کی۔

1) ایم برائے منی (Money) یعنی دولت

2) آئی برائے آئیڈیالوجی (Ideology) یعنی نظریہ

3) سی برائے کمپرومائز (Compromise) یعنی مفاہمت

4) ای برائے ایگو (Ego) یعنی انا

کرنل نے کہا تھا: ''جب بھی آپ کسی آدمی کی داخلی شخصیت اور عملی محرکات کا مطالعہ کریں تو ان چاروں خواص میں سے کسی ایک کو بھی نظر انداز نہ کریں۔ بلکہ ان سب کو ہر وقت اپنے پیش نظر رکھیں۔''

مسٹر کنگ کے بارے میں الیگزنڈر روف کو بتایا گیا تھا کہ وہ ملک کا ایک ممتاز اور باوقار دانشور ہے۔ کسی زمانے میں کمیونزم پر اس کا اعتقاد بے حد پختہ تھا۔ تاہم وہ اب بھی ان خیالات سے منحرف نہیں ہوا تھا اور نظریاتی طور پر ایک مارکسٹ تھا۔ لیکن اس کا مطلب ہرگز نہیں کہ وہ سوویت یونین سے بھی ہمدردانہ جذبات رکھتا تھا۔ جاپان میں بہت سے مارکسٹ ایسے تھے جو سوویت یونین کو مارکسزم کا سچا علمبردار تسلیم نہیں کرتے تھے، ان کی نظر میں سوویت یونین نے مارکس کی تعلیمات سے انحراف کیا تھا اور وہ سوویت یونین کے راہنماؤں کو غدار کہتے تھے، چنانچہ جاپان کا یہ مارکسی گروپ

اینٹی سوویت تھا۔

مسٹر کنگ ایک چھوٹے سے گھر میں اپنی بیوی اور دو بچوں کے ساتھ رہتا تھا، اس کی آمدنی زیادہ نہیں تھی۔ تاہم اس کی گزر بسر سہولت سے ہو جاتی تھی۔ وہ کسی بری عادت میں مبتلا نہیں تھا، چنانچہ اسے اپنی ضرورت سے زیادہ پیسوں کی احتیاج نہیں تھی، اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ کسی کے ساتھ اُصولوں پر سمجھوتہ کرنے پر کبھی آمادہ نہیں ہوتا تھا۔ تاہم ایک دن ایک محفل میں کنگ نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ کئی سالوں سے ایک ایسا کھلا خبری مکتوب (نیوز لیٹر) شائع کرنا چاہتا ہے جس میں حالیہ سوشلسٹ نظام کی خرابیوں پر کھل کر بحث کی گئی ہے۔ اس کا مقصد مثبت ہے کہ سوشلسٹ پارٹی کے متحارب گروپ کو باہم متحد کیا جا سکے۔

الیگزنڈر روف نے یہ بات سنی تو وہ بہت خوش ہوا۔ اس نے کنگ سے کہا ''یہ تو بہت اچھا آئیڈیا ہے۔ آپ کا یہ خیال مثال ہے۔ اس پر تو بہت پہلے عمل ہونا چاہئے تھا۔'' اس نے پوچھا ''مسٹر کنگ آپ نے اپنی اس خواہش کو اب تک عملی جامہ کیوں نہیں پہنایا۔؟''

مسٹر کنگ اسے کس طرح بتاتا کہ روپے کی کمی اس کے آڑے آرہی تھی، ''نیوز لیٹر'' کی اشاعت کے لئے اسے کم از کم ساڑھے چار ہزار ڈالر کی رقم درکار تھی اور وہ اس مالی قربانی کے لئے اپنی بیوی اور بچوں سے درخواست کرنے سے قاصر تھا۔ الیگزنڈر روف نے معاملے کو بھانپ لیا اور فوراً کنگ کو مالی معاونت کی پیش کش کی، کنگ نے اس کا شکریہ ادا کیا لیکن پیش کش قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

الیگزنڈر روف نے بڑی دانشمندی سے بات کا رُخ بدل کر کہا ''میں صحافی ہوں اور تم ایک بہت اہم سیاسی راہنما ہو، ہمارا حق ہے کہ ہم آپس میں تبادلہ خیالات کریں، لیکن کتنی بدقسمتی ہے کہ ہم آپس میں بات کرنے سے بھی معذور ہیں، ہمیں ہر وقت کھٹکا لگا رہتا ہے کہ ہماری نگرانی کی جا رہی ہے۔ مخبر ہمارے پیچھے لگے ہوئے ہیں،



مجھے تو یوں لگتا ہے کہ ان دنوں ہر شخص دوسرے کی جاسوسی کر رہا ہے۔'' یہ کہہ کر الیگزنڈر روف نے تھوڑا سا توقف کیا اور پھر ایک آہ بھر کر کہا ''مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ کو پریشان کیا ہے۔''

اس مرحلہ پر الیگزنڈر روف نے کنگ سے کہا ''مناسب یہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کو ٹیلی فون پر نہ ملا کریں۔'' اس کے بعد وہ جب بھی ملتے تو آپس میں آئندہ دو ملاقاتوں کا وقت اور مقام طے کر لیتے، اگر کسی وجہ سے پہلی ملاقات میں رخنہ پڑ جاتا تو دوسری ملاقات ضرور عمل میں آتی۔ یوں ان دونوں کے درمیان ایک خفیہ رابطہ قائم ہو گیا جو باہم خلوص اور ایک مشترک نصب العین کے حصول پر مبنی نظر آتا تھا۔

ایک ماہ کے بعد ایک دن یونہی دوران گفتگو الیگزنڈر روف کو ''نیوز لیٹر'' کا خیال آ گیا۔ اس نے پوچھا ''کیا ''نیوز لیٹر'' چھاپنے کے لئے کچھ رقم دستیاب ہو گئی ہے؟''

کنگ نے منہ سکوڑ کر کہا ''نہیں، حالات ابھی تک پر اُمید نہیں ہیں'' الیگزنڈر روف نے یہ بات بڑی نرمی اور طمانیت سے سنی، اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا ''مسٹر کنگ، میں تمہارا مزاج آشنا ہوں۔ مجھے پتہ ہے کہ تم اپنے واسطے کبھی ایک پن بھی نہیں لو گے۔ لیکن مجھے اتنی اجازت تو دو کہ میں اتنے اہم ''نیوز لیٹر'' کی اشاعت میں تمہاری مدد کر سکوں۔ اس کی اشاعت کے ساتھ تمہارا یا میرا ذاتی مفاد وابستہ نہیں، ہم یہ سب کچھ کمیونزم کی بہبود اور سوشلسٹ پارٹی کے اتحاد کے لئے کرنا چاہتے ہیں۔''

کنگ یہ بات سن کر قدرے پریشان سا ہو گیا۔ اسے یہ احساس ہو رہا تھا کہ وہ ایک مخلص دوست کے دست تعاون کو بار بار جھٹک رہا ہے۔ کنگ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر آہستہ سے دبایا اور کہا ''میرے دوست ابھی نہیں...... کچھ دیر کے بعد دیکھا جائے گا۔''

چند دن مزید گزرے تھے کہ ان کی ملاقات ایک خوبصورت ریستوران میں

ہوئی، دونوں ایک علیحدہ کمرے میں جا کر بیٹھ گئے۔ الیگزنڈ روف نے موزوں موقعہ دیکھ کر پھر بات چھیڑ دی اور اس کے ساتھ ہی ایک لفافہ جس میں دس لاکھ ین کی رقم تھی، میز کے نیچے سے اسے پکڑاتے ہوئے کہا ''اسے ایک دوست کا تحفہ سمجھو، میں تمہارے مشن میں دل و جان سے شریک ہوں۔'' کنگ نے یہ قیمتی تحفہ قبول کرنے میں تامل کیا لیکن پھر نہ جانے کیا بات ہوئی کہ اس نے لفافہ پکڑ لیا اور اسے فوراً اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لیا۔ الیگزنڈ روف نے اندازہ لگا لیا کہ ناجائز دولت حاصل کرنے کا کنگ کا یہ پہلا موقعہ نہیں تھا۔ اس وقت دروازے کے باہر کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی، کنگ کا رنگ زرد پڑ گیا۔ لیکن یہ ہوٹل کا ملازم تھا جو برتن سمیٹنے کے لئے دستک دے رہا تھا۔ الیگزنڈ روف نے کہا ''یس، کم ان پلیز، برتن اُٹھا کر میز اچھی طرح صاف کر دو!'' ویٹر نے میز صاف کرنے کے بعد بل ان کے سامنے رکھ دیا۔ الیگزنڈ روف نے بڑی معصومیت سے بل اُلٹا کر کنگ کے سامنے رکھا اور کہا ''اس پر دستخط کرنے کی ضرورت نہیں، آپ ایک لاکھ ین کی وصولی لکھ دیں۔'' کنگ کے ذہن میں فوراً یہ خیال آیا کہ اپنے اس مخلص دوست کے دل میں اسے بدگمانی پیدا کرنے والا کوئی اقدام نہیں کرنا چاہئے، اس نے بریف کیس سے اپنا کارڈ نکالا اور اس کی پشت پر رسید لکھ دی۔

تین دن کے بعد وہ دونوں ایک دفعہ پھر اسی ریستوران میں اکٹھے ہوئے، کنگ کا پارہ چڑھا ہوا تھا، اس نے چھوٹتے ہی کہا ''میرا وزیٹنگ کارڈ مجھے واپس کر دو، تم اس کارڈ سے مجھے بلیک میل کر سکتے ہو۔ میرا کیریئر تباہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کا غلط مطلب نکالا جائے گا۔'' کنگ اپنے کئے پر پچھتا رہا تھا۔ وہ بے بس اور مایوس نظر آ رہا تھا۔

الیگزنڈ روف نے اس کی بے بسی کو بالکل نظر انداز کرتے ہوئے کہا ''میں نے یہ کارڈ ماسکو بھیج دیا ہے تاکہ اسے احتیاط سے کسی محفوظ جگہ پر رکھ دیا جائے۔''



یہ بات سنتے ہی کنگ کا چہرہ اُتر گیا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کی رگوں میں دوڑتا ہوا خون رُک سا گیا ہے۔ الیگزنڈ روف نے مودبانہ انداز میں کہا ''تمہیں چاہئے کہ میرے ساتھ تعاون کرو، ہم دونوں ایک ہی سمت میں جا رہے ہیں، ایک ہی کشتی پر سوار ہیں۔''

کنگ نے مرجھائے ہوئے لہجے میں کہا ''اب میں تمہارے رحم و کرم پر ہوں۔''

الیگزنڈ روف نے گرتے ہوئے کنگ کو سہارا دیا اور پوچھا ''کیا یہ ممکن ہے کہ ہم جاپان سوشلسٹ پارٹی کے کنونشن میں چینی ایجنٹ کو منتخب نہ ہونے دیں۔؟''

''کیوں نہیں، کیوں نہیں؟'' کنگ نے اپنے حواب کو سمیٹتے ہوئے کہا ''میں ہر ممکن کوشش کروں گا کہ یہ شخص الیکشن میں جیت نہ سکے۔''

الیگزنڈ روف کے اشارے پر کنگ نے پارٹی کنونشن میں سے پہلے ''گروپ آف مارچ'' تشکیل دیا جو سوشلسٹ پارٹی میں مارکسی خیال کے لوگوں کو فوقیت دلانے کی جدوجہد کر رہا تھا۔ کنگ نے بہت سے لوگوں کے بارے میں کے۔ جی۔ بی کو نئی اور نادر معلومات فراہم کیں، شخصیات کے مفادات اور ان سے پیدا ہونے والے اختلافات اور تضادات کا تجزیہ کیا۔ جاپان میں مارکسٹ نوجوانوں کے لئے روزگار کے نئے مواقع پیدا کئے۔ دسمبر میں کنگ کو جاپانی پارلیمنٹ کے انتخاب میں حصہ لینے کے لئے تین لاکھ ین پیش کئے گئے جو اس نے بخوشی قبول کر لئے۔ اسی دن ریذیڈنسی نے ایک تار ماسکو روانہ کی، جس کا مفہوم حسب ذیل تھا:

''مسٹر کنگ بہر لحاظ عملی طور پر اب ہمارے لئے کام کر رہا ہے، اس کا بنیادی محرک جذبہ ہمارے ساتھ اس کی نظریاتی ہم آہنگی ہے۔ تاہم اس تعاون میں اس کی مادی ضرورتوں اور مالی معاونت کی خواہش کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس نے اب تک جو خدمات سر انجام دی ہیں، اور جو معلومات فراہم کی ہیں ان کی اساس پر کہا جا سکتا

ہے کہ وہ غیر مخلص نہیں، اس نے ہمیں بعض مفید اور قیمتی مشورے دیئے، جن کے مثبت نتائج دوسرے ذرائع سے تحقیق کئے جا چکے ہیں۔ اس لئے ریذیڈنسی مسٹر کنگ کو ایک "با اعتماد رابطہ" شمار کرتی ہے اور مرکز سے درخواست کرتی ہے کہ کنگ کو سرکاری خدمات کے لئے کے۔جی۔بی کے عملے میں شامل کرنے کی اجازت دی جائے۔"

29 دسمبر کو ماسکو سے ریذیڈنسی کی تجویز کو منظور کر لینے کا مراسلہ جاپان پہنچ گیا۔ اس خدمت کے معاوضے میں الیگزنڈر روف کو جس کا خفیہ نام کامریڈ کاٹسوف رکھا گیا تھا کپتان کے عہدے پر ترقی دے دی گئی...... کے۔جی۔بی نے اندازہ لگا لیا تھا کہ کنگ آئندہ بیس برس تک اپنی سیاسی کارگزاری کو جاری رکھ سکتا ہے۔ اس عرصے میں وہ جاپانی پارلیمنٹ میں سوویت یونین اور سوشلسٹ پارٹی کے مفادات کو تحفظ فراہم کر سکتا تھا۔ اس کے اثر و رسوخ سے ماسکو کے ایجنٹوں کو تحفظ مل سکتا تھا۔ جاپانی پارلیمنٹ میں ایک نئی پارٹی کی تشکیل عمل میں آ سکتی تھی جو حزب اقتدار پر کڑی نکتہ چینی کرے۔ روس کے حق میں رائے عامہ کو بیدار کر سکتی تھی۔ الیگزنڈر روف کی ترقی اگرچہ اس کی خدمات کا انعام تھی، لیکن اس سے یہ حقیقت بھی واضح تھی کہ مسٹر کنگ کی شخصیت جاپان میں کتنی اہم تھی، اسے اپنے دام میں پھنسا کر الیگزنڈر روف نے اسے ساری عمر بھر کے لئے سوویت یونین کا مطیع فرمان بنا دیا تھا۔

اس رات الیگزنڈر روف تنہائی میں بیٹھا تو اسے خود اپنے کئے پر شدید پشیمانی کا احساس ہوا۔ اس نے خدا سے معافی مانگی، اس وقت اس کے ہونٹوں پر وہی دُعا تھی جو اس نے ماسکو سے چلتے وقت گرجے میں پڑھی تھی، دُعا کرتے کرتے جب اس کے لبوں پر مسٹر کنگ کا نام آیا تو اس کا قلب رقیق ہو گیا۔ اس نے دل ہی دل میں کہا "یا خدا! ہمیں بدی اور تاریکی سے نکلنے کی توفیق دے۔ ہم بے بس اور مجبور انسان ہیں۔ ہم بند گلی میں پھنسے ہوئے ہیں، ہمیں کھلا راستہ دکھا۔"





مسٹر کنگ کو دام میں آئے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ ٹوکیو ریذیڈنسی کے چیف یروخن کو اچانک اس کے عہدے سے ہٹا دیا گیا۔ اس کے زوال پر سب لوگ انگشت بدنداں تھے لیکن پرونی کوف کو اس کا یہ انجام غیر متوقع نظر آتا تھا۔ ٹوکیو میں یروخن کی تعیناتی کے دن سے پرونی کوٹ اسے اپنے لئے خطرہ عظیم تصور کرتا تھا۔ اگر 42 برس کے اس نوجوان نے جاپان میں بھی اپنی کامیابی کے جھنڈے اسی طرح گاڑ لئے جس طرح اس نے دہلی میں قائم کئے تھے تو اسے یہاں مستقل جگہ دے دی جائے گی اور پرونی کوف کا ریذیڈنٹ بننے کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہو گا۔ یروخن کے ساتھ دہلی سے ایک لیفٹیننٹ کرنل آیا تھا جس کا نام گناڈی یوسٹیف تھا، یروخن نے اس سے ترقی کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن بعض وجوہ کی بنا پر وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا تھا۔ پرونی کوف نے یوسٹیف کو اشاروں میں بتا دیا کہ یروخن کے دل میں اب اس کی قدر پہلے جیسی نہیں رہی، اور جس عہدے پر اس کو ترقی دلانے کا وعدہ کیا گیا ہے اس کے لئے یروخن کی نظر ایک اور افسر ہے جو یوسٹیف کے مقابلے میں کم تر درجے کا فوجی ہے۔ پرونی کوف نے اس کے دل میں یہ بات بھی بٹھا دی کہ یروخن اس کے بارے میں ٹوکیو میں ہی غلط قسم کی افواہیں نہیں پھیلا رہا بلکہ وہ ماسکو میں بھی مثبت رپورٹیں ارسال نہیں کر رہا۔ ان سب باتوں نے یوسٹیف کے دل پر منفی اثر کیا۔ چنانچہ اس کی کارکردگی کا گراف روز بروز نیچے گرنے لگا۔ ادھر جب یوسٹیف مطلوبہ نتائج برآمد کرنے سے قاصر رہا تو یروخن نے ماسکو سنٹر کو لکھنا شروع کر دیا کہ یوسٹیف ذہنی طور پر بیمار ہے اور اسے ٹوکیو ریذیڈنسی سے واپس بلا لیا جائے۔ پرونی کوف نے یوسٹیف کو یقین دلا دیا کہ ماسکو والوں نے اگر ذرا سی تاخیر بھی کی تو یروخن اسے ٹوکیو کے پاگل خانے میں داخل کرا دے گا۔ جتنی جلدی وہ ماسکو چلا جاتا ہے، اتنا ہی اس کے لئے مفید ہو گا۔

یروخن کی رپورٹ ملتے ہی ماسکو نے یوسٹیف کی واپسی کے احکام جاری کر

دیئے، وہ جب ماسکو پہنچا تو گھر بھیجے جانے کے بجائے اس کا استقبال کرنے والے کے۔جی۔بی حکام نے اسے ہسپتال پہنچا دیا۔ یوسٹیف شور مچانے لگا کہ بالکل صحت مند ہے، اس نے تقاضا کیا کہ اس کا مکمل نفسیاتی معائنہ کیا جائے۔ یہ سب کچھ اس ڈرامائی انداز میں ہوا کہ ڈاکٹروں نے یوسٹیف کے احتجاج کو بھی اس کے دماغی خلل کا نتیجہ سمجھا۔ چنانچہ نفسیاتی ماہرین کا ایک گروپ جب اسے دیکھنے کے لئے آیا تو اس کا رویہ انتہائی نرم اور مشفقانہ تھا۔ ایک ڈاکٹر نے بڑے ہمدردانہ لہجے میں کہا:

''آپ نے ٹوکیو ریذیڈنسی میں سخت محنت کی ہے...... آپ کو اب آرام کی ضرورت ہے۔''

یوسٹیف نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک میڈیکل سرٹیفکیٹ نکالا جو اس نے جاپان سے روانہ ہونے سے کئی دن قبل ٹوکیو کے سب سے بڑے نفسیاتی ہسپتال سے حاصل کیا تھا، سرٹیفکیٹ میں درج تھا کہ یوسٹیف صحت مند اور صحیح الدماغ ہے اور ہر قسم کا مشکل ذہنی کام سرانجام دے سکتا ہے۔ اب اسے موقعہ مل گیا تھا کہ وہ یروخن کی ذاتی دشمنی اور عناد کا پردہ چاک کر دے۔ ٹوکیو یونٹ نے اس کی باتیں غور سے سنیں، اور خفیہ تحقیقات سے معلوم کر لیا کہ یوسٹیف سچا تھا۔ اس کے خلاف سازش کی گئی تھی۔ دوسری طرف پرونی کوف کو موقعہ مل گیا کہ وہ اپنا مخصوص کردار ادا کرے۔ چنانچہ اس نے ایک طویل اور مدلل رپورٹ ماسکو بھیجی جس میں یروخن اور یوسٹیف دونوں کی صلاحیتوں کی بے پناہ تعریف کی گئی تھی، اس نے لکھا کہ ان جیسے افسر اس کی مدت ملازمت کے دوران ٹوکیو ریذیڈنسی میں کبھی تعینات نہیں کیے گئے، قوم اور ملک کے لئے انہوں نے بے مثال اور لازوال خدمات سرانجام دی ہیں، لیکن بدقسمتی سے دونوں کی شخصیات میں تصادم ایک عرصے سے عمل میں آ رہا ہے اور یروخن چونکہ اونچے درجے پر فائز ہے، اس لئے یوسٹیف کی پیش کردہ بعض مفید تجاویز پر بھی عمل نہیں کیا جاتا تھا، یروخن ان تجاویز کا کریڈٹ خود حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔''



یہ رپورٹ ایک ایسے افسر کی طرف سے تھی جس پر ماسکو کو بہت اعتماد تھا، کے۔جی۔بی پرونی کوف کو غیر جانبدار اور دیانتدار تصور کرتا تھا۔ لیکن جاپان ریذیڈنسی سے ایک میجر جنرل کی معذولی کسی بڑے سکینڈل کو جنم دے سکتی تھی، کے۔جی۔بی نے تمام کارروائی پر انتہائی رازداری سے عمل کیا اور یروخن کو واپس بلا کر دور دراز کے علاقے میں ''بارڈر گارڈز'' کی ایک معمولی خدمت سونپ دی۔ کہا جاتا ہے کہ یروخن کو 1977ء میں اس نئے عہدے سے ریٹائر ہونا پڑا۔ اس وقت اس کی عمر صرف 45 برس تھی لیکن اس کا ذہنی توازن مکمل طور پر بگڑ چکا تھا اور جسم ہڈیوں کا ڈھانچہ بن چکا تھا۔

الیگزنڈر روف اس من گھڑت ڈرامے کے تمام واقعات کا عینی شاہد تھا، لیکن لیگزنڈر روف کو اس میں اہمیت نہیں دی گئی تھی، نہ اس سے رائے طلب کی گئی۔ یروخن کی معذولی سے وہ ایک سرپرست سے محروم ہو گیا تھا۔ وہ اندر ہی اندر تلملا رہ اور ایک سرکاری میٹنگ میں تو وہ اپنے غصے پر ضبط نہ کر سکا اور کئی لوگوں کی موجودگی میں یہاں تک کہہ گیا کہ ''پرونی کوف ایک زہریلا سانپ ہے، جو ہم میں سے ہر ایک کو ڈس سکتا ہے، اس کا ماسکو واپس چلا جانا ہم سب کے مفاد میں ہے۔'' دوسرے دن جب الیگزنڈر روف اس کے دفتر کے سامنے سے گزرا تو پرونی کوف برایا:

''کامریڈ! یہاں آؤ، میرے کمرے میں۔''

اس نے اُٹھ کر دروازے کی چٹخنی چڑھا دی، اس وقت الیگزنڈر روف میز کی دوسری جانب کھڑا تھا، پرونی کوف نے اسے کرسی پر بیٹھنے کے لئے کہنا بھی ضروری نہ سمجھا اور اپنی نشست پر بیٹھ کر تمکنت سے کہا:

''کل تم نے میرے بارے میں جو بکواس میٹنگ میں کی ہے، وہ سب مجھے معلوم ہو چکی ہے۔ تم اپنا سر سلامت رکھنا چاہتے ہو تو آج کے بعد ہر قدم پوری احتیاط کے ساتھ اُٹھاؤ اور یہ نہ بھولو کہ میرا نام پرونی کوف ہے، جو ڈستا ہے لیکن علاج کا موقعہ نہیں دیتا۔''

آئندہ دو ہفتوں کے دوران اور بالخصوص پرونی کوف کی ماسکو روانگی سے قبل ان دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی، پرونی کوف کو کے۔جی۔بی کے محکمہ سات کا ڈپٹی ڈائریکٹر مقرر کر دیا گیا تھا جس کی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ جاپان میں سوویت یونین کی کارروائیوں کی نگرانی کرے۔ الیگزنڈروف نے پرونی کوف کی الوداعی تقریب میں شرکت سے انکار کر دیا تھا۔ لیکن یہ اس کھیل کا انجام نہیں تھا، بساط ابھی لپیٹی نہیں گئی تھی۔ بظاہر یہی نظر آتا تھا کہ الیگزنڈروف نے معرکہ مار لیا ہے۔



الیگزنڈروف کو اس کے بعد جاپان کے سب سے بڑے اخبار ''یومیوری'' کے سنیئر وقائع نگار پر جس کا خفیہ نام تھامسن رکھا گیا تھا، کام کرنے کا حکم دیا گیا۔ مسٹر تھامسن جاپان کا ایک بے حد ممتاز اور بااثر صحافی تھا، اس نے سیاسی امور پر متعدد کتابیں لکھی تھیں جن کے تراجم یورپی زبانوں میں بھی ہو چکے تھے، اسے ملکی اور غیر ملکی سیاسی واقعات کا تجزیہ کرنے اور مستقبل شناسی میں ید طولیٰ حاصل تھا، وہ حکومت کے ارکان اور برسر اقتدار پارٹی میں گہرا اثر ورسوخ رکھتا تھا، اکثر سیاسی راز اسے قبل از وقت معلوم ہو جاتے تھے، اور عالم یہ تھا کہ اپوزیشن کے لوگ بھی اس سے رابطہ رکھتے تھے اور اکثر خواہش کرتے کہ اپنے تبصروں میں وہ ان کا ذکر مثبت انداز میں کرے اور ان کے بیانات کو دوسرے لیڈروں پر فوقیت دے۔

تھامسن کو سوویت یونین کے سیاسی امور سے گہری دلچسپی تھی لیکن اس کا رویہ مثبت نہیں تھا۔ تاہم جاپان کی سیاست میں اسے جو عمل دخل حاصل تھا اس سے سوویت مفادات کو تحفظ پہنچایا جا سکتا تھا اور اس کے لئے تھامسن کے رویے میں نرمی پیدا کرنے کی ضرورت تھی، تھامسن کی معاونت سے روس کے بارے میں خبروں کی



خصوصی اشاعت کا اور ضرر رساں خبروں کو رُکوانے کا انتظام بھی کیا جا سکتا تھا، وہ جاپان ریذیڈنسی میں تیار کئے ہوئے پروپیگنڈا مواد کو اپنے اخبار ''یومیوری'' میں نمایاں جگہ پر چھپوا سکتا تھا۔ وہ اپنے تبصروں میں سوویت یونین کو نہ صرف جاپانی نقطہ نظر سے آگاہ کر سکتا تھا بلکہ مشورے بھی دے سکتا تھا، جاپانیوں کے خدشات دُور کرنے اور ان کے مستقبل کے سیاسی ارادوں کے بارے میں معلومات تھامسن سب سے بہتر فراہم کر سکتا تھا...... اور کے۔جی۔بی اس کی دی ہوئی معلومات کی اساس پر اپنا لائحہ عمل تیار کر سکتی تھی، جاپان ریذیڈنسی کو یقین تھا کہ تھامسن جاپان کے وزیر اعظم، وزیر خارجہ اور دوسرے سیاسی راہنماؤں کے ذہن کو روس کے حق میں موڑ کر ان کے فیصلوں کو ایک نیا رُخ دے سکتا تھا۔

الیگزنڈروف سے مسٹر تھامسن کی ملاقات ایک پریس کانفرنس میں ہوئی، اس وقت الیگزنڈروف بظاہر دوسرے غیر ملکی صحافیوں کے سوالات کے جواب دے رہا تھا لیکن اس کی ساری توجہ مسٹر تھامسن کی طرف تھی۔ تھامسن بھی اس کی ذہانت، شائستگی اور سیاسی اور پر دسترس سے بے حد متاثر نظر آتا تھا، پریس کانفرنس کے خاتمے پر جب صحافیانِ عالم چائے کی میز پر اکٹھے ہوئے تو تھامسن الیگزنڈروف کے پاس کھڑا، اس سے اپنے اخبار کے لئے انٹرویو لے رہا تھا۔ الیگزنڈروف نے شکار کو زیر دام لانے کے لئے پھندے کی رسیاں کھول دی تھیں۔

تھامسن سے الیگزنڈروف کی یہ پہلی ملاقات مستقبل کی کئی طویل ملاقاتوں کا پیش خیمہ تھی، وہ اپنے استاد کے بتائے ہوئے چار اصولوں میں سے دو یعنی ''ایگو'' (انا) اور ''Money'' (دولت) کو استعمال میں لانے کی کوشش کر رہا تھا۔ تھامسن کی انا کو تسکین دینے کے لئے الیگزنڈروف نے اسے روسی اخبار ''نیوٹائمز'' میں لکھنے کی دعوت دیتے ہوئے بتایا کہ اس اخبار کا ایک خفیہ نیوز بلیٹن شائع کیا جاتا ہے جسے روس کے دو صد سے زائد سیاسی زعما اور پولٹ بیورو کے اہم ترین ارکان کو باقاعدگی

سے بھیجا جاتا ہے اور وہ اسے نہ صرف توجہ سے پڑھتے ہیں، بلکہ اس بلیٹن میں پیش کی گئی آراء کو اہمیت بھی دیتے ہیں، روس کے حکام اس بلیٹن میں لکھنے والوں کی دانشوری پر اعتماد کرتے ہیں۔ الیگزنڈروف نے کہا ''اگر آپ پسند کریں تو آپ کے سیاسی تجزیے اس خفیہ بلیٹن میں چھپ سکتے ہیں، آپ کے خیالات سے روسی سیاست دان استفادہ کرسکتے ہیں۔ میرے خیال میں یہ صحافت کی خدمت بھی ہوگی۔''

مطلب کی بات کرتے ہوئے الیگزنڈروف نے کہا ''اس بلیٹن میں شائع ہونے والے مضامین کا خاطر خواہ معاوضہ پیش کیا جاتا ہے جو ہمیشہ صیغہ راز میں رہتا ہے۔'' اور پھر جس طرح مسٹر کنگ کو پھانسا گیا تھا اسی طرح تھامسن کو بھی ایک لفافہ پکڑا دیا گیا جس میں اس کے پہلے مضمون کا معاوضہ ایک لاکھ ین موجود تھا۔

تھامسن اور کے۔جی۔بی کے درمیان سلوک کی ایک منزل طے ہوچکی تھی۔

کچھ عرصے کے بعد اخبار ''یومیوری'' میں ایسی کہانیاں چھپنے لگیں جن میں جاپان اور امریکہ پر کڑی تنقید کی جاتی تھی لیکن روس کے بارے میں رویہ نرم ہوتا تھا۔ تھامسن کی ملاقات الیگزنڈروف کے آدمیوں سے غیر اہم مقامات پر ہوتی تو وہ بعض قیمتی معلومات انہیں فراہم کردیتا۔ اس عرصے میں ''نیو ٹائمز'' کے خفیہ بلیٹن میں تھامسن کے کئی مضامین شائع ہوئے لیکن احتیاطاً ان میں سے کسی پر اس کا اصلی نام درج نہیں کیا گیا تھا۔ اس کے تبصرے حقیقت کے اتنے قریب تھے کہ روسی لیڈر انہیں توجہ سے پڑھنے اور انہیں درخور اعتنا سمجھنے لگے، تھامسن جاپان کی خفیہ معلومات کا سب سے بڑا ماخذ ثابت ہوا۔ الیگزنڈروف اس کی فراہم کردہ معلومات کو براہ راست پولٹ بیورو کو بھجواتا اور جب ان پر عمل شروع ہوجاتا تو تھامسن کی انا کو بڑی تسکین ملتی، بلاشبہ اسے مخبری کا اچھا معاوضہ ملتا تھا لیکن انا کی تسکین کے مقابلے میں اب یہ معاوضہ اسے حقیر نظر آنے لگا تھا۔ وہ اپنے آپ کو روس کا سیاسی راہنما سمجھنے لگا تھا جس کا نام راز میں تھا۔

الیگزنڈروف کا آخری اقدام یہ تھا کہ اس نے نئے ریذیڈنٹ کرنل اولیگ



گرینوف سے سفارش کردی کہ تھامسن کو رسمی طور پر کے۔جی۔بی میں افسر بکار خاص ملازم کرلیا جائے۔

الیگزنڈروف کی سفارش پر ماسکوسنٹر کا جواب 36 صفحات پر مشتمل تھا، یہ جواب جاپان ریذیڈنسی میں حیرت اور استعجاب کے جذبات سے پڑھا گیا۔ اس میں لکھا تھا:

تھامسن کی نیک نیتی اور خلوص کا اندازہ غلط لگایا گیا ہے، اور جو شواہد پیش کئے گئے ہیں وہ ٹھوس نہیں ہیں۔ تھامسن نے جو رپورٹیں دی ہیں، وہ جھوٹی اور متضاد ہیں۔ کولٹسوف (الیگزنڈروف) نے تھامسن کا تعاون حاصل کرنے کے لئے وقت اور سرمایہ ضائع کیا ہے۔ اس نے اعلیٰ درجے کے ہوٹلوں میں دعوتیں کرکے مطلوبہ مقاصد حاصل نہیں کئے، قومی مفادات کے برعکس اس کی دلچسپی شراب کی دعوتوں میں زیادہ نظر آتی ہے۔ تھامسن کی تعیناتی کی سفارش مسترد کی جاتی ہے۔

الیگزنڈروف نے یہ جواب پڑھا تو اس کا ماتھا پسینے میں شرابور ہوگیا۔ لیکن جب رومال سے پسینہ پونچھا تو وہ معاملے کی تہہ تک پہنچ چکا تھا، اسے معلوم ہوگیا تھا کہ ماسکو میں محکمہ سات میں بیٹھے ہوئے سانپ نے وار کرنے کے بعد بھی اپنا پھن پھیلا رکھا ہے۔ لیکن اس نے مایوسی کو قریب پھٹکنے نہیں دیا۔ اس ہفتے ماسکوسنٹر کے ایک سنیئر افسر میجر جنرل پوپوف (وائس چیف آف دی فرسٹ چیف ڈائرکٹریٹ) دورے پر ٹوکیو آئے تو الیگزنڈروف نے ماسکو کا مراسلہ اس کے سامنے رکھ دیا۔ اسے دیکھتے ہی پوپوف نے اعتراف کیا کہ ''اس نے اس مراسلے کو پڑھے بغیر دستخط کردیئے تھے۔'' اس نے بتایا کہ ''پرونی کوف نے یہ فائل میرے پاس رات کے وقت بہت دیر سے بھیجی تھی، اس وقت میں تھکا ہوا تھا۔ اس وقت مجھے یاد ہے کہ پولٹ بیورو کا ایک بہت ضروری فون آگیا تھا۔ میں نے اس نوٹ کے صرف پہلے ورق پر دستخط کئے ہیں، اس قسم کے غلط فیصلے پر میں نے کبھی دستخط نہیں کئے، پرونی کوف نے مجھے دھوکا دیا ہے۔''

میجر جنرل پوپوف متاسف تھا اور کہہ رہا تھا "مجھے اس مراسلے کا ایک ایک لفظ پڑھنا چاہیے، تھامسن سے زیادہ مفید ایجنٹ ہمیں جاپان میں نہیں مل سکتا۔ کامریڈ! تم مطمئن رہو، میں یہ مراسلہ واپس لے رہا ہوں، ماسکو سے دوسرے احکامات کا انتظار کرو۔"

پوپوف کی واپسی کے صرف ایک دن بعد ماسکو سنٹر سے مسٹر تھامسن کی تعیناتی کا تار مل چکا تھا، تھامسن کو جاپان میں اعلیٰ رابطے کا ایجنٹ قرار دیا گیا تھا اور اتنے کارآمد آدمی کو دریافت کرنے اور اس کی خدمات حاصل کرنے پر کامریڈ کوتسوف (الیگزنڈروف) کو مبارکباد دی گئی تھی۔

پرونی کوف سے مقابلے کا پہلا راؤنڈ الیگزنڈروف نے جیت لیا تھا۔



چند ہفتوں کے بعد ماسکو سے الیگزنڈروف کو "آرس" کا کیس ہاتھ میں لینے کی ہدایت کی گئی، آرس نے کچھ عرصہ قبل جاپان کے خفیہ سیاسی منصوبوں کی فائلیں کے۔جی۔بی کو فراہم کی تھیں۔ ان میں ایسے کاغذات بھی موجود تھے جو پولٹ بیورو سے جاپان ریذیڈنسی کو براہِ راست موصول ہوئے تھے، لیکن یہ فائلیں جاپان کی دسترس میں تھیں، یہ فائلیں اگر کسی روسی افسر سے برآمد ہوتیں تو اسے فوراً گرفتار کر کے سائبیریا بھیج دیا جاتا اور عوام کو اس کی روس دشمن سرگرمیوں کی اطلاع دے کر اسے نوکری سے برطرف کر دیا جاتا۔ اہم بات یہ تھی کہ ان کاغذات کا امین الیگزنڈروف بھی خطرے سے باہر نہیں تھا، اس کی کوتاہی یا عدم نگرانی کی وجہ سے یہ خفیہ دستاویزات سمگل کر لی گئی تھیں، باور کیا جاتا ہے کہ سفارتی اخلاقیات حائل نہ ہوتیں تو روس جاپان سے پرزور احتجاج کرتا، اور الیگزنڈروف کو قید میں ڈال دیا جاتا کیونکہ ریذیڈنٹ نے یہ خفیہ کاغذات بذاتِ خود اس کے سپرد کئے تھے۔



آرس کو ٹوکیو ریذیڈنسی میں پرونی کوف نے ملازمت فراہم کی تھی، اسے مخبری کی خدمات سرانجام دیتے ہوئے دس برس سے زیادہ گزر چکے تھے، اس وقت وہ کیوڈو نیوز سروس میں کام کرتا تھا اور جاپانی امور کا ایک بے حد سرگرم اور باخبر صحافی شمار ہوتا تھا۔ جاپان کی خفیہ خبر رسانی کے محکمے میں اس کا ایک دوست ملازم تھا۔ اس دوست کی وساطت سے آرس کو چند ایسے راز ہاتھ آگئے جو روس کے لئے بے حد مفید تھے۔ کے۔جی۔بی نے ان معلومات سے بہت فائدہ اُٹھایا اور آرس کو سونے کی کان شمار کیا چنانچہ اسے کے۔جی۔بی میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز کر دیا گیا۔

بعد میں آرس کی اطلاعات پر جاپان کے بارے میں روس کی سیاسی، سماجی اور معاشی پالیسیوں میں نمایاں تبدیلی ظہور میں آنے لگی تو جاپانی حکام کو شک پڑ گیا کہ ان کے دفتر میں کوئی جاسوس کام کر رہا ہے۔ چنانچہ خفیہ خبر رسانی کے محکمے سے کم از کم تیس افسروں کا فوری تبادلہ کر دیا گیا۔ انہیں میں وہ شخص بھی شامل تھا جو آرس کو معلومات فراہم کیا کرتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی آرس کی سرگرمیوں کی نگرانی بھی کی جانے لگی، چنانچہ گزشتہ تین برس کے عرصے میں وہ کے۔جی۔بی کو کوئی مفید مطلب مواد فراہم نہیں کر سکا تھا۔ اور ماسکو میں اس کی خدمات غیر ضروری محسوس کی جانے لگی تھیں، تاہم ایک طبقے کا خیال تھا کہ آرب کو ملازمت سے سبکدوش کرنا مناسب نہیں، اور اگر اسے صحیح نوعیت کی راہنمائی فراہم کی جائے تو اس سے بہتر کام لیا جا سکتا ہے۔ آرس نے اب جو کاغذات فراہم کئے تھے ان سے بھی اس کی اہمیت کو تسلیم کیا گیا تھا۔ الیگزنڈروف کی اپنی پوزیشن مضبوط نہ ہوئی اور آرس کے رابطے پرونی کوف سے واضح نہ ہوتے تو وہ خود سزا سے بچ نہ سکتا، لیکن اب آرس پر کام کرنے کی ہدایت سے صاف نظر آتا تھا کہ ماسکو سنٹر ایک تیر سے دو شکار کرنے کی کوشش میں مصروف تھا۔

الیگزنڈروف نے آرس پر کام شروع کیا تو اس کی محنت ضائع نہ گئی تھوڑے سے عرصے میں ہی اس نے آرس کو ایک دفعہ پھر کے۔جی۔بی کا بے حد فعال ایجنٹ بنا

لیا، اب وہ جاپان ریذیڈنسی اور بالخصوص الیگزنڈروف کی ہدایات کے مطابق کام کررہا تھا۔ تین ماہ کے دوران آرس نے الیگزنڈروف کو تیس دستاویزات کی فلمیں فراہم کر دیں، ان میں ایک دستاویز ایسی تھی جس میں روسی سفارت خانے میں جاپان کی دخل اندازی کرنے کا منصوبہ تمام تر تفصیل کے ساتھ موجود تھا، یہ قیمتی دستاویز جاپان کے خفیہ محکمے میں رسائی اور متعلقہ افراد کو اعتماد میں لئے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی تھی۔ آئندہ چند ماہ کے دوران آرس نے کے۔جی۔بی کو جاپانی خفیہ خبررسانی کے محکمے کے ہزاروں کاغذات کی نقول فراہم کیں، ان کے مطالعے سے الیگزنڈروف نے اندازہ لگالیا کہ یہ سب کاغذات مصدقہ تھے اور ان میں سے ستر فیصد معلومات کا ماخذ ایک ایسا شخص معلوم ہوتا تھا جو خفیہ محکمے میں نہ صرف اعلیٰ عہدے پر فائز تھا بلکہ وہ اس محکمے کا پالیسی ساز بھی تھا۔ اسے خفیہ امور میں فیصلہ دینے کا اختیار بھی حاصل تھا۔

ریذیڈنٹ گرینوف ماسکو اور الیگزنڈروف اب اس کیس پر ایک اور زاویے سے غور کرنے لگے، ان کا خیال تھا کہ اگر اس شخص سے جو آرس کو معلومات فراہم کرتا ہے، کے۔جی۔بی براہِ راست رابطہ قائم کرلے اور اسے اپنا معاون بنالے تو مستقبل میں تادیر اس سے فائدہ اُٹھایا جاسکتا ہے۔ لیکن مشکل یہ درپیش تھی کہ آرس اپنے ذرائع کی نقاب کشائی پر آمادہ نہیں تھا۔ اس مشکل کو سر کرنے کے لئے الیگزنڈ روف نے آرس کا پرانا ریکارڈ دیکھنا شروع کردیا۔ آٹھ دس برس قبل کی رپورٹوں میں آرس نے ایک ایسے شخص سے اپنے رابطے کا ذکر کیا تھا جو اس کے لئے بہت کارآمد ثابت ہورہا تھا۔ اس شخص سے اس کا تعلق اس وقت پیدا ہوا جب آرس عملی زندگی میں داخل ہورہا تھا اور اس کے دوست کو خبررسانی کے محکمے میں نئی نئی ملازمت ملی تھی۔ ان دونوں میں محبت اور یگانگت کا گہرا رشتہ استوار ہوگیا جس میں رخنہ اندازی کے آثار زمانہ حال تک دستیاب نہیں تھے۔ اس شخص نے دہشت گردوں اور انقلاب پسندوں کے خلاف اچھی خدمات سرانجام دی تھیں، لیکن بعد میں اسے مرکز سے تبدیل کرکے



کسی صوبے میں تعینات کردیا گیا تھا۔ الیگزنڈروف نے فائل کو مطالعے سے اندازہ لگایا کہ اگر اس شخص کی ترقی کا گراف تسلی بخش انداز میں اوپر جاتا رہا تو اب تک اسے واپس ٹوکیو پہنچ جانا چاہئے اور وہ ضرور کسی اعلیٰ عہدے پر فائز ہوگا۔ اسے یقین ہوگیا کہ آرس کا ماخذ یہی شخص ہوسکتا ہے، آرس اپنی پرانی دوستی کا فائدہ اُٹھارہا تھا۔

الیگزنڈروف نے آرس سے دوٹوک بات کی۔

"اگر تم نے یہ دستاویزات خفیہ محکمے کے اس افسر سے حاصل کی ہیں تو معاملہ خطرناک صورت اختیار کرگیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم کھیل میں دوہرا کردار ادا کررہے ہو، ہمارے کاغذات اس افسر تک پہنچارہے ہو۔" اس نے کندھے اُچک کر کہا "آرس، اگر تم مجھے اس افسر کا نام بتادو تو میں تمہاری حفاظت کی ضمانت دیتا ہوں، تمہیں جاپان بھی گزند نہیں پہنچا سکے گا، لیکن انکار کی صورت میں شائد تمہاری زندگی خطرے میں ہو اور تم اس خطرے سے نکل نہ سکو۔"

آرس پگھل گیا۔ الیگزنڈروف نے پوچھا "کیا تم دونوں سوشل تقریبات میں ملتے ہو؟ اس شخص کی دلچسپی کس بات میں ہے، روپے پیسے میں، نوادرات میں یا لڑکیوں میں؟"

"وہ جنسی اشتہا پسند ہے۔ لیکن وہ شادی شدہ ہے، اس کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ لڑکیوں کا تعاقب کرسکے، اس کی بیوی آزاد خیال خاتون ہے وہ ایسی باتوں کی پرواہ نہیں کرتی۔ اس قسم کے معاملات میں اس کی مدد میں کرتا ہوں، ہماری اکثر شامیں ہوٹلوں میں گزرتی ہیں۔"

اب الیگزنڈروف نے نرم روی اختیار کرلی لیکن سوالات کا سلسلہ دراز کر دیا۔ آرس بھی آہستہ آہستہ سب کچھ ظاہر کررہا تھا۔ اس شخص کی عمر 40 کے لگ بھگ تھی، وہ خفیہ پولیس میں انسپکٹر جنرل تھا۔ وہ محبِ وطن جاپانی اور کمیونزم کا مخالف تھا، لیکن اسے سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، اس نے اپنی بیوی سے سہولت کی شادی کی

تھی، وہ اس کے گھر سے باہر کے معاملات میں چنداں دلچسپی نہیں لیتی تھی، مکان اگرچہ ان کا اپنا تھا۔لیکن اس کا قرض پوری طرح ادا نہیں ہوا تھا، اس لئے اسے اضافی آمدنی کی ضرورت رہتی تھی، آرس اس کی مالی اور جنسی ضرورتیں پوری کرتا تھا۔

الیگزنڈر، روف نے اس شخص کا نام شویق تجویز کیا اور آرس کو کہا کہ وہ اسے تین سو ڈالر ماہانہ نقد یا آسائش کی صورت میں پیش کرنا شروع کر دے۔

الیگزنڈ روف کا یہ حربہ کامیاب ثابت ہوا۔ اگلے چند ماہ کے دوران جاپانی افسروں کی خفیہ میٹنگوں کی رودادیں اور کارروائیوں کی نقول جاپان ریذیڈنسی میں موصول ہونے لگیں، مسٹر شویق کے لئے یہ تین سو ڈالر اپنی تنخواہ سے زیادہ اہمیت رکھتے تھے اور وہ اس سلسلے کو ہر صورت میں برقرار رکھنے کا خواہش مند تھا، الیگزنڈ روف نے شویق کو کے۔جی۔بی کا تنخواہ دار ملازم بنا لیا تھا۔ مسٹر شویق نے ریذیڈنسی کو جو دستاویزات فراہم کیں ان میں ایک بے حد قیمتی رپورٹ وہ تھی جس میں سوویت بلاک میں افراتفری پھیلانے اور عوام میں نفرت پیدا کرنے کا خفیہ منصوبہ بنایا گیا تھا۔ صرف اس ایک دستاویز کی اساس پر ریذیڈنسی نے ماسکو کو دس طویل رپورٹیں بھیجیں جن میں روس کو متوقع خطرات سے آگاہ کیا گیا تھا اور اس کے ساتھ احتیاطی تدابیر کا منصوبہ بھی پیش کیا گیا۔ ریذیڈنٹ گرینوف اس کارروائی سے اتنا خوش ہوا کہ اس نے مسٹر شویق کو بطور ایجنٹ تعینات کرنے کے لئے ماسکو کو ایک طویل مراسلہ روانہ کیا۔ وہ جب اس مراسلے پر دستخط کر رہا تھا تو الیگزنڈ روف کو داد دے رہا تھا کہ اگر تمہارے قدم کامیابی کی طرف اس طرح بڑھتے رہے تو ایک دن تم مجھ پر بھی فوقیت حاصل کر لو گے۔

ماسکو کا جواب اضطراب انگیز تھا۔ سنٹر نے تقاضا کیا تھا کہ ''مسٹر شویق کی وفاداری کی تصدیق کی جائے۔'' اس سلسلے میں جو ہدایات دی گئیں وہ یہ تھیں۔

آرس کو شویق کی تصویر فراہم کرنے کے لئے کہا جائے۔

شویق کے اپارٹمنٹ کی تصویریں مختلف زاویوں سے ریذیڈنسی کا فوٹو گرافر خود بنائے۔



آرس اور شویق کی ملاقات کی نگرانی کی جائے اور پھر یہ مشاہدہ کیا جائے کہ ہوٹل سے نکل کر شویق کہاں جاتا ہے۔؟

شویق کے دفتر میں آوازیں ریکارڈ کرنے کے خفیہ آلات نصب کرائے جائیں اور ان آوازوں کے ٹیپ ریکارڈ مرکز کو بھیجے جائیں۔

آرس اور شویق کے درمیان ہونے والی گفتگو کو ٹیپ کرنے کا انتظام بھی کیا جائے، اس سلسلے میں اگر خفیہ ریڈیو سسٹمز استعمال کرنا پڑے تو اسے موزوں جگہ پر نصف کیا جائے۔

ماسکو کا مراسلہ اور ہدایات پڑھ کر ریذیڈنسی کے ایک افسر نے کہا کہ ''اسے لکھنے والا ضرور فاتر العقل اور احمق ہے۔'' اس نے گیرینوف اور الیگزنڈ روف سے کہا ''مجھے یہ شخص سوویت یونین کا دشمن نظر آتا ہے، اس کا مقصد ریذیڈنسی کے کامیاب منصوبے کو تلپٹ کرنا ہے یا وہ چاہتا ہے کہ جاپان کے لوگ ہمارے سفارت خانے کو نذر آتش کر دیں۔''

الیگزنڈ روف نے ایک لمحہ توقف کئے بغیر کہا ''یہ پرونی کوف ہے۔''

اس مراسلے کا جواب فوری طور پر بھیجا گیا۔ ماسکو کی تجاویز کو خودکشی کے مترادف قرار دیا گیا جن پر عمل کرنا کسی طرح بھی ممکن نہیں تھا۔ اس خط کا نتیجہ یہ نکلا کہ الیگزنڈ روف شکوک و شبہات کی زد میں لے لیا گیا، اس کے سابقہ اقدامات کی دوبارہ تحقیقات کا حکم دے دیا گیا۔ آرس شویق کیس کو ایک دوسرے محکمے میں تبدیل کر دیا گیا۔ تاہم اس برس کے آخر میں جب مرکز نے کے۔جی۔بی میں شویق کے داخلے کی اجازت دے دی تو اس وسیلے سے استفادہ کرنے کا تمام کریڈٹ پرونی کوف کو دیا گیا جس نے دس برس قبل آرس کو بھرتی کیا تھا۔ الیگزنڈ روف کی ترقی روک دی گئی، اسے ہر قسم کے کریڈٹ سے محروم رکھا گیا۔

مقابلے کا دوسرا راؤنڈ پرونی کوف نے جیت لیا تھا۔



الیگزنڈر روف کو اگر اس کا یقین ہوتا کہ آر.س شویق کیس میں اس کی اعلیٰ کارکردگی کے پس منظر میں پرونی کوف کی خباثت کام کر رہی ہے تو وہ شاید بددل نہ ہوتا۔ وہ جانتا تھا کہ کوئی ادارہ بھی مثالی اور مکمل نہیں ہوتا۔ اس کے کارکن اپنے ادنیٰ مفادات کے اسیر ہوتے ہیں، ان میں کمزور، بدطینت، اور بے وقار لوگ بھی جگہ حاصل کر لیتے ہیں اور وہ اپنی خو کے مطابق ریشہ دوانیوں میں سرگرم عمل رہتے ہیں، الیگزنڈر روف کو افسوس اس بات کا تھا کہ کے۔جی۔بی میں کرپشن کو فروغ عام حاصل تھا، حب الوطنی کے جذبات عنقا تھے، اور پرونی کوف اس نظام کی پیداوار تھا، چنانچہ اس کے دل میں اس نظام کے خلاف جذبات پرورش پانے لگی۔

الیگزنڈر روف جب ذہنی اور اخلاقی انتشار کا سامنا کر رہا تھا تو اس کی عائلی زندگی اس کے منفی اثرات سے محفوظ نہ رہ سکی۔ اسے کے۔جی۔بی میں مخبروں کا نظام پسند نہیں تھا، وہ خفیہ خبر رسانی کے سلسلے کے خلاف تھا، اس قسم کی خبروں سے جو نتائج اخذ کئے جاتے تھے ان کی صداقت مشتبہ ہوتی تھی لیکن اس کی سزا افسر متعلقہ کو بھگتنی پڑتی تھی، اس پر مستزاد یہ کہ ہر بات کو شک وشبہ سے دیکھنے کا رجحان اس کے مزاج کا حصہ بن جاتا تھا۔ الیگزنڈر روف اس نظام کی خرابیاں آشکار کرنا چاہتا تھا۔

انہیں دنوں اس نے اپنی بیوی نٹالی کے لئے کونسلر کے دفتر میں ایک ملازمت حاصل کر لی۔ نٹالیا نے یہاں اتنی محنت کی کہ چند مہینوں میں اسے خواتین کے شعبے کا نگران بنا دیا گیا۔ یہ ڈیوٹی اتنی سخت تھی کہ نٹالیا شام کو تھک کر گھر آتی اور اس کی خواہش ہوتی کہ وہ نہ صرف آرام کرنے کے لئے لیٹ جائے بلکہ اس کا خاوند اس کے ساتھ بیٹھ کر دلجوئی کی باتیں کرے۔ عام طور پر الیگزنڈر روف کی شامیں ریذیڈنسی میں مخبروں کی رپورٹوں کا تجزیہ کرنے میں گزرتی تھیں، تاہم اگر وہ گھر پر موجود بھی ہوتا تو دفتر کے امور اور کارکنوں کی سازشوں، ماسکو کے مراسلات اور سنٹر کی اوٹ پٹانگ تجویزوں پر سوچتا رہتا۔ کئی منفی باتیں اس کے ذہن کے گرد منڈلاتی رہتیں اور وہ فارغ ہونے کے



باوجود بھی ذہنی طور پر مصروف اور تھکا ہوا نظر آتا۔ اسے اپنی بیوی کی دلجوئی کا خیال تک نہ آتا اور اکثر اپنی سوچ میں گم رہتا۔ نٹالیا پہلے تو یہ سب کچھ برداشت کرتی رہی لیکن پھر اس نے یہ باور کرنا شروع کر دیا کہ اس کا خاوند اسے نظر انداز کر رہا ہے، شاید اب وہ اسے پسند نہیں کرتا۔ وہ خاموشی سے اسے مسترد کر رہا ہے۔ ابتدا معمولی رنجشوں سے ہوئی۔ لیکن بعد میں جھگڑا بڑھتا چلا گیا۔ آخر گھریلو تنازعوں نے اتنی خطرناک صورت اختیار کر لی کہ دونوں کئی کئی دن آپس میں کوئی بات چیت تک نہ کرتے۔

اگست 1978ء میں جب الیگزنڈر روف ماسکو تعطیل پر آیا تو وہ جسمانی اور نفسیاتی طور پر اپنے آپ کو ایک صرف شدہ شخص تصور کر رہا تھا۔ وہ کسی تصادم میں اُلجھے بغیر تنہائی میں گہری نیند سونا اور طویل آرام کرنا چاہتا تھا۔ اس کی آرزو تھی کہ اسے روس کی ترقی کا یقین دلایا جائے، اس کے تصورات کو غلط ثابت کرنے کے لئے ایسے شواہد سامنے آئیں جن سے سوویت یونین کا مستقبل روشن نظر آئے۔ سب سے اہم بات یہ کہ وہ جن امور کو اپنا قومی فرض سمجھ کر سرانجام دے رہا تھا ان میں اخلاقی جواز پیدا کیا جائے، وہ سمجھتا تھا کہ کے۔جی۔بی نے اس کے اخلاق پر کاری ضرب لگائی تھی۔ اس کا معصوم ذہن گھن کی چاٹا جا رہا تھا۔

اخبار ''نیو ٹائمز'' کی وساطت سے الیگزنڈر روف نے ماسکو کے نواح میں ''پراودا ریسٹ ہاؤس'' میں دو ہفتوں کی رہائش کے لئے پرمٹ حاصل کر لیا تھا۔ یہ ریسٹ ہاؤس ایک پرفضا مقام پر واقع تھا۔ پراودا کے عملے کے بوڑھے قلمی معاون اور پرنٹنگ پریس کے ریٹائرڈ کارکن یہاں تعطیلات گزارنے کے لئے آیا کرتے تھے، الیگزنڈر روف نٹالیا اور اپنے بیٹے کو ماسکو میں اپنی ماں کے پاس چھوڑ کر یہاں اکیلا آیا تھا۔ وہ اپنے ذہن کو مکمل سکون فراہم کرنا چاہتا تھا، یہاں اس کی ملاقات جن لوگوں سے ہوئی وہ ملکی مسائل پر بہت کم گفتگو کرتے تھے۔ ان کا سب سے بڑا مسئلہ ان کی پنشن تھی جو مہنگائی کے پیش نظر بہت کم معلوم ہوتی تھی، اکثر اوقات وہ مارکیٹ سے

اشیائے صرف کے غائب ہو جانے کا ذکر بھی کرتے تھے، انہیں شکایت تھی کہ ملک میں بلیک مارکیٹ روز افزوں ہے اور زندگی اجیرن ہوتی جارہی ہے۔

یہاں اس کی ملاقات ایک پچاس برس کی بیوہ خاتون سے بھی ہوئی جو اخبار ''پراودا'' میں برزنیف اور پولٹ بیورو کے افسروں کے علاوہ حکمران سیاست دانوں کی تصویروں کی ''ری ٹچنگ'' کیا کرتی تھی، اس کا خیال تھا کہ اگر یہ تصویریں اپنی اصلی حالت میں چھاپ دی جائیں تو یوں لگے گا جیسے پولیٹ بیورو کے ارکان تازہ تازہ سینی ٹوریم سے نکلے ہیں۔ اس خاتون نے کہا ''ان میں سے کوئی شخص بھی صحت مند نظر نہیں آتا۔ سب بیمار، پژمردہ اور مرجھائے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، میں اپنے برش سے ان کے چہروں پر تازگی اور بشاشت بکھیر دیتی ہوں۔''

بوڑھے پنشنروں کی شکایات کی تصدیق کرتے ہوئے اس آرٹسٹ خاتون نے اسے بتایا کہ 1980ء کے اولمپک کھیلوں کے لئے سہولتیں فراہم کرنے کے لئے ملک کے بہت سے وسائل غلط استعمال کر لئے گئے تھے۔ عوام کو سستے فلیٹس فراہم کرنے کا جو وعدہ کیا گیا تھا وہ پورا نہ کیا گیا۔ افسوس ناک بات یہ ہوئی کہ اولمپک کھیلوں کے لئے جو تعمیرات ہونی تھیں وہ بھی معینہ وقت پر مکمل نہ ہو سکیں، بہت سا تعمیراتی سامان چوری ہو جاتا تھا اور حسبِ ضرورت کام کرنے کے لئے مزدور دستیاب نہیں ہوتے تھے۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے جیلوں سے دس ہزار قیدی طلب کئے گئے۔ یہ جرائم پیشہ لوگ تھے، ماسکو میں انہیں جیل سے باہر کام کرنے کا موقعہ ملا تو انہوں نے چوری چکاری، عصمت دری اور قتل کی وارداتوں سے دریغ نہ کیا، اس زمانے میں تعمیراتی علاقے کے قریب جانا خطرے سے خالی نہیں سمجھا جاتا تھا۔

الیگزنڈروف نے اخبارات میں جو مضامین پڑھے وہ بھی خاصے اعصاب شکن تھے، اسے خبروں کا تجزیہ کرنے اور پس پردہ حقیقت معلوم کرنے پر عبور حاصل ہو چکا تھا، چنانچہ جب وہ پڑھتا کہ حکومت کے ماڈل فارم پر تو غلہ زیادہ پیدا ہو لیکن نواحی



کھیتوں کی پیداوار کم ہو گئی ہے تو وہ سمجھ جاتا کہ معاملات درست نہیں ہیں اور عوام حکومت کے ساتھ تعاون نہیں کر رہے۔ کسی مضمون میں اگر یہ درج ہوتا کہ ہزاروں طلبہ رضا کارانہ طور پر کھیتوں سے گندم جمع کرنے کے لئے ایشیائی ریاستوں سے آ گئے ہیں تو اس کا مفہوم یہ ہوتا کہ گیہوں کاٹنے والی مشینری کام نہیں کر رہی ہے اور اب اس کام پر جبراً طلبا کو لگا دیا گیا ہے۔ ایک اخباری رپورٹ کے مطابق امریکہ کے ایک علاقے میں قحط کی صورت پیدا ہو گئی تھی اور لوگ بھوکے مر رہے تھے، لیگزنڈروف سمجھ گیا کہ قحط امریکہ میں نہیں بلکہ روس کے کسی علاقے میں پڑا ہو گا۔ اسے یوں محسوس ہوا کہ وہ جس طرح جاپانیوں کی آنکھوں میں دُھول جھونکنے کے لئے غلط اعداد و شمار پیش کیا کرتا تھا، وہی حربہ ''پراودا'' اپنے عوام پر استعمال کر رہا تھا اور انہیں طفل تسلیوں سے بہلانے میں مصروف تھا۔ وہ اپنے وطن میں اُمید کی جس کرن کی تلاش میں آیا تھا وہ اندھیرے میں گم ہو گئی تھی، اسے عوام کے چہروں پر نا امیدی کے نقوش نظر آتے تھے، ان کی آنکھوں میں تازگی موجود نہیں تھی، ان کے مرجھائے ہوئے ہونٹوں سے مسکراہٹ غائب تھی۔

ٹوکیو روانہ ہونے سے دو روز قبل الیگزنڈروف ماسکو ہیڈ کوارٹرز میں گیا تو اس کی ملاقات پرونی کوف سے ہوئی۔ وہ اس سے بڑی خندہ جبینی سے ملا اور ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اس نے ایک چھوٹی سی تقریر کر ڈالی وہ کہہ رہا تھا ''ہم میں کچھ اختلافات غلط فہمیوں کی بنا پر پیدا ہو گئے ہیں، آؤ انہیں بھلا کر ایک دوسرے کے دوست بن جائیں، اور مستقبل کو بہتر بنانے کی کوشش کریں، تم مجھے ذاتی خطوط لکھا کرو، میں تمہیں محبت سے جواب دوں گا، مجھے جاپان ریذیڈنسی کے اُمور سے گہری دلچسپی ہے۔ تم مجھے ہر بات سے باخبر کر سکتے ہو، میں مرکز میں تمہارے مفادات کی نگرانی کروں گا اور تمہیں کبھی نقصان نہیں ہونے دوں گا۔

الیگزنڈروف سمجھ گیا کہ پرونی کوف اس سے دوسروں کے بارے میں مخبری

کرانا چاہتا تھا، وہ ماسکو میں بیٹھ کر جاپان ریذیڈنسی پر ''حکومت'' کرنا چاہتا تھا۔ اس نے پرونی کوف کی تقریر بغیر کسی دلچسپی سے سنی اور اس کی معاونت کا شکریہ ادا کیا کہ وہ اس کی گرانقدر تجویزوں پر ضرور عمل کرنے کی کوشش کرے گا۔

اگلے دن وہ پھر کلیسا میں گیا اور حسبِ سابق اس نے تنہائی میں بیٹھ کر عبادت کی اور خدا سے مدد چاہی، لیکن اس دفعہ اس کے لہجے میں شکوہ تھا، وہ پوچھ رہا تھا کہ اے خدا برق عبادت گزاروں پر کیوں گرتی ہے؟ خدا کو نہ ماننے والے اور اس کے احکام سے بغاوت کرنے والے کامیاب و کامران کیوں ہیں؟'' اس بغاوت کے پس پشت اس کی مذہبی اخلاقات کام کر رہی تھی، مادی لحاظ سے وہ آسودہ تھا، وہ سوویت معاشرے میں نمایاں مقام رکھتا تھا، پرونی کوف کے ساتھ مفاہمت کر کے وہ ترقی کی مزید راہیں کشادہ کر سکتا تھا، وہ انگریزی پر عبور کی وجہ سے امریکہ اور برطانیہ کے سفارت خانوں میں جگہ حاصل کر سکتا تھا، جاپان ہی نہیں وہ دُنیا کے دوسرے ممالک میں بھی آسانی سے جا سکتا تھا۔ ضرورت صرف اس بات کی تھی کہ وہ اپنی انفرادیت قربان کر دے، مطلب پرستوں کے ساتھ مل جائے اور ان کے گروہی مفادات میں سے اپنا حصہ وصول کرے، ان کا حصہ انہیں ادا کر دے۔

اس کا جہاز جب ٹوکیو جانے کے لئے آسمان کی طرف اُٹھ رہا تھا تو اس نے کھڑکی کے شیشے سے نیچے نظر دوڑائی، ماسکو پر دُور دُور تک خاموشی چھائی ہوئی تھی لیکن اس کے اپنے دل میں ایک زبردست طلاطم بپا تھا۔ اس نے سوال کیا: کیا میں اپنے وطن کو آخری مرتبہ دیکھ رہا ہوں؟





ٹوکیو پہنچنے کے بعد الیگزنڈر روف کئی دنوں تک اپنی ذہنی کیفیت کا تجزیہ کرتا رہا۔ اسے یوں محسوس ہوتا تھا کہ وہ ایک بحران میں پھنس گیا ہے جس سے نکلنے کا کوئی راستہ سامنے نظر نہیں آتا۔ اسے اپنے فرائض منصبی سے ہی نہیں کے۔جی۔بی سے بھی نفرت محسوس ہو رہی تھی، اسے پرونی کوف اور اس کی خواہشات سے گھن آ رہی تھی، اسے ان لوگوں پر رحم آ رہا تھا جنہیں کے۔جی۔بی اپنا آلہ کار بنا لیتا تھا اور جو ساری عمر اس کے پھندے میں گرفتار رہتے تھے۔ اس کے باوجود اس کے دل میں روس کے لئے محبت کا جذبہ شدت سے موجود تھا، وہ اس ملک کے عوام کا مخلص تھا، وہ قوم کا وفادار تھا اور ان دیانتدار افسروں کا دوست جو روس کی سرکاری مشینری میں غلط پرزوں کی طرح کام کرنے پر مجبور تھے اور اب غیر انسانی خدمات سرانجام دے کر ملک کے مستقبل کو تاریک بنا رہے تھے۔ وہ ذہنی طور پر اس نظام کے خلاف تھے لیکن کیا وہ اس سے فرار حاصل کر سکتا تھا؟

اس نے جب آخری سوال پر غور کیا تو اسے یوں لگا جیسے اس کا دل کہہ رہا ہے کہ ''فرار کے بغیر چارہ بھی کیا ہے؟''

1979ء کے دوران وہ ایک جاپانی صحافی جس کا قلمی نام آکوی یوماکاوا تھا پر بڑی محنت سے کام کر رہا تھا، اس نے اس صحافی کا خفیہ نام وسین رکھا تھا، وسین کو جاپانی حکام تک رسائی حاصل تھی اور وہ اخبارات کے ذریعے ان کے کردار کو ذی شان بنانے میں اہم کردار ادا کرتا تھا۔ معاوضے میں اس کو زندگی کی بہترین سہولتیں حاصل تھیں، لیگزنڈر روف نے اس کے ساتھ ایسے دوستانہ مراسم قائم کر لئے کہ ایک دن وہ خود ہی بول اُٹھا ''دوست! میں تمہارے لئے ایک گراں قدر دستاویز لایا ہوں۔'' الیگزنڈر روف کے لئے اس قسم کی اطلاع اب سنسنی خیز ثابت نہیں ہوتی تھی، گزشتہ مئی میں اسے میجر کے عہدے پر ترقی مل چکی تھی، اور اس سے اگلی ترقی کے امکانات فی الحال معدوم تھے، ٹوکیو میں اس نے اتنی خفیہ دستاویزوں کا مطالعہ کیا تھا کہ جاپان کا

کوئی سرکاری راز اب اس کے لئے زیادہ اہمیت رکھنے والا راز نہیں رہا تھا۔کوئی ایجنٹ جب اسے کسی دستاویز کی فلم فراہم کرتا تو یہ اس کے لئے روزمرہ کے معمول کا سرکاری معاملہ ہوتا اور اکثر اوقات تو وہ اس قسم کی دستاویز کو فوری طور پر مطالعہ کرنے کا وقت بھی نکال نہ پاتا۔کے۔جی۔بی کے ایجنٹ اس کے پاس روزانہ دسیوں دستاویزیں لاتے تھے،صرف ایک دستاویز کو تو اس نے کبھی اہمیت ہی نہیں دی تھی۔

وسین اپنے بیگ میں جو ایک صد صفحات کا پلندہ لایا تھا، اس کی نوعیت مختلف تھی۔یہ انتہائی خفیہ دستاویز تھی، جس کے ہر صفحے پر ''ٹاپ سیکرٹ'' کی سرخ رنگ کی مہر لگی ہوئی تھی۔اس دستاویز میں آئندہ دس برس کے دوران چینی فوج کے متوقع حملوں اور جوابی حملوں کا پلان موجود تھا۔اس میں ہر محاذ کا نقشہ، فوج کی تعداد، حملے کے احکام اور ہتھیاروں کی تفصیل دستیاب تھی۔ویت نام کی جنگ میں چینی فوج کی کارروائیوں اور اس کے فوجی کمانڈروں پر ایک ضمیمے میں چشم کشا اور دوٹوک تبصرہ کیا گیا تھا۔یہ دستاویز دیکھتے ہی الیگزنڈر روف نے سب کام چھوڑ کر اپنی توجہ اس پر مرکوز کر دی، اتنی اہم دستاویز اور ایسی خفیہ معلومات اسے پہلے کبھی ہاتھ نہیں آئی تھیں۔اس نے اس دستاویز کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا اور چند نوجوان افسروں کو اس کے فوری ترجمے پر مامور کر دیا۔وہ چاہتا تھا کہ صبح کے طلوع ہونے سے قبل رپورٹ کی تلخیص ماسکو بھیجے کے لئے تیار ہو جائے۔دوسرے روز یہ اطلاعات تار کے ذریعے مرکزی حکومت کو موصول ہو چکی تھیں، شام کی ڈاک سے الیگزنڈر روف نے اصل دستاویز اور اس کا ترجمہ بھی ماسکو روانہ کر دیا۔

آئندہ چند ہفتوں کے دوران ریذیڈنسی اس کہانی کو نشر کرنے کے انتظامات کرتی رہی جو ماسکو سنٹر نے مسٹر وسین کی فراہم کردہ دستاویز کے اثرات زائل کرنے کے لئے تیار کی تھی، اس کہانی میں امریکہ کی عرب نواز سرگرمیوں کو اُجاگر کیا گیا تھا لیکن اس تیر سے جاپان کو شکار کرنے کی سعی بھی کی گئی تھی، بدقسمتی سے ریذیڈنسی کا کوئی ایجنٹ



اس کہانی کو شائع کرنے کے لئے موزوں وسیلہ تلاش نہ کر سکا۔اس میں جو اطلاعات دی گئی تھیں وہ قیاس پر مبنی تھیں، جو الزامات لگائے گئے تھے ان کا ماخذ معدوم تھا۔مختصراً یہ خانہ ساز کہانی کچھ اس طرح تھی:

''امریکہ میں صدر کارٹر کی مقبولیت روز بروز کم ہو رہی ہے۔امریکی عوام کارٹر کو ایک کمزور اور متزلزل مزاج سیاست دان تصور کرتے ہیں۔سی۔آئی۔اے کا ڈائریکٹر سنٹر فیلڈنر صدر کا ذاتی دوست ہے لیکن درحقیقت وہ اس کا کاسہ لیس اور خوشامدی ہے۔امریکہ اب اس بات کی سعی کر رہا ہے کہ اسے مشرق وسطیٰ کے عرب ممالک اپنی سرزمین پر فوجی اڈے قائم کرنے کے اجازت دے دیں۔چنانچہ کارٹر اور ٹرنر نے اس مقصد کو اخبارات میں اُچھال کر صدر کا بگڑتی ہوئی ساکھ کو بحال کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔

معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ سی۔آئی۔اے کے تربیت یافتہ ایجنٹ خلیج سے ایک تیل بردار جہاز کو اغوا کریں گے۔اور جب عالمی توجہ اس طرف مبذول ہو جائے گی تو صدر کارٹر امریکی فوجیں بھیج کر اس جہاز کو رہائی دلائے گا۔تیل بردار جہاز پر امریکی دستے ہیلی کاپٹروں کے ذریعے اُتارے جائیں گے جو دہشت پسندوں کو قتل کر دیں گے۔اس فوجی عمل میں کارٹر کو فیصلے کرنے والے مرکزی لیڈر کی حیثیت حاصل ہوگی۔مشرق وسطیٰ کے حکمرانوں کو یقین آجائے گا کہ کارٹر ان کا دوست اور مصیبت میں ان کا ساتھی ہے۔وہ ان کے مفادات کی نگہداشت جان پر کھیل کر بھی کر سکتا ہے اور عالمی دہشت گردوں سے محفوظ رہنے کے لئے سرزمین عرب پر امریکی فوج کی موجودگی ضروری ہے۔

خلیج میں اس وقت تیل برادری کا کام زیادہ تر جاپانی جہاز کر رہے ہیں، اس لئے یہ توقع بعید از قیاس نہیں کہ اسے منصوبے میں جاپانی جہاز ہی کو نشانہ بنایا جائے گا۔''

وسین نے یہ اخباری رپورٹ پڑھی تو اسے شبہ ہوا کہ یہ ایک من گھڑت کہانی ہے، اس نے لیگزنڈروف سے پوچھا ''کیا تمہیں یقین ہے کہ یہ اطلاع درست ہے۔؟''

''یقیناً اور سو فیصد...... ہمیں یہ بات ایک باوثوق اور معتبر ذریعے سے ملی ہے۔ اس کی صداقت دوسرے ذرائع سے بھی چیک کر لی گئی ہے۔'' الیگزنڈروف نے تیقن سے کہا۔

''یہ ذرائع کیا ہیں؟ کون لوگ ہیں یہ؟'' وسین نے دریافت کیا۔

''مجھے افسوس ہے کہ میں بتا نہیں سکتا۔ یہ سب انتہائی صیغہ راز میں ہے، دوسرے ہم لوگوں کی جان جوکھوں میں نہیں ڈالنا چاہتے۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ رپورٹ جاپانی اخباروں میں ہی نہیں پوری دُنیا کے اخبارات میں فلیش ہو۔ تم ہمارے بہترین اور بااعتماد دوست ہو، اس لئے اس کام کے لئے میں نے پہلے تمہیں پوچھنا مناسب سمجھا۔ لیکن اگر تم اس کی اشاعت کا انتظام نہیں کر سکتے، تو کوئی بات نہیں، ہمارے پاس بہت سے دوسرے ذرائع بھی ہیں، انہیں یہ کام سرانجام دے کر خوشی اور فائدہ ہوگا۔''

وسین آخری جملے کا مفہوم سمجھ گیا۔ تاہم اس نے کہا ''میں ماخذ معلوم کئے بغیر کوئی چیز چھاپنا صحافت کی اخلاقیات کی خلاف ورزی تصور کرتا ہوں۔ لیکن یقین دلاتا ہوں کہ یہ اطلاع مجھ تک محدود رہے گی۔ کیا یہ مناسب نہیں کہ میں یہ کام کسی اور کو سونپ دوں۔ اس طرح آپ کا مقصد حاصل ہو جائے گا۔''

وسین نے اپنا وعدہ پورا کیا، رپورٹ کا اجمال جاپان کے ایک مقبول ہفتہ وار جریدہ ''شوکن گنڈائی'' کی 23 اگست 1979ء کی اشاعت میں چھپ گیا۔ اس میں رپورٹ کیا گیا:

''واشنگٹن کی ایک افواہ کے مطابق سی۔ آئی۔ اے نے ایک تیل بردار جہاز کو ''ہائی جیک'' کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ بین الاقوامی امور کے ایک ماہر کے مطابق



امریکہ میں صدر کارٹر کے حامیوں کا تناسب 26 فیصد سے بھی کم ہو گیا ہے۔ لیکن جہاز کے اغوا کے منصوبے سے ایک کمزور اور تدبر سے محروم صدر کی شخصیت کو مقبول بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔''

اس جریدے نے لکھا کہ اس الزام کو کویت کے اخبار میں چھپی ہوئی ایک سابقہ رپورٹ سے بھی تقویت ملتی ہے۔

اس خبر کی اشاعت کے بعد وسین کی قدر و منزلت میں بہت اضافہ ہو گیا۔ اسے ریذیڈنسی کے ایجنٹوں کے ''نیٹ ورک'' میں شامل کرنے کے قابل سمجھا جانے لگا۔ لیکن اس دفعہ پھر ریذیڈنسی کی سفارش قبول نہ کی گئی، ماسکو سنٹر نے لکھا کہ کامریڈ کوتسوف (الیگزنڈروف) وسین کے کیس پر بڑی دانشمندی سے کام کیا ہے اور وسین کی کارکردگی قابل صد تحسین ہے تاہم ہمارے خیال میں اس کے رابطوں کی مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔

ٹوکیو ریذیڈنسی کے سربراہ نے اس مراسلے پر یہ رائے دی کہ اکتوبر کے بعد شاید وسین کے مزید امتحان کی ضرورت ہی باقی نہ رہے۔

ریذیڈنسی میں اس بات کا مفہوم ہر شخص کو معلوم تھا۔ ٹوکیو میں الیگزنڈروف کے قیام کی میعاد اکتوبر 1979ء میں ختم ہونے والی تھی اور اس کے بعد اس کی تعیناتی ماسکو سنٹر میں لازم تھی۔ وسین کی ریکروٹمنٹ کو موخر کر کے پرونی کوف اسے کریڈٹ سے محروم کرنا چاہتا تھا۔ الیگزنڈروف نے اس پر کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا صرف اتنا کہا کہ اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔؟

الیگزنڈروف کی بات درست تھی وہ پرونی کوف اور کے۔جی۔بی کو کرپٹ سمجھتا تھا، اس کے لئے اسے مزید کسی ثبوت کی ضرورت نہیں تھی، اب اسے فوری طور پر کسی فیصلہ کن نتیجے پر پہنچنا تھا۔ لیکن فی الحال وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ وہ اپنے ذہن کے کس خیال کو، کس وقت عملی جامہ پہنائے۔

اکتوبر سے دو ماہ قبل الیگزنڈر روف کو اپنے معمول کے کام سمیٹنے کا حکم دیا گیا، اس کے سپرد ہنگامی نوعیت کی رپورٹوں کے تجزیے کا کام تھا۔ اس عرصے میں اس نے قریبات ایک صد ایجنٹوں کی سابقہ کارگزاریوں کا جائزہ لیا تو اسے اس بات نے بے حد متاثر کیا کہ ایک غیر ملکی سرزمین پر جس کی فضا غیر دوستانہ تھی کے۔جی۔بی نے اپنا اثر ورسوخ کتنا بڑھا لیا تھا۔ اس کے ایجنٹوں میں ایک سابق لیبر منسٹر ہیرو ہیڈا ایشدا ہی نہیں پارلیمنٹ کے ارکان، سوشلسٹ اور لبرل پارٹیوں کے سرکردہ سیاست دان، یونیورسٹی کے دانشور، اخبارات، ریڈیو اور ٹی وی کے بااثر صحافی، رپورٹر اور ایڈیٹر بھی شامل تھے۔ اس نے کے۔جی۔بی کے لئے فعال کارکنوں کی جو فہرست تیار کی ان میں مندرجہ ذیل پانچ لوگ بہت اہم تھے:

1) مسٹر گریس (شگرو آئی ٹو) جاپانی پارلیمنٹ اور سوشلسٹ پارٹی کی سنٹرل کمیٹی کا رکن۔

2) مسٹر گیہور (سیٹیکا سوماٹا) سوشلسٹ پارٹی کے انتہائی بااعتماد گروپ کا رکن۔

3) مسٹر کانٹ (ٹکوجی یمانے) اسسٹنٹ مینجنگ ایڈیٹر ''سانکئی'' اس اخبار کی اشاعت 22 لاکھ تھی اور یہ قدامت پسندوں کا نمائندہ تھا۔

4) مسٹر آٹوس (ٹموسٹوساتو) جنرل سیکرٹری مارکسزم سوسائٹی، جاپان کی سوشلسٹ پارٹی اس کا ماتحت ادارہ تھا۔

5) مسٹر ساؤنڈ میر (کوجی سوگیموری) سیکرٹری سوسائٹی فار اکسٹرنل کلچرل پروموشن جاپان۔

اتنے اہم لوگوں کی یہ مختصر سی فہرست سامنے رکھ کر لیگزنڈر روف نے اپنے آپ سے سوال کیا: ''کیا روس کو اب بھی امریکی انٹیلی جنس ٹوکیو میں مداخلت کی ضرورت ہے؟ اس سوال پر وہ خود ہی جھنجلا اُٹھا اور پھر فائلوں کی ورق گردانی کرنے لگا۔





**24 اکتوبر 1979ء** کو الیگزنڈر روف صبح ساڑھے آٹھ بجے اُٹھا۔ نتالیا نے دفتر جانے سے قبل اس کے لئے ناشتہ میز پر رکھ دیا تھا۔ اس نے جلدی جلدی دو ٹوسٹ زہر مار کئے اور چائے کی صرف ایک پیالی لی، وہ عام طور پر اخبارات کا مطالعہ گھر پر ہی کرتا تھا اور دوپہر کے بعد دفتر جاتا تھا۔ آج بھی وہ اپنا ہر کام روزمرہ کے معمول کے مطابق کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ کم از کم دو مزید گھنٹوں تک وہ باہر نہیں جا سکتا تھا۔ اس عرصے میں وہ کرسی پر دراز ہو کر ان خطرات اور خدشات پر غور کرتا رہا جو اسے درپیش آ سکتے تھے۔ ایک سوال بار بار اس کے سامنے آ رہا تھا۔

''کیا کے۔جی۔بی کی رسائی سی۔آئی۔اے کے اونچے حلقے میں ممکن ہے کہ وہ میرے ارادے سے آگاہ ہو جائے اور مجھے واپس حاصل کر لے۔؟''

الیگزنڈر روف نے اپنی قسمت کے سب پانسوں کو پرکھا تھا، ان میں سے صرف یہ زاویہ اسے خوفناک نظر آتا تھا۔ اس کے لئے موت کے مقابلے میں وہ تشدد اور توہین زیادہ پریشان کن تھی جو افشائے راز کے بعد اس پر روا رکھی جا سکتی تھی۔ ریذیڈنسی کی فائلوں سے اسے یہ تو معلوم ہو گیا تھا کہ ٹوکیو کے امریکی اداروں میں کے۔جی۔بی کا کوئی ایجنٹ موجود نہیں۔ لیکن سی۔آئی۔اے کے امریکی ہیڈکوارٹر کے بارے میں اس کی معلومات بالکل ناکافی تھیں، صرف ایک موہوم سی اُمید پر اس نے اپنا پلان بنایا تھا اور کاغذ کی کشتی کو سمندر کی طوفانی لہروں کے سپرد کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ اسے خدشہ تھا کہ اس کی نگرانی کی جا رہی ہے اور گھر سے باہر قدم رکھتے ہی اس کا تعاقب شروع ہو جائے گا۔ اس نے اپنی حفاظت کے لئے بہت سادہ لباس پہنا۔ اس کی پتلون کریز کے بغیر تھی، براؤن رنگ کی ٹوئیڈ کا سستا سا جیکٹ تھا، قمیض کے کالر کا بٹن کھلا تھا، اور ٹائی باندھنے کی ضرورت کو تو اس نے نظر انداز کر دیا تھا۔

گیارہ بجے وہ گھر سے نکلا تو سب سے پہلے تھوڑی دیر کے لئے پریس کلب میں رُکا۔ اس نے تازہ رپورٹوں پر جلدی جلدی نظر ڈالی اور پھر ٹریفک کی لائن میں لگ

کرگاڑی کو پارلیمنٹ ہاؤس کی طرف لے گیا۔قریباً اڑھائی بجے وہ مین بیلوارڈ سے ہوتا ہوا کتابوں کے بازار تک گیا۔وہاں اس نے شیلف پر رکھی ہوئی کتابوں کے نام پڑھے،اور پھر ایک ڈپارٹمنٹل سٹور سے عام ضرورت کی چند چیزیں خرید کر کار کی ڈگی میں ڈال دیں۔اس وقت تک الیگزنڈر روف کو اندازہ ہو گیا تھا کہ کوئی مشتبہ اس کا پیچھا نہیں کر رہا۔آٹھ بجے وہ امریکی سفارت خانے کے قریب ہوٹل سانو میں داخل ہوا۔ یہ ہوٹل ایک طرح سے امریکی افسروں کے کلب کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔لوگ یہاں تقریب ملاقات کے لئے چلے آتے تھے۔بہت سے غیر ملکی مہمانوں کو تواضع کے لئے یہاں ہی مدعو کیا جاتا تھا۔استقبالیہ سے ہو کر وہ زیریں منزل میں ایک بڑے ہال میں پہنچا جہاں ایک کاک ٹیل پارٹی ہو رہی تھی،اس نے فوراً فیصلہ کیا کہ مجھے امریکی نیوی کمانڈر سے ملنا چاہئے،بہت عرصہ قبل جب وہ جاپانی سمندروں میں ماہی گیروں پر تحقیقات کر رہا تھا تو اسے تجربہ ہوا تھا کہ نیوی کے لوگ معاملات کی تہہ تک جلدی پہنچتے ہیں اور موقع محل کے مطابق فوراً عمل کا فیصلہ کر لیتے ہیں۔

اس نے دروازے پر کھڑے سنتری سے کہا کہ وہ ایک ضروری معاملے میں نیوی کمانڈر سے ملنا چاہتا ہے۔یہ افسر پیغام ملتے ہی دروازے پر آ گیا۔اس کا خیال تھا کہ شاید اسے دفتر میں کسی اہم کام کے لئے طلب کیا گیا ہے۔

"میرا نام سٹانزلیف لیوچھکو ہے۔" الیگزنڈر روف نے اپنا تعارف کرایا۔

"میں ٹوکیو میں روسی اخبار "نیوٹائمز" کا نمائندہ ہوں۔میں کسی امریکن انٹیلی جنس افسر سے فوراً ملنا چاہتا ہوں۔"

کمانڈر نے پہلے تو کچھ تامل کیا،لیکن پھر صورت حال کو بھانپ کر الیگزنڈر روف کو ایک خالی بغلی کمرے میں لے گیا۔

"تم گھبرائے ہوئے لگتے ہو۔یہاں اطمینان سے بیٹھو،میں تیس منٹ کے بعد دوبارہ تم سے ملوں گا۔"



چند منٹ کے وقفے کے بعد دو امریکی سپاہی کمرے میں داخل ہوئے، انہوں نے دروازہ بند کر دیا اور الیگزنڈر روف کے آگے اور پیچھے پوزیشن سنبھال کر بیٹھ گئے۔نصف گھنٹے کے بعد ایک مخصوص قسم کی دستک پر ایک سپاہی نے دروازہ کھول دیا۔اندر داخل ہونے والا شخص ایک ادھیڑ عمر کا امریکی تھا جس کی کنپٹیوں کے بال سفید ہو چکے تھے۔اس نے سادہ شریفانہ لباس پہن رکھا تھا۔شکل وصورت سے وہ شریف آدمی نظر آتا تھا۔اس نے سپاہیوں کو باہر بھیج کر کہا کہ وہ دروازے پر چوکیداری کریں۔امریکی افسر نے شائستگی سے کہا۔

"میرا نام رابرٹ ہے،میں تمہارے کس کام آ سکتا ہوں۔؟"

"بہت معمولی سا کام ہے اور مجھے اُمید ہے کہ آپ اسے سرانجام دے سکیں گے،لیکن کیا میں آپ کی شناخت کے بارے میں پوچھ سکتا ہوں۔؟" الیگزنڈر روف نے تیقن سے پُر اطمینان بھرے لہجے میں کہا۔

امریکی افسر نے اپنی اندرونی جیب سے شناختی کارڈ نکالا اور اس کے سامنے رکھ دیا۔

الیگزنڈر روف نے کہا "میں نیوٹائمز" کا نمائندہ ہی نہیں ہوں بلکہ کے۔جی۔بی کا میجر بھی ہوں،میں آپ کے ملک میں سیاسی پناہ لینا چاہتا ہوں۔"

رابرٹ اس کی بات سن کر حیرت زدہ ہو گیا۔"میں ٹوکیو میں کے۔جی۔بی کے سب آدمیوں کو جانتا ہوں،میں نے تمہارا نام سنا ہے لیکن کے۔جی۔بی سے تمہارا تعلق مجھے معلوم نہیں،تم کس طرح ثابت کر سکتے ہو کہ تم کے۔جی۔بی کے افسر ہو۔؟"

"میں اس وقت ثبوت پیش نہیں کر سکتا،آپ کو اختیار ہے کہ میرا یقین نہ کریں۔میں خطرے میں ہوں اور خطرہ لحہ بہ لحہ بڑھ رہا ہے۔اس وقت میں بس اتنا ہی کہہ سکتا ہوں۔" الیگزنڈر روف نے حقیقت بیان کر دی۔

"اچھا تو یہ بات ہے۔" رابرٹ نے ان جملوں کو جیسے تولتے ہوئے کہا

"آپ کا ریذیڈنٹ کون ہے۔؟"

"گرینوف!"

"پولیٹیکل انٹیلی جنس کے چیف کا نام۔؟"

"سوستیانوف۔"

"اس سے پہلے ریذیڈنٹ کون تھا۔؟"

"یرودخن"

"سابقہ پی آئی چیف کا نام۔؟"

"پرونیکوف۔"

"اچھا یہ بتاؤ پرونی کوف کیسا آدمی ہے۔؟"

"بہت خطرناک، بے ایمان، دھوکا باز، کرپٹ۔"

پرونی کوف کے اوصاف سن کر رابرٹ کو جیسے یقین آ گیا الیگزنڈر روف اس شخص کا ڈسا ہوا ہے، اس نے الیگزنڈر روف کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ کر کہا "تم تھوڑی دیر انتظار کرو، میں سفارت خانے تک جا رہا ہوں۔ لیکن یقین کرو۔ میں تمہارا ساتھ دوں گا۔ تم اپنے آپ کو محفوظ سمجھو۔"

ملٹری پولیس کے دونوں آدمی اندر آ گئے۔ اب انہوں نے ہاتھ میں پستول پکڑے ہوئے تھے، اور ان کی انگلی پستول کی لبلبی پر تھی، صرف 20 منٹ کے بعد رابرٹ اور ایک دوسرا امریکی افسر کمرے میں واپس آیا۔

"امریکہ نے تمہیں پناہ دینا منظور کر لیا ہے۔ تم ابھی یہاں سے روانہ ہو سکتے ہو۔"

الیگزنڈر روف نے رضامندی کا اظہار کر کے سر جھکا دیا۔ لیکن ابھی وہ خطرے کی زد سے باہر نہیں نکلا تھا۔ وہ جاپان کی حدود میں تھا۔

ٹوکیو ائیرپورٹ پر سیکورٹی سٹاف نے الیگزنڈر روف کو پہچان لیا، چنانچہ اسے



روک لیا گیا۔ جاپانی افسر تقاضا کر رہے تھے کہ روسی سفارت خانے کو اطلاع دیئے بغیر اسے ہرگز جانے کی اجازت نہ دی جائے، تاہم وزارت خارجہ کی اونچی سطح پر جب رابطہ قائم کیا گیا تو مسئلہ حل ہو گیا۔ جب وہ رابرٹ کے ساتھ جہاز پر سوار ہونے کے لئے جا رہا تھا تو ایک جاپانی پولیس افسر اس سے ملتجیانہ انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"کے۔جی۔بی کا کون سا چیف افسر جاپان کے خلاف کام کر رہا ہے؟ جاپان کو کس آدمی سے زیادہ خبردار ہونا چاہیئے۔"

الیگزنڈر روف نے بڑی آہستگی سے بلاتوقف کہا۔ "پرونی کوف۔"

یہ نام سن کر پولیس افسر کی آنکھیں چمک اٹھیں، اس نے انتہائی عقیدت سے الیگزنڈر روف کے سامنے اپنا سر جھکا دیا۔



الیگزنڈر روف کو معلوم تھا کہ امریکہ میں پناہ حاصل کرنے کے بعد اسے اپنی اصلیت ثابت کرنی ہو گی اور اپنی زندگی کے بارے میں ہر سوال کا صحیح جواب پیش کرنا ہو گا۔ اپنی سابقہ ملازمت کی تفصیلات اور اتنے اہم فیصلے کے محرکات اور وجوہ بیان کرنی ہوں گی۔ اسے یہ بھی علم تھا کہ مختلف نوعیت کے سوالوں کا جواب دیتے وقت اسے کے۔جی۔بی کے بعض اہم راز بھی منکشف کرنے پڑیں گے اور پرونی کوف کے بارے میں کھل کر بات کرنے کے لئے تو وہ خود بھی تیار تھا۔ اس نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ ٹوکیو ریذیڈنسی کے کسی اچھے افسر کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہے گا، نہ ہی ٹوکیو ریذیڈنسی کے ساتھ مستقل بنیادوں اور ماہانہ مشاہرے پر منسلک ہونے والے ایجنٹوں کے متعلق کچھ بتائے گا، یہ اس کی اخلاقی ذمہ داری تھی کہ ان کا نام صیغہ راز میں رکھے اور ان کی عافیت کو برباد نہ کرے۔ سی۔آئی۔اے اگر ان شرائط کو ماننے

پرآمادہ نہ ہوا تو اس نے فیصلہ کیا کہ وہ امریکہ چھوڑ دے گا اور اقوام متحدہ سے کسی دوسرے غیر کمیونسٹ ملک میں آبادکاری کی درخواست کرے گا۔

سی۔آئی۔اے کے افسروں نے ابتداء میں اس کے اعلیٰ عہدے کو کوئی اہمیت نہ دی۔ان کے نزدیک کے۔جی۔بی سے اس کی نفرت اور سوویت نظام کے خلاف اس کی باتوں میں تضاد موجود تھا۔تاہم ان کا خیال تھا کہ الیگزنڈر روف غیر مخلص نہیں، بعد میں جب اس کا نفسیاتی معائنہ کیا گیا تو ڈاکٹروں نے خیال ظاہر کیا کہ وہ انتہائی دانشمند، دیانتدار اور مذہبی رجحانات کا انسان تھا اور اب متعدد ذہنی الجھنوں کا سامنا کر رہا تھا، اس کی فکری جہت اور سماجی زندگی میں بعد المشرقین تھا اور وہ سماجی زندگی کے ساتھ مفاہمت پر آمادہ نہیں تھا، اس کی دیانتداری اس کا مضبوط حربہ تھی لیکن یہی اب اس کے راستے کی رکاوٹ ثابت ہو رہی تھی، ان وجوہ کی بنا پر سی۔آئی۔اے نے اس کی شرائط قبول کر لیں، ایک افسر نے اس سے کہا ''تم ہمیں صرف وہی بات بتاؤ، جس کے اجازت تمہیں ضمیر دیتا ہے، ہم مزید کوئی سوال نہیں کریں گے۔''

دسمبر 1979ء کے وسط میں الیگزنڈر روف نے اپنی گزر اوقات کے لئے کسی مناسب نوکری کی تلاش شروع کر دی تھی اور یہاں بظاہر اس کی کہانی ختم ہو جاتی ہے لیکن کے۔جی۔بی بھلا اسے کیونکر معاف کر سکتی تھی، چنانچہ اب کہانی کا ایک نیا دور شروع ہو گیا۔

الیگزنڈر روف نے ٹوکیو میں ذہنی اذیت کا ایک طویل عرصہ گزارا تھا۔لیکن اس اذیت میں اس نے اپنی بیوی نتالیا کو شریک کرنے سے ہمیشہ گریز کیا تھا، اسے معلوم تھا کہ وہ اپنے خاندان کو روس میں چھوڑ کر اس کے ساتھ کسی دوسرے ملک میں جانا قبول نہیں کرے گی، وہ اسے اگر اپنا ہم خیال بنا کر اسے وہیں چھوڑ آتا تو یہ ایک مجرمانہ فعل ہوتا، اس کا اندازہ یہ تھا کہ اس کے فرار کے بعد نتالیا کو چند ماہ سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا لیکن جب کے۔جی۔بی کو یقین آ جائے گا کہ نتالیا کو سرکار



امور اور الیگزنڈر روف کے ارادوں کی خبر تک نہ تھی تو وہ اس کی جاں بخشی کر دے گی۔

الیگزنڈر روف کا دماغ کئی قسم کی بدگمانیاں اور وسوسوں میں الجھا ہوا تھا۔

جنوری 1980ء کے آخر میں اس نے نتالیا سے رابطہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا اور ایک دن دو بجے کے لگ بھگ جب کے۔جی۔بی کے افسران لنچ میں مصروف ہوتے ہیں ماسکو میں ٹیلی فون کیا۔اسے معلوم ہوا کہ ماسکو واپسی پر نتالیا کو ملازمت فراہم نہیں کی گئی اور وہ ایک سکول میں جز وقتی کام کر رہی ہے جس سے اسے صرف 73 روبلز ماہانہ ملتے ہیں۔حکام نے اس کا بنک اکاؤنٹ ضبط کر لیا ہے۔اس کے بیٹے کو سکول سے نکال دیا گیا ہے اور اب وہ پیٹ کی امراض کے علاوہ بلڈ پریشر کا شکار ہے۔نتالیا کے عزیز واقربا اس کے ساتھ بات کرنے سے گریز کرتے ہیں۔

الیگزنڈر روف نے اسے مشورہ دیا کہ وہ اس کے خلاف کے۔جی۔بی کو بیان دے اس طرح شاید اس کی مشکلات ختم ہو جائیں لیکن نتالیا اس منافقت پر آمادہ نہ ہوئی۔وہ کہہ رہی تھی ''میں تکلیف برداشت کر لوں گی، لیکن مفاہمت نہیں کروں گی۔''
الیگزنڈر روف اس جواب پر کچھ زیادہ خوش نہیں ہوا۔بس اتنا کہا کہ ''خدا تمہاری مدد کرے۔''

الیگزنڈر روف نے اس ظلم کے خلاف واشنگٹن میں روسی سفارت خانے کو ایک خط لکھا کہ اگر اس کی بیوی پر زیادتیوں کا سلسلہ بند نہ کیا گیا تو وہ اپنی زبان کھول دے گا اور وہ تمام راز افشا کر دے گا جو اب اس کے سینے میں مستور ہیں، اس الٹی میٹم کا روسی حکام پر کوئی اثر نہ ہوا۔چند ماہ کے بعد الیگزنڈر روف ایک دفعہ پھر نتالیا سے ٹیلیفون کا رابطہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔وہ کہہ رہی تھی:

''میری امید ٹوٹ چکی ہے، چند ماہ کے دوران میری صحت جواب دے گئی ہے۔اب میں شاید زندہ نہ رہ سکوں۔''

الیگزنڈر روف نے ٹوٹی ہوئی آواز میں پوچھا۔''بچے کا کیا حال ہے۔؟''

''میرا بیٹا مجھ سے چھین لیا گیا ہے۔ وہ اب میرے پاس نہیں ہے، خدا جانے کہاں ہے۔؟''

اس کے بعد الیگزنڈر روف نے سسکیوں کی آواز سنی اور ٹیلی فون کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔

یہ نٹالیا کی آخری آواز تھی، اس کے بعد الیگزنڈر روف نے ایک نئی زندگی کی ابتداء کی، وہ ہر جگہ احتجاج کی آواز بلند کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا:

''روس کے عوام کسی کے دشمن نہیں، کے۔جی۔بی کسی کی دوست نہیں، یہ انسانیت کی دشمن ہے۔ دنیا کے لوگو! روس کے عوام کی مدد کرو۔''

وقت نے ثابت کیا کہ اس کی آواز دنیا کے کونے کونے تک پہنچی اور ایک دن روس ٹوٹ گیا۔



# ''را'' (Raw)

## بھارت کا انٹیلی جنس سسٹم

# ”را“ (Raw)

# بھارت کا انٹیلی جنس سسٹم

چانکیہ کا سیاسی فلسفہ جو اہم اُصول وضع کرتا ہے وہ ہے ”محبت اور جنگ کی طرح جاسوسی کے کھیل میں بھی سب کچھ جائز ہے۔“

لٰہذا وہ جاسوسی مہموں کے لئے عیاری، مکروفریب، حکمت و چالاکی، دھوکہ دہی، حق تلفی، عورتوں کا استعمال، منشیات، مہلک ہتھیاروں اور زہر کے استعمال کو بالکل جائز قرار دیتا ہے۔

کوٹلیہ نے باغیوں کی معاونت قتل و غارت گری، بغاوت پھیلانے اور بغاوت کی آگ پر تیل چھڑکنے کے لئے تخریبی کارروائیاں، افواہیں پھیلانا، دھوکہ دہی کے ذریعے فوجی آپریشنز میں مدد اور دُشمن کی صفوں میں ڈس انفارمیشن کے ذریعے بددلی پھیلانا، ہمسایہ ممالک میں نفاق کے بیج بونے جیسے گھناؤنے مقاصد کے لئے ایک خصوصی اپریشنل تنظیم کا تصور پیش کیا ہے۔ اس کے اسی فلسفے پر دراصل ”را“ کی بنیادیں استوار کی گئی ہیں۔ Inside Raw کا مصنف اشوک رائنا کہتا ہے۔

”سون زو اور کوٹلیہ کے دور سے آج تک جاسوسی کے نظام العمل میں کوئی نمایاں تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔ کم از کم اس کے بنیادی اُصول وہی ہیں جو پہلے تھے

سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے ساتھ ساتھ اب بین الاقوامی روابط اور میل جول کی نوعیت بھی مختلف ہو گئی ہے۔اس لئے اب پیچیدہ کثیر الانضباطی انٹیلی جنس تنظیمیں وجود میں آچکی ہیں۔''

بھارتی ماہرین جاسوسی امور نے بھی جاسوسوں کی کارروائیوں کو باضابطہ کرنے اور ایجنٹوں کی فراہم کردہ معلومات کو چیک کرنے کے لئے یہ ضرورت محسوس کی کہ ایک خصوصی محکمہ، ایک سپریم انٹیلی جنس ایجنسی تشکیل دی جائے جس کی رائے کو پھر حتمی اہمیت حاصل ہو سکے۔

یہی سوچ ''را'' کے قیام کا پیش خیمہ بنی۔

''را'' کے قیام اور تنظیمی ڈھانچے کو سمجھنے کے لئے بھارت کے انٹیلی جنس سسٹم کو سمجھنا ضروری ہے۔آیئے ایک نظر بھارت کے انٹیلی جنس سسٹم پر ڈال لیں۔





# کابینہ کمیٹی برائے قومی سلامتی

## (Cabinet Committee for National Security)

سیاسی سطح پر یہ اعلیٰ ترین مجلس ہے جو وزیر دفاع، وزیر خارجہ، وزیر داخلہ اور وزیر خزانہ پر مشتمل ہے جس کا سربراہ بھارت کا وزیر اعظم ہوتا ہے۔یہ کمیٹی قومی سلامتی اور انٹیلی جنس امور سے متعلق بھارتی حکومت کی پالیسی تشکیل دیتی ہے۔کابینہ کمیٹی برائے سیاسی امور بھی قومی سلامتی سے متعلق وقوع پذیر اہم تبدیلیوں پر سوچ بچار کرتی اور اپنی تجاویز مرتب کرتی ہے۔

### سینئر سیکرٹریز کمیٹی:

یہ کمیٹی بھارت کے سینئر سیکرٹریز پر مشتمل ہے جو سلامتی اور انٹیلی جنس سے متعلق بنائی جانے والی قومی پالیسیوں کے نفاذ میں کابینہ کمیٹی کی معاونت کرتی ہے۔

### انٹیلی جنس بورڈ:

یہ بورڈ تمام انٹیلی جنس ایجنسیوں کے کام کی نگرانی کرتا ہے اور قومی سلامتی اور انٹیلی جنس کے اہم امور پر اپنی حتمی رائے دیتا ہے۔اس کی تشکیل 1983ء میں

ہوئی۔ وزیر اعظم کے مشیر برائے قومی سلامتی اس بورڈ کے سربراہ ہیں۔ اس کا دفتر کیبنٹ سیکرٹریٹ میں قائم ہے۔

## جوائنٹ انٹیلی جنس کمیٹیاں (داخلی و خارجی امور):

دونوں کمیٹیاں جے۔آئی۔سی داخلی اور جے۔آئی۔سی خارجی بین الاقوامی اور ملکی داخلی اور خارجی میدانوں میں بالترتیب تشخیص اور تعین کی تیاری کرتی ہیں۔ یہ کمیٹیاں سول اور فوجی محکموں کے لئے معیاری اور ایڈھاک انٹیلی جنس رپورٹس بھی جاری کرتی ہیں۔ یہ مجالس کیبنٹ سیکرٹریٹ کا حصہ ہیں جس کا انٹیلی جنس ونگ دونوں جائنٹ کمیٹیوں کے سیکرٹریٹ کے طور پر کام کرتا ہے۔ سینئر انٹیلی جنس بورڈ کی تشکیل سے پہلے ان دونوں جوائنٹ کمیٹیوں کو باہم ملا دیا گیا تھا۔

## وزیر داخلہ کے ماتحت داخلی انٹیلی جنس ایجنسیاں:

(الف) داخلی سلامتی کا محکمہ 1985ء میں بھارت کے سابق آنجہانی وزیر اعظم راجیو گاندھی نے وزارت داخلہ میں قائم کیا تھا۔ یہ محکمہ انٹیلی جنس کے وسیع نظام کو مربوط رکھنے اور کنٹرول کرنے کا ذمہ دار ہے۔ بھارتی وزیر اعظم کی وزارتی کونسل کے اس دور کے انتہائی اہم ممبر ارون نہرو کو وزیر مملکت برائے داخلی سلامتی مقرر کیا گیا تھا۔

ارون نہرو کو وزیر اعظم کے ذاتی تحفظ اور داخلی سلامتی کے لئے سرگرم عمل تمام انٹیلی جنس ایجنسیوں کا انچارج مقرر کیا گیا تھا۔ تاہم جب راجیو گاندھی پر پہلی مرتبہ قاتلانہ حملے کی ناکام کوشش ہوئی تو ارون نہرو پر شدید تنقید کی گئی بعد ازاں اسے کابینہ سے برطرف کر دیا گیا۔

(ب) داخلی انٹیلی جنس نظام کی اہم ایجنسیاں مندرجہ ذیل ہیں:



## انٹیلی جنس بیورو (آئی بی):

یہ بیورو تمام داخلی انٹیلی جنس امور بشمول جوابی انٹیلی جنس کا ذمہ دار ہے۔ اس کا مرکزی دفتر دہلی میں ہے۔

## (سی بی آئی) سنٹرل بیورو آف انوسٹی گیشن:

سی۔بی۔آئی تخریب کاری، دہشت گردی، بدعنوانی، فراڈ، جعل سازی، بدانتظامی، معاشی جرائم اور دیگر ملک دشمن سرگرمیوں کا تدارک، تفتیش اور تحقیق کرتی ہے۔ بدعنوان اور فراڈ میں ملوث خصوصاً سرکاری اہل کاروں کی تفتیش اور ان کے خلاف کارروائی بھی اس کے دائرہ اختیار میں شامل ہے۔

## پیراملٹری فورسز:

بھارت کی تمام پیراملٹری فورسز کی اپنی انٹیلی جنس ایجنسیاں بھی ہیں۔ ان تمام ایجنسیوں کو مربوط کر کے وزارت داخلہ کے لئے خفیہ معلومات کے حصول کا ایک بڑا سرچشمہ تشکیل پاتا ہے۔ مختلف ریاستوں کی پولیس اور سی۔آئی۔ڈی خفیہ تنظیمیں بھی وزارت داخلہ کو اطلاعات فراہم کرتی ہیں۔

## وزیر اعظم کے ذاتی سیکورٹی گارڈز:

بھارتی وزیر اعظم کی حفاظت اور نگہداشت کے لئے کمانڈوز کی بہترین تربیت یافتہ اور ماہر یونٹ قائم کی گئی ہے جس کا سربراہ انسپکٹر جنرل پولیس کے مرتبہ کا ایک آفیسر ہوتا ہے۔ اس یونٹ کے ارکان کیبنٹ سیکرٹریٹ کے ماتحت کام کرتے ہیں ورانہیں پرسنل سیکورٹی گارڈز کہا جاتا ہے۔ ان گارڈز کا چیف وزیر مملکت برائے داخلی سلامتی کی براہِ راست نگرانی میں کام کرتے ہیں۔

دیگر انٹیلی جنس ایجنسیاں جنہیں دفاع، خزانہ اور خارجہ امور کی وزارتیں

کنٹرول کرتی ہیں۔

## ڈیفنس انٹیلی جنس یونٹس:

ملٹری انٹیلی جنس، انٹیلی جنس اور ایئر فورس انٹیلی جنس وزارت دفاع کی اہم انٹیلی جنس ایجنسیاں ہیں۔ انہیں متعلقہ ہیڈکوارٹرز کے متعلقہ سربراہ کنٹرول کرتے ہیں۔

## وزارت خزانہ:

اس وزارت کے مرکزی انٹیلی جنس سیٹ اپ کو ڈائریکٹوریٹ آف ریونیو انٹیلی جنس (ڈی آر آئی) کہا جاتا ہے۔ اپنے متعین کردہ کردار کے علاوہ یہ ایجنسی کسٹمز اور محکمہ انکم ٹیکس کے لئے بھی کام کرتی ہے۔

## خارجہ اور مشترکہ سفارتی نگرانی ”نیو دہلی“:

یہ غیر ملکی سفارت خانوں کے خلاف حکمت عملی تیار کرنے، سفارت کاروں کی نگرانی، جوابی کارروائی کے لئے مختلف انٹیلی جنس ایجنسیوں کا مشترکہ سیٹ اپ ہے۔

## ”را“ ریسرچ اینڈ انیلسز ونگ:

بھارت کی سپریم انٹیلی جنس ایجنسی ہے جو اپنے اعمال و افعال کے لئے براہِ راست وزیراعظم کو جوابدہ ہے۔ اگرچہ ”را“ داخلی پہلوؤں پر بھی نظر رکھتی ہے لیکن بنیادی طور پر اسے بیرونی محاذ پر انٹیلی جنس اور جاسوسی کارروائیوں کے لئے تشکیل دیا گیا ہے۔ بعض اوقات وزیراعظم کی جانب سے ”را“ کو خصوصی مشن بھی سونپے جاتے ہیں۔

بھارت کے نظام انٹیلی جنس اور جاسوسی کا بنظر عمیق جائزہ لینے کے بعد بظاہر یہ سوال ذہن میں ضرور اُٹھتا ہے کہ آخر ”را“ کے قیام کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ اس سوال کا جواب تلاش کرنے کے لئے ”را“ کی تخلیق اور ساخت کی وجوہات تلاش کرنا ضروری ہیں۔



# ”را“ کا قیام اور بنیادی ڈھانچہ

”را“ کی تخلیق پر مختصر ترین تبصرہ یہی ہوسکتا ہے کہ اس نے ”آئی بی“ کی ناکامی کے بطن سے جنم لیا۔ انٹیلی جنس بیورو (آئی بی) جو بھارت کی سب سے اہم انٹیلی جنس ایجنسی تھی 1962ء کی چین بھارت جنگ سے پہلے بھارت کی مؤثر ترین جاسوسی تنظیم سمجھی جاتی تھی لیکن 1962ء میں بھارتی فوج کی چین کے ہاتھوں عبرت شکست کے بعد جب شکست کے اسباب کا جائزہ لینے کے لئے ماہرین حرب وضرب اکٹھے ہوئے تو ان کا متفقہ فیصلہ یہی تھا کہ 1962ء کی جنگ میں ”آئی بی“ چین کی فوجی قوت، فوجی دستوں کی نقل وحرکت، آپریشنل تفصیلات، چینی جنگی پلاننگ غرض ہر میدان میں بری طرح ناکام ہوئی تھی اور بھارت کو چین کے ہاتھوں ہونے والی ذلت آمیز شکست میں بنیادی رول ہی آئی۔ بی نے ادا کیا۔

یہ رپورٹ جب اس دور کے بھارتی وزیراعظم مسٹر جواہر لال نہرو کے سامنے پیش ہوئی تو انہوں نے بلا کسی حیل و حجت کے فوری طور پر خفیہ فوجی معلومات کے حصول کے لئے ایک علیحدہ انٹیلی جنس ایجنسی قائم کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

1963ء میں بالآخر ”را“ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس کی تشکیل میں ابتدائی اور اہم کردار مسٹر سنجیوی پلائی (Sanjivi Piliai) نے ادا کیا جسے بجا طور پر ”آرکیٹیکٹ آف را“ کا اعزاز حاصل ہے۔

پلائی نے ہی 1949ء میں آئی۔بی کا ادارہ قائم کیا تھا اور اب ''را'' کی تشکیل بھی انہی کے ہاتھوں انجام پائی۔ابتدائی مراحل میں ''را'' آئی۔بی ہی کا حصہ شمار ہوتی تھی اور 1968ء تک یہی صورتِ حال رہی لیکن 21 ستمبر 1968ء کو''را'' ایک الگ مکمل خودمختار انٹیلی جنس ایجنسی کا روپ دھار گئی۔

''را'' نے اپنی غیر ملکی سرگرمیوں کا آغاز پاکستان ہی سے کیا تھا۔سب سے پہلے سفارت کاروں کے بھیس میں ''را'' نے اپنے ایجنٹ پاکستان، جرمنی اور جاپان میں داخل کئے۔چین کو تبت اور سکم سے کور کیا گیا برما، افغانستان، سری لنکا، مالدیپ اور نیپال میں اپنے قدم بڑی مضبوطی سے جمانے کے بعد''را'' نے مشرق وسطی کا رُخ کیا اور قریباًاس خطے کے قابل ذکر ملک میں اپنا سٹیشن قائم کیا۔

آج صورتِ حال یہ ہے کہ مالدیپ سے مشرقِ وسطی، یورپ، امریکہ، کینیڈا اور آسٹریلیا تک''را'' نے اپنی سرگرمیوں کا جال سارے گلوب پر پھیلا رکھا ہے۔اس کی افرادی قوت 250 سے بڑھ کر دس ہزار سے زائد تک پہنچ چکی ہے اور سالانہ بجٹ 3 کروڑ روپے سے بڑھ کر 1200 کروڑ سے بھی تجاویز کر گیا ہے۔ بلاشبہ اب''را'' اس خطے کا سب سے بڑا اور ہیبت ناک انٹیلی جنس نیٹ ورک ہے۔

یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ''را'' کی تشکیل میں کشمیری پنڈتوں نے اہم کردار ادا کیا۔ جواہر لال نہرو نے اس خیال کو عملی روپ دھارنے کی ہدایت کی اور ان کی بیٹی مسز اندرا گاندھی نے''را'' کو اس خطے کے چھوٹے ممالک کے لئے دہشت بنا کر رکھا دیا۔

''را'' کی تشکیل اور اسے موجودہ صورت تک پہنچانے میں پی۔این ہکسر، ڈی۔پی۔دھر، ٹی این کول اور آر این کاؤ جیسے طاقتور ڈپلومیٹس اور بھارتی بیوروکریسی کے ستونوں نے اہم کردار ادا کیا جسے بالعموم کشمیری پنڈتوں کا گروپ کہا جاتا ہے۔اس گروپ کو مسز اندرا گاندھی کی مکمل آشیرباد حاصل تھی۔کراچی میں سابق بھارتی سفارت کار راجیشور دیال (Rajeshwar Dayal) کا بھی''را'' میں اہم رول رہا ہے۔



اپنے آغاز ہی سے ''را'' نے پاکستان کو اپنا بنیادی ہدف بنایا جس کا واضح ثبوت روز روشن کی طرح عیاں یہ حقیقت ہے کہ''را'' کے مذکورہ بالا بانیوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو کسی نہ کسی حیثیت میں کبھی نہ کبھی پاکستان کے متعلق بھارتی پالیسی وضع کرنے کے عمل سے متعلق نہ رہا ہو۔

''را'' کی تشکیل 1963ء میں انٹیلی جنس بیورو (آئی بی) کے خارجی ونگ کو الگ کر کے کی گئی تھی۔ان دنوں اس ونگ کے تین جوائنٹ ڈائریکٹوریٹ تھے جو بنیادی طور پر پاکستان، مشرقِ وسطیٰ، مشرقِ بعید، روس اور امریکہ سے متعلق تھے۔اس چھوٹے سے مرکز کے گرداگرد ہی مختصر سے عرصے میں ''را'' کی بہت بڑی عمارت کی بنیاد اُٹھادی گئی تھی اور اسے مسز اندرا گاندھی کے براہِ راست کنٹرول میں دے دیا گیا تھا کیبنٹ سیکرٹریٹ کی حیثیت میں اس ونگ کا کام اب صرف برائے نام ہی رہ گیا تھا۔

''را'' کو ابتدائی ایام میں برطانوی انٹیلی جنس ایم۔آئی 6 اور امریکن سی۔آئی۔اے کی طرز پر تشکیل دیا گیا۔وقت کے ساتھ ساتھ اس میں تبدیلیاں آتی گئیں۔ ''را'' کے اختیارات ''گستاپو'' کی طرح پھیلنے لگے اور بعد ازاں اسے ایسی تمام کارروائیاں اور کردار سونپ دیئے گئے جو کمیونسٹ دور میں کے۔جی۔بی، سابق شہنشاہ ایران کے دور میں ''ساواک'' اور اسرائیلی انٹیلی جنس ایجنسی موساد انجام دینے میں شہرت رکھتی ہیں۔

''را'' براہِ راست وزیر اعظم بھارت کے ماتحت کام کرتی ہے اور اپنے افعال واعمال کے لئے بھی بھارتی پارلیمینٹ کے بجائے وزیر اعظم ہی کو جوابدہ ہے تاوقتیکہ وزیر اعظم خود اس کے برعکس صورت نہ چاہے۔

مقبوضہ کشمیر سے تعلق رکھنے والے سینئر بھارتی پولیس آفیسر آر۔این۔کاؤ کو جو مسز اندرا گاندھی کے اپنے سیکورٹی گارڈز کے ہاتھوں قتل تک بھارتی انٹیلی جنس نظام

کا سربراہ رہا ’’را‘‘ کا پہلا چیف مقرر کیا گیا۔ آر۔ این۔ کاؤ کے پاس آئی۔ بی کام کرنے کا طویل تجربہ موجود تھا اور نہرو خاندان سے اس کے خصوصی تعلقات زبان زد خاص وعام تھے۔ کاؤ کو بطور خاص کیبنٹ سیکرٹریٹ میں خصوصی سیکرٹری کا عہدہ دیا گیا تھا۔

مسز اندرا گاندھی کی آشیر واد اور بے پناہ عنایات اور آر۔ این۔ کاؤ کی لگن اور ماضی کے طویل تجربے نے جلد ہی ’’را‘‘ کو بھارت کی نمبرون انٹیلی جنس ایجنسی بنا دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ’’را‘‘ اپنی سینئر انٹیلی جنس ایجنسی بیورو (آئی بی) کو بھی اہلیت اور ساکھ دونوں میدانوں میں چاروں شانے چت کر کے بہت آگے نکل گئی۔

صورتِ حال یہ ہے کہ بھارتت کی دیگر انٹیلی جنس ایجنسیاں خصوصاً آئی۔ بی اور سی۔ بی۔ آئی جو کبھی ’’را‘‘ کو رشک کی نگاہ سے دیکھتی تھیں اب اس سے متعلق حسد کے جذبات رکھتی ہیں۔ اب تو حالت یہ ہوگئی ہے کہ آئی۔ بی اور سی۔ بی۔ آئی کے ہاتھوں سے اندرونی انٹیلی جنس سسٹم کا کنٹرول بھی نکلتا دکھائی دے رہا ہے کیونکہ اندرون ملک سیاسی محاذ پر بھی ’’را‘‘ نے سب کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔

مسز اندرا گاندھی نے تو ’’را‘‘ کو اپنے سیاسی مخالفین کے خلاف ایک خطرناک ہتھیار کی طرح استعمال کیا۔ (جس کا تذکرہ بالتفصیل آگے آئے گا)۔

حکومت کے مخالف سیاسی راہنماؤں کی جاسوسی میں ’’را‘‘ ہمیشہ سب ایجنسیوں سے زیادہ ملوث رہی ہے۔ بالخصوص 77-1975ء کی ایمرجنسی کے دوران مسز اندرا گاندھی نے ’’را‘‘ کو اپنے سیاسی مقاصد کے لئے اس طرح استعمال کیا جیسے کبھی ہٹلر نے ’’گستاپو‘‘ کو کیا تھا۔ ’’را‘‘ نے اسی دور میں ڈھائی جانے والی زیادتیوں اور مظالم میں مسز اندرا گاندھی کی مکمل معاونت کی جس سے ایجنسی کی بدنامی تو ضرور ہوئی لیکن مسز اندرا گاندھی کی فراخدلانہ سرپرستی کے سبب اس مرحلے پر ’’را‘‘ کا چھوٹا سا سیٹ اپ ایک وسیع نظام کی شکل اختیار کر گیا۔



چند سو افراد پر مشتمل عملہ ہزاروں کی نفری میں تبدیل ہوگیا۔ سیکرٹریٹ کے قریب ’’وسنت دھار‘‘ میں ’’را‘‘ کا خستہ حال سا دفتر ہوا کرتا تھا جو اب لودھی روڈ نیو دہلی پر 13 منزلہ کمپلیکس میں تبدیل ہو چکا ہے۔ جہاں اس کے مرکزی دفاتر ہیں۔ نئی دہلی ہی میں ’’را‘‘ کے زیر استعمال مزید کئی عمارات بھی ہیں۔ اس کے سیف ہاؤس کی تعداد صرف دہلی میں 25 سے زیادہ ہے جن میں جدید ترین ہوٹلوں سے لے کر پر تعیش اور جدید سہولیات سے آراستہ ڈاک بنگلے بھی شامل ہیں جہاں ’’را‘‘ اپنے ایجنٹوں اور ’’تازہ شکار‘‘ کے علاوہ اپنے ’’آف دی ریکارڈ‘‘ ملزموں کو بھی رکھتی ہے۔

’’را‘‘ نے مسز اندرا گاندھی کے احکامات کی تعمیل میں ان کی مخالفین کا جس طرح ناطقہ بند کر رکھا تھا اس کا خمیازہ ایجنسی کو 1977ء میں بھگتنا پڑا جب مسند اقتدار پر جنتا پارٹی قابض ہوگئی اور بھارت کے جنٹل مین وزیر اعظم مرار جی ڈیسائی نے برسر اقتدار آنے کے کچھ ہی عرصہ بعد ’’را‘‘ کے بانی ڈائریکٹر آر۔ این۔ کاؤ اور ان کے ڈپٹی کو جبری ریٹائرمنٹ پر گھر بھیج دیا۔

مرار جی ڈیسائی نے اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ایجنسی کے حجم اور حیثیت میں نمایاں کمی کر دی گئی۔ اس کے چیف کی تنزلی کر دی گئی اس ایڈیشنل سیکرٹری بنا کر کیبنٹ سیکرٹری کے ماتحت کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی اسے یہ تاکید بھی کر دی گئی کہ وہ وزیر اعظم کو براہِ راست رپورٹس بھیجنے کے بجائے یہ رپورٹیں متعلقہ وزراء کو بھیجا کرے۔

مرار جی ڈیسائی نے وقتی طور پر تو یہ ’’انقلابی اقدامات‘‘ کر لئے تھے لیکن بھارتی نظام سیاست وسیادت میں جس طرح ’’را‘‘ سرایت کر چکی تھی اس کے بغیر یا ’’را‘‘ کا عمل دخل کم ہونے سے معاملات کی نوعیت ہی تبدیل ہونے لگی اور جنتا سرکار نے بھی بعد ازاں ایک مضبوط اور باوقار انٹیلی جنس ایجنسی کے طور پر ’’را‘‘ کو برقرار رکھنے کی ضرورت محسوس کی۔

صورتِ حال جو بھی رہی ہو ’’را‘‘ نے اپنی اندرون و بیرون ملک سرگرمیوں

میں کبھی کمی نہیں آنے دی۔ اس نے اپنے مخصوص انداز میں اپنا کام جاری رکھا جس سے اس کی اخلاقی پوزیشن کو زبردست دھچکا لگا۔ اس صورتِ حال نے ''را'' کے سٹاف میں بدنظمی اور بے اطمینانی کو جنم دیا۔ نوبت ہڑتال تک پہنچی اور مختلف افواہیں اور اسکینڈل گردش کرنے لگے۔

## ''را'' کا احیا:

جنوری 1980ء میں مسز اندرا گاندھی ایک مرتبہ پھر مسند اقتدار پر براجمان ہوئیں تو ''را'' کو دوبارہ مہمیز ملی۔ اس کے تن مردہ میں جیسے جان آ گئی۔ مسز اندرا گاندھی کو ''را'' کی اب پہلے سے زیادہ ضرورت محسوس ہونے لگی تھیں۔ انہیں بڑھتے ہوئے معاشی اور سیاسی مسائل کا سامنا تھا چنانچہ انہیں مسائل نے مسز اندرا گاندھی کو ''را'' کے مضبوط ''سیٹ اپ'' کی راہ سجھائی اور ''را'' کے ڈائریکٹر کے ماتحت ایک کمیٹی کا قیام عمل میں لایا گیا تاکہ جنتا پارٹی کی زخم خوردہ ''را'' کو دوبارہ منظم کر کے اس کی سرگرمیوں کا دائرہ وسیع کیا جائے۔

اپنی موت تک مسز اندرا گاندھی نے ''را'' کو انتہائے کمال تک پہنچا دیا تھا۔ اس دور میں انہوں نے اپنے پرانے نمک خوار آر۔ این۔ کاؤ کی مدد سے ''را'' کے اندر ہی ''تھرڈ ایجنسی'' کے نام سے ایک ایسا گھناؤنا منصوبہ تیار کیا جس کی تفصیلات کسی بھی باشعور انسان کو لرزا دینے کے لئے کافی ہیں۔ اس دور میں ''را'' کی اندرون بھارت گھناؤنی سرگرمیوں کا تفصیلی تذکرہ آپ آگے پڑھیں گے۔

اندرا گاندھی کی موت کے بعد ان کے سینئر راجیو گاندھی نے اپنی ''پوجیہ ماتا جی'' سے بھی دو قدم آگے بڑھ کر ''را'' کو مزید مضبوط کیا۔ یہ انٹیلی جنس اور سلامتی کی بڑھتی ہوئی ضروریات ہی تھیں جنھوں نے راجیو گاندھی کی پوزیشن کو کمزور کیا اور انہیں بھی کچھ عرصہ کے لئے اقتدار سے محرومی کا صدمہ برداشت کرنا پڑا۔

''را'' جس کا آغاز نہایت معمولی تھا اب ایک دیوہیکل ایجنسی کا روپ دھار



چکی ہے اس کے اہل کاروں کی تعداد 10 ہزار سے تجاوز کر رہی ہے۔ اس تعداد میں وہ ہزاروں ایجنٹ شامل نہیں جو دُنیا کے مختلف ممالک میں ''را'' کی پے لسٹ (Pay Rcll) پر کام کر رہے ہیں۔

''را'' کا سالانہ بجٹ پانچ بلین روپے ہے۔ ایک وقت تو ایسا بھی آیا کہ جب یہ بجٹ نو بلین تک جا پہنچا۔ یہ اس دور کی بات ہے جب ''را'' نے ملکی نیوکلیئر پلانٹس کے لئے بھاری پانی اور افزودہ یورینیم فراہم کرنا شروع کیا اور ڈیفنس ریسرچ اینڈ ڈویلپمنٹ آرگنائزیشن (ڈی آر ڈی او) کے لئے دُنیا میں موجود تمام ممکنہ ذرائع سے جدید ساخت کے ہتھیاروں کی سپلائی کا آغاز ہوا۔

''را'' نے مختلف ممالک کے تیار کردہ جدید اور مہلک ترین اسلحہ کا جائزہ لینے کے لئے اپنی ریسرچ اینڈ ڈویلپمنٹ لیبارٹری قائم کی ہوئی ہے۔ حکومت کی راہنمائی کے لئے ایجنسی ان ہتھیاروں کو حاصل کر کے ان کی کارکردگی کا مطالعاتی موازنہ کرتی ہے۔ اس صورت میں کہ ایسے ہتھیار پاکستان یا چین ایسے دُشمن ممالک کے پاس موجود ہوں۔

''را'' نے حکومتی سرپرستی میں اپنے ''آف دی ریکارڈ'' اخراجات پورے کرنے کے لئے بھارت اور دُنیا کے دیگر ممالک میں امپورٹ ایکسپورٹ فرموں کا جال بچھا رکھا ہے۔ بظاہر تو یہ فرمیں تجارتی معاملات سے متعلق ہیں لیکن اصل میں یہ سمگلنگ کے اڈے ہیں۔ ان اڈوں پر سرکاری سرپرستی میں ''مطلوبہ اشیاء'' سمگل کی جاتی ہیں جن میں خطرناک اور حساس نوعیت کے سامان جنگ کے علاوہ ایٹمی سامان بھی شامل ہے۔

بھارتی حکومت چونکہ اپنے ایٹمی خصوصاً میزائل پروگرام پر جنون کی حد تک عمل پیرا ہے جس کے لئے اسے بھاری پانی، یورینیم اور جدید الیکٹرانکس نظام کی ضرورت درپیش رہتی ہے۔ ایسی تمام اشیاء کو غیر قانونی طریقے سے دُنیا کے مختلف

ممالک میں موجود ''مافیا'' سے حاصل کرنا اور پھر اسے بھارت تک پہنچانا ''را'' کی اہم ذمہ داری ہے۔ اس ''ذمہ داری'' کو پورا کرنے کے لئے ''را'' نے ان تجارتی فرموں کا جال بچھایا ہے۔

بھارت ایک غریب ملک ہے جس کے 60 فیصد عوام بنیادی انسانی سہولتوں سے بھی محروم ہیں۔ ایسے ملک میں ایک ایسی انٹیلی جنس ایجنسی کا قیام جو تخریبی مقاصد کی حامل ہو اور چانکیائی سیاست کا پیروکار۔ ملکی خزانے پر بہت بڑا بوجھ ہے۔ یوں بھی بھارت میں نام نہاد ہی سہی ایک جمہوری ڈھانچ ضرور موجود ہے۔ ہر وقت حکومت کو یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کوئی سرپھرا اپوزیشن کا اقلیتی فرقہ کا لیڈر کہیں پارلیمنٹ میں ''بے پناہ آف دی ریکارڈ اخراجات'' کی بحث ہی نہ چھیڑ دے۔

اس خطرے کا تدارک کرنے کے لئے شاید ''را'' غیر قانونی طریقے سے پیسہ حاصل کرتی ہے کیونکہ اسے جنوبی ایشیاء کے قریباً ہر ملک موجود کسی نہ کسی ''فیکشن'' کو قابو کرنے اور اسے اپنے تخریبی مقاصد کے لئے استعمال کرنے کی دُھن لگی رہتی ہے۔ تیسری دُنیا کے غریب ممالک میں پیسہ کتنی اہمیت کا حامل ہے؟ اس کا ادراک ''را'' کے شیطانی ذہن سے بہتر اور کسے ہوگا۔؟

بھارت سے ہر سال اربوں روپے کی ہیروئن اور اس کی تیاری میں استعمال ہونے والا کیمیکل سمگل ہوتا ہے۔ دُنیا کے بیشتر ڈرگ سمگلروں کا روٹ بمبئی کی بندرگاہ اور بھارت کا ساحلی علاقہ ہے۔ عالمی پریس میں متعدد مرتبہ ایسی خبریں شائع ہو چکی ہیں جن کے مطابق بھارت کے ساحلی علاقوں سے چلنے والی ''ڈرگ سروس'' کو سرکاری پشت پناہی حاصل ہوتی ہے۔

روس کی شکست و ریخت کے بعد روس کی سابقہ ریاستوں میں موجود درجنوں ایٹمی مراکز سے یورینیم منشیات کی طرح دُنیا بھر میں سمگل ہو رہا ہے، اس سمگلنگ میں ''را'' کے اہم رول کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔



نومبر 1994ء میں بھارت کے صوبے راجستھان میں علیحدگی پسند سکھوں اور بھارتی سیکورٹی ایجنسیوں کے درمیان ہونے والی لڑائی جس میں ایک بھارتی وزیر کے بیٹے کو یرغمالی بنانے والے سکھوں کا لیڈر مارا گیا، بھارتی پولیس نے یورینیم برآمد کیا تھا۔ یہ یورینیم ان سکھوں تک کیسے پہنچا؟ اس اہم سوال نے دُنیا کی بڑی بڑی ایجنسیوں کو چکرا کر رکھ دیا لیکن بھارتی پریس کے حوالے ہی سے اس معمے کا حل بھی سامنے آ گیا اور یہ لرزا دینے والی سچائی سامنے آئی کہ ان سکھوں تک یورینیم دراصل بھارتی سپریم انٹیلی جنس ایجنسی نے ہی اپنے ''خصوصی ذرائع'' سے پہنچایا تھا جس کے لئے جرمنی میں ایک سکھ لیڈر سے رابطہ کر کے اسے ایک بھارتی انٹیلی جنس آفیسر کے ''خالصتان نواز'' ہونے کی یقین دہانی کروائی گئی اور ڈرامے میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لئے اس سکھ انٹیلی جنس آفیسر کی طرف سے جو دراصل ''را'' ہی کا آفیسر تھا ایک خطیر رقم کا مطالبہ بھی کیا گیا۔ سکھوں نے یہ رقم فراہم کی جس پر انہیں بھارت میں ان کی مطلوبہ جگہ پر ایک بریف کیس پہنچا دیا گیا جس میں مطلوبہ یورینیم اپنی مخصوص پیکنگ کے ساتھ موجود تھا۔

حیرت کی بات تو یہ ہے کہ خریدار اس یورینیم کا استعمال ہی نہیں جانتا تھا نہ ہی عام قسم کے دہشت گردوں کے اتنے ذرائع ہوتے ہیں کہ وہ نیوکلیئر ہتھیار تیار کر سکیں۔ انہیں یقین دہانی کروائی گئی تھی کہ اس یورینیم سے خطرناک ایٹمی ہتھیار تیار کرنے کے لئے بھی انہیں بھارت میں ہی ''مطلوبہ سائنس دان'' سے ملا دیا جائے گا۔

ڈرامہ مکمل تیار تھا۔

سکھوں کی سادہ لوحی یا انتقام کی آگ میں اندھا ہونے کی بے وقوفی کو ''را'' نے اپنے حق میں استعمال کیا۔ اغواء کا ڈرامہ اپنے کلائمکس تک پہنچایا گیا۔ اغوا کاروں میں ''اپنے آدمیوں'' کو فرار کروایا گیا اور ''حقیقی سکھ اغوا کار'' کو ایک زبردست مقابلے کے بعد موت کے گھاٹ اُتار کر اس کے ٹھکانے سے یورینیم برآمد کر لیا گیا۔

اب ”را“ نے اپنے اصلی دانت دکھائے اور سکھوں کو پاکستانی انٹیلی جنس ایجنسی آئی۔ ایس۔ آئی سے منسلک کرنے کا پراپیگنڈہ کرنے کے بعد یہ تاثر دیا کہ انہیں یورینیم بھی آئی۔ ایس۔ آئی نے فراہم کیا تھا۔ ممکن تھا کہ ان کی یہ سازش بھی کامیاب رہتی لیکن کسی کچے ذہن کے آفیسر کی گھٹیا منصوبہ بندی نے سارے کئے کرائے پر پانی پھیر دیا کہ اس منصوبے کے ”تکنیکی پہلوؤں“ پر ”را“ کی نظر نہیں تھی سو یہ ہنڈیا سرے نہ چڑھ سکی اور بیچ بازار میں پھوٹ گئی۔

جب بھارتی اخبارات نے یہ خبریں شائع کیں کہ اغوا کار سکھوں کے قبضے سے یورینیم بھی برآمد ہوا ہے اور اشارے کنائے سے اس کا ذمہ دار ”آئی ایس آئی“ کو گردانا گیا تو عالمی ایجنسیاں چونکیں اور بعض ایسے تکنیکی سوالات اُٹھائے گئے جن کے ”را“ کے پاس شاید جوابات نہیں تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اس معاملے پر پھر اچانک ”پراسرار خاموشی“ اختیار کر لی گئی۔

”را“ کی بدقسمتی کہ اس نے کچھ عرصے بعد جرمنی میں یورینیم کی سمگلنگ کے ایک ایسے ہی واقعے میں پاکستان کو ملوث کیا اور عالمی پریس میں موجود اپنے ”تنخواہ دار بہی خواہوں“ کے ذریعے ساری دُنیا میں اس مسئلے کو خوب اُچھالا۔

لیکن...... جرمنی ہی کی پولیس نے یہ الزام واپس لے لیا اور اعلان کیا کہ غلط فہمی کی بنیاد پر انہوں نے پاکستان کو اس سمگلنگ کا ذمہ دار گردانا تھا۔

ایسی گھناؤنی کارروائیاں ”را“ کی ان نام نہاد ٹریڈنگ، امپورٹ، ایکسپورٹ کمپنیوں کے ذریعے کی جاتی ہیں۔ ”را“ کا عملہ بنیادی طور پر مسلح افواج اور پولیس سے ڈیپوٹیشن پر بھیجے گئے افراد پر مشتمل ہوتا ہے۔ 1975ء کے اواخر میں ریگولر فارن انٹیلی جنس سروس تشکیل دیتے ہوئے ایک سکیم تیار کی گئی تاکہ عملے کی ملازمت کو ایک مضبوط انتظامی اساس ملے اور ان دشواریوں پر قابو پایا جائے جو دیگر محکموں سے سٹاف لینے سے پیدا ہوتی ہیں اور بعدازاں عملے میں بھی بے چینی پیدا



کرتی ہیں، تاہم یہ تجویز حقیقت کا جامہ نہ پہن سکی چنانچہ مسٹر شنکرن نائر کی سربراہی میں 1983ء میں ایک کمیشن قائم کیا گیا تاکہ وہ ایجنسی میں اصلاحات کے لئے سفارشات پیش کرے۔ کمیشن نے 1985ء میں حکومت بھارت کو اپنی رپورٹ پیش کی جس میں سفارش کی گئی تھی کہ سارا سٹاف ریسرچ اینڈ اینالائز سروسز میں سمو دیا جائے۔

1987ء میں اس بارے میں ایک پالیسی فیصلہ کیا گیا۔ تمام ملازمین سے کہا گیا کہ وہ دو سال کے عرصے میں یا تو اپنے اصل محکموں کو خیرباد کہہ کر ریگولر سروس جوائن کر لیں یا اپنے اصل محکموں میں لوٹ جائیں۔

1989ء میں یہ دو سالہ مہلت ختم ہوگئی اور ”را“ کے بہت سے ملازمین یعنی تقریباً 2300 افراد ایجنسی کو چھوڑ کر اپنے اصل محکموں میں چلے گئے۔ سری لنکا کے معاملات کے بارے میں، جہاں آئی۔ پی۔ کے۔ ایف کو ایل۔ ٹی۔ ای کے ہاتھوں بھاری نقصانات اُٹھانے پڑے تھے، جب ”را“ حکومت کو درست اطلاعات فراہم کرنے میں ناکام ہوگئی تو راجیو گاندھی نے اس کے بارے میں سرد مہری کا رویہ اپنایا اور اس کے بجٹ اور سٹاف میں کمی کا حکم جاری کیا۔ ڈیپوٹیشن والے تقریباً چھ سو افراد نے، جنہیں اندرا گاندھی نے اپنے قتل سے تھوڑا عرصہ قبل دیگر ایجنسیوں سے الیکشن ڈیوٹی پر ادھر بھیجا تھا اور وہ بعدازاں طویل عرصے کے لئے یہیں ٹک گئے تھے، وہ پہلا زمرہ تشکیل دیا جو اپنی اصل کیڈر میں واپس گیا۔ ملازمین کی ایک خاصی بڑی تعداد، جو اس عرصے میں ہونے والی اقربا پروری کے ہاتھوں تنگ آچکی تھی، ترقیاں لینے میں ناکام ہوگئی تھی لہٰذا اس نے اپنے اصل کیڈر میں لوٹ جانے کو ترجیح دی۔

وزارت خارجہ امور جس کا ”را“ کے ساتھ ہمیشہ معاند رہا ہے اور جو اس کی ہراساں کر دینے والی کارروائیوں سے تنگ آچکی ہے، اس نے صورتِ حال سے فائدہ اُٹھایا اور پرائیویٹ طور پر کچھ میزبان ممالک کی حکومتوں کو وہاں ”را“ کے

ایجنٹوں کی موجودگی سے آگاہ کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ گزشتہ چند برسوں کے دوران ''را'' کے 20 مستقر بند کئے جا چکے ہیں۔ جہاں ''را'' کے سینئر اہل کار بطور سفار تکار تعینات کئے گئے تھے، انہیں کینیڈا، آسٹریلیا، امریکہ، فجی اور کویت کی حکومتوں نے اپنے شہریوں کے ساتھ بدسلوکی کے الزامات لگا کر ملک بدر کر دیا۔

نومبر 1989ء میں جب مسٹر وی پی سنگھ برسر اقتدار آئے تو انہوں نے ''را'' پر انحصار نہ کیا بلکہ انٹیلی جنس بیورو میں اعلیٰ عہدوں پر اپنے آدمیوں کا تقرر کیا۔

ایک اور نقطہ تغیر اس وقت آیا جب چندر شیکھر نے دہلی کی مسند اقتدار پر قدم رکھا۔ چندر شیکھر کی اقلیتی حکومت راجیو گاندھی کی حمایت کے سہارے قائم تھی چنانچہ راجیو گاندھی نے اس صورت حال کا فائدہ اُٹھایا اور چندر شیکھر پر اپنا اثر و رسوخ استعمال کرتے ہوئے انٹیلی جنس بیورو میں اعلیٰ عہدوں پر اپنے خاص آدمیوں کا تقرر کروایا جنہوں نے روزانہ کی صورتِ حال بالخصوص سیاست کے بارے میں، مختلف پارٹیوں کے انتخابی امکانات اور سیاست دانوں کی نگرانی وغیرہ کے متعلق راجیو گاندھی کو آگاہ کرنا شروع کر دیا حتی کہ آئی۔ بی نے وزیر اعظم چندر شیکھر کے کابینہ کے ساتھیوں کی بھی نگرانی شروع کر دی۔ چنانچہ چندر شیکھر نے مجبور ہو کر اس وقت کے ہریانہ کے وزیر اعلیٰ سے کہا کہ اپنے سی۔ آئی۔ ڈی کے کچھ اہلکاروں کو دہلی بھیجیں تا کہ راجیو گاندھی اور کانگریس (آئی) کے دیگر ارکان کی نگرانی کی جائے۔ اس صورتِ حال نے چندر شیکھر اور راجیو گاندھی میں کشیدگی کو جنم دیا، چنانچہ چندر شیکھر وزیر اعظم کے منصب سے مستعفی ہو گئے اور 1990ء میں لوک سبھا توڑ دی گئی۔





# مقاصد/فرائض

''را'' کا بنیادی مشن جارحانہ جاسوسی ہے اور اسے ٹارگٹ ممالک میں دُشمن حکومتوں کو جاسوسی، تخریبی پروپیگنڈے، سبوتاژ اور فتنہ انگیزی کے ذریعے غیر مستحکم کرنے کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ کثیر الجہتی مشن، جیسا کہ اشوک رائنا نے اپنی غیر سرکاری تاریخ ''ان سائیڈ را'' (بھارتی سیکرٹ سروس کی کہانی) میں انکشاف کیا ہے، درج ذیل ہے:

(الف) تمام ہمسایہ ممالک میں ہونے والی سیاسی اور فوجی تبدیلیوں کو مانیٹر کرنا جو بھارت کی قومی سلامتی اور بھارتی خارجہ پالیسی کی تشکیل پر براہِ راست اثر انداز ہوتی ہوں۔

(ب) بین الاقوامی کمیونزم بالخصوص چین اور روس میں تنازعے سے متعلق ہونے والی پیش رفت کو مانیٹر کرنا۔ روس کے ساتھ بھارت کی دوستی کے باوجود سرخ خطرے کے اندیشے نے بھارت کو یہ جواز فراہم کیا کہ وہ برطانوی ایم۔ آئی۔ 6 کے ساتھ اپنے روابطہ کے ذریعے سی۔ آئی۔ اے کو حالات سے باخبر رکھے۔

(ج) پاکستان پر کڑی نگرانی رکھنا بالخصوص چین اور امریکہ سے ہتھیاروں کے حصول پر۔

(د) دُنیا بھر میں بشمول جزائر غرب الہند کی انڈین کالونیوں اور بحرالکاہل (سمندری) کے خطوں میں بھارتی نژاد سے رابطہ رکھنا اور تعلقات کو مضبوط بنانا۔



# سٹریٹجک انٹیلی جنس

## (الف) معلومات اکٹھی کرنا:

اس میں بھارتی مفاد اور پالیسیوں سے متعلق ناگزیر اہمیت کی معلومات اکٹھی کرنا، شامل ہے۔ اس ضمن میں خصوصی زور ہمسایہ ممالک، سپر پاورز اور ان ممالک پر دیا گیا ہے جن کے ساتھ بھارت کے سیاسی اور اقتصادی تعلقات ہیں۔

## (ب) معلومات کی پراسیسنگ:

''را'' جمع شدہ معلومات واطلاعات کا بڑے پیمانے پر تجزیہ اور تحقیق کرتی ہے۔ اس مقصد کے لئے ساز وسامان بھی بشمول جدید کمپیوٹر نظام ''را'' کے ہیڈکوارٹرز واقع نئی دھلی میں نصب کیا گیا ہے۔

## (ج) کانٹ چھانٹ:

تجزیہ کی گئی معلومات واطلاعات وزیراعظم، جوائنٹ انٹیلی جنس کمیٹی خارجہ، داخلہ، سینئر اہل کاروں، سول اور آرمی تک پہنچادی جاتی ہیں۔

## جارحانہ انٹیلی جنس:

جارحانہ انٹیلی جنس کے لئے ''را'' کے بنیادی مشن کا مقصد جاسوسی، نفسیاتی

جنگ، تخریب کاری، سبوتاژ اور بغاوت کے ذریعے ٹارگٹ ممالک میں دشمن حکومتوں کو غیر مستحکم کرنا ہے۔

## جاسوسی نظام:

اس کا مقصد بھارت کی سلامتی، تجارت اور ٹیکنیکل / سائنٹیفک ترقی سے متعلق اہم موضوعات پر تازہ ترین معلومات کا حصول ہے۔ یہ مساعی سیاسی، اقتصادی، صنعتی سائنسی اور دیگر متعلقہ حلقوں پر محیط ہیں۔

## نفسیاتی جنگ:

''را'' جارحانہ پروپیگنڈے اور اس میڈیا میں کارپردازی کے ذریعے ایک منظم نفسیاتی جنگ کا آغاز کرتی ہے۔ اس کا اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ ٹارگٹ ملک کے عوام کا وطن، اس کی قیادت اور نظریئے سے اعتبار ختم ہو جائے۔

## تخریب کاری:

اس مشن کا مقصد ٹارگٹ ممالک میں تخریب اور توڑ پھوڑ کے بیج بوتا رہتا ہے۔ دشمن یا غیر دوست حکومتوں کے خلاف بھارتی تخریب کار کے بنیادی مقاصد میں اس امر کو مدنظر رکھا جاتا ہے کہ یا تو انہیں غیر مستحکم کر دیا جائے یا پھر بھارتی پالیسی اور تصورات کی پیروی پر مجبور کیا جائے۔ اس کا یہ مقصد بھی ہے کہ خطے کے دیگر ممالک کے متنازع صورت حال سے فائدہ اُٹھا کر اسے سیاسی اور سٹریٹجک اعتبار سے بھارت کے حق میں استعمال کیا جائے۔

## سبوتاژ:

''را'' ٹارگٹ ممالک میں سبوتاژ کی کارروائیوں پر بھی عمل کرتی ہے۔ اس سلسلے میں ''را'' بارڈر سیکورٹی فورسز (بی ایس ایف) اور سپیشل فرنٹیئر فورس (ایس ایف



ایف) کے انٹیلی جنس یونٹوں کو مشن سونپنے اور ان کی نگرانی کی بھی ذمے دار ہے۔ بی۔ ایس۔ ایف کا وسیع نیٹ ورک ''را'' کے معاون یونٹوں کے طور پر کام کر رہا ہے اور اس نے بیشتر اہم مشینوں میں ''را'' کو پوری آپریشنل سپورٹ مہیا کی ہے۔ یہ چیز بالخصوص مشرقی پاکستان کے بحران کے ضمن میں دیکھنے میں آئی۔

## بغاوت:

''را'' ٹارگٹ ممالک میں جاری باغیانہ سرگرمیوں اور باغبانہ آپریشنز کو تمام ممکنہ مدد فراہم کرتی ہے۔ بغاوت کے کسی موزوں مرحلے پر ''را'' خفیہ طور پر، بغاوت کے شعلوں کو مزید تیز کرنے کی خاطر، اپنی خاص فورسز کو تعینات کر دیتی ہے۔ یوں ٹارگٹ ممالک میں دشمن حکومتوں کو گرانے کے منصوبے پایۂ تکمیل پہنچائے جاتے ہیں۔

## خصوصی مشن:

یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ وہ خاص ملک یا اس کی حکومت جو بھارتی مفادات کے مطابق بھارت کا ساتھ دینے پر آمادہ نہ ہو، بھارتی وزیراعظم اس کے خلاف ''را'' کو خاص مشن سونپتے ہیں۔ جہاں تک اس کے خارجی مشینوں کا تعلق ہے تو ''را'' ان ممالک کو اولین ترجیح دیتی ہے۔

(الف) جو خطے میں بھارت کے توسیع پسندانہ عزائم کے لئے فوری یا طویل المیعاد خطرے کا باعث ہوں، یا وہ ممالک جو علاقائی قربت کے سبب خاطر خواہ سٹریٹجک اہمیت کے حامل ہوں۔ اس طرح بھارتی ترجیح میں پاکستان اور چین کو نمایاں اہمیت حاصل ہے۔ اس کے بعد سری لنکا، بنگلہ دیش، بھوٹان، اور برما نیپال وغیرہ کا نام آتا ہے۔

(ب) جن کے کنسورشیم بھارت کو مالی امداد فراہم کرتے ہوں اور جہاں اس کے

ناگزیر کاروباری اور تجارتی مفادات ہوں، ان میں وہ افروایشیائی ریاستیں بھی شامل ہیں جہاں بھارت نے سرمایہ کاری اور بڑے بڑے پراجیکٹ شروع کر رکھے ہیں جن میں بھارتی باشندوں کی ایک خاصی بڑی تعداد ملازمت کرتی ہے۔

(ج) جو کہ بڑی پاورز ہوں جیسے روس، امریکہ اور مغربی اقوام مثلاً برطانیہ، فرانس اور جرمنی وغیرہ۔ یہ اقوام بھارت کی دفاعی ضروریات کو پورا کرتی ہیں۔ بیشتر مسلم ممالک بھی بھارت کی ٹارگٹ لسٹ میں اوّل نمبر پر ہیں۔ ایران اور عراق پر حد درجہ توجہ دی جا رہی ہے جو کہ بھارت کو تیل فراہم کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ ایسے ممالک / تنظیمیں جو ویسٹ ایشین بحرانوں میں ملوث ہیں مثلاً پی۔ ایل۔ او، لیبیا، شام وغیرہ۔ دیگر عرب ممالک بالخصوص خلیج میں واقع ممالک کو بھی بے حد ترجیح دی جا رہی ہے خصوصاً اس لئے کہ بھارت انہیں پاکستان سے دور کر دینا چاہتا ہے۔ وسط ایشیائی ریاستوں اور افغانستان کو بھارت کے علاقائی مفادات میں اولین ترجیح حاصل ہے۔

(د) ''را'' ماریشس، مشرقی افریقہ، جنوبی افریقہ، بحر ہند اور مغرب، جہاں ہندو معقول اقلیت میں ہیں، میں رونما ہونے والے واقعات کو خاص اہمیت دے رہی ہے۔ بھارت کے ماریشس کے ساتھ قریبی مراسم ہیں جہاں ہندو خاصی تعداد میں آباد ہیں۔ ''را'' واضح طور پر سری لنکا میں جاری تامل ایجی ٹیشن میں نمایاں سے بھی زیادہ کردار ادا کر رہی ہے۔ اس نے ایل۔ ٹی۔ ٹی۔ ای سے ایک ''عفریت'' تخلیق کیا جو آخر کار ''قابو سے باہر'' ہو گیا اور اب خود ''را'' کے گلے کی ہڈی بن چکا ہے۔ وزیر اعظم راجیو گاندھی کا قتل ان ہی لوگوں کا کارنامہ ہے۔

(ہ) ''را'' کا ایک بڑا آپریشن ان ''غیر ملکی ایجنسیوں'' کو بے نقاب اور غیر مؤثر



کر رہا ہے جو خالصتان موومنٹ، حق خودارادیت کے لئے کشمیریوں کی جدوجہد اور شمال مشرقی بھارت میں طویل عرصے سے جاری اینٹی حکومت تحریکوں کی مدد کر رہی ہیں۔ ظاہر ہے عالمی سطح پر پاکستان کو بدنام کرنے کی ''را'' کی کوششوں میں پاکستان بنیادی ہدف ہے۔

## داخلی مشن:

جیسا کہ قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے داخلی انٹیلی جنس کے لئے بنیادی تنظیم انٹیلی جنس بیورو ہے، تاہم ''را'' کو اپنے سیاسی مقاصد کے لئے مسز اندرا گاندھی اور راجیو گاندھی نے بھی بے پناہ استعمال کیا تھا اور کانگریس (آئی) حکومت بھی سیاسی معلومات، کاؤنٹر انٹیلی جنس اور بھارت کے اندر خصوصی مشنوں کے لئے ''را'' کو استعمال کر رہی ہے۔

## پولیٹیکل انٹیلی جنس:

وزیر اعظم کو درج ذیل کی سرگرمیوں کے بارے میں آگاہ کرنے کے لئے:

1) کانگریس (آئی) کے مرکزی وزراء، ان کے ساتھی اور پارٹی کے منحرفین۔
2) ریاستوں میں غیر کانگریسی وزرائے اعلیٰ / وزراء، دیگر اپوزیشن رہنما اور پارٹیاں، اہم مزدور لیڈر، صحافی، ادیب اور دیگر دانشور اور مذہبی لیڈرشپ۔
3) حکومت مخالف تنظیموں کے کارکنان اور راہنما۔
4) فضائی اور بری افواج کے سربراہان اور دیگر اہم فوجی افسران۔
5) مرکزی اور ریاستی حکومتوں کے سینئر افسران۔

## جوابی جاسوسی نظام:

اس کے لئے ''را'' کا ایک وسیع سیٹ اَپ ہے۔ تقریباً تمام ہی بڑے

شہروں میں، خاص طور پر جو سرحدوں کے قریب ہیں، ''را'' نے فیلڈ یونٹ قائم کئے ہیں۔ ''را'' ٹارگٹ ممالک کے سفارتی عملے کے خلاف خاص طور پر سرگرم ہے۔ اس بارے میں میں خاص شکایات پائی جاتی ہیں کہ ایسی سفارتی عملے کو ان کے قانونی فرائض کی انجام دہی کے دوران ''را'' کے ایجنٹوں نے ڈرایا دھمکایا اور ہراساں کیا۔ پاکستانی سفارت کار تو ''را'' کی زیادتیوں کا بدترین نشانہ بنے۔ ''را'' کے ایجنٹوں نے گزشتہ چھ برسوں کے دوران 8 پاکستانی سفارت کاروں کو اغوا کیا اور بغیر کسی معقول وجہ کے انہیں بری طرح زدوکوب کیا۔ ''را'' نے سفارتی عملے کی رہائش گاہوں اور سفارت خانوں میں جاسوسی کے جدید ترین آلات بھی نصب کر رکھے ہیں۔ مزید برآں ''را'' نے زیر زمین دُنیا کے مجرموں، ڈرگ مافیا اور باغی گروپوں میں بھی خفیہ طور پر اپنے جاسوس داخل کر رکھے ہیں تاکہ ان کی سرگرمیوں کے بارے میں تازہ ترین اطلاعات حاصل ہوتی رہیں۔





# ''را'' کیلئے ایجنٹوں کا انتخاب اور ٹریننگ

''را'' کے قیام کے بعد سب سے اہم مرحلہ بیرون ملک جاسوسی کے لئے ایجنٹوں کا انتخاب اور اُن کی بین الاقوامی معیار کی تربیت تھی۔ جہاں تک کاؤنٹر انٹیلی جنس یعنی (اندرون ملک انٹیلی جنس) کا تعلق ہے تو ''را'' کے پاس بھارتی آئی۔ بی اور دوسری ایجنسیوں سے تربیت یافتہ لوگ موجود تھے جبکہ جاسوسی کے لئے انہیں صرف بھارت کی ملٹری انٹیلی جنس یا پھر تینوں افواج کے جاسوس ڈیپارٹمنٹس کی طرف سے ہی کچھ سٹف (Stuff) میسر تھا۔ لیکن کیا ایک پہلے سے تربیت یافتہ ایجنٹ کو جدید خطوط پر دوبارہ تربیت دی جائے یا پھر اس کے لئے نیا ٹیلنٹ تلاش کیا جائے۔

یہ تھا وہ اہم سوال جس کا جواب Raw کے شہ دماغوں کو تلاش کرنا تھا۔ اس سلسلے میں ابتدائی مراحل میں کوئی واضح پالیسی طے نہ پا سکی۔ کیونکہ Raw نے اپنے قیام کے ساتھ ہی مشرقی پاکستان میں آپریشن شروع کر دیئے تھے اس کے لئے وہ پہلے سے موجود اپنے اثاثے پر انحصار کرتے تھے۔ اس ضمن میں ''را'' کی طرف سے جو پہلی تربیت گاہ قائم کی گئی اسے ''ونست وہار'' کہا جاتا ہے۔

یہ تربیت گاہ جو کہ ''ہاؤس'' کے نام سے موسوم تھی اس کو پانچ اساتذہ پر مشتمل مستقل سٹاف جس میں اُن کا ڈائریکٹر بھی شامل تھا، چلاتے تھے۔ 1970ء میں تمام خارجہ انٹیلی جنس کارکنان کی تربیت اس ادارے کے سپرد کر دی گئی۔ اس میں

ڈائریکٹوریٹ جنرل کی تمام ایجنسیاں بھی شامل تھیں۔ مخصوص کورسوں کی تعلیم دلانے کے لئے متعلقہ مخصوص شخصیات کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں۔ القصہ تمام تر تربیت گاہیں ایک ہی چھت تلے آ جمع ہوئیں۔

را (Raw) کے اساتذہ کے لئے نو وارد طلباء کا صحیح انتخاب ایک بنیادی مسئلہ تھا اور اُن کا تقرر دردِ سر بنا ہوا تھا۔ کیونکہ اس وقت ''را'' میں موجود بہت سے افراد مختلف محکموں سے تعلق رکھتے تھے جس میں پولیس، آئی۔ بی، فوج وغیرہ شامل تھے اور چونکہ یہ لوگ پہلے سے ہی اپنے آبائی دفاتر سے اپنے اپنے مختلف شعبوں میں کافی تربیت اور مہارت حاصل کر چکے تھے اس لئے انہیں خارجہ انٹیلی جنس اور جاسوسی کے شعبوں میں ذمہ داری قبول کرنے میں تامل ہوا۔ ان نو واردوں کو روس، برطانیہ اور امریکہ کے جاسوسوں کی مثالیں دی جاتیں۔ لیکن جب ہندوستانی جاسوس کے متعلق دریافت کیا جاتا تو جواب صفر ہوتا۔ کیونکہ ''را'' بالکل ایک نیا اور انجانا ادارہ تھا۔ پختہ کلام کی تربیت کا طریقہ کار بھی ویسا ہی تھا جیسا کہ کسی بھی تربیت گاہ میں اختیار کیا جاتا ہے۔ اس طریقۂ کار سے کسی ریکروٹ کو دُنیا کی انٹیلی جنس اور جاسوسی کے اداروں کے متعلق واقفیت فراہم کرنا اور اُس کو جاسوسی کی افسانوی دُنیا سے الگ کرنا ہوتا ہے اور یہ ایک ہفتہ یا دس یوم کا کورس ہوتا ہے۔

یہ جاننے کے لئے کہ کوئی ریکروٹ کس قدر کامیاب ہو چکا ہے اس سلسلے میں مباحثے قائم کئے جاتے ہیں جن میں مختلف موضوعات زیرِ بحث لائے جاتے ہیں۔

ایک ہی قسم کے دو واقعات کی یکسانیت میں فرق ہو سکتا ہے کیونکہ دو مختلف تہذیبیں ایک ہی قسم کا کام اپنے اپنے مختلف طریقوں سے سرانجام دیتی ہیں۔ اسی طرح جاسوسی کے کام کا طریق کار ایسا ہے جو دوسرے حالات میں بالکل مختلف (بلکہ



نا قابل عمل) ہوتا ہے۔ سی۔ آئی۔ اے یا کے۔ جی۔ بی یا چین کی سیکرٹ سروس (Secret Service) اور پاکستان کی انٹیلی جنس ایجنسی کے واقعات کے مطالعے سے بھی بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ اُن کی مہمات کو سر کرنے اور مقاصد کے حصول کے اپنے اپنے طور طریقے ایک دوسرے سے کوئی مماثلت نہیں رکھتے۔ حالانکہ سب کا مقصد ایک ہی ہے یعنی خفیہ طریقوں سے اطلاعات اور معلومات فراہم کرنا۔

برطانوی انٹیلی جنس سے کچھ جملے اس لئے مستعار لے لئے گئے یا شاید ترکے میں مل گئے اور مثال کے طور پر اس لئے استعمال کئے جاتے کہ شاید یہ بہترین حوالہ جات ثابت ہو سکیں۔ مگر یہ بات قابل ذکر ہے کہ ''جاسوسی کے کام کو احسن طریقے سے سرانجام دینے سے وہ خوشی نصیب ہوتی ہے جو کبھی کسی کو شادی کے موقع پر ہی حاصل ہوتی ہے۔'' اور یہ خوشی عام آدمی کو زندگی میں صرف ایک ہی بار حاصل ہوتی ہے۔ اگر اچھی کہانی تیار نہ کی جائے تو سارا کام بے کار ہو جاتا ہے اور ساری محنت اکارت ہو جاتی ہے۔

ایک نو وارد دس یوم کی محدود مدت میں صرف چند ایک طریقے یا ہنر سیکھ سکتا ہے جنہیں کہ اُس نے اپنی عملی زندگی میں زیرِ عمل لانا ہوتا ہے۔ اُسے اس بات سے روشناس کرایا جاتا ہے تاکہ وہ اپنے ملک کے دوست اور دُشمن میں تمیز کر سکے اور اُس کو یہ بھی باور کرایا جاتا ہے کہ انٹیلی جنس ادارہ کی یہ ذمہ داری نہیں کہ وہ دوست اور دُشمن میں فرق ظاہر کرے۔ بلکہ اس بات کا اندازہ ملک کی خارجہ پالیسی سے لگانا ہوتا ہے۔

اس کے دوسرے کورس کی ابتداء اس کام سے ہوتی ہے کہ اُس کو رواجی معاملات و معمولات، فارم، اطلاعات کی درجہ بندی یا اُونچ نیچ اور محکمہ جاتی بولیوں اور اشارے کنایوں سے روشناس کرایا جائے کیونکہ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں اس حد تک

اس کو یہ محسوس کرایا جاتا ہے کہ بعد میں سپیشل اور خصوصی تربیت میں جو کہ اُس کے سامنے آنے والا ہے اُس سے آگاہی حاصل ہو جائے۔ سب سے پہلے اُس کو اس بات سے آگاہ کیا گیا تھا کہ جب قومی سلامتی کا مسئلہ درپیش ہو تو بلا امتیاز سرکاری مشینری کے کارکنوں کے عہدے کا لحاظ کئے بغیر سرخ فیتا کیسے کاٹا جاتا ہے یعنی حالات پر قابو کیسے پایا جاتا ہے۔

اُس کی تربیت کا دوسرا حصہ شہر سے دُور جنگلوں میں کسی بارڈر کے ساتھ ساتھ ایف۔آئی۔بی سیل آفیسر کی زیرنگرانی مکمل ہوتا ہے اور یہ سیل آفیسر (F.I.B) کے رابطہ کی حیثیت سے مقرر ہوتا ہے اور یہ کورس چھ ماہ سے ایک سال کے عرصے میں مکمل ہوتا ہے۔ یہاں پر آکر اسے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت کیا ہے اور خفیہ مہمات جو کہ او۔ایس۔او (O.S.O) سپیشل بیورو (S-B) کے زیرنگرانی سر کی جاتی ہیں اُس کی کیا اہمیت ہے۔ رات کی مشقوں میں بارڈر کے پہرے داروں سے بچ بچا کر خاردار تاروں کو پار کیا جاتا ہے۔ یہ سب عمل سپیشل سروس بیورو جو کہ خفیہ تنظیم کا ہی ایک ادارہ ہے، کی سرکردگی میں مکمل کیا جاتا ہے۔ یہ تنظیم بارڈر کی حفاظت کرتی ہے۔ اگرچہ ان کو بارڈر کے محافظوں سے بچنے اور قابو نہ آنے کی کوشش کرنے کو کہا جاتا ہے۔ تاہم یہ اُن کی ابتدائی سیڑھی ہے کہ وہ پکڑے جاتے ہیں اور ان پر محدود پرزور سوالات کی بوچھاڑ ہوتی ہے۔ یہ نقلی مشق اُن کی تربیت کا جزو لازم ہے۔ ایسی مشقوں کے لئے جہاں جاسوسی کی مشق کرائی جاتی ہے۔ شہروں اور قصبوں کے قریب کے علاقے کا انتخاب کیا جاتا ہے۔

اُن کی تربیت کا دوسرا مرحلہ مصنوعی دُشمن کے فوجی علاقے میں آپس میں ملاقات کرنے کے طریقے بتانے سے شروع ہوتا ہے اور ایسی ملاقات کے لئے کسی محفوظ مقام کا انتخاب کیا جاتا ہے تاکہ وہ دُشمن کے علاقے کا بغور جائزہ لینے کے بعد



اور طے شدہ پروگرام کے مطابق صحیح وقت پر اکٹھے ہو سکیں۔ بعض اوقات ایسے مواقع بھی آتے ہیں کہ وہاں کے رہنے والے وہ لوگ جو ان کی تربیت کے پروگرام سے نابلند ہوتے ہیں، ان کو پکڑ کر اور مشکوک جان کر مقامی پولیس کے حوالے کر دیتے ہیں جن کو ان کی تربیت کا کوئی علم نہیں ہوتا اور ایک آدھ رات جیل میں بھی گزارنی پڑ جاتی ہے۔ ایک اُستاد نے بتایا کہ چند ایک نو واردوں (ریکروٹوں) کو ضمانت سے پہلے اس قسم کی مصیبت سے دوچار ہونا ہی پڑتا ہے۔

ایسی مصنوعی تربیت اور اس قسم کے حادثات سے ریکروٹ کو سبق حاصل ہوتا ہے کہ اسے جنگ کے دوران کس کس قسم کے واقعات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ بارڈر کے علاقوں میں ان کی یہ تربیت اُن کو صحیح سوچ بچار کے اہل بناتی ہے۔ ہندوستان کے شمال جنوبی اور مشرقی بارڈر کے علاقے ایسے کاموں کے لئے بے حد موزوں ہیں۔ شہروں میں تربیت مکمل ہونے کے بعد اُس کی تربیت کا دائرہ عمل تبدیل کر کے اُونچے درجے میں پہنچ جاتا ہے جس میں کہ اس کو اُونچے اُونچے پہاڑوں، گہری وادیوں اور ہمالیہ کے برساتی جنگلوں، ہندوستان کے مشرقی علاقے میں مشقیں کرائی جاتی ہیں اور یہ مرحلہ ہر ایک کے لئے نہیں بلکہ صرف اُن لوگوں کے لئے ہے جو (O.S.O) کے سپیشل سیکشن میں متعین کئے جاتے ہیں۔ شہری اور جنگلی علاقوں میں تربیت مکمل کرنے کے بعد اُن کو آخری مرحلے کے لئے واپس لا کر اُن کی ذہنی نشوونما کو جلا دی جاتی ہے اور اس مرحلے کو پہلے لوگ جو اس دور سے گزر چکے ہیں، ذہن کی صفائی (Barin Wash) کا نام دیتے ہیں۔ یہاں پہنچ کر ریکروٹ مکمل تربیت حاصل کر کے عملی زندگی میں قدم رکھتا ہے اور انٹیلی جنس او پریٹو کی حیثیت پر فائز ہو جاتا ہے۔

یہاں پر اُس کو ایسے دور سے بھی گزرنا پڑتا ہے کہ اُسے بیرونی ممالک میں تقرری مل جائے تو وہاں سے ایجنٹ کو خریدنے اور اس کی تربیت کرنے کا طریقہ بتایا

جاتا ہے۔ عام طور پر صحیح خطوط پر استوار کی ہوئی (انٹیلی جنس تنظیم) خفیہ تنظیم کا ایجنٹ اپنے معمولات اور روزمرہ کی ڈیوٹی معمولی ذہانت کی بنا پر آسانی سے سرانجام دے سکتا ہے۔ مخصوص انداز میں اس کو جو ابتدائی تربیت دی گئی تھی اس کا مطلب یہ ہے کہ اُس کو ایسے پھندوں سے روشناس کرایا جائے جو کہ ایمرجنسی (جنگ) کے دوران حفاظتی دستے بچھاتے ہیں اور اُن سے بچ کر اپنی مخصوص جائے ملاقات پر باحفاظت طریقے سے کیسے پہنچا جائے جبکہ سخت نگرانی کا عالم ہو۔ اور اگر اُس کو ایسے معاملات میں اُلجھایا جو کہ ایک پیشہ ور خدمات کا حصہ ہیں تو پھر وہ ایجنٹ ہاتھوں میں نہیں رہے گا کیونکہ یہ چیز ایک ایجنٹ کے لئے ضروری نہیں کیونکہ اس قسم کا جاسوس مخفی انداز میں نہیں رہ سکتا اور اپنے مقاصد تک پہنچنے سے پہلے ہی گرفتار ہو سکتا ہے۔

یہاں تک اس کی ذہنی صفائی اور قربانی کا جذبہ ودیعت کرنے کی تربیت مکمل ہوگئی۔ اب وہ ارتقائی بلندیوں کو کامیابی سے سر کرنے اور ہر معاملے کو صحیح سمت میں سوچنے اور سلجھانے کے قابل ہوگیا۔ جیسا کہ ''را'' سکول کے ایک انسٹرکٹر نے بیان کیا کہ جب وہ (ریکروٹ) میدانی تربیت سے فارغ ہو کر آتے ہیں تو ان میں اس قدر خوداعتمادی اُجاگر ہو جاتی ہے کہ جب وہ آپ کے سامنے بیٹھتے ہیں تو آپ اُن کی آنکھوں میں کتنا ہی کیوں نہ جھانک کر دیکھ لیں آپ کو اندازہ نہیں ہو سکے گا کہ وہ کس قدر تربیت یافتہ ہیں کیونکہ ظاہری طور پر بالکل معصوم دکھائی دیں گے مگر اُن کے پاؤں کی لگاتار جنبش اُن کی کامیابیوں اور قابلیت کی کہانی بیان کر رہی ہوتی ہے۔ پھر اُس کے بعد ہم اُن کو فائنل مرحلے کے لئے گفتگو میں پختگی پیدا کرنے کی تربیت دیتے ہیں۔





''را'' کے تربیتی کورس کو 1970ء کے بعد بڑی جانچ پڑتال کرنے کے بعد تھوڑا سا تبدیل کر دیا گیا مگر ابتدائی اور بنیادی اُصول ویسے کے ویسے رہنے دیئے۔ یہ 1970-79ء کے آغاز کا دور تھا جب نئے خیال نے جنم لیا۔ ایسے لوگوں کو پیشہ وارانہ تربیت دینے کے علاوہ (یعنی جو لوگ پولیس اور انٹیلی جنس بیورو سے لئے جاتے) وسیع تعداد میں سول محکموں کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے ماہرین اور اعلیٰ عہدوں پر فائز افسروں، ہنرمندوں، ہوائی فوج اور الیکٹرانک سے تعلق رکھنے والے لوگوں کا بھی ''را'' میں تقرر کیا گیا۔

پیشہ ور اپنے اپنے شعبے میں ماہر تو تھے ہی، مگر پھر بھی اُن کو مختصر عرصے میں محدود تربیت دی جاتی جس سے اُن کی ذہانت کو جلا ملتی اور وہ متعلقہ خبریں اور اطلاعات اکٹھا کرنے کی صلاحیت کے مکمل طور پر قابل ہو جاتے۔ اسی طرح سے تربیتی کورسوں میں مناسب تبدیلی لائی گئی تاکہ یقینی طور پر مناسب اور کارآمد مواد مہیا ہو جو کہ اُن کے پیشے کے لحاظ سے موزوں ثابت ہو۔

"The Need to Know" یعنی واقفیت حاصل کرنے کے اصول بار بار دہرائے جاتے تاکہ اُن افسران کے ارتقائی اور سطحی تعلقات اپنے ہی دفاتر سے (جہاں کہ وہ خود سروس کرتے ہیں) قائم رہیں۔ انٹیلی جنس ادارے کا تعلق محض سطحی تصور کیا جاتا۔ اس سے پیشتر ادارے کی انتظامی صلاحیت اور نئے تخیلات تک پہنچ کا فقدان تھا جسے اس تربیتی پروگرام نے ایک ناقابل فراموش جلا بخشی اور ہر کمی کو پورا کر دیا۔ اطلاعات کا تجزیہ کرنا صرف ہیڈ کوارٹر کی ذمہ داری تھا مگر دوسرے کام کے طریقے ویسے ہی رہنے دیئے گئے۔

اس کے بعد عملی تربیت کا کام سیکھنے کے دوران ایک تجربہ کار اُستاد سے راہنمائی حاصل کی جاتی۔ تربیت کا طریقہ کار اس طرح سائنسی طریقے پر اُستوار کیا گیا۔ بیرونی

ممالک کے تربیت یافتہ انٹیلی جنس اوپریٹو (جاسوسی افسر) کسی طرح بھی خود کو ڈیسک آفیسر کے مددگار سے کم نہ سمجھتا۔ بالکل انہی لوگوں کی مانند جنہیں مختلف شعبوں میں خصوصی تربیت فراہم کی گئی۔ پہلے پہل اُس کو کم اہمیت کے علاقے (ڈیسک) میں متعین کیا جاتا ہے اور اس اہمیت کا دارومدار اس بات پر ہے کہ کسی ملک کے ہندوستان کے ساتھ کیسے تعلقات ہیں۔ گویا جس ملک کے تعلقات ہندوستان کے ساتھ جس قدر زیادہ خراب ہوں۔ اس ملک کو اتنی ہی زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ اور دوسرے خود کو کیس آفیسر محسوس کرتے اور ان دونوں کا ابتدائی عرصہ دو سال سے زائد نہیں ہوسکتا۔

ایک مرتبہ جب اس میدانِ عمل میں قدم رکھا تو اسٹیشن چیف کے زیر سایہ مہمات کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔ چاہے سرکاری وردی میں ہو یا بھیس بدل بدل کر وقت کے تقاضے پورے کئے جاتے ہیں اور سفارت خانہ بھی اس کی پشت پناہی کرتا ہے اور جب ضرورت پڑے پوری پوری مدد کرتا ہے۔ اب اُسے اپنے سفارت کاروں اور اپنے ہی لوگوں کے ہاتھوں انتہائی مشکلات کا سامنا کرنا ہوتا ہے۔ بیرونی سفارت کار اور کارکنوں کے مذمت آمیز رویے سے اکثر سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ''را'' تنظیم کے کارکن اور بیرونی سفارت کار اپنے کام میں اس قدر مہارت حاصل کر لیتے ہیں اور ایک دوسرے سے اس قدر محتاط رہتے ہیں کہ آپس میں مصافحہ کرنے کے فوراً بعد ہر شخص اپنی اپنی اُنگلیاں شمار کرنے لگتا ہے۔ اس خیال سے کہ کہیں کوئی اُنگلی غائب تو نہیں ہوگئی۔ یہ ایک اعلیٰ فنی مہارت کا نمونہ ہوتے ہیں۔

ایجنٹ کا اہم ترین کام یہ ہوتا ہے کہ وہ مختلف ذرائع سے اطلاعات فراہم کرتا ہے اور دوست ممالک سے تعلقات استوار کرتا ہے اور مخبروں سے اطلاعات موصول کرتا ہے۔ اس مقام پر اُسے پہلی بار معلوم ہوتا ہے کہ ایک ایک خاص مہم کو کس طرح سے سرانجام دیا جاتا ہے۔





اکثر و بیشتر انٹیلی جنس اداروں کا ذاتی طور پر طریقۂ کار تقریباً یکساں ہوتا ہے۔ ریذیڈنٹ (پولیٹیکل ایجنٹ) (متعلقہ ملک میں مقیم) روایتی طور پر کسی جاسوسی (Operation) مہم کا اصل محرک اور مددگار ہوتا ہے۔ وہ یعنی ریذیڈنٹ اپنی مہم کا آغاز قریبی علاقے سے کرتا ہے۔ لیکن اُس کا اس (Operation) سے قریب رہنا ضروری نہیں۔ کسی مہم کا آغاز مصر میں کیا گیا ہے تو وہ بیروت یا بغداد میں قیام پذیر ہو کر بھی اُس مہم کی نگرانی بآسانی کرسکتا ہے۔ ملک میں وہ قانون شکنی نہیں کرتا کیونکہ اُس کو مکمل طور پر قانونی پشت پناہی حاصل ہوتی ہے۔ وہ مالی طور پر مستحکم، سماجی طور پر علاقے میں مقبول ہوتا ہے۔ اور پھر ہندوستان کا شہری جو ٹھہرا۔ وہ بھیس بدل بدل کر مہمات سرکرنے میں نہیں اُلجھتا۔ بلکہ میدانِ عمل میں وہ (Operative) یعنی وہ افسر جو مہم چلاتا ہے اور ایجنٹ کا درمیانی بلاواسطہ رابطہ ہوتا ہے اور اسی طرح کیس آفیسر (یہ وہ افسر ہوتا ہے جس کے پاس کسی مہم کا مکمل ریکارڈ ہوتا ہے) اور اسٹیشن چیف سے بھی اُس کا رابطہ ہوتا ہے۔

کیس آفیسر کا کام اور ذمہ داری یہ ہے کہ وہ ریکارڈ ترتیب دیتا ہے اور وہ دیکھتا ہے کہ کسی پروجیکٹ کی تکمیل کے لئے کتنے آدمیوں کی ضرورت ہے اور پھر اس مہم کی کارکردگی کی نگرانی کرنا اور حساب کتاب درست کرنا۔ اس کے علاوہ وہ میدانِ عمل میں اوپریٹو سے قریبی رابطہ رکھتا ہے۔ بعض اوقات اس سلسلے میں کبھی کبھار اسے مخصوص ایجنٹ کی مدد کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ (یہ مخصوص ایجنٹ اُس ملک کا باشندہ ہوتا ہے جس ملک میں جاسوسی کا جال پھیلایا جائے اور یہ ایجنٹ جاسوسی کی تربیت سے پوری طرح آراستہ ہوتا ہے)۔ ایجنٹ کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ ہر قسم کی اطلاعات فراہم کرے جس کی کہ کیس آفیسر کو اپنا ریکارڈ مکمل رکھنے کے لئے ضرورت ہوتی ہے۔ ایسا کام کرنے کے لئے کیس آفیسر ذاتی طور پر یا بلاواسطہ پرنسپل ایجنٹ کی

وساطت سے ایجنٹ تیار کرتا ہے جسے جاسوس کہتے ہیں۔ درحقیقت یہی وہ جاسوس (ایجنٹ) ہے جس کا ہر عمل ملکی قانون شکنی کے مترادف ہوتا ہے اور کسی بھی (Operation) مہم کی تکمیل کے لئے جاسوسی کرتا ہے۔ ایجنٹ اسی ملک کا باشندہ ہوتا ہے جس ملک کی جاسوسی کرتا ہے۔ سماجی حلقوں میں اس کو ملک دُشمن کے نام سے پکارا جاتا ہے اور اس کام کے لئے (جاسوسی کے لئے) اُس کو تربیت دی جاتی ہے۔

اس خریدے ہوئے ایجنٹ سے وقتاً فوقتاً حسبِ ضرورت فوری طور پر بھی کام لیا جاسکتا ہے اور یا اسے عرصۂ دراز کے لئے بھولا بھی جاسکتا ہے۔ اس بات کا انحصار نئی دہلی میں ''را'' کے چیف سربراہ کے فیصلے پر ہوتا ہے۔ اس خریدے ہوئے ایجنٹ (جاسوس) سے اگر قطع تعلق بھی کرلیا جائے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مگر دوسرے جاسوس اور ایجنٹ حضرات جن کو سفارتی سطح پر پشت پناہی حاصل ہوتی ہے۔ بھانڈا پھوٹ جانے کی صورت میں اُس ملک میں ناپسندیدہ شخصیت قرار دے کر وہاں سے نکالا بھی جاسکتا ہے۔ جس سے مہم (یعنی جاسوس) کے کام میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔

ریذیڈنٹ کا کام ایجنٹ اور جاسوس کے درمیانی رابطے اور خود کو سامنے لانے سے احتراز کرنا اور اپنی ذات کو ایسے مواقع سے محفوظ رکھنا کہ اس پر شک نہ کیا جاسکے۔ خود پس پشت رہتا ہے اور اگر کوئی ایسا واقعہ پیش آئے تو ایسے حالات کا خاتمہ کرتا ہے۔ ایک وقت میں ایک مہم سے زیادہ کا آغاز نہیں کرتا۔ بالخصوص حفاظتی اقدام کے تحت (Operations) مہمات کی تعداد محدود ہوتی ہے تاکہ اگر کسی خاص مہم جوئی کے وقت اگر کسی وقت راز افشا ہوجائے تو کم از کم ایک ہی مہم متاثر ہوگی۔

پرانا نظامِ جاسوسی آج مناسب نہیں سمجھا جاتا (حالانکہ اکثر ممالک اب بھی اسی کی تقلید کرتے ہیں) اور یہ نظام زیادہ تر دوسری جنگِ عظیم میں برطانیہ اور جرمن ایجنٹوں پر پھیلا ہوا ہے اور اس نظام نے اُن ممالک کو بہت نقصان پہنچایا تھا کیونکہ اس



نظامِ جاسوسی میں بڑی خرابی یہ ہے کہ اگر ایک جاسوس پکڑا جائے تو اس کی وجہ سے دوسرے جاسوس بھی پکڑے جاسکتے ہیں اور ایسی صورت میں آدمیوں کی اور متعلقہ جات کی صورت میں کافی بھاری نقصان اُٹھانا پڑتا ہے۔ آج سائنس کی ترقی کے ساتھ ساتھ اس نظام نے اتنی ترقی کرلی ہے کہ دوسری جنگِ عظیم کے نظامِ جاسوسی کو تیسرے درجے کا نظام تصور کیا جانے لگا ہے۔ طریقۂ کار تبدیل ہونے کی وجہ سے ایک ہی ایجنٹ اب بھی میدانِ جنگ میں موجود رہتا ہے اور جتنا وہ کم علم رکھتا ہو اُسی قدر ہی اُس ملک کے مفاد میں ہے جس میں کہ اس کو مقرر کیا گیا۔

ایک ایجنٹ یا جاسوس کسی مصنف کے لئے جو کہ جاسوسی کے قصے کہانیاں لکھتا ہے بالخصوص اپنے فرائضِ منصبی کے پیشِ نظر ایک ناقابلِ اعتبار اکائی تصور کیا جاتا ہے۔ اس خیال سے کہ وہ جو کچھ جاسوسی کے کام کرتا ہے دوسروں کو اس سے باخبر رکھنے کو تیار نہیں ہوتا۔ ایسا شخص نہ تو اعلیٰ درجے کا ایجنٹ ہوتا ہے اور نہ ہی ایسا سنگدل ہوتا ہے کہ جو کچھ اُس نے کیا اور یا یہ چاہے کہ اپنی اعلیٰ کارکردگی کو اندھیرے میں رکھے جس میں خود اُس کی ذات چھپی رہے۔ درحقیقت ایک اچھے جاسوس کی خوبیاں بالکل اس کے برعکس اور مختلف ہوتی ہیں۔ سب سے پہلے تو اُس کی یہ قابلیت کیا کم ہے کہ جس کام کے لئے اس کو منتخب کیا گیا ہے وہ اپنی منزلِ مقصود تک خفیہ طریقے سے پہنچنے کے لئے اور مقاصد کے حصول کے لئے کن دشواریوں سے گزر کر کامیابی حاصل کرتا ہے لیکن جب تک وہ اپنی منزل تک نہیں پہنچ پاتا اُس کا کچھ فائدہ نہیں۔

یہ باطل عقیدہ ایک اور حقیقت سے ختم ہوجاتا ہے۔ جبکہ یہ معلوم ہوا کہ ضروری نہیں جاسوس ایجنٹ اُسی ملک کا باشندہ ہو جس ملک کے لئے جاسوسی کی جاتی ہے وہ کسی بھی شہریت کا حامل ہوسکتا ہے۔ اس کا انتخاب بطور جاسوسی ایجنٹ اس نظریے سے کیا جاتا ہے کیونکہ اُس میں ہر ممکن طور پر یہ صلاحیت محسوس کی جاتی ہے کہ

وہ آسانی سے مقصود حاصل کرسکتا ہے اور اپنی منزل طے کرسکتا ہے۔ مثلاً ایک ہندوستانی جاسوس کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ پاکستان کی ایٹمی توانائی کے دفاتر میں کام کرنے والوں کے ساتھ گھل مل کر ایٹم بم کی تیاری کے متعلق معلومات حاصل کرسکے۔ یہ کام ایک پاکستانی ہی کرسکتا ہے یا پھر کوئی دوسرا غیر ملکی جاسوس جو کہ اُس عملے کے ساتھ کام کررہا ہو۔

اس حقیقت نے سب کو منوا لیا ہے کہ ایسا ایجنٹ دوہرا جاسوس (ڈبل ایجنٹ) بھی ہوسکتا ہے۔ (جو بیک وقت دو مختلف جاسوسی تنظیموں کے لئے کارآمد ثابت ہوسکتا ہے) کیونکہ اس کی اپنی اصلیت ایک جاسوس سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔ وہ ہوا کرے مگر اس کے برعکس وہ بے کار بھی ثابت ہوسکتا ہے۔ ایک جاسوسی تنظیم اسی وقت ہی دوسرا ایجنٹ حاصل کرتی ہے جبکہ اسے یقین ہوجائے کہ اس کے سوا کوئی اور چارہ کار نہیں رہا۔

اس سے قطع نظر کہ ایک جاسوس ''بھاڑے کا ٹٹو'' سمجھا جائے جس کو کہ اس کا اپنا کیس آفیسر ہیڈ کوارٹر سے کنٹرول کررہا ہو اور وہ اس علاقے میں متعدد اسٹیشن چیف آفیسروں کے زیر کمان ہو۔ مگر پھر بھی اُس کی موجودگی کے متعلق کسی کو کچھ علم نہیں ہوتا ماسوائے ایسے حالات کے جبکہ اس کو کسی جگہ کے لئے پابند کیا جائے۔ اُس کے دھندے بڑے وسیع پیمانے پر پھیلے ہوتے ہیں جس کے لئے اُس کو عام حالات میں دوسرے ایجنٹ جاسوس وغیرہ کی مدد کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ لیکن بعض اوقات وہ ایسا بھی کرتا ہے۔ مگر اس کا تعلق ایسے ایجنٹ سے اپنے ہی تک محدود ہوتا ہے اور اپنے ملک سے روانگی سے قبل وہ اپنے کیس آفیسر سے تبادلۂ خیال بھی کرتا ہے۔ اگرچہ اس کا طریقۂ کار محفوظ ہے اور اسے پشت پناہی بھی حاصل ہے۔ اس حد تک کہ وہ وہاں موجود ہے (یعنی اپنے مخصوص علاقے میں) کیونکہ اس کی روایتی مصروفیت اُس کو



وہاں رُکنے پر مجبور کیئے ہوئے ہے۔ ایسا آدمی (ایجنٹ) کوئی بھی ہوسکتا ہے۔ چاہے وہ ایک طالب علم ہو یا ٹریول ایجنٹ، ایک اخبار نویس ہو یا کسی فضائی کمپنی کا ملازم ہو، ایک تاجر ہو یا ایک ہنرمند۔ اس کے طریقۂ کار میں کسی خاص اطلاع کے حصول کے لئے سیاسی صورتِ حال کو مدنظر رکھتے ہوئے کچھ تبدیلی بھی آسکتی ہے۔ اُس کے اقدام کے طریقے پہلے سے مختلف بھی ہوسکتے ہیں۔ ہر حالت میں اس کو کچھ نہ کچھ ادا کیا جاتا ہے تاکہ اس کا تعلق اپنے کیس آفیسر سے اپنی ہی صورت میں قائم رہے۔ ریکارڈ پر اُس کو اُس کے مخصوص نام سے پکارا جاتا ہے۔

جاسوسی میں کامیابی ایثار اور ترغیب سے حاصل ہوتی ہے۔ وجہ کچھ بھی ہو۔ مگر یہ سوال اپنی جگہ مسلمہ حیثیت رکھتا ہے۔ یہ جاننے کے لئے کہ لوگ آخرکار جاسوسی پیشہ کیوں اختیار کرلیتے ہیں۔ اس کا جواب ایک محبِ وطن جذبات رکھنے والے فرد سے یوں ملا کہ ایک شخص جس کو اس بات پر ایمان ہے کہ اس کی زندگی کو بقا ملے گی وہ جاسوس بن جاتا ہے اور ایک وہ شخص ہے جس کا ایمان صرف روپیہ پیسہ کمانا ہے جاسوسی کو اپنا پیشہ بنالیتا ہے۔ لیکن اس میں پہلا جذبہ ہمیشہ کارفرما رہتا ہے۔ حب الوطنی کا جذبہ رکھنے والے کو اس قسم کی تربیت کی بھی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ یہ جذبہ بذاتِ خود انسان کے اندر بے پناہ صلاحیتیں سمو دیتا ہے۔ اس کے کارنامے ایک پیشہ ور جاسوس کی نسبت محدود ہوتے ہیں۔ اور یہی پیشہ ور جاسوس ہے جس کو اس میدان میں تربیت سے آراستہ کیا جاتا ہے۔ پھر بھی وہ ایک ہی وقت میں اس قابل نہیں ہوتا کہ وہ کسی ملک کی جاسوسی مہم کو پوری طرح دریافت کرسکے کیونکہ اس کے بنیادی اُصول اور کامیابی کا انحصار اس بات پر ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ مواد اکٹھا کرے۔ یہ جاننے کے لئے کہ اصلی وجوہات کیا ہیں۔ اس بڑی حد تک کئی مختلف شعبوں میں بٹے ہوئے نظام میں مختلف ادارے شامل ہوتے ہیں جن کے اپنے اپنے فرائض ہوتے ہیں۔

"اُصول" صرف اوپریٹو آفیسر تک ہی کو محدود نہیں رکھتا۔ بلکہ میدانِ عمل میں افسرِ اعلیٰ تک کو بھی اس کا پابند رہنا پڑتا ہے۔

ایک اعلیٰ تربیت یافتہ آفیسر جب کیس آفیسر کی حیثیت میں الگ ہوتا ہے تو اس کو جانباز جاسوس سے الگ دُور رہنے کی ہدایت کی جاتی ہے تاکہ کسی آپریشن (مہم) کی ناکامیوں کی خبر سے اُن کے جذبات کو ٹھیس نہ پہنچے، کیونکہ اکثر اوقات پچھلے تجربات نے ثابت کر دیا ہے کہ ایسے لوگ ناکامی کی صورت میں اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھتے ہیں۔ عموماً ایسے افراد ہی آئیڈیل ایجنٹ تیار کرتے ہیں۔ اس طرح ایک ایجنٹ کی تربیت سے بہتر ہے کہ ایک تربیت یافتہ ایجنٹ ہی خرید لیا جائے۔ بجائے اس کے کہ اس کو ہر کام کی ادائیگی کرنے کے ایک ہی مرتبہ مناسب ادائیگی کر کے کم خرچ بالانشین کے فارمولے پر عمل کرنے سے بہت فائدہ پہنچتا ہے اور محدود رقم میں کافی کام لیا جا سکتا ہے اور اس طرح سے ایجنٹ اپریٹو آفیسر پر پوری طرح اعتماد بھی رکھتا ہے اور دست نگر بھی رہتا ہے۔

بعض اوقات کسی آپریشن (مہم) کے دوران خاص اطلاعات حاصل کرنے کے لئے مزید روپے کا لالچ یا بونس کا سوال بھی اُٹھایا جاتا ہے۔ ایسے حالات میں غلط خبر رسانی کا لالچ بھی آڑے آ سکتا ہے۔ لہٰذا خواہش پوری کر دی جائے تو بہتر ہے تاکہ صحیح صورتِ حال سے آگاہی مکمل طور پر حاصل ہو سکے۔ ایسا موقع بھی آ سکتا ہے کہ ایجنٹ دھمکیوں پر اُتر آئے۔ اس کے دل پر جذبات سوار ہو جائیں حالانکہ اس کو آپ نے تربیت دی تھی اور دوبارہ رابطہ قائم نہ کرے تاکہ آپ کو کوئی اطلاع موصول نہ ہو سکے۔ وہ رُوٹھ سکتا ہے اور آپ سے اختلاف رکھ سکتا ہے۔

اطلاع (خبر) کی صحیح قیمت لگانا ایک خاص اہمیت کا حامل کام ہے۔ اس بات کا دارومدار چند ایک مخصوص اُصولوں پر ہوتا ہے۔ اطلاعات کی اصل وجہ صرف



اُس کو معلوم ہوتی ہے جو ایجنٹ بھرتی کرتا ہے۔ اکثر اوقات یہ ضروری سمجھا جاتا ہے کہ رقم کی ادائیگی ایسی اور اس طریقے سے کی جائے کہ ایجنٹ کی خفیہ آمدنی کی مقدار اس قدر زیادہ نہ ہو جس قدر کہ اُس کو اس کی ملازمت سے حاصل ہوتی ہے کیونکہ ایسا کرنے سے وہ اپنے سربراہ کی نظروں میں آ سکتا ہے۔ اس کی تربیت کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس کو اپنی منزل تک پہنچنے کے قابل بنایا جائے اور جس قدر عرصہ دراز تک اپنی نوکری پر فائز رہے گا اُسی قدر وہ زیادہ سودمند ثابت ہوگا۔ اس طریقہ پر اس کو رقم کی ادائیگی کی جائے تاکہ وہ اپنی آمدنی اور خرچ کا پلڑا برابر رکھ سکے۔ اس کے علاوہ بلیک میل کر کے اطلاعات حاصل کرنے کے طریقے پرانے ہو چکے ہیں ہاں مخصوص حالات میں وہ بھی روا ہیں۔ بہت تھوڑی ایجنسیوں نے آخر کار اس طریقے کو خصوصی طور پر اپنا لیا ہے۔ یہ اس لئے نہیں کہ یہ اُن کی اُونچی سوچ بچار کا نتیجہ ہے۔ بلکہ اس لئے کہ اس طرح سے ادائیگی کا توازن درست رہتا ہے۔ وسیع النظری یا دھمکی دینا ایجنٹ کو معاندانہ رویہ کی طرف لے جائے گا۔ نتیجتاً وہ اس علاقے کو چھوڑ دے گا جس کا حاصل صفر ہو سکتا ہے۔ ایسے بہت سے واقعات ہو چکے ہیں کہ دھمکی کی بہت بڑی قیمت ادا کرنا پڑتی ہے۔ ایسے طریقے کئی ایجنسیوں نے اختیار کر رکھے ہیں جسے سب جانتے ہیں۔

"را" نے ایسا کوئی طریقہ اختیار نہیں کیا۔ (تاہم جس قدر کہ کوئی پسندیدہ طریقہ نظر آیا اُس کو اپنا لیا) ایک مرتبہ اُن پر بھی چھکے چلانے کا الزام عائد کیا گیا تھا۔ مگر بعد میں خصوصی ذرائع سے معلوم ہوا کہ یہ الزام حقیقت پر مبنی نہیں اور غلط تھا۔

کئی ایسے ممالک جہاں کہ جنسی شہوانیت کو قانونی حیثیت حاصل ہے وہاں کے لڑکے اور لڑکیوں سے خارجہ دفاتر میں کام کرنے والے لوگوں کو ایسے ماحول سے دُور رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ تو کوئی بے وقوف ہی ہوگا جو ایسے لالچ کے جال

میں پھنسے گا۔ پھر بھی ایسے احمقوں کی کمی نہیں۔

جاسوس یا ایجنٹ کن کو کہہ سکتے ہیں؟ یہ کہانی کا ایک حصہ ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور رابطہ بھی ہے جو بڑا اہم کردار ادا کرتا ہے اور یہ بڑے پیمانے پر ہوتا ہے۔ یہاں اسٹیشن چیف (جاسوسی ادارے کا سربراہ) ایک بڑی مشکل میں پھنس جاتا ہے۔ رابطہ اطلاع پہنچانے کے لئے تیار ہوتا ہے۔ تاہم اس پر عمل کرنے کے لئے وہ اپنی مرضی کا مالک نہیں ہوتا۔ اس میں مشن کے سربراہ کی مرضی شامل ہوتی ہے۔ اس دائرے میں ''را'' کو کئی ایک مواقع پر مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ وہ لوگ ''را'' افسروں کے متعلق یہ سمجھتے ہیں کہ ناکارہ ہیں ان میں دفاتر خارجہ کے ارکان ہیں جو کہ حالات کو اس کے برعکس پاتے ہیں۔ یہ صورتِ حال عین اس وقت واقع ہوتی ہے جب دو اہلکاروں پر ذمہ داری کی افتاد پڑتی ہے۔ ایسے مواقع بھی آتے ہیں کہ اسٹیشن چیف اور سفیر کا قریبی رابطہ ہوتا ہے، لیکن یہ ایک گزرا ہوا خیال سمجھا جاتا ہے۔ تعاون کی کمی نے کئی حالات میں تقویت بھی بخشی ہے۔ آئی۔ ایف۔ ایس کا کردار اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے سفارت کار جاسوسی کے کام میں اہم رول ادا کر سکتے ہیں۔ اس کے بغیر بھی کہ ان کو براہِ راست اس کام میں اُلجھایا جائے۔ کسی ملک میں سفارت خانوں کی وساطت سے اس ملک کی انٹیلی جنس ایجنسیوں کی بجائے مختلف سیاسی شخصیات سے کھلے بندوں تعلقات استوار کر کے بھی یہ کام لیا جا سکتا ہے۔ یہ کوئی نیا تصور نہیں۔ کئی ایک اداروں کو ان کی سفارت گاہوں کی وساطت سے فنڈ مہیا کئے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ سفارت خانہ اپنے طور پر بھی کئی طریقے اور ذرائع رکھتا ہے۔ سفارت خانے کی وساطت سے ایسے دروازے آسانی سے کھولے جا سکتے ہیں جو کبھی نہ کھل سکتے ہوں۔





ایک ایجنٹ کو تیار کرنے کے بعد اطلاعات کو اس سے وصول کر کے آگے (Principals) بڑے اہل کاروں تک پہنچانے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس کام کے لئے ایک ہرکارہ مقرر کیا جاتا ہے جو کہ وقت کی پابندی کے ساتھ ساتھ صحیح مقامات پر پہنچ کر اپنی ڈیوٹی ادا کر کے واپس لوٹتا ہے۔ اس کا کام ایک ڈاکیے سے مشابہ ہے۔ بعض اوقات وہ ایسے کاموں کے لئے ڈیڈ لیٹر بکس بھی استعمال میں لاتے ہیں۔ اس ہرکارے کو ''آؤٹ لٹ'' کا نام دیا جاتا ہے۔ اس کو نہیں معلوم کہ ایجنٹ کون ہے اور خبر کیا ہے۔ بس اپنے کام سے واسطہ رکھتا ہے۔ ضروری نہیں کہ یہ ایجنٹ معیار پر پورا اُترے۔ چھوٹا ہو یا بڑا بہرحال اس تک پہنچنا آسان نہیں ہوتا۔ خاص ملک میں خاص اطلاع وصول کرنا ہی منزل نہیں، جیسا کہ پاکستان میں ایٹمی توانائی کے متعلق اطلاعات حاصل کرنے کے لئے ایسے یورپین ممالک سے بھی یہ معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں جو پاکستان کو اس میں مدد فراہم کر رہے ہیں۔ نشانہ چاہے پورا ملک ہی کیوں نہ ہو۔ مگر اس کو صحیح انداز سے بنگلہ دیش کے اپریشن سے پرکھا جا سکتا ہے جو کہ ''را'' کا کارنامہ ہے۔

مخصوص معلومات حاصل کرنے کے بعد اُس کے مطابق اس پر عمل کرنے کا مرحلہ آتا ہے جس کے لئے ہر کسی کو اپنی پلاننگ صحیح خطوط پر استوار کرنے کے لئے صحیح معلومات کی ضرورت پڑتی ہے۔ سراغ رسانی کا عمل اس بات پر بڑی حد تک منحصر ہوتا ہے کہ اُس علاقے میں کام کرنے والے افسروں کے نام معلوم ہوں۔ اس کے باوجود کہ حکومتیں حفاظتی انتظامات سخت کئے رکھتی ہیں۔ اس طرح کام آسان ہو جاتا ہے اور یہ اطلاعات اور معلومات ٹیلی فون کی ڈائریکٹری سے حاصل ہو جاتی ہیں جس میں کہ افسران کے نام ٹیلی فون نمبر اور رہائش گاہوں کی نشاندہی بآسانی ہو جاتی ہے۔ مکمل تفصیلات حاصل کرنے کے بعد منزلِ مقصود تک رسائی آسان ہو جاتی ہے اور اس طرح

اُن کی نگرانی شروع ہو جاتی ہے یہ جاننے کے لئے کہ کون سی کلب، ہوٹل، ریسٹورنٹ یا مذہبی مجالس میں کس وقت اور کہاں جاتے آتے ہیں۔ بعض انٹیلی جنس ایجنسیوں کے پاس تو خانقاہوں، پیغام رسانی کے اڈوں کی بھی مکمل تفصیلات موجود ہوتی ہیں جن میں ہیلتھ کلب بھی شامل ہیں جہاں کہ یہ سرکاری افسران اور ممبرانِ پارلیمنٹ وقتاً فوقتاً مل سکتے ہیں اور یہ مشرقی اور مغربی ممالک کی حقیقت ہے۔ اب مذکورہ بالا شخصیات تک رسائی کی مشقیں شروع کی جاتی ہیں تا کہ مقصود حاصل ہو سکے۔ ہندوستان میں تو سی۔ آئی۔ اے اور کے۔ جی۔ بی کے کارکن دونوں کو متوقع موضوعات پر بحث و مباحثہ کرتے سنا گیا ہے تا کہ سرکاری اور تجارتی اداروں سے ابتدائی معلومات حاصل ہو سکیں۔

اگر چہ ہر سراغ رساں ادارے کا اپنا طریق کار ہے اور سی۔ آئی۔ اے یا کے۔ جی۔ بی کے ساتھ دوسری ایجنسیوں کا ذکر اس لئے نہیں کیا گیا کہ وہ اس طرح سے کام نہیں کرتے بلکہ ان دونوں تنظیموں کا ذکر اس لئے چھیڑا ہے کیونکہ اُن کا طریق کار بالکل واضح اور اُن کے مفادات بہ نسبت دوسری ایجنسیوں کے اس علاقے میں زیادہ ہوتے ہیں۔ سی۔ آئی۔ اے کے متعلق تو مشہور ہے کہ وہ ففتھ کالم لوگوں کو بڑی حد تک اپنا دوست بنانے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ بعض اداروں کا نقطۂ آغاز مختلف ہوتا ہے۔ مگر بنیادی اُصول یکساں ہوتے ہیں۔ اس حلقے میں سینئر سرکاری افسران، معتمد سیکرٹری، سیکورٹی افسران اور اہم تجارتی شخصیتیں آتی ہیں جن کا تعلق کسی نہ کسی طرح وزیروں اور سیکرٹریوں سے قائم ہوتا ہے۔

کے۔ جی۔ بی تو اکثر دوسرے درجے کے لوگوں کے ساتھ تعلقات استوار کر کے اہم معلومات حاصل کرتی ہے۔ اس میں ٹائپسٹ، کلرک، ہرکارے شامل ہیں جو دفتری اوقات کے بعد یہ کارروائی کرتے ہیں اور اس طرح سے کسی شک و شبے سے بھی محفوظ رہتے ہیں۔



تیسرے درجے میں ٹیلی فون آپریٹرز، الیکٹریشن اور پلمبرز وغیرہ آتے ہیں جو وقتاً فوقتاً مخصوص فائل حاصل کر سکتے ہیں۔

ایسی عورتیں جو کہ سفارت کاروں اور دیگر سفارت کاروں اور سراغ رسانی ایجنٹس کی بیویاں ہوتی ہیں ان کو اس سے خارج سمجھا جاتا تھا لیکن اب ان کو بھی اس مقصد کے لئے مختلف ناموں سے یا بھیس بدل کر اپنے خاوندوں کے ساتھ کام کرنے کو ترجیح دی جانے لگی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل سفارت کاری اور سراغ رسانی کے لئے جوڑے کام میں لائے جاتے ہیں اور یہ طریقہ اکثر ایجنسیوں نے اپنا لیا ہے۔

اکثر ممالک میں سماجی تعلقات پیدا کرنا یا لوگوں سے گھل مل جانا بہت آسان ہے۔ مگر چین جیسے کمیونسٹ ملکوں میں بہت مشکل ہے کیونکہ ان کی سراغ رساں تنظیم کے کارکن ہر اُس جگہ موجود ہوتے ہیں جہاں سے یہ کام لیا جاتا ہے۔ ''لیکن پھر بھی سراغ رسانی کے میدانِ عمل میں کوئی چیز مشکل نہیں ہوتی'' ایک اُستاد کہتا ہے کیونکہ ایسے معاملات کے دوست ممالک سے سیاح آتے ہیں جن میں جرنلسٹ (مضمون نگار) طلباء اور دیگر کئی قسم کے لوگ شامل ہوتے ہیں۔ اُن سے ہر وقت رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہاں بھی صحیح رابطے کے انتخاب کا سوال باقی رہتا ہے اور اس سلسلے میں "F.E.E.L" کے اُصول سے کام لیا جاتا ہے جس میں محبت کا عنصر اہم کردار ادا کرتا ہے۔ بعض اوقات یہ طریق کار بھی تباہی کا باعث بن سکتا ہے۔ مگر پھر بھی ایک نہ ایک وقت کامیابی حاصل ہو ہی جاتی ہے اور آہستہ آہستہ کوئی نہ کوئی ایجنٹ ہاتھ لگ جاتا ہے جس کو پہلے پہل معمولی کام یا اطلاعات حاصل کرنے کو کہا جاتا ہے۔ بعد میں اس سے مخصوص کاغذات حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ تب وہ معتمد اور وفادار ایجنٹوں کی فہرست میں شامل کر لیا جاتا ہے۔ مگر دوسری دُنیا میں حاصل کردہ ایجنٹ اپنی ہی ایجنسی کے ہاتھوں پکڑے بھی جاتے ہیں کیونکہ جب کوئی ایجنٹ اپنے معمولات میں ردّ و بدل کرتا ہے تو

نظروں میں آجاتا ہے۔اس کے علاوہ معلومات کوآگے پہنچانے کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور یہ کام (Curicv) ہرکارے سے یا وائرلیس سیٹ کے ذریعے لیا جاتا ہے۔ سمگر بھی اس کام میں استعمال کئے جاتے ہیں۔مگر یہ طریقہ خطرناک اور غیر سود مند ہے۔



ہندوستان کی ''را'' تنظیم کے ساتھ ایک کاؤنٹر انٹیلی جنس کا حصہ بھی شامل ہے۔اوران کا کام بھی تقریباً ویسا ہی ہے مگر سوائے اس کے کہ اُن کے منہ میں نہ دانت ہوتے ہیں نہ زبان اور نہ ہی ان کے پاس کوئی پاورز (Powers) ہوتی ہیں۔

ہندوستان کی (IB) کاؤنٹر انٹیلی جنس بھی اسی طرح ہوشیار ہے جس طرح کسی دوسرے ملک میں۔ جن کا (ٹارگٹ) نشانہ انڈیا ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں پاکستان کی سراغ رسانی کے محکمے کی نظریں ہندوستان کی عسکری قوت پر مرکوز ہیں۔ ٹکارام کشیاپ کی گرفتاری جو کہ ہندوستان کے کمانڈروں کی میٹنگ کے منٹس پاکستان کے سفارتی نمائندے انوار احمد کے حوالے کرتے وقت عمل میں آئی۔ 9 نومبر 1979ء کا واقعہ ہے جو کہ ایک مثال ہے۔اسی طرح کی ایک اور مثال موجود ہے جس میں کہ ہندوستان کے 28 کمیشنڈ آفیسر اور 52 ملٹری کے آدمی گرفتار ہوئے اور اس مرحلے پر پاکستان کے تین جاسوسوں کی گرفتاری عمل میں آئی۔ اس کیس کو سمبا کیس کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اور کئی ایسی مثالیں جو C.I.A اور K.G.B سے متعلق ہیں، پیش کی جاسکتی ہیں۔

''را'' پر مباحثے کے اختتام پر آخری بات جو اہم ہے وہ افواہیں پھیلانے کی پالیسی ہے۔ یہ کام پبلک کے خیالات بدلنے اور سوچ کا دھارا تبدیل کرنے کے لئے



کیا جاتا ہے۔ اس کام کو محکمہ سراغ رسانی میں Deception یا Dis-information کے نام سے پکارا جاتا ہے اور یہ چال زیادہ تر ملٹری میں کام آتی ہے جو جنگ اور امن دونوں صورتوں میں استعمال میں لائی جاتی ہے۔

یہ حربہ بھارت نے بنگلہ دیش آپریشن کے میں بڑی کامیابی سے اپنایا۔اور مغربی ذرائع ابلاغ کے اس پراپیگنڈہ نے کہ بھارت کے پاس ناکافی افواج میں جو دوردراز علاقوں منگور، پٹنا، جھانسی، حیدرآباد وغیرہ میں موجود ہیں جنہیں سرحدوں تک لانا بھارت کے لئے کار دارد ہے۔ یہ غلط افواہیں پاکستانی انٹیلی جنس تک بڑے ''معتبر ذرائع'' سے پہنچائی گئیں جن پر بدقسمتی سے پاکستانی حکومت نے اعتبار کرلیا جبکہ دوسری طرف جنرل مانک شا بڑی تیزی اور انتہائی رازداری سے بھارتی افواج کو اندرون ملک کرتا رہا۔انہیں عموماً رات کی تاریکی میں ٹرینوں کے ذریعے منتقل کیا جاتا جب تک صحیح صورتِ حال کا احساس پاکستانی انٹیلی جنس کو ہوتا دُشمن نے اپنا آپریشن مکمل کرلیا اور بہترین مثبت نتائج حاصل کر لئے۔



دھوکے بازی (Deception) انٹیلی جنس ایجنسیوں کا بہترین اور آزمودہ ہتھیار ہے۔ Raw کا ایک ذیلی ادارہ ''اوایس او'' اس کے لئے مختص ہے جو دن رات دھوکہ دہی کی نئی نئی چالیں دریافت کرتا اور ان پر عمل درآمد کرواتا ہے۔ ''او ایس او'' کو Raw میں وہی حیثیت حاصل ہے جو جرمن آرمی میں ''گسٹاپو'' کو تھی یہ ادارہ خصوصی اختیارات کا حامل اور بیرون ملک بھارتی سفارت خانوں میں موجود سفارت کاروں کو اپنی حکمت عمل کے لئے آسانی سے استعمال کرسکتا ہے۔

"را" کا بیرونی مشن میں کامیابی کا ایک بڑا راز Raw کی طرف سے "رازداری" کا زبردست اور فول پروف نظام ہے۔ یہ لوگ جب بھی "دھوکے کی چال" چلتے ہیں تو اس کی ہوا بھی کسی کو نہیں لگنے دیتے۔ ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں جب (O.S.O) نے کوئی Modus Aprindy ترتیب دی اور اس کا علم بھارتی وزیر اعظم کو بھی عین آخری مراحل پر ہوا۔ گو کہ "را" کے اس طرزِ عمل سے بھارتی سیاست دان خصوصاً بھارتی وزرائے اعظم کی کابینہ بہت جُز بُز ہوتی رہتی ہے۔ لیکن وہ کسی احتجاج کو خاطر میں نہیں لاتے جس کا بہترین ثبوت "را" کا سب سے پہلا آپریشن تھا جس نے تاریخ کا دھارا پلٹ کر رکھ دیا۔

"را" نے اپنے قیام کے بعد پہلا آپریشن پاکستان کے خلاف کیا اور اس کا آغاز مشرقی پاکستان سے ہوا جہاں "را" کی طرف سے تخریب کاروں اور تربیت یافتہ جاسوسوں کی ایک ٹیم کو Under covre مشرقی پاکستان بھیجا گیا اور انہوں نے فرسٹریشن کا شکار بنگالی نوجوانوں بھگوڑے فوجیوں اور پیرا ملٹری فورسز کے بھگوڑوں پر مشتمل ایک جماعت "مکتی باہنی" کے نام سے قائم کر دی۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ طویل عرصے تک "را" نے یہ سب کچھ Off the Recoed کیا اور یہی وجہ ہے کہ اس آپریشن کے کوڑ نام کا بھی کسی کو علم نہیں ہو سکا۔ جب تک عوام الناس تک مکتی باہنی" نام پہنچا۔ "را" کی طرف سے آپریشن کا پہلا حصہ مکمل ہو چکا تھا۔

دوسرا مرحلہ ہندوستان کی فوجوں کا ملوث ہونا اور بنگلہ دیش کی آزادی تھا۔ ہندوستان کی ملٹری کی ان کامیابیوں کا تذکرہ بیرونی تجزیہ نگاروں نے دوسری جنگ عظیم کے دوران جرمن کی کامیابیوں سے مقابلہ کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔ لندن کے "The Sunday Times" سنڈے ٹائمز نے اپنے 12 دسمبر کے شمارے میں بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ اُس نے لکھا کہ ہندوستان کی فوج نے صرف 12



دن کے اندر ڈھاکہ پہنچ کر جرمن فوجوں کی یاد تازہ کر دی ہے جنہوں نے 1940ء میں فرانس کا سخت ترین محاذ عبور کیا۔ عسکری جارحانہ چال اور تحمل بالکل ویسا ہی تھا۔ آج بھی یہ تصور کیا جاتا ہے کہ ہندوستان کی فوج اکیلے یہ کامیابی حاصل نہیں کر سکتی تھی۔ اگرچہ ہندوستان کی فوج بڑی ہنرمندی اور پامردی سے لڑتی رہی۔ چند ایک مقامات پر تاریخ ساز اور سنسنی خیز واقعات بھی رُونما ہوئے جو بڑے حیران کن تھے۔ اس ساری کارروائی کا صلہ اُن لوگوں کے زمرے میں آتا ہے جنہوں نے دُشمن کی صفوں کے پیچھے جنگ کی اور جان دے دی۔ یہ لوگ "را" کے کارکن تھے جنہیں مکتی باہنی کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ "را" اور مکتی باہنی نے جب کافی قوت جمع کر لی تو پھر ہندوستان کی فوج کو اطلاعات فراہم کیں۔ نتیجتاً میدان جیتنے سے پہلے ہی جنگ ختم ہو چکی تھی۔ اس میں دوسرے عوامل کے علاوہ "را" کو خصوصی مقام حاصل ہے۔



پاکستانیوں کی سوچ کے متعلق رپورٹ آپریشن شروع کرنے سے ایک سال پہلے ہی موصول ہو چکی تھی اور یہ رپورٹ (I.B) فارن ڈیسک نے لندن میں پاکستانی سفارت کار سے حاصل کی تھی جس میں یہ کہا گیا تھا "مغربی پاکستان کے لوگ مشرقی پاکستان کے لوگوں کو ایسا سبق سکھانے کی سوچ رہے ہیں جو اُن کو کبھی نہ بھول سکے۔" جونہی یہ خبر مغربی اور مشرقی پاکستان کے دونوں حصوں میں پھیلی تو پاکستان (I.B) کے ہیڈ کوارٹرز میں یہ تصویر کا دوسرا رُخ لے کر اُبھری اور لندن میں پاکستانی سفارت کار کے کلمات پر بڑی تشویش ہوئی۔ اُس وقت اس پر اعتبار نہ کیا گیا۔ چنانچہ اسے ایک طرف ڈال دیا۔

## اگرتلہ سازش:

چھوٹے بڑے واقعات کا ظہور ترتیب وار شمار میں لانا مشکل سا کام ہے۔ اس سلسلے میں ایک عیاں خاکہ نظروں کے سامنے اُبھرتا ہے۔ ''را'' کی کارکردگی کا تجزیہ اُس کے اوائل وقت سے یعنی جب وہ 1968ء میں وجود میں آئی، کیا جائے۔ لیکن اُس وقت تک ہندوستان کی (I.B) مجیب الرحمٰن کے گروہ سے تعلقات استوار کر چکی تھی۔ چنانچہ اگرتلہ میں ایک میٹنگ بلائی گئی جس میں 1962-63ء کے عرصے کے دوران خارجہ آئی۔ بی اور مجیب کے حواریوں نے شرکت کی اور ایک واضح لائحہ عمل اختیار کیا گیا۔

اگرتلہ میٹنگ میں مجیب کے حواریوں نے کرنل مینن (جس کا اصل نام شنکرن نائر تھا) سے مطالبہ کیا کہ اُن کی تحریک کو پرزور طریقے سے آگے بڑھایا جائے۔ یہی وہ کرنل ہے جو ہندوستان کی (I.B) اور مجیب گروہ کا درمیانی رابطہ تھا۔ چنانچہ کرنل مینن نے ان کو سمجھایا کہ فی الحال کوئی اقدام اُٹھانا قبل از وقت ہوگا کیونکہ جو پلان انہوں نے پیش کیا تھا وہ ناپختہ اور ناقابل عمل تھا۔ جوں ہی اس پلان پر عملدرآمد شروع ہوا، بنگال کی افواج پر حملے شروع ہوئے تو یہ تحریک ڈھاکہ میں ناکام ہوگئی۔ حقیقت میں یہ ایک مکمل تباہ کر دینے والا اقدام تھا اور کرنل مینن کی پیشین گوئی درست ثابت ہوئی۔

6 جنوری 1968ء کو ایک خبر منظرِ عام پر آئی کہ مشرقی پاکستان سے کچھ لوگوں کو ہندوستان کی مدد سے ملک توڑنے کے الزام میں گرفتار کیا جا چکا ہے۔ شیخ مجیب الرحمٰن کو اس کے 12 یوم بعد اس الزام میں ملوث کیا گیا اور ایک مجرم کی حیثیت سے اُسے بھی لپیٹ میں لے لیا گیا۔ اس واقعہ کو اگرتلہ سازش کیس کے نام سے شہرت ملی۔ اور یہ الزام کمال الدین احمد کے اقرار کر لینے پر ثابت ہوگیا۔ ہائی کورٹ کا فیصلہ



پاکستانی روزنامہ ڈان (Dawn) میں چھپا جس میں یہ ذکر کیا گیا کہ سازشیوں کا ہندوستان کی جاسوس تنظیم سے گہرا رابطہ ہے جو کرنل مینن اور کرنل ٹیپا تھی کی زیر سرکردگی سرگرمِ عمل ہے۔ یہ واضح ہوگیا کہ پاکستان نے ہندوستان کو ملوث کرنے کے لئے اس کے دو افسروں کے نام لئے تاہم پوری خبر پاکستان کے ہاتھ بھی نہ لگ سکی۔ انہوں نے کرنل مینن کے دو رینک (عہدے) الگ ظاہر کر کے دو آدمی بنا دیئے حالانکہ یہ دونوں عہدے اور نام ایک آدمی کے تھے نہ کہ الگ الگ۔



# آپریشن کا آغاز

اس وقت تک (I.B) نے پاکستان میں تنظیمِ نو کر لی تھی۔ مشرقی حصے کا ہیڈ کوارٹر کلکتہ میں مقرر کیا گیا اور پی۔ این۔ بنرجی جائنٹ ڈائریکٹر ''را'' کو نامزد کیا گیا جب کہ پاکستانی (ڈیسک) کا انچارج نئی دہلی ہیڈ کوارٹر شنکرن نائر تھا۔ چنانچہ مشرقی پاکستان میں زیرِ زمین خفیہ جال بچھا دیا گیا اور اس کام میں اُس سال 100 جاسوس مامور کئے گئے اور یہ سب کچھ پاکستان کے اس سلوک کے نتیجہ کے طور پر رُونما ہوا جو اُس نے اپنے مشرقی حصے کے ساتھ روا رکھا ہوا تھا۔ ''را'' کے دستے کرنل مینن کے ساتھ قریب ترین رابطہ قائم رکھنے کے لئے بارڈر کے ساتھ ساتھ پھیلا دیئے گئے۔ اور ان کا رابطہ مشرقی پاکستان اندرونی علاقے میں پھیلے ہوئے جاسوسوں کے ساتھ بدستور قائم رہتا۔ اس طرح سے ملاقاتوں کا طویل سلسلہ شروع ہوا جو سرداروں کی بھرتی میں بڑا مددگار ثابت ہوا یعنی مکتی باہنی کی تنظیم قائم کرنے میں جس کی قیادت کرنل ایم۔ اے۔ جی عثمانی کر رہے تھے اور مکتی باہنی کے کمانڈر انچیف بنے یہی وہ نوجوان مکتی باہنی تھے۔ میجر خالد مشرف (سٹاف آفیسر) اور میجر سیف اللہ اور عبدالقادر صدیقی جس کو صدیقی ٹائیگر کہتے تھے، مکتی باہنی اور ''را'' کے درمیان رابطے کا کام کرتے تھے۔ مشرقی پاکستان میں ایجنٹ تیار کرنے کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے مختلف علاقوں سے نئے



ریکروٹ بھرتی کر کے ''را'' کی سرکردگی میں مشرقی پاکستان میں بھیجے جا رہے تھے یہاں تک کہ اندھیری راتوں کے دن آگئے۔ بہت بعد میں مجیب کو معلوم ہوا تو اس نے کہا کہ اگر ہٹلر آج زندہ ہوتا تو وہ بھی شرما جاتا۔ مجیب نے ان کارروائیوں کو بنگلہ دیش کے ساتھ زنا بالجبر کے نام سے تعبیر کیا۔ جو ''را'' نے کی تھیں لیکن بدقسمتی سے اُسے اس بات کی ''سب کچھ لٹا دینے'' کے بعد سمجھ آئی۔



# ''را'' کے اہم اہداف

''را'' نے مارچ 1952ء میں مشرقی پاکستان کے لوگوں کے اس مطالبے کو مدنظر رکھا کہ مشرقی پاکستان میں بنگالی کو قومی زبان کا درجہ دیا جائے۔ 1969ء میں مشرقی پاکستان کے لوگوں میں بغاوت کے رجحانات نے جنم لیا جس کے اثرات باقی تھے۔ مشرقی پاکستان سے کھلی نفرت اور حقارت آمیز سلوک ان تمام وجوہات نے ''را'' کے ہاتھ مضبوط کئے۔

1965ء کی پاک بھارت جنگ کے خاتمے کے فوراً ہی بعد مجیب نے اگر تلہ سازش کیس کے سلسلے میں ایوب خان سے اپیل کی اور کہا کہ وہ مشرقی پاکستان کی سلامتی کے سپیشل ٹریبونل کے سامنے بیان دینے کو تیار ہے اور ساتھ چھ نکاتی پروگرام 1966ء کے آغاز میں پیش کر دیا۔ جبکہ متحدہ پارٹی نظام کے تحت حکومت کی اپوزیشن قائم کرنے کے لئے لاہور میں کنونشن طلب کیا گیا تھا۔

انتخابات کا وعدہ مغربی پاکستان میں سنٹرل گورنمنٹ کی طرف سے ایک چیونگم سے زیادہ کچھ بھی نہ تھا جسے پنجابی لوگ چبا رہے تھے۔ 25 مارچ 1969ء کو جب ایوب خان کے خلاف بغاوت پھیلی تو اُس نے اعلان کیا کہ وہ حکومت کی باگ ڈور جنرل آغا محمد یحییٰ خان کے حوالے کر رہے ہیں۔ جنرل یحییٰ خان کی مشرقی پاکستان



کو اکٹھا کرنے کی تمام کوششیں ایوب خان سے مختلف نہ تھیں۔ چنانچہ اُس نے 10 اپریل کو حق بالغ رائے دہی کے تحت انتخابات کا وعدہ کیا۔ چنانچہ اپنے وعدے کے مطابق اُس نے 5 اکتوبر 1970ء کو انتخابات کے انعقاد کا اعلان کر ڈالا جس سے فضا میں ایک نئی لہر دوڑ گئی۔ بعد میں انتخابات کی تاریخ دسمبر 1970ء تک بڑھا دی کیونکہ اُس کو معلوم تھا کہ یہ اس کی ملٹری حکومت کے خاتمے کا باعث بنے گا۔



''را'' کے ایجنٹ مشرقی پاکستان کے کونے کونے میں پھیل چکے تھے (ڈبل ایجنٹوں کو تعداد اس قدر بڑھ گئی تھی کہ کبھی دیکھنے میں نہ آئی تھی) اور یہ لوگ حکمران طبقے کے بالکل قریب رہنے والے لوگ۔ ایک پاکستانی سینئر افسر جو کہ ڈھاکہ فال ہونے تک ڈھاکے میں ٹھہرا ہوا تھا، نے را کو ایک بہت ہی قیمتی خبر پہنچائی اور اُسے ڈھاکہ فال ہوتے ہی وہاں سے اُٹھا لیا گیا۔ ''را'' کے اندازے کے مطابق اگر انتخابات پروگرام کے مطابق دسمبر میں منعقد ہوتے تو 75 فیصدی سیٹیں بنگالی جیت جاتے۔ اس بات نے ''را'' اور حکومت کے درمیان ایک جھگڑا سا کھڑا کر دیا کہ ''را'' تنظیم کو یحییٰ خان کے انتخابات کے انعقاد کا صحیح طور پر کیوں علم نہ ہوا۔ ''را'' کی یہ ناکامی پاکستانی انٹیلی جنس کی کامیابی قرار دی گئی۔

7 دسمبر 1970ء کو عوامی لیگ نے قومی انتخابات بڑی اکثریت سے جیت لئے۔ لیکن اُس کے تھوڑی دیر بعد 20 دسمبر کے انتخابی نتائج سننے کے بعد مسٹر زیڈ۔ اے بھٹو کی چیخ و پکار نے تصویر کو دوسرا رُخ دیا۔ اس نے کہا پیپلز پارٹی حزبِ اختلاف کے کٹہرے میں نہیں بیٹھے گی اور پھر کہا کہ ایک اکثریت اکیلی ہی قومی سیاست میں

کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

یکم مارچ کو یحییٰ خان نے قومی اسمبلی بنانے کے فیصلے کو نامعلوم مدت کے لئے منسوخ کر دیا۔ اس اعلان سے یحییٰ خان کی ملٹری حکومت فیل ہوگئی اور بھول گئے کہ مجیب کے ساتھ کیا سودے بازی ہوئی تھی حالانکہ مجیب کو وہ نیچا دکھانے میں ناکام ہو چکے تھے۔ دو یوم بعد طالب علم لیڈروں نے جلوس نکالے۔ عوامی لیگ نے بنگلہ دیش کا پرچم لہرادیا۔ اور جنگ آزادی شروع ہوگئی۔

تھوڑے ہی عرصے بعد ''را'' نے اپنے ذرائع سے یہ خبر حاصل کی کہ کراچی سے ڈھاکہ کے لئے لیفٹیننٹ جنرل ٹکا خاں کی سرکردگی میں فوجیں روانہ کی جارہی ہیں۔ اور بلوچ رجمنٹ 3 مارچ کو چٹاگانگ پہنچ چکی ہے۔ بنگالی افسران تحریک کی سرپرستی کر رہے ہیں اور ہندوستان کے بارڈر سے فوجوں کو ڈھاکہ میں اکٹھے کرنا یہ سب ایک تباہی کی علامت تھا۔

اسی روز ڈھاکہ سے ''را'' کے ایجنٹ سے کلکتہ میں ایک پیغام موصول ہوا۔ ''بہت بڑا خلا پیدا ہونے والا ہے۔'' کراچی اور چٹاگانگ سے موصولہ اطلاعات کو اس خبر نے بڑی تقویت دی کہ فوجیں اندرونی علاقے کی طرف حرکت میں ہیں۔ جونہی یہ رپورٹ نئی دہلی پہنچی تو وہاں سے پیغام موصول ہوا کہ ''مینن کو واضح ہو۔ ہمارے دوستوں کو اندر لے آئے۔''

## "Advise Menon --- to Bring in --- Our Friends"

مذکورہ بالا پیغام موصول ہونے کے بعد جب پاکستانی فوجیں چٹاگانگ کی بندرگاہ پر جہاز سے اُتر رہی تھیں تو ''را'' کے ایجنٹوں کو اس عملدرآمد کرنے کے لئے بڑی بے تابی سے منتظر تھے۔ چنانچہ انہوں نے مجیب کو ڈھاکہ چھوڑنے پر رضامند کرنے کی کوششیں شروع کر دیں مگر مجیب نے ان کی اس پیش کش کو ٹھکرا دیا۔ آخری



لمحے ایک درمیانی فیصلہ طے پایا۔ اُس وقت تک کسی کو معلوم نہ تھا کہ ٹکا خان کو ایسا ظالمانہ حکم کس نے دیا تھا۔ یعنی انسانی نسل کشی کا حکم جو دُنیا میں آج تک کبھی نہ ہوا تھا۔ سب سے پہلے اس نے عوامی لیگ کے رہنماؤں کو گرفتار کرنا شروع کیا۔ اس ایکشن سے تھوڑی دیر ہی پہلے مجیب نے اپنے چند ساتھیوں کو ہندوستان چلے جانے پر رضامندی ظاہر کر دی۔ ان میں تاج دین بھی شامل تھا۔ تاج دین جنرل سیکرٹری عوامی لیگ بعد میں بنگلہ دیش کا وزیر اعظم بننے والا تھا۔ وہ اپنے چند ہمراہیوں سمیت ''را'' کے کارکنوں کے ساتھ رات بھر سفر کرتے ہوئے مجیب نگر پہنچ گئے جہاں سے بنگلہ دیش کی تحریک کا آغاز ہوا۔

حفاظتی دستوں سے بچتے بچاتے رات بھر سفر کرنے کے بعد کچھ لوگ جیسور کے شمال میں بارڈر پار کر گئے۔ یہ لوگ گندی لنگیوں اور پھٹے ہوئے چیتھڑوں میں ملبوس تھے ان لوگوں کے چہروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اور بھی بہت سے لوگ سرحد عبور کرنے والے ہیں۔ تاج دین کے دوسرے ساتھیوں میں چند ایک مشہور لوگ جن کے نام نصر الاسلام، مشتاق احمد سلہٹ آزاد اور دوسرے چار طالب علم لیڈر فضل حق مونی، طفیل احمد، عبدالرزاق اور سراج الاسلام خان تھے۔

یہ خلا بڑھتا گیا مگر مجیب اور اس کے ساتھیوں کی قسمت کے فیصلے کے متعلق ابھی تک کچھ خبر نہ تھی۔ اس سے پہلے کہ مشرقی یا مغربی پاکستان سے کوئی خبر نشر ہوتی ''را'' کو پتہ چل گیا کہ پرندے کو پنجرے میں بند کر لیا گیا ہے۔ یعنی مجیب کی گرفتاری عمل میں آ چکی ہے۔

کلکتہ میں مختصر قیام کے بعد تاج دین نئی دہلی روانہ ہو گیا۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد جیسور سے 100 گز کے فاصلے پر مشرقی پاکستان کے اندر مجیب نگر قائم ہو گیا مگر عملی اقدام کے لئے مجیب نگر در حقیقت کلکتہ کے ایک غیر معروف گھر میں قائم کیا گیا

تھا جو کلکتہ کے درمیان میں واقع تھا اور وہیں سے بنگلہ دیش کی نشریات ہونے لگیں۔ وقت آ گیا اور 25 مارچ کو ٹکا خان اپنی پوری قوت کے ساتھ آ دھمکا۔ 12 اپریل 1971ء کو اُس نے دیکھا کہ بنگلہ دیش کی صوبائی حکومت کا دارالخلافہ کلکتہ میں قائم ہو چکا ہے۔ چار طالب علم لیڈروں نے مجیب کو لانے کے لئے پروگرام پیش کیا مگر تاج دین نے اس کی مخالفت کی۔ اپریل کے آخر تک نسل کشی شروع ہوگئی۔ جس کا اندازہ دو لاکھ سے بھی تجاوز کر جاتا ہے اور تقریباً آٹھ نو لاکھ مہاجرین ہندوستان پہنچ گئے۔ ہندوستان کی سلامتی کو خطرے کی دھمکی نے حقیقت کا رُوپ دھارا۔ مارچ 1969ء کی را کی رپورٹ سے بھی ظاہر ہوتا تھا کہ پاکستان ہندوستان کے ساتھ جنگ کرنا چاہتا ہے۔ چاہے مشرقی پاکستان کو ہی میدانِ جنگ بنانا پڑے۔ چنانچہ وہ (I.B) کی رپورٹ کے منتظر تھے تاکہ آئندہ حالات کا اندازہ لگایا جاسکے۔ مئی میں ''را'' کی ایک اور رپورٹ وزیراعظم کو موصول ہوئی جس میں نتائج اخذ کرنے کے لئے کہا گیا تھا۔ بالآخر یہی نتیجہ برآمد ہوا کہ پاکستان جنگ کی تیاری میں ہے۔ ''را'' کو اشارہ ملتے ہی اس نے اپنا کام شروع کردیا۔

## مکتی باہنی کا کردار:

''را'' کی مصدقہ اطلاعات کے بعد ہندوستان اور مشرقی پاکستان کے سرحدی علاقے کے ساتھ ساتھ حفاظتی اقدامات سخت کر دیئے گئے تھے اور پاکستانی سیکورٹی فورس کے لئے یہ ناممکن بنا دیا کہ وہ ہندوستان کے اندر گھس کر کچھ حاصل کر سکیں۔ اس طرح سے مکتی باہنی کو پوری پوری پشت پناہی اور حفاظت مل گئی۔ باغیوں کو مکتی باہنی کا نام دیا گیا۔ چنانچہ اس فوج کے وجود میں آنے کے دوماہ بعد 25 مارچ 1971ء کو شور مچایا گیا کہ پاکستانی فوج نے نسل کشی کی جنگ شروع کر دی ہے۔ لوگوں کے جذبات اس ظالمانہ دباؤ کے خلاف بری طرح بھڑک اُٹھے اور باغی قوتیں



مقابلے کے لئے اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ ان میں طالب علم رہنما، اساتذہ، کسان، مزدور، لیڈر، سپاہی اور ہزاروں کی تعداد میں لوگوں نے پاکستانی فوج کی مزاحمت شروع کر دی۔ مکتی باہنی کی بنگلہ دیش کو آزاد کرنے کی شاندار کہانی اور ''را'' کا اس میں کردار شروع ہوگیا۔ اخبار (پریس انفارمیشن) اور دوسرے ابلاغِ عامہ کے ذرائع سے ظاہر ہوتا ہے کہ چار قسم کے لوگ مکتی باہنی میں شامل تھے جس میں:

1) زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والے نوجوان جن کی عمریں 15 سے 20 سال کے درمیان تھیں۔

2) عوامی لیگ کے نوجوان رضاکار جن کو ملٹری کی تربیت حاصل تھی۔

3) ایسے نیم فوجی دستے جن میں (i) انصار، (ii) مجاہدین، (iii) پولیس اور (iv) بارڈر پولیس شامل تھے۔

4) ایسٹ بنگال رجمنٹ (یہ ریگولر آدمی تھی جو باغی ہوگئی)۔

مارچ۔ مئی 1971ء کے اوائل میں ان عوامل کی طرف سے بھرپور بغاوت نے سر اُٹھایا لیکن ان کو کمک نہ مل سکی۔ پہلی ہی چوٹ میں انہوں نے سلہٹ، کومیلا، چٹاگانگ، نواکھلی، میمن سنگھ، ٹونگیل کے علاقے آزاد کرا لئے۔ مگر یہ کامیابی تھوڑی دیر کے لئے قائم رہ سکی کیونکہ (80,000) اسی ہزار سے زائد کی نفری پر مشتمل پاکستان کی فوج کے چار ڈویژنوں نے ٹینک، توپ خانہ اور بمبار طیاروں کی مدد سے جلد اُن پر قابو پالیا مگر ''را'' کے جاسوسوں نے اپنے وائرلیس کے ساتھ بارڈر کے اندر قدم رکھا۔ مکتی باہنی کے کیمپ بارڈر کے ساتھ ساتھ پھیلے ہوئے ان میں مزید لوگ جن میں پڑھے لکھے نوجوان بھی تھے، شامل ہوگئے۔ اب ان ننگے بدن ننگے پاؤں لوگوں کی تعداد سینکڑوں تک پہنچ گئی جن کو مکمل تربیت سے آراستہ کیا گیا۔ یہ ایک بہت بڑا کام تھا جو بڑی جانفشانی اور سلیقے سے سرانجام دیا گیا۔ ان میں پڑھے لکھے نوجوانوں کو تخریب

کاری، جاسوسی اور خفیہ وائرلیس کی ترتیب دی گئی اور گوریلے تیار کیے گئے۔ المختصر ہر اس بات کی تربیت دی گئی جس کی ضرورت تھی تاکہ اپنے دُشمن کا مقابلہ ڈٹ کر کر سکیں۔ کرنل عثمانی نے خشونت سنگھ کو بتایا کہ اس کی فوج کو میدانی لڑائی کے ساتھ ساتھ گوریلا ٹریننگ سے بھی تربیت یافتہ بنا کر تیار کر لیا گیا ہے اور کمانڈوز کی طرح حملہ کرنے کے طریقے سے روشناس کرا دیا گیا ہے۔ ہمیں کچھ زمین کی ضرورت تھی چنانچہ ہم نے دُشمن کی افواج کو تتر بتر کر کے پیچھے دھکیل دیا ہے اور اس کے مواصلاتی رابطے منقطع کر دیئے ہیں۔ ہم نے اُن کو ہر وقت ہراساں کیا۔ چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ روزانہ تقریباً ایک سو سے زائد کو ہلاک کیا۔

جون۔ جولائی 1971ء کو پچاس ہزار نفوس پر مشتمل فوج کو چاروں سیکٹروں میں پھیلا دیا گیا۔ ان میں رنگ پور، دُنیا پور، راج شاہی سیکٹر، ڈھاکہ، کومیلا، چٹاگانگ سیکٹر، میمن سنگھ، سلہٹ سیکٹر اور کشتیا، جیسور، کھلنا سیکٹر شامل تھے۔ اس فوج کا شکنجہ اب سخت ہونے لگا۔ ٹائم میگزین نے اپنے 6 اگست 1971ء کے شمارے میں لکھا ہے۔ خفیہ لڑاکا فوج نے پورے ملک پر کنٹرول حاصل کر لیا تھا۔ کرنل عثمانی نے دعویٰ کیا کہ اُس نے ستمبر کے آخر تک 25 ہزار پاکستانی فوجیوں کو ہلاک کر ڈالا۔ 21 جہاز ڈبو دیئے اور 600 سے زائد پلوں اور راستوں کو تباہ کر دیا اور ریل گاڑی کی پٹڑیوں کو اُکھاڑ پھینکا اور تمام تر مواصلاتی نظام کو درہم برہم کر دیا۔

دسمبر 1971ء کے اوائل میں مکتی باہنی کی فوج میں دس ہزار مضبوط نوجوان مزید شامل ہو گئے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق یہ باور کیا جاتا تھا کہ مکتی باہنی خود ہی بنگلہ دیش (مشرقی پاکستان) سے پاکستانی فوجوں کو مار بھگانے میں کامیاب ہو جائے گی مگر اس گوریلا جنگ کے لئے عرصہ دراز درکار ہے اور جانی نقصان کا زیادہ تعداد میں خطرہ ہے۔ نیوز ویک کے سینئر ایڈیٹر نے گوریلا علاقے کا بذاتِ خود معائنہ



کیا اور لکھا کہ "پاکستانی فوج کی برتری ختم ہو چکی ہے اور گوریلوں نے پورے ملک پر کنٹرول حاصل کر لیا ہے۔ سرکاری اہل کار اور سول ملازمین کے علاوہ دیہاتی لیڈر بھی خفیہ طور پر گوریلوں کی مدد کر رہے ہیں اور سوائے دریائی پٹنوں کے حکومت کے تمام فوجی دستے شہروں اور قصبوں سے باہر بہت تھوڑی تعداد میں نظر آ رہے ہیں۔"

ڈھاکہ کی طرف مارچ کرتے وقت ہندوستان کی فوج اور مکتی باہنی دونوں مل کر جنگ لڑ رہے تھے۔ بلاشبہ بھارتی فوجوں کا راستہ مکتی باہنی نے صاف کیا تھا۔ 4 جنوری 1972ء کو کلکتہ سے ایک بیان میں کہا گیا "کئی ماہ سے مکتی باہنی نے جو ابتدائی کام شروع کر رکھا تھا خاص کر ڈھاکہ، کومیلا اور میمن سنگھ سیکٹر میں اس کی کارگزاری نے ہندوستان کی فوجوں کو ڈھاکہ کی طرف یادگار رفتار سے بڑھنے کا موقع فراہم کیا۔ تقریباً بیس ہزار مکتی باہنی فوجی گوریلے دُشمن کی فوج کا صفایا کرنے کے لئے مقرر کیے گئے اور پھر رائے پور اور نرسنگھدی کے علاقے کو روندتے ہوئے ہندوستان کی فوجیں جب ڈھاکہ پہنچیں تو اس میں بھی مکتی باہنی نے بڑا اہم کارنامہ سرانجام دیا۔ کیونکہ اُس کے گوریلوں کا پورا پورا کنٹرول تھا۔



"را" کا کام تقریباً مکمل ہو چکا تھا۔ اب جنرل ایس۔ ایچ۔ ایف مانک شاہ چیف آرمی سٹاف کا کام تھا۔ دوسرا مرحلہ آرمی کا تھا اور یہ مانک شاہ کی ذمہ داری تھی کہ اس بوجھ کو اُٹھائے۔ چنانچہ اس نے محسوس کیا کہ ہندوستان کی دفاعی پالیسی کو ملٹری کی نگاہوں سے نہیں دیکھا جا رہا۔ اسے ہمیشہ پالیٹکس اندرونی پالیسی، معاشیات اور خارجہ پالیسیوں کے ساتھ نتھی کر دیا جاتا ہے۔ جائنٹ چیف آف سٹاف کمیٹی کے

چیئرمین کی حیثیت سے اُس نے مجبور کیا کہ حکومت کو سیاست میں اُلجھنے کی بجائے واضح طور پر ایک لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیئے تا کہ اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل ہو سکے۔ اس سلسلے میں اُس نے بذاتِ خود وزیرِاعظم سے ملاقات کی اور اس کی وساطت سے سیاسی اُمور کی کمیٹی سے ملے۔ سب سے پہلے کونسل میں مسٹر ڈی۔ پی دھر کو پلاننگ کمیٹی وزارتِ خارجہ کا چیئرمین منتخب کیا۔ ادھر ملٹری کی طرف سے ایک مشترکہ انٹیلی جنس کمیٹی جس میں ''را'' کے نمائندے انٹیلی جنس بیورو اور ڈائریکٹر آف انٹیلی جنس شامل تھے جو تینوں افواج سے لئے گئے تھے۔ یہ کونسل وائس چیف آف آرمی سٹاف کی صدارت میں قائم کی گئی۔

اسی طرح مشترکہ پلاننگ کمیٹی نے آپریشنل پلان کے لئے تعاون کیا۔ مشترکہ سروسز آپریشنل ہیڈکوارٹر قائم کرنے کے بعد کام شروع ہو گیا۔ اس طرح سے جنوبی بلاک اور ویو بھاون کے ساتھ مل کر بہترین ٹیم بن گئی۔ ادھر سول کی طرف بھی ایک سیکرٹریٹ کمیٹی کی تشکیل عمل میں لائی گئی جو جنگ کے متعلق تیار کردہ اُصول اور قوانین کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مددگار بنی۔ اس کمیٹی میں سیکرٹری دفاع کے علاوہ، سیکرٹری داخلہ، سیکرٹری خارجہ اور ''را'' کا نمائندہ چیف سیکرٹری کی حیثیت سے جس کا نام کاؤ تھا، شامل ہوئے۔ دوسرے معاملات میں تعاون کے لئے دوسرے سیکرٹریوں کو بھی اعتماد میں لیا گیا۔ بارڈر سیکورٹی فورس کے ڈائریکٹر جنرل، سول ڈیفنس کے سربراہ اور دوسرے نیم فوجی دستوں کو جنگ کے لئے بڑی ترتیب سے پلاننگ کے لئے شامل کیا گیا اور ان سب کا دارومدار مانک شاہ اور ڈی۔ پی دھر کی پالیسیوں پر تھا۔ وزیرِاعظم جو کہ سیاسی معاملات کمیٹی میں تھے، کے ساتھ ہمیشہ رابطہ قائم رہتا اور فیصلے دینے کے معاملات کو سرخ فیتے کی بیوروکریسی چالوں سے الگ تھلگ رکھا گیا۔

دُنیا کو دکھانے کے لئے پاکستان نے ملٹری کی بجائے سول حکومت قائم کر



دی۔ مغربی پاکستان حکومت نے ٹکا خان کی جگہ اے۔ ایم مالک کو مشرقی پاکستان کا گورنر مقرر کیا۔ ان بدیرآمدہ خیالی چالوں نے اُبھرتی ہوئی مکتی باہنی کو منظرِ عام پر آنے اور اپنے آپ کو دوبارہ تیار کرنے کا موقع فراہم کیا۔ ''را'' کے اندازوں سے یہ ظاہر ہونے لگا کہ مکتی باہنی فوج میں اضافے کے باوجود اُس کے لئے یہ انتہائی مشکل ہے کہ وہ پاکستانی فوج کا عرصۂ دراز تک مقابلہ کر سکے چنانچہ ملٹری کو جنگ کے لئے تیار کر دیا گیا جو اس مسئلے کا درست حل سمجھا جاتا تھا۔

یحییٰ خان نے 3 دسمبر کو شام 5:30 بجے اس سوال کا جواب اعلانِ جنگ سے دیا۔ نئی دہلی کے حلقوں میں وقت کے تقاضے کے مطابق پاکستان کی طرف سے اس قسم کے اقدام کی کوئی اُمید نہ تھی۔ وزیرِاعظم بہت دُور کلکتہ میں وزیرِ دفاع جگ جیون رام بھی دارالخلافہ سے غیرحاضر بہار میں تھے۔ وزیرِ خزانہ بمبئی میں اور صدر وی وی گری پارلیمنٹ میں ایک استقبالیہ میں موجود تھے جبکہ خطرے سے کا سائرن بجا۔ وزیرِاعظم اندرا گاندھی نے مغربی سرحد پر پاکستانی حملے کی خبر سنی اور وہ جلدی سے واپس دارالحکومت پہنچ گئی۔ اسی رات جنرل اروڑہ کو ملٹری ہیڈکوارٹر سے آگے بڑھنے کا حکم ملا۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد وزیرِاعظم نے اعلان کیا۔ ''بنگلہ دیش کی جنگ ہندوستان پر مسلط کر دی گئی ہے۔''

تمام تر تیاریاں مکمل کر لی گئیں۔ ''را'' نے پشاور سے رپورٹ بھیجی کہ پاکستان ملٹری کا ساتواں بریگیڈ 6 دسمبر کو ہندوستان کے مغربی بارڈر کی طرف پونچھ اور چھمب سیکٹر کی طرف بڑھ رہا ہے۔ جونہی جنرل اروڑا کو اُٹھ کھڑے ہونے اور آگے بڑھنے کا حکم ملا، کلکتہ میں ''را'' نے دوبارہ اپنی پوزیشنیں سنبھالیں پڑں اور مشرقی حصہ میں پھیل گئے۔ مشرقی پاکستان جہاں پاکستانی حکومت کا مضبوط قبضہ تھا، تھرا گیا۔

گوریلے حرکت میں آ گئے۔ ہر چھ ماہ بعد ''را'' دو ہزار گوریلے تیار کر رہی تھی

جن کو اس قابل بنا دیا تھا کہ وہ پاکستانی فوجیوں کو ہر وقت پریشان کریں اور ان کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکیں۔ جولائی تک محدود دفاعی حملوں کا سلسلہ جاری رہا۔ مشرقی پاکستان کی سرحد کے اندر دس میل تک را اور بی۔ ایس۔ ایف کے دستے پھیل گئے۔ خفیہ تنظیموں نے پاکستانی افواج کی مکمل نقل و حرکت کی اطلاعات فراہم کیں جو ایک بڑے علاقے پر پھیلی ہوئی تھیں۔ مکتی باہنی نے بھی اپنی کارکردگی جو پاکستانی فوج کو صرف تنگ کرتا تھا فوراً بدل کر اسلحہ کا استعمال شروع کر دیا۔

ایک خاص آپریشن عمل میں لایا گیا جس کے تحت پاکستانی فوج کا مواصلاتی نظام درہم برہم کر دیا اور تمام رابطے منقطع کر دیئے تو پاکستانی فوج بے کار ہو کر رہ گئی۔ اب مشرقی پاکستان میں جنرل نیازی نے فوج کی کمان سنبھالی۔ مگر بڑے پیمانے پر تخریب کاری کے بچھے ہوئے ہندوستانی جال نے پاکستانی افواج کی زندگیوں کو خطرے سے دوچار کر دیا۔ وقت تیزی سے گزرتا گیا اور ہندوستان کی فوج پاکستانی فوج سے آنکھ بچا کر ڈھاکہ کی طرف گامزن رہی اور اس کامیابی کا سہرا ”را“ کے کارکنوں کے سر ہے۔ جنہوں نے پیشگی اطلاعات فراہم کر کے مشکل آسان کر دی۔ پاکستانی افواج نے جگہ جگہ جاسوسی کا جال پھیلایا ہوا تھا مگر مکتی باہنی کی کامیاب تخریب کاری نے اُن کی ایک نہ چلنے دی جس سے دُشمن بے دست و پا ہو گیا۔ یہاں تک کہ فوج کو ڈھاکہ کے علاقے میں بھی کوئی حکم نہ مل سکتا تھا۔

بدقسمتی سے 12 دسمبر کو جب ہندوستانی افواج فیصلہ کن فتح سے ہمکنار ہو چاہتی تھی تو پاکستانی وفد نے (U.N.O) یونائیٹڈ نیشن میں جنگ بند کرانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ اس سے پیشتر کہ کوئی سیاسی حل تلاش کیا جائے۔ اتنے میں ایک آخری بھرپور حملہ پاکستانی افواج کو محصور کرنے میں کارآمد ثابت ہوا۔ یہ ایک انٹیلی جنس کی چال تھی جو وائرلیس کے ذریعے نشر کی گئی۔ اور یہ پیغام ”ہم 12 بجے



ڈھاکہ گورنمنٹ ہاؤس میں اکٹھے ہو رہے۔ ایک خاص میٹنگ ہے۔“ بمبار طیارے تباہی مچا رہے تھے۔ مگر ان کو گورنمنٹ ہاؤس کی اچھی طرح نشان دہی نہ ہو سکی۔ یہ وہ میٹنگ تھی جو ”را“ کے افسران نے ڈھاکہ میں بلائی تھی۔ اور جو ڈھاکہ میں کام کر رہے تھے اور انہوں نے پاکستانی افواج کی شکست کے فوراً بعد ہی ڈھاکہ چھوڑ دیا۔ ”را“ کے افسران میں سے ایک نے خراب سا نقشہ بھی دکھایا جو کہ اُس کی کارکردگی اور مقامات کی صحیح نشان دہی کر رہا تھا اور یہی نقشہ ہوائی فوج کے حوالے کر دیا جس میں فوج کا قیام ایک مسجد کے پاس ایک عمارت میں دکھائی دیتا تھا اور یہ عمارت دوسری عمارتوں سے بہت دُور تھی اور یہی ڈھاکہ کا گورنمنٹ ہاؤس تھا۔ بس پھر کیا تھا، بمباروں نے 12 بجے تک اُس کو تباہ کر کے رکھ دیا۔

آمدہ اطلاعات سے پتہ چلا کہ مالک گورنر مشرقی پاکستان سجدہ ریز ہوا اور اپنے ہمراہیوں اہل کاروں کے ساتھ یحیٰی کی حکومت سے مستعفی ہو گیا اور انٹر نیشنل ہوٹل جس پر کہ ریڈ کراس کا جھنڈا لہرا رہا تھا، اُس میں پناہ لے لی۔ اب حکومت کا ایک نمائندہ صرف جنرل نیازی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بچ گیا جو کہ جنگ کو طول دے رہا تھا۔ بنگلہ دیش کی آزادی کی منزل قریب تھی۔ چنانچہ نیازی نے ہتھیار ڈال دیئے اور بنگلہ دیش آزاد ہو گیا۔

جنگِ آزادی اختتام کو پہنچی۔ بنگلہ دیش وجود میں آ چکا تھا جس کا سربراہ شیخ مجیب الرحمٰن بنا۔ ”را“ کے افسران بھی کڑی نظریں جمائے حالات کا جائزہ لے رہے تھے۔ اُن کی 1973ء کی رپورٹ نے ظاہر کیا کہ ملک کے حالات پھر سے خراب ہو رہے ہیں۔ بے چینی پھیل رہی ہے۔ فروری 1974ء میں یہ حقیقت واضح ہو گئی جب دو بڑی اور عام ہڑتالیں جو مجیب الرحمٰن کو ون پارٹی حکومت کی تشکیل پر زور دے رہے تھے۔ 24 فروری 1974ء کو ”را“ کی رپورٹ کے مطابق بنگلہ دیش کی حکومت

ناگفتہ بہ حالات سے دوچار تھی۔

اطلاعات کے مطابق مغربی سراغ رساں ادارے بڑی پھرتی دکھا رہے تھے۔ چنانچہ نائر جو کہ مجیب کی حکومت کا پسندیدہ تھا اپنے ہمراہ عثمانی کو لے کر مجیب سے ملا اور حالات پر تبادلۂ خیال کیا۔ مجیب جو کہ بپھرا بیٹھا تھا، فوراً بولا، اب ہنگامی اقدام لازم ہیں۔

چار ماہ بعد ''را'' کو اطلاع ملی کہ میجر رشید، میجر فاروق، کرنل عثمانی نے ضیاء الرحمٰن کے گھر پر ایک میٹنگ کی ہے۔ دوسرے معاملات کے علاوہ وہاں ہنگامی اقدام اُٹھانے کے معاملات زیرِ بحث آئے۔ تین گھنٹے کی مسلسل میٹنگ کا فیصلہ ایک ردی کاغذ کے ٹکڑے پر لکھا گیا جو بڑی بے احتیاطی سے ردی کی ایک ٹوکری میں پھینک دیا گیا۔ یہ کاغذ ایک کلرک نے ردی کی ٹوکری سے نکال لیا اور ''را'' کے ایک افسر کے حوالے کر دیا اور یہ اطلاع فوراً نئی دہلی پہنچ گئی۔

کاؤ فوراً خفیہ طور پر ڈھاکہ پہنچا۔ مجیب سے مقررہ جگہ پر ملاقات کی۔ مجیب نے بڑے ڈرامائی انداز میں کہا کہ آپ مجھے اس طرح ملنے کیوں آئے ہیں۔ ظاہری طور پر سب کے سامنے کیوں نہ آئے۔ سب کچھ جانتے ہوئے بھی وہ پہیلیاں ڈالنے لگا۔ کاؤ مجیب میٹنگ ایک گھنٹے تک جاری رہی۔ کاؤ مجیب کو اس بات پر رضامند کرنے میں ناکام رہا کہ ہنگامی اقدام اُٹھایا جائے کیونکہ اس کی زندگی خطرے میں ہے۔ اس کے باوجود کہ اُس کو اُن مذکورہ بالا افسروں کے نام بھی بتائے گئے جو اُس کے خون کے پیاسے تھے۔ مگر اُس کی یہ خوش فہمی کہ ''وہ میرے بچے ہیں، مجھے ان سے کوئی خطرہ نہیں۔'' اُس کی موت کا باعث بنے۔

ابھی تین سال کا عرصہ نہ گزرا تھا کہ ایک رات 14 اگست کو گرم مون سون کے چلنے کے ساتھ ساتھ فوج حرکت میں آ گئی۔ بنگال لانسرز اور بنگلہ دیش پلٹنیں



چھاؤنی سے دارالخلافہ کی طرف چڑھ آئیں اور زیرِ تعمیر ہوائی اڈے پر قبضہ کر لیا۔ اس سے پہلے بھی اس قسم کی تحریکیں چل چکی تھیں۔ لہٰذا دیکھنے والوں نے اس بات پر کوئی توجہ نہ دی۔ چند گھنٹوں بعد اُسی شام مجیب الرحمٰن اپنے خاندان کے تمام افراد سمیت قتل ہو گئے اور یہ سارا کام تین منٹ میں اختتام کو پہنچا۔ شیخ مجیب الرحمٰن کے دو بھتیجے شیخ مونی جو کہ بنگلہ دیش ٹائمز کے ایڈیٹر اور دوسرے شیخ اسلام، سیکرٹری سٹوڈنٹ فرنٹ عوامی لیگ بنگلہ دیش کا اغوا ایک گھنٹہ بعد عمل میں آیا۔ انقلابیوں نے مشاق خوند کر جو کہ مجیب الرحمٰن کا چار حکومتوں سے قریبی ساتھی تھا کو 2 اگست کو صدر بنا دیا۔

امریکہ کی سی۔آئی۔اے نے اس سارے عمل کا الزام ہندوستان پر تھوپ دیا۔ مگر ''را'' کے حلقوں کو یقین ہو گیا کہ یہ سارا پلان مجیب الرحمٰن نے بنگلہ دیش کے وجود میں آنے سے پہلے ہی (C.I.A) کے ساتھ مل کر بنایا تھا اور اس سلسلے میں سی۔آئی۔اے کا سربراہ فلپ چیری ڈھاکہ میں جون 1971ء میں کسی وقت آیا اور شیخ مجیب سے ملا تھا۔ شیخ مجیب کے قتل سے تھوڑے دن پہلے چیری نئی دہلی بھی آیا تھا اور اس سے پہلے وہ اگست میں ڈھاکہ بھی گیا تھا۔ چنانچہ بنگلہ دیش کے لئے سیاسی طور پر یہ آسان ہو گیا کہ وہ اپنی ہر مشکل کا الزام ہندوستان پر لگا سکے۔ مگر مجیب نے ایسا نہ کیا جس پر مجیب قتل ہو گیا۔ بدقسمتی سے وہ ٹینک جو اس ہنگامی اقدام کے طور پر زیرِ استعمال تھے وہ مصر کے تھے جو کہ مصر نے مجیب کو 1973ء کو بنگلہ دیش کی فوج کے لئے دیئے تھے۔

سیاسی سراغ رسانی اور ہنگامی فوجی بغاوتیں امریکن سی۔آئی۔اے کے لئے کوئی نئی بات نہ تھی کیونکہ وہ اس قسم کے تجربات اور اقدام جنوبی امریکہ میں کر چکے تھے۔ بات بڑھتی چلی گئی اور بڑی قیمت ادا کرنا پڑی۔ دُنیا کو، بنگلہ دیش میں جو کچھ رُونما ہوا انقلاب کے دوسرے دن تک کچھ علم نہ ہو سکا۔ ڈھاکہ سے یہ دنیا کو پیغام ملا

"یہ جو کچھ بھی کیا گیا ہے، ملک اور قوم کے مفاد میں ضروری تھا۔ مجیب الرحمٰن قتل ہو گیا ہے اور اُس کی مطلق العنان حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔"

سنار بنگلہ دیش کی تمام توقعات مجیب کے قتل کے ساتھ ہی دفن ہو گئیں اور 16 دسمبر 1971ء کو جو قوم وجود میں آئی اور ہزاروں لوگوں کے قتل کے بعد جو آزادی حاصل کی گئی اس کو تاریخ میں بدترین قصے کی حیثیت سے یاد کیا جائے گا۔



# بیرونی مداخلت کا دوسرا شکار سکم

بنگلہ دیش کے آپریشن ختم ہونے کے چند ماہ بعد جنوبی بلاک کے برآمدے میں سے ہوتے ہوئے "را" کے سربراہ کے دفتر میں ایک سرکاری سول ملازم وارد ہوا۔ اُس نے لوہے کے اُس دروازے پر جو دفتر کو عمارت کے دوسرے حصے میں تقسیم کرتا ہے تھوڑی دیر توقف کیا۔ اس سے پیشتر کہ وہ دروازے پر دستک دے اُس کو اندر بلا لیا گیا اور کانفرس روم کی بڑی سبز میز کے سامنے بٹھا دیا گیا۔

چار آدمی خاموشی سے بیٹھے چسکی لے کر چائے پی رہے تھے۔ یک لخت پھر سکوت ٹوٹی اور وہ بولا۔ بنگلہ دیش کا کام تو اختتام کو پہنچا اب ہمیں دوسرے کام کے متعلق فکر کرنا ہے۔ دوسرے اس بات کو سن کر بڑے حیران ہوئے کہ دوسرا کام کون سا ہے۔ اور دریافت کرنے پر اُس نے جواب دیا۔ "سکم غور کرو کہ اس سے کیسے نمٹا جا سکتا ہے۔" اس سوال کے جواب کے لئے آپ کے پاس 24 ماہ پڑے ہیں۔ وہ اس صورت میں کہ حکومت اس پر کیا اقدام اُٹھانے کا فیصلہ کرتی ہے۔ باقی گفتگو اِدھر اُدھر کی باتوں کے تجزیے پر مشتمل تھی کیونکہ یہ سرکاری میٹنگ نہ تھی۔ مگر سکم کا ایک خیال تھا جو زیر غور لایا گیا۔

نیپال، بھوٹان، مغربی بنگال اور تبت کے درمیان مشرقی ہمالیہ پر سکم ایک

بڑی خوبصورت اور دلکش وادی واقع ہے۔ اس کی سیاسی اہمیت ہندوستان کی اس سرحد میں ہے جو تبت کی چمبی وادی اور سکم کے درمیان واقع ہے۔ 17 مارچ 1890ء اینگلوچین کنونشن کے مطابق سکم اور تبت کی سرحد پہاڑوں کے اس سلسلے کو مقرر کیا تھا جو سب سے اُونچی چوٹی جہاں سے پانی کے دھارے سکم اور تبت کی طرف بہتے ہیں اور اُس کے دریاؤں میں گرتے ہیں۔ یہ سرحدی خط کوہِ گموچی پر بھوٹان کی سرحد سے جا ملتا ہے اور اُس پانی کے مذکورہ بہاؤ پر جا ملتا ہے جہاں نیپال شروع ہو جاتا ہے۔ سکم میں چار قسم کی نسلوں کے انسان بستے ہیں۔ لچس، بھوٹائی، نیپالی اس میں سب سے پرانے باسی رونگ پا کہلاتے ہیں اور یہ آسام سے آکر یہاں آباد ہوئے۔ بھوٹائی تبت سے چودہویں صدی میں آئے اور اس کے بعد نیپال اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں وہاں وارد ہوئے۔ سکم کا حاکم پچی بھوٹائی کا فرد تھا جو نیپالیوں کو وہاں سے نکالنے میں اپنے لوگوں کی مدد کرتا۔ مگر نیپالی تعداد میں زیادہ ہیں۔ یہ بڑا سبب ان دونوں گروہوں کے درمیان کشیدگی کا باعث تھا۔

سکم کی ابتدائی تاریخ اندرونی شورش اور خانہ جنگی سے بھری پڑی ہے جب کہ پڑوسی ممالک کے ساتھ جنگ وجدال عرصۂ دراز تک جاری رہی۔ برطانیہ نے ہندوستان میں اپنے قدم جمانے کے بعد سکم کو بھی اپنے زیر اثر لے لیا۔ سب سے پہلا معاہدہ جو 1835ء میں طے پایا اُس کے مطابق "گورنر جنرل نے اپنے بیمار سرکاری افسران کی تبدیلی ہوا کے پیش نظر اور دارجیلنگ کی پہاڑی جس کی آب وہوا بہت فرحت بخش ہے، سے فائدہ اُٹھانے کے لئے خواہش ظاہر کی ہے کہ اس پر ہمارا قبضہ تسلیم کیا جائے۔ میں سکم پتی راجہ دوستی کے ناطے گورنر جنرل کو دارجیلنگ کا علاقہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے حوالے کرتا ہوں (تحفے کے طور پر) اور یہ علاقہ بڑے دریا کا جنوبی حصہ بالاسار کا مشرقی کا ہیل اور چھوٹے رنجیتا دریا۔ مغربی رنگون اور مہاندی دریا کے



رمیان واقع ہے۔" (یکم فروری 1835ء)

اس چھوٹی سے غلطی کا سکم کے راجہ کو 26 سال بعد پتہ چل سکا کہ اس کے حد کیا ہونے والا ہے۔ بے شمار جھگڑے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ 1850ء میں ایک رطانوی جماعت نے سکم پر چڑھائی کی اور یہ کہا گیا کہ 1861ء کا معاہدہ کیا جائے ہو کچھ اس طرح تھا۔ مسلسل قتل و غارت گری، لوٹ مار اور راجہ سکم کے افسران کی راعمالیوں نے جسے کہ مہاراجہ سکم نے ہمیشہ نظر انداز کیا جس سے لوگوں میں بے چینی ائی جاتی ہے اور اس طرح سے گزشتہ کئی سالوں سے معاہدہ کی خلاف ورزیاں رُوبہ عمل آتی رہی ہیں۔ ان سب اسباب نے حکومت برطانیہ کو سکم پر چڑھائی کر کے اُس کو اپنے قبضے میں لینے کا فیصلہ کیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

سکم، تبت کی رنجش اینگلوچین معاہدہ 1890ء کے تحت ختم ہوگئی اور سکم کو انگریزوں کے زیر نگرانی علاقہ چین نے بھی تسلیم کر لیا۔ کلاڈ وائٹ کو 1889ء میں حکومت برطانیہ نے اس ریاست کا حکمران مقرر کر دیا جس کو پولیٹیکل افسر کے عہدے سے نامزد کیا گیا۔ سکم کا راجہ 1818ء میں حکمران بنا تھا مگر بعد میں سکم مسلسل برطانیہ کی زیر نگرانی علاقہ رہا یہاں تک کہ انڈین کانسٹی ٹیوشن 1935ء کے بعد باقاعدہ ہندوستان کی ایک ریاست بن گیا۔ تاشی تامگیال کے دورِ حکومت میں متعدد ترقی پذیر اصلاحات نافذ کی گئیں۔ نتیجتاً بہت سی سیاسی پارٹیاں مختلف مقاصد لے کر وجود میں آئیں۔

حکومتِ ہند اس بات سے متفکر تھی کہ ریاست کے کام چلانے کے لئے سماجی تعلقات اور معاشی ترقی میں لوگوں کی مدد اور اعتماد حاصل کیا جائے۔ سکم کے لوگ پرزور مطالبہ کر رہے تھے کہ حکومت منتخب نمائندے چلائیں مگر دوسرا گروپ اس کوشش میں تھا کہ موجودہ صورتِ حال کو ہی ترتیب دیا جائے۔ چوگائل کے نامزد نمائندوں اور

سیٹوں کے حصول کے جھگڑے نے ایک معروف وزارت قائم کرنے میں رکاوٹ ڈالی۔ نتیجتاً ہندوستانی دیوان مقرر کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ 20 مارچ 1950ء کو ایک پریس نوٹ میں کہا گیا کہ حکومت ہند ریاست کے دیوان کی حیثیت سے بدستور اپنا کام جاری رکھے گی۔ لیکن یہ ایک ایسی پالیسی تھی جس سے مہاراجہ بھی پوری طرح سے متفق تھا۔ یہ طے پایا کہ اولین اقدام کے طور پر زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو ایڈوائزری کونسل میں شامل کیا جائے۔ ریاست کے دیہی علاقوں میں منتخب نمائندوں پر مشتمل پنچایت نظام جلد قائم کیا جائے۔ یہ تعلیم کا ایک مؤثر ذریعہ اور ایک معروف حکومت کے قیام کا سبب ہوگا۔ پنچائتیں اپنے طور پر کونسلیں بنا سکیں گی جو حکومت کی مشینری چلانے کے لئے اہل ہوں گی اور پھر ان کی ذمہ داریوں کے دائرے کو اور وسیع کر دیا جائے گا۔ اس سلسلے میں ابتدائی معاہدہ طے پا گیا۔

5 دسمبر 1950ء کو ہرش وار دیا پولیٹکل آفیسر سکم اور مہاراجہ سکم تاشی نے اُس پر دستخط کئے۔ مہاراجہ تاشی کی وفات کے بعد 6 دسمبر 1963ء کو پالڈین تھانڈوپ تخت نشین ہوا۔ اس نے اپنی بیوی کی وفات کے بعد اپریل 1975ء میں ایک امریکن خاتون ہوپ کک سے شادی کر لی۔ اپریل 1975ء میں حکومت ہند نے مہاراجہ کی بجائے دہر ما راجہ اور مہارانی کی بجائے گیالمو کے خطاب تبدیل کر دیئے۔

1967ء کے انتخابات کی سیاسی صورتِ حال کچھ ایسی تھی۔ 18 منتخب نمائندوں کی سیٹوں میں سے آٹھ سکم نیشنل کانگریس، پانچ سکم نیشنل پارٹی، دو سکم سٹیٹ کانگریس، تین ٹو سانگز راہبوں اور دوسروں کے پاس چلی گئی۔ 18 منتخب نمائندوں کے علاوہ چوگائل نے چھ ممبران تین سرکاری اور تین غیر سرکاری نمائندے شامل کر دیئے۔ اب سکم کی صورت حال بیرونی مداخلت کے لئے ہموار ہو چکی تھی۔



# سی۔ آئی۔ اے اور ”را“

”را“ کی رپورٹ کے مطابق سی۔ آئی۔ اے سکم کی چھوٹی سی سلطنت کے حالات میں بے جا مداخلت سی۔ آئی۔ اے کا ریذیڈنٹ ایجنٹ جو کلکتہ میں مامور تھا۔ سکم میں مختلف لوگوں کے مختلف گروہوں سے بات چیت کرتے دیکھا گیا اور یہ بھی لزام لگایا گیا تھا کہ چوگائل کو آزاد شاہی سلطنت اپنے جھنڈے اور اپنے ہی قومی گیت کے ساتھ آزادی کا اعلان کرنا چاہیئے اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا گیا تھا کہ چوگائل یو۔ این۔ او کا ممبر بننے کے لئے اجازت مانگے گا۔ اب سکم میں پھندے ڈالنے اور شکار تلاش کرنے کا کھیل شروع ہو چکا تھا۔ صحیح فضا قائم کرنے کے لئے چوگائل کو ضروری اقدام اُٹھانے کے لئے سی۔ آئی۔ اے بدستور اُکساتی رہی اور چین کی مداخلت کا پورا یقین دلاتی رہی تھی حالانکہ ”را“ کی رپورٹ نے اس قسم کی کسی بات کا ذکر نہ کیا تھا کہ ایسے امکانات بھی وجود میں آ سکتے ہیں۔

سکم، بنگلہ دیش نہ تھا کہ اس پر کوئی ملٹری قبضہ نا قابل تسخیر صورت اختیار کر لے اور اس پر قابو پانا مشکل ہو جائے جبکہ عوام کی رائے اندرونی اور بیرونی حالات اور بین الاقوامی دباؤ راہ میں حائل ہو۔ اس کا جواب تو سیاسی حل تلاش کرنے سے حاصل ہو سکتا تھا۔ ہندوستان سکم کو غیر مستحکم یا بے یار و مددگار نہیں چھوڑ سکتا اور نہ ہی بیرونی

ممالک کی مداخلت کو سکم میں اجازت دے سکتا تھا۔

"را" کے ایجنٹس سکم کے چار اضلاع گنگ ٹوک، مانگن، نامچی اور گائیشنگ میں روانہ کئے جا چکے تھے اور انہیں ضروری اور مفید مطلوبہ معلومات فراہم کرنے کی ہدایات دی گئی تھیں تاکہ ضرورت پڑنے پر اگر ہندوستان کو مجبور کیا جائے تو حالات کے مطابق مناسب کارروائی کی جائے۔ اٹھارہ ماہ بعد ایک سیاح نے یہ بتا کر مطمئن کر دیا کہ "را" نے چاروں اضلاع میں مکمل طور پر خفیہ کنٹرول حاصل کر لیا ہے اور آئندہ کارروائی کے لئے مکمل نقشہ برائے لائحہ عمل تیار کیا جا چکا ہے۔ اس کے بعد وزیراعظم مسز اندرا گاندھی نے سکم کے متعلق مکمل غور وخوض اور تبادلۂ خیال کیا۔ اب حالات بظاہر مسز اندرا گاندھی نے سکم کے متعلق مکمل غور وخوض اور تبادلۂ خیال کیا۔

سکم میں حالات دن بدن بگڑتے گئے۔ اکثریتی گروہ (نیپالی) کو بے یار و مددگار اقلیت کی حیثیت سے حکومت کے معاملات میں شمار کیا جانے لگا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کھلے بندوں چوگائل کو ختم کرنے اور اس کی برتری کے خاتمے کی دھمکیاں سنی جانے لگیں۔ "را" کو آگے بڑھنے کا اشارہ مل چکا تھا۔ وزیراعظم کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ اس صورتِ حال پر بہت پریشان تھی جب اُس ایک سوال کے جواب میں کہا گیا کہ "را" چوبیس گھنٹے کے اندر اندر اپنا کام مکمل کر لے گی۔ تو یہ جواب سن کر ششدر رہ گئی۔



"را" افسران نے ایسے لوگوں کے ساتھ قریبی رابطہ بدستور قائم رکھا جن کو جمہوریت کی بحالی کے لئے موزوں اور مددگار سمجھا جاتا تھا۔ سکم کے لوگوں کی اولین خواہش تھی کہ موجودہ حکومت تبدیل کر دی جائے اور وہاں کی مختلف قبائل اور چھوٹے چھوٹے کنبوں پر مشتمل ساری آبادی "را" کو بیرونی پروپیگنڈے کا مقابلہ کرنے میں



پوری پوری مدد دے رہی تھی۔ اس پروپیگنڈے کا مقصد چوگائل کے ادارے کو ختم کرنے کے سوا کچھ نہ تھا، کی آبادی تقریباً 25000 نفوس اور اُن کے حامی بھوٹائی 33000 نفوس پر اور جس میں کہ ایک اقلیت تسانگ بھی شامل تھی مگر نیپالی آبادی ایک لاکھ چونتیس ہزار نفوس پر مشتمل تھی "را" کے لئے یہ کوئی مشکل کام نہ تھا کہ چوگائل سے روایتی طور پر چھٹکارا حاصل کیا جائے۔ اس خیال سے کہ ایسے لوگوں کو منتخب کر لیا جائے جو ان کے قبیلے میں مقبول ہوں۔ اور اُن سے کہا گیا کہ اس خیال یا تصور کا پروپیگنڈہ کریں۔ اس کام کے لئے رقوم مہیا کی جا چکی تھیں۔

"را" کے ذرائع کے مطابق چوگائل کی ہوپ کک سے شادی اور سی۔ آئی۔ اے کے مفادات سکم میں ایک ہی وقت میں واقع ہوئے۔ ہوپ کک امریکی خاتون تھی۔ اسی وجہ سے چوگائل کے خلاف لوگوں کا غم وغصہ آہستہ آہستہ بڑھتا گیا۔ اپریل 1973ء میں ہندوستان کی فوج نے چوگائل کو بچانے کے لئے مداخلت کر دی۔ 8 مئی 1973ء کو چوگائل نے ایک معاہدے پر دستخط کئے جس میں یہ طے پایا گیا تھا کہ ایک آدمی ایک ووٹ کے اُصول کے تحت ایک نمائندہ حکومت منتخب نمائندوں پر مشتمل مقننہ ہر چار سال کے بعد بنائی جائے گی۔

اس معاہدے کی رُو سے انتخابات کا انعقاد 23 اپریل 1974ء کو ہونا تھا۔ سکم سٹیٹ کانگریس، سکم نیشنل پارٹی اور پرا جہ سمیلن میں مقابلہ ہوا۔ فیصلہ سکم سٹیٹ کانگریس کے حق میں گیا جنہوں نے 32 میں سے 31 نشستیں جیت کر اقتدار حاصل کر لیا اور نیشنل اسمبلی وجود میں آ گئی۔ سکم کی اس منتخب نیشنل اسمبلی نے ہندوستان کے ساتھ قریبی مضبوط تعلقات قائم کرنے اور سکم کو ہندوستان کا اتحادی بننے کی تجویز پیش کی۔ اس بناء پر انڈین پارلیمنٹ نے ایک قانون مرتب کیا۔ (36 چھتیسویں تبدیلی) ایکٹ 1974ء کے تحت سکم کو اتحادی ریاست کا درجہ مل گیا۔



قانون شکنی کے بدترین واقعات اور ناگفتہ بہ حالات کے پیش نظر سکم کے لیڈروں کی زندگی کے خاتمے کی دھمکیوں اور شکوک کے پیش نظر وزیر اعلیٰ سکم نے خاص درخواست دی تھی کہ سکم کی گارڈز کو فوراً غیر مسلح کر کے آزاد کر دیا جائے اور چوگائل کے لئے بے شمار لوگوں کو سرکاری خزانے کے خرچ پر ملازمتوں پر نہ لگایا جائے۔ معزز ممبران کو واضح ہو کہ چوگائل کے لئے 400 لوگوں کو محل کی حفاظت پر مامور کر کے پبلک کے خزانے پر جو بوجھ ڈالا ہوا ہے، اُسے ختم کیا جائے۔ یہ اقدام ریاست میں قانون اور امن کے لئے بہت ضروری ہیں جو کہ حکومتِ ہند کی ذمہ داری ہے۔ چنانچہ حکومت ہند نے 9 اپریل کو سکم گارڈز کو غیر مسلح کر دیا اور دوسری بڑی مانگ کے اعزاز میں سکم کو ہندوستان کی ریاستوں کے اتحاد میں بائیسویں نمبر پر شامل کر کے اس خواہش کے احترام کو بھی برقرار رکھا اور 26 اپریل 1975ء کو ہندوستان میں شامل کر لیا گیا۔ اس سے ایک بڑی خونریزی اور جمہوریت کی تباہی سے نجات مل گئی۔ اس طرح سے ''را'' کا کام مکمل ہوا اور ایک بڑی طاقت کی سراغ رساں ایجنسی سی۔ آئی۔ اے کے تمام منصوبے خاک میں مل گئے۔ ''را'' نے ان تمام حالات پر کیسے قابو پایا......؟ یہ ایک راز ہے جو اُس وقت تک راز رہے گا۔ لیکن یہ کارنامہ بہر حال ''را'' نے انجام دیا اور ان حالات میں جبکہ دنیا میں بنگلہ دیش میں ''را'' کی مداخلت پر ناراض تھی کسی پریشر کو خاطر میں لائے بغیر سکم کو بھارت کا حصہ بنا دیا جسے ان حالات میں ایک انٹیلی جنس ایجنسی کا شاندار کارنامہ کہا جائے گا گو کہ مہذب دُنیا کے نزدیک یہ جارحیت ہے۔





# ''را'' کا تیسرا شکار سری لنکا

سری لنکا پر ''را'' نے سرخ لکیر 1971ء میں ان دنوں کھینچی تھی جب پاکستانی جہازوں پر بھارتی فضاؤں کی پابندی لگنے کے بعد پاکستانی جہاز مغربی پاکستان سے مشرقی پاکستان جانے کے لئے کولمبو کا راستہ اختیار کرنے پر مجبور ہوئے اور انہیں یہاں سے ''ری فیولنگ'' کی سہولت مل گئی تھی۔ چونکہ ''را'' ان دنوں اپنی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی کی سرپرستی میں مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے لئے تخریبی مہم کا زور شور سے آغاز کر چکی تھی۔

پاکستان کا ایک بازوئے شمشیر زن اس سے الگ کرنے کے بعد مسز گاندھی نے 18 مئی 1974ء کو اچانک 15 کلوٹون (Kiloton) پلوٹینم ڈیوائس کا ایٹمی دھماکہ کر کے ساری دُنیا کو چونکا دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ شدت پسند ہندوؤں کی ''دیوی'' کا روپ دھار گئیں۔

ان کی سیماب فطرت طبیعت اگلے ایڈونچر کے لئے نئے میدانوں کی متلاشی تھی۔ اس دھماکے کا سہرا اپنے سر پر سجانے کے بعد مسز اندرا گاندھی نے اپنے دو قریبی دوستوں آر۔ این۔ کاؤ اور پارتھا سارتھی کو سری لنکا کی مہم سر کرنے پر لگا دیا۔ شاید وہ ایک مرتبہ پھر ''رام اور راون'' والا کھیل دھرانے پر تل گئی تھیں۔

پارتھا سارتھی نے پاکستان اور چین میں اپنی سفارتی خدمات کے دوران "را" مقامی آپریٹس" کو کنٹرول کیا تھا اور انہیں ایک طرح سے دونوں ممالک میں "را" کے مقامی "کیس آفیسر" کی حیثیت حاصل تھی۔ پارتھا سارتھی اور "را" کے خصوصی تعلقات کا یہ عالم تھا کہ وہ وزارت خارجہ کی تمام رپورٹس کو ردی کی کسی ٹوکری میں پھینک دیا کرتا تھا اور ہمیشہ "را" کی رپورٹوں پر انحصار کرتا تھا۔ "را" نے سری لنکا میں اپنے پہلے آپریشن کا آغاز مسز اندرا گاندھی کے پہلے دور کے آخری سال 1976-77ء میں کیا۔

ایک خصوصی خفیہ مشن کے تحت سری لنکا میں تامل نوجوانوں کو لالچ کے ذریعے ورغلا کر تربیتی کیمپوں میں پہنچایا جاتا جہاں انہیں ٹریننگ اور اسلحہ دے کر میدان عمل میں اُتارا گیا۔ اس آپریشن کی نگرانی براہِ راست مسز اندرا گاندھی کر رہی تھیں۔

سری لنکا میں بھارتی انٹیلی جنس ایجنسیوں کی مداخلت کو سمجھنے کے لئے اس دور میں مسز اندرا گاندھی کی زیرنگرانی ان کے دست راست آر۔این۔کاؤ کے ان خفیہ آپریشنز کی حکمت عملی کو جاننا ضروری ہے جو اس دور میں انہوں نے سکم اور بنگلہ دیش میں کیئے۔ سری لنکا میں بھی بالکل اسی نوعیت کا آپریشن "را" نے کیا جس کے دلچسپ مطالعے سے بھارتی حکومت کی ذہنیت اور "را" کے عزائم کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔

بنگلہ دیش آپریشن دراصل "مشرقی پاکستان کی آزادی" کی آڑ میں شروع ہوا جس کا حاصل تھا بنگلہ دیش۔ "را" کے ایجنٹوں نے مکتی باہنی کے ساتھ مل کر زیرزمین مسلح تحریک کو سرگرم کیا تاکہ حملہ آور بھارتی فوجوں کی معاونت کر کے پاکستانی مسلح افواج کو ناکارہ کیا جائے۔

اس آپریشن میں "را" نے ہر چھ ہفتے میں 2000 گوریلے تیار کیئے جنہیں



"ضرب لگاؤ اور بھاگو" (Hit and Run) کے اُصول پر منظم کیا جا رہا تھا۔ یہ آپریشن دو مراحل پر مشتمل تھا۔

1) خفیہ تخریبی سرگرمیاں۔

2) ان سرگرمیوں سے پیدا شدہ صورتِ حال کا فائدہ اُٹھا کر بھارتی فوجوں کو پاکستانی سرحدوں میں دھکیلنا۔

پہلے مرحلے کی ذمہ داریاں آر۔این۔کاؤ نے سنبھالیں اور دوسرے مرحلے کا انچارج جنرل مانک شا تھا۔ دونوں براہِ راست مسز اندرا گاندھی کو رپورٹ کیا کرتے۔

سکم کے معاملے میں بھارتی حکومت کو اعتراض تھا کہ سکم کا حکمران غیر ملکی طاقتوں کو اپنے معاملات میں داخل کر رہا ہے جس کا بھارتی حکومت کے نزدیک "بہترین حل" یہی تھا کہ انہوں نے سکم کو اپنی کالونی بنا لیا۔

بعینہٖ بھارت کو سری لنکا پر اعتراض تھا کہ سری لنکن حکومت پاکستان، اسرائیل اور مغربی ممالک کے ملٹری ایڈوائزرز کے ساتھ معاہدے کر رہی ہے اور ان ممالک سے کرائے کے فوجی بھرتی کیئے جا رہے ہیں۔

جب تین سال بعد مسز اندرا گاندھی نے دوبارہ راج سنگھاسن سنبھالا تو سب سے پہلے ایک سپریم انٹیلی جنس ایجنسی "تھرڈ ایجنسی" قائم کی۔ اس کے قیام کی اہم وجہ مسز اندرا گاندھی کے پیشرو مرارجی ڈیسائی کے ہاتھوں "را" کا احتساب تھا۔ مرارجی ڈیسائی نے "را" کے بجٹ پر اچھا خاصا کٹ لگایا تھا۔ اس کے غیر ملکی آپریشنز جو غیر ضروری تھے محدود کر دیئے گئے تھے اور مسز اندرا گاندھی کے نزدیک مرارجی ڈیسائی نے "را" میں "بے اعتماد" آپریٹو بھی شامل کر دیئے تھے جن پر فوری طور پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا تھا۔

مسز اندرا گاندھی نے اور بہت سی تخریبی ذمہ داریوں کی طرح سری لنکا میں آپریشن کی ذمہ داریاں بھی ”تھرڈ ایجنسی“ کو سونپ دیں۔

1983ء میں سری لنکا اور بھارتی صوبے تامل ناڈو کے مختلف تامل گوریلوں کے گروپوں کو یکجا کر کے ٹی۔یو۔ایل۔ایف (T.U.L.F) فرنٹ بنا دیا گیا۔

جون 1983ء میں تامل ناڈو کے اراکین اسمبلی نے تامل لیڈروں کی بھارتی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی سے خصوصی ملاقات کا اہتمام کیا۔ ان لیڈروں نے تاملوں پر مظالم کا رونا رویا اور بھارتی وزارت خارجہ نے مسز اندرا گاندھی کے حکم پر سری لنکا کے ہائی کمشنر کو بلا کر ڈانٹ ڈپٹ کی کہ وہ ”اپنے ملک“ میں ”بھارتی مفادات“ کو زک پہنچا رہے ہیں۔

یہ بھارت کی طرف سے سری لنکا کے اندرونی معاملات میں مداخلت کا پہلا کھلا مظاہرہ تھا جس نے سنہالیوں اور تاملوں کے درمیان باقاعدہ نفرت کی دیواریں کھڑی کر دیں۔ تامل گوریلوں نے اپنے آقاؤں کے حکم پر سنہالیوں اور سری لنکن آرمی پر حملوں کا آغاز کیا اور کئی بے گناہوں کو اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔ ان حملوں کے نتیجے میں سری لنکا میں وسیع پیمانے پر لسانی فسادات نے جنم لیا۔

سری لنکا کے نواحی قصبوں میں تاملوں پر جوابی حملے شروع ہو گئے ہزاروں کی تعداد میں دُکانیں، کارخانے، ٹرانسپورٹ، بزنس، انڈسٹری جو تاملوں کی ملکیت تھیں، نذر آتش ہو گئیں۔ یہ خونیں فسادات تین روز تک جاری رہے۔

بھارتی انٹیلی جنس ان فسادات میں پوری طرح ملوث تھی اور اس کی جنوبی کمانڈ سکندر آباد میں کسی بھی آمدہ صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لئے ”سٹینڈ بائی“ تھی۔ جلد ہی بھارتیوں کو احساس ہو گیا کہ سری لنکن حکومت کی شکل میں ان کا واسطہ کسی ”مونسٹر“ (Monster) سے پڑ گیا ہے اور یہ سکم کی طرح کوئی تر نوالہ نہیں ہے جس



پر بھارتی حکومت کی پالیسی میں تبدیلی آنے لگی۔

جولائی 1983ء کے بعد سے تامل گوریلوں کے گروپوں نے بھارتی صوبے تامل ناڈو کی لیڈرشپ سے قریبی تعلقات پیدا کر لئے تھے۔

1984ء میں مدراس کے کیمپوں میں ”را“ کے تربیت یافتہ تامل گوریلے اب سری لنکن آرمی سے دوبدو مقابلہ کرنے لگے تھے۔ 1984ء کے بعد سے تاملوں نے سری لنکن آرمی کے تمام کیمپوں پر نظر رکھنا شروع کر دی تھی اور وہ اپنے آقاؤں کو سری لنکا فوج کی نقل و حرکت کی لمحہ بہ لمحہ رپورٹس دینے لگے۔ کچھ گوریلا گروپس ”واکی ٹاکی“ کے ذریعے بھارتیوں کی خدمات پر مامور ہو گئے اور باقی گروپ تخریبی کارروائیوں میں لگ گئے۔ سری لنکن آرمی کے راستوں اور کیمپوں کے اردگرد بارودی سرنگوں اور دھماکہ خیز مواد کا جال پھیلتا چلا گیا۔ ”را“ کے تربیت یافتہ تامل گوریلے سری لنکن آرمی کی پٹرولنگ پارٹیوں پر گرنیڈ پھینکنے لگے۔

لسانی فسادات اور ”حالت جنگ“ کی سی کیفیت نے اس پرسکون جزیرے کے امن و امان کو تہہ و بالا کرنا شروع کر دیا۔ تامل مہاجروں کے قافلے سری لنکا سے بھارت میں داخل ہونے لگے۔ ان کے لئے کیمپس لگ گئے۔

مشرقی پاکستان کی تاریخ دہرائی جانے لگی۔

ان کیمپوں میں عام تامل تو اذیت ناک زندگی بسر کرتے تھے لیکن ان کے لیڈروں کی عیاشی تھی جو شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ سے زندگی گزارنے لگے۔ انہیں خصوصی محافظوں کے ساتھ آرام دہ کاریں بھی میسر آ گئیں۔ مہاجرین میں سے وہ تامل نوجوان جو ”را“ کے کیمپوں میں پہنچے، خوشحال ہو گئے ان کی دیکھا دیکھی نوجوان تامل بڑھ چڑھ کر تخریبی کارروائیوں میں مصروف ہو گئے۔

یکم مارچ 1985ء کو سری لنکن صدر جے وردھنے نے بھارتی وزیر اعظم

راجیو گاندھی کو ایک طویل خط لکھا جس میں خواہش ظاہر کی کہ اگر بھارت سری لنکا میں پھیلائی گئی ''دہشت گردی'' پر قابو پانے میں اُن کی مدد کرے تو وہ اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے سنجیدہ پیش رفت کرنا چاہتے ہیں۔

جے وردھنے نے لکھا:

''ہم دونوں عوام کے منتخب نمائندے ہیں۔ دونوں نے الیکشن اکثریت سے جیتا ہے۔ سرحدوں کے دونوں اطراف تخریب کاری کوئی نیک شگون نہیں۔ برائے مہربانی حالات کی سنگینی کا احساس کرتے ہوئے ہماری مدد کریں اور اس معاملے کو ختم کر کے امن وامان کی فضا پیدا کریں۔''

صدر جے وردھنے کے خط کا ''را'' نے بڑا چانکیائی استعمال کیا۔ اس درمیان سری لنکن آرمی نے تاملوں کے خلاف شدت سے کارروائی شروع کی تھی اور انہیں قریباً ''کارنر'' کر دیا تھا۔ گمان غالب یہی تھا کہ اب شرپسند تامل گروپ منتشر ہو جائیں گے کہ صدر جے وردھنے کا خط بن کر ''را'' کے پاس پہنچ گیا۔

18 جون 1985ء کو بھارتی حکومت اور ''را'' کی مداخلت سے ایک طویل ڈرامے کے بعد بالآخر تامل گوریلوں اور سری لنکن آرمی کے دوران ''سیز فائر'' ہو گیا۔

اس سیز فائر کی آڑ میں ''را'' نے تامل گوریلوں کی از سرِ نو تنظیم کی۔ انہیں مطلوبہ اسلحہ بہم پہنچایا اور تاملوں کو ''ری گروپنگ'' کے بہترین مواقع فراہم کئے۔ جیسے ہی تامل مضبوط ہوئے انہوں نے فوراً اپنا کام شروع کر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے سری لنکا کے در و دیوار ان کی دہشت گرد کارروائیوں سے لرزنے لگے۔ ''را'' نے انہیں بہترین ''کمیونی کیشن سسٹم'' فراہم کیا، جافنا اور بٹی کلا کے گنجان جنگلوں اور سمندری جزیروں میں اُن کے مضبوط مراکز قائم کئے انہیں اسلحہ سے لے کر خوراک تک ہر ممکنہ سہولت بہم پہنچائی۔



تاملوں نے اپنے اندر موجود سری لنکن آرمی کے مخبروں کو چن چن کر قتل کیا اور سری لنکا کی انٹیلی جنس جس نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے ان کی کارروائیوں سے باخبر رہنے کے لئے ان کے اندر جاسوسی کا جال بچھایا تھا، بے بس ہو کر رہ گئی۔ دوسری طرف انہوں نے سری لنکا کی فوج میں اپنے مخبر بھی پیدا کر لئے۔ اور ''را'' کی مدد سے ایسا نظام ترتیب دیا کہ جہاں بھی فوج کا ایک کانوائے دوسری جگہ حرکت کرتا مقامی آبادی میں موجود تاملوں کا مخبر یہ خبر ان تک پہنچا دیتا۔ تامل گوریلوں نے سری لنکا کی ریلوے لائنوں کی پٹڑیاں اُکھاڑ کر اپنے مضبوط بنکر تعمیر کر لئے جن کی طرف آنے والے راستوں پر بارودی سرنگوں کا جال بچھایا گیا۔ ''را'' کی غنڈہ گردی کی انتہا یہ تھی کہ جب سری لنکا اور تاملوں کے درمیان صلح کی بات چیت چل رہی تھی انہوں نے جافنا میں بھرتی کے مراکز کھول رکھے تھے۔

ستمبر 1985ء کے آخر میں صدر جے وردھنے کے بیٹے اور بہو نے بھارت کا دورہ کیا اور دہلی میں راجیو گاندھی سے ملاقات کی۔ جے وردھنے کی کوشش تھی کہ جیسے بھی ممکن ہو بھارت کو خوش کر کے تاملوں کے عذاب سے جان چھڑا لے لیکن ''را'' کے ہاں شاید اخلاق، اُصول نام کی کوئی شے پائی ہی نہیں جاتی۔

3 اکتوبر 1985ء کو صدر جے وردھنے نے مسٹر راجیو گاندھی کو ایک خط میں شکایت کی کہ ان کے پاس اس بات کے ثبوت موجود ہیں کہ جنوبی بھارت سے تاملوں کو مسلسل رضا کاروں، اسلحہ، بارود اور دیگر سپلائی مل رہی ہے اور معاہدے کی خلاف ورزیاں کی جا رہی ہیں۔ خصوصاً سیز فائر معاہدے کے بعد سے ''را'' نے اپنی سرگرمیوں میں بہت اضافہ کر دیا ہے اور ''رامیشوارم'' (Rameshwaram) اور پوائنٹ ''کالی میری'' (Calimere) اور پوائنٹ ''شمالی کالی میری''، جس میں وی دا رانیم (Vedaraniyam) اور ناگا پٹم (Nagapattinam) کی

طرف سے کھلے بندوں آمدورفت جاری ہے۔''

مسٹر راجیو گاندھی نے اس خط کا جواب دینے کا بھی تکلف نہ کیا۔ جب اکتوبر 1985ء میں ''بہاماز جزائر'' میں کامن ویلتھ ممالک کے سربراہوں کی کانفرنس میں دونوں کی ملاقات ہوئی تو راجیو گاندھی نے ان سے وعدہ کیا کہ وہ تامل ناڈو کی حکومت کو سرزنش کریں گے۔ جواب میں جے وردھنے نے بھی امن وامان کی بحالی میں اپنا کردار ادا کرنے کی یقین دہانی کروادی۔

راجیو گاندھی کی سرزنش تو دور کی بات ہے ان کے واپس بھارت لوٹتے ہی ''را'' نے سری لنکا میں لسانی فسادات کا آغاز کروادیا اور ایک مرتبہ پھر اس غریب اور پرامن ملک میں آگ اور خون کی ہولی کھیلی جانے لگی۔

اپریل سے اکتوبر 1986ء تک بھارتی اور سری لنکا کے مختلف وفود امن و امان کی بحالی کے لئے ''مذاکرات'' کرتے رہے لیکن سری لنکا حکومت کو بھی اس بات کا شدت سے احساس تھا کہ ان مذاکرات کے پس پردہ صرف ایک ہی مقصد کارفرما ہے کہ مذاکرات کی مہلت کا فائدہ اُٹھا کر تاملوں کو مضبوط کیا جائے۔ اس درمیان بھارتیوں نے سری لنکا کے ساتھ ''بھیڑ اور بھیڑیئے'' والی کہانی کو عملاً دہرائے رکھا اور اس درمیان اپنی مرضی کی قریباً ہر بات سری لنکا سے منوالی لیکن دوسری طرف اب تامل بگڑے ہوئے لاڈلے بچے کی طرح ان کے قابو سے باہر ہونے لگے تھے وہ اپنی من مانی کرنا چاہتے تھے۔

1987ء میں بھارت کا جنگی جنون اپنے نقطہ عروج کو چھونے لگا تھا (Zenith of Military Power) بھارتی مسلح افواج کے ہیڈ کوارٹرز دہلی میں بیٹھا ان کا آرمی چیف لیفٹیننٹ جنرل کرشنا سوامی سندر جی ایک ہی وقت میں تین ملٹری آپریشنز پلان کر رہا تھا۔ بھارتی فوج کے جنرل ہیڈ کوارٹرز میں تین بڑی جنگی



مشقوں کی منصوبہ بندی کی گئی تھی۔ ایک مشق پاکستان پر حملے کے لئے، ایک چین پر اور تیسری سری لنکا پر حملے کے لئے تیار کی جارہی تھی۔

پاکستان پر حملے کی مشق کو آپریشن ''براس ٹیک'' (Barss Tacks) کا نام دے کر بھارت کی تاریخ کی سب سے بڑی جنگی مشق کا آغاز پاکستانی سرحدوں پر کردیا گیا تھا جہاں تناؤ اتنا بڑھ گیا کہ ''حالت جنگ'' کی سی کیفیت طاری ہونے لگی۔ ایک مرحلے پر تو دونوں ممالک کی فوجیں بالکل آمنے سامنے آگئی تھیں۔

آپریشن (Checkerboard) کے ذریعے چین کو اپنی بھارتی سرحدوں کو مضبوط کرنے کی دعوت دی جارہی تھی۔

سری لنکا پر قبضے کے لئے ''تری شکتی'' کے نام سے نکوبار آئس لینڈ، جزائر انڈیمان، سندھ اور گوا میں تربیتی مشقیں ہو رہی تھیں۔ اس آپریشن کا مرکزی ہیڈ کوارٹرز سابقہ پرتگالی کالونی گوا میں قائم کر کے اس مفروضے پر جنگی مشقیں کی جارہی تھیں۔ چھاتہ بردار فوج کے ذریعے سری لنکا پر قبضہ کیا جائے گا۔

اس منصوبے کے مطابق چھاتہ برداروں نے زمین پر کنٹرول کرنا تھا اور بھارتی نیول کمانڈوز نے ساحلی علاقوں پر دھاوا بولنا تھا۔ بھارتی فوج کے 340 انڈی پینڈنٹ انفنٹری بریگیڈ اور 54 انفنٹری ڈویژن خشکی اور سمندر دونوں پر قبضے کے لئے تیاری کر رہے تھے۔

340 بریگیڈ کو سری لنکا پر قبضہ کرنے کی خصوصی مشقیں کروائی گئی تھیں اور اس سلسلے کی آخری مشق اپریل 1987ء میں ہوئی تھی گو کہ مئی 1987ء میں یہ بریگیڈ بھارت کے آپریشن ''ٹرائی ڈنٹ'' میں شامل ہو گیا لیکن اس کا بنیادی مقصد وہی رہا۔ دوسرے انڈین بریگیڈ مثلاً 50 انفنٹری پیرا بریگیڈ کو بھی 340 انڈی پینڈنٹ انفنٹری بریگیڈ سے منسلک کر دیا گیا اور دو مواقع تو ایسے آئے جب یہ بریگیڈ کسی بھی لمبے سری

لنکا پر دھاوا بولنے کے لئے تیار کھڑے تھے۔ ان دونوں بریگیڈز کو اس سے پہلے جولائی 1983ء اور اگست، ستمبر 1984ء میں بھی اس نوعیت کی مشقیں کروائی گئی تھیں۔ ان دنوں بھارت پر مسز اندرا گاندھی کی حکومت تھی اور اب ان کا سپتر وزیر اعظم راجیو گاندھی اپنی ماں کے عزائم دہرا رہا تھا۔

مارچ 1987ء تک بھارت نے سری لنکا پر حملے کا فضائی نقشہ ترتیب دے لیا تھا۔ سری لنکا کی فوجی تنصیبات کے فضائی فوٹو گراف حاصل کر لئے گئے تھے۔ یہ کارنامہ ''را'' کے ایوی ایشن ریسرچ سنٹر نے انجام دیا تھا۔ بھارتی فوج نے یہ آپریشن دراصل سری لنکا کی سیکورٹی فورسز کی طرف سے نئی بھرتی، اسلحے کی خریداری اور مستقبل قریب میں ''جافنا'' میں ایل۔ ٹی۔ ای کے مراکز پر ممکنہ حملے کے تدارک کے لئے ترتیب دیا تھا۔

''را'' نے اس درمیان تامل چھاپہ ماروں کے دس کیڈر (Cadre) یو۔ پی کے تربیتی مراکز میں ایسے تیار کر دیئے تھے جنہیں بطور خاص زمین سے فضا میں حملہ کرنے والے میزائل ''سام'' کی تربیت دے کر میزائلوں سے لیس کر کے جافنا میں بھیجا گیا تھا۔

ان دس کیڈرز کو ''را'' نے 200 کیڈرز میں سے بطور خاص انتخاب کر کے ضروری میں ان کی تربیت مکمل ہونے پر میدان میں اُتارا تھا۔ ''را'' نے ان چھاپہ ماروں کو اس لئے میدان میں اُتارا تھا کہ وہ سری لنکا کی فوج کی طرف سے جافنا پر مستقبل قریب میں ہونے والے حملے کو ناکام بنائیں۔

اپریل 1987ء میں دہلی میں سری لنکا کور کے نام سے ایک ایڈوائزری اینڈ پلاننگ گروپ کا قیام وزیر اعظم راجیو گاندھی کے زیر کمان عمل میں آیا جس میں ''را''، ''آئی بی''، ''ملٹری ڈائریکٹرز'' اور ''سویلین آفیسرز'' شامل تھے تا کہ اس گروپ



کے فیصلوں کو عملی جامہ پہنایا جا سکے۔

اس کور گروپ نے وزیر اعظم راجیو گاندھی اور فوج کے درمیان ایک مضبوط پل باندھنے کا فرض بڑے احسن طریقے سے نبھایا گو کہ بھارتی نیوی اور ایئر فورس نے اس میں کوئی اہم رول ادا نہیں کیا لیکن آرمی زیادہ متحرک رہی۔

مئی 1987ء میں انڈین ڈائریکٹر جنرل آف ملٹری آپریشن (D.G.M.O) نے آرمی ہیڈ کوارٹرز میں سری لنکا سے نمٹنے کے لئے ایک سیل قائم کر دیا۔ جون 1987ء میں ڈائریکٹر جنرل آف آپریشنز جنرل پی۔ پی۔ جوش نے آرمی ہیڈ کوارٹرز دہلی میں ''آپریشن پون'' (Operation Pawan) سری لنکا کے خلاف تیار کر لیا۔ لیفٹیننٹ جنرل دیپندر سنگھ کو لیفٹیننٹ جنرل کرشنا سوامی سندر جی انڈین آرمی چیف نے دہلی طلب کر کے ''آپریشن پون'' سے متعلق مکمل بریفنگ دی۔

پونا میں جنوبی کمانڈ کو مئی کے آخر میں ایکشن کے لئے تیار رہنے کے احکامات جاری کر دیئے گئے۔

2 جون کو جنوبی کمانڈ کو حکم پہنچ گیا کہ لیفٹیننٹ جنرل دیپندر سنگھ کو حملہ آور فوج کے کمانڈ سونپ دی گئی ہے۔

36 انفنٹری ڈویژن، 54 انفنٹری ڈویژن، 2 آرمڈ بریگیڈ اور 340 انڈی پینڈنٹ انفنٹری بریگیڈ گروپ کو فسٹ کور ہیڈ کوارٹرز کی مشترکہ کمان کے تحت کر کے مدراس میں اس کی کمانڈ قائم کر دی گئی۔

انڈین نیوی کے 5 فریگیٹ، لوڈنگ شپ ٹینکس 6، آبدوزیں 2، بارہ پٹرول بوٹس، 12 چھوٹے جہاز، (Auxiliary Ships) اور 9 ہوائی جہازوں پر مشتمل ایک بحری بیڑا بنا دیا گیا۔

ایئر فورس کے 24 جیگوار، 6 کینبرا، 4 لیوشن 76- (Llushin) 6،

اے۔این۔آئی 11، 30 اے۔این 32، 7 ایچ۔ایس 748، ایم آئی-8، اور 7 ہیلی کاپٹر 22 پر مشتمل ائرفورس کا ایک بیڑہ الگ سے ترتیب دیا گیا۔ یہ ساری فوج سری لنکا پر حملے کے لئے کمربند ہو چکی تھی اور کسی بھی لمحے اب سری لنکا پر بھارتی ترنگا لہرانے والا تھا۔

وہ کون سے واقعات تھے جو حالات کو اس نہج پر لے گئے تھے کہ بعدازاں جون 1987ء میں بھارتیوں نے جافنا میں ہیلی کاپٹروں کے ذریعے خوراک اور دیگر اشیائے ضروریہ پھینکیں۔ یہ سری لنکا کے معاملات میں صریحاً مداخلت تھی اور اس کے اقتدار اعلیٰ اور سالمیت کے لئے چیلنج اور بین الاقوامی اُصولی کی خلاف ورزی تھی۔ سری لنکا میں بھارت کی پوزیشن کیا تھی، اسے چار واقعات کے تناظر میں بہتر انداز سے سمجھا جاسکتا ہے۔

1986ء کے اواخر سے ہی راجیو گاندھی کو ایک پیچیدہ صورتِ حال کا سامنا تھا۔ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ بھارتی سیاست میں ای۔ٹی۔ای کے عمل دخل میں روزبروز اضافہ ہو رہا ہے۔ راجیو گاندھی اس امر کو بھارتی یک جہتی کے لئے خطرہ تصور کرنے لگے تھے۔ ایل۔ٹی۔ای بھارتی حکومت کے لئے لوہے کا چنا ثابت ہو رہی تھی۔ دوم یہ کہ بھارتی حکومت کے لئے اب اپنی اب دوغلی پالیسی کو جاری رکھنا بھی دشوار محسوس ہو رہا تھا کہ ایک جانب تو پاکستان سے کہا جا رہا تھا کہ وہ ''بھارتی دہشت گردوں'' کو پناہ نہ دے جبکہ دوسری جانب خود سری لنکا کے تامل گوریلوں کو تحفظ فراہم کیا جا رہا تھا۔ اس میں ایک عامل بین الاقوامی دباؤ بھی تھا کیونکہ سری لنکا نے اب اپنی خارجہ پالیسی میں تبدیلی کر لی تھی۔ اس اس کا جھکاؤ امریکہ اور مغرب کی جانب زیادہ ہو گیا تھا۔ تیسری بات یہ کہ نومبر 1986ء میں بنگلور کی سارک سربراہ کانفرنس میں راجیو گاندھی نے جے وردھنے کے ساتھ ربط ضبط بڑھا لیا تھا۔ جے وردھنے تامل



گوریلوں کو فوجی قوت سے کچلنا چاہتے تھے۔ بدقسمتی سے یہ چیز راجیو گاندھی کے سیاسی مستقبل کے لئے بہت سے اُلجھاؤ پیدا کر سکتی تھی جسے آسانی سے نظرانداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

جے وردھنے کا فوجی حل، سری لنکا کے اس لسانی جھگڑے کے لئے راجیو گاندھی کے تصور کردہ سیاسی حل کے برعکس تھا۔ یہ چیز اس لئے بھی بھارتی خواہشات کے خلاف تھی کہ فوجی حل بھارت کی اپنی سلامتی کے لئے ضرررساں تھا۔ اس طرح بھارت کی سلامتی کے لئے جو سنگین پیچیدگیاں پیدا ہوئیں، انہیں دیکھتے ہوئے بھارت اور سری لنکا کو مجبور ہونا پڑا کہ وہ اس تنازعے کا کوئی حل تلاش کریں۔

اس موقع پر ''را'' نے راجیو گاندھی کے سامنے تجویز رکھیں کہ ''اگر سری لنکا کی حکومت ایسی رعایتیں دے جو لسانی یونٹ کے مطالبے کو مطمئن کر سکیں تو کسی بہتر فیصلے پر پہنچنے کے مواقع زیادہ ہوں گے۔''

گاندھی نے سکسینہ اور جوش کو حکم دیا کہ یہ پیغام صدر جے وردھنے تک پہنچا دیا جائے اور اس کے لئے وزارت خارجہ کے بجائے انٹیلی جنس کے ذرائع اختیار کئے جائیں۔ گاندھی نے کہا کہ کولمبو کو اس امر سے بھی آگاہ کر دینا چاہئے کہ ''اگر گوریلوں نے اس معاہدے سے سرکشی اختیار کی تو وہ ان کے خلاف کارروائی کرنے میں قطعاً نہیں ہچکچائیں گے۔''

## راجیو گاندھی کا منصوبہ:

''را'' نے راجیو گاندھی کو پہلے ہی خبردار کر دیا تھا کہ جنوبی بھارت کی ریاستوں میں وہ بازی ہار رہے ہیں۔ راجیو گاندھی کو خود بھی اس بات کا اچھی طرح سے ادراک تھا کہ تامل ناڈو انتخابی لحاظ سے ان کے لئے بے حد اہم ہے۔ لہٰذا ان کی خواہش تھی کہ اس لسانی تنازعے کو حل کرنے کے لئے سری لنکا ان کے ساتھ تعاون

کرے۔ ''را'' نے راجیو گاندھی کا پیغام 10 نومبر 1986ء کو سری لنکا کی انٹیلی جنس کے ایک عہدیدار کے ذریعے صدر جے وردھنے تک پہنچا دیا۔

بھارتی وزیراعظم راجیو گاندھی کی خواہش تھی کہ حکومت سری لنکا درج ذیل پر سوچ بچار کرے:

1) لسانی یونٹ کے قیام کے مطالبے کے سلسلے میں گوریلوں کو کسی شکل میں مراعات کی پیش کش کرے۔

2) تاملوں کے ذہنوں میں کلبلانے والے ان خدشات کو رفع کرے کہ معاہدے میں دیئے جانے والے تحفظات کا یور ایکسی لینسی کے جانشین احترام نہیں کریں گے۔

بھارتی وزیراعظم یہ تجویز پیش کر رہے تھے کہ معاہدے کی شقوں کو آئینی تحفظ فراہم کیا جائے۔

3) یہ کہ معاہدہ ہونے کی صورت میں حکومت سری لنکا نوجوان گوریلوں کی بحالی کے لئے ایک موزوں پروگرام پر عمل کرے گی تا کہ وہ زندگی کی مین سٹریم میں پھر سے داخل ہو سکیں، یعنی تعلیم اور روزگار پھر سے شروع کرنے کے مواقع مل سکیں۔

اس ''ٹاپ سیکرٹ'' مراسلے میں یہ بات بھی جے وردھنے تک پہنچائی گئی کہ ''بھارتی وزیراعظم بنگلور کے سارک سربراہ اجلاس میں یور ایکسی لینسی کے ساتھ ان معاملات پر گفت وشنید کے لئے بہت بے تاب ہوں گے۔

''را'' نے سری لنکا کی انٹیلی جنس کو اپنے اس اندازے سے بھی آگاہ کیا کہ ''ای۔پی۔آر۔ایل۔ایف اور پی۔ایل۔او۔ٹی۔ای کو مضبوط بنایا جا سکتا ہے جبکہ ایل۔ٹی۔ٹی۔ای اور ای۔آر۔او۔ایس انتہا پسند ہیں۔''



''را'' نے یہ یقین دہانی بھی کرائی کہ سری لنکا کے تامل لیڈر پربھاکرن کو مزید مطیع بنانے کے لئے جو کچھ بھی ضروری ہوا، وہ کیا جائے گا۔ ''را'' کا یہ بھی کہنا تھا کہ ''بیشتر سودا کاری ایل۔ٹی۔ٹی۔ای کے ساتھ کرنا ہوگی کیونکہ وہی غالب گروپ ہے۔'' ''را'' نے بڑے واضح انداز میں کہا کہ ''اگر معاہدہ ہو جائے تو گوریلوں کو ہتھیار پھینکنا پڑیں گے۔''

ان باتوں کے جواب میں سری لنکا کی انٹیلی جنس نے اندازہ لگایا کہ ''را'' نے بغیر کسی شرط کے تمام وکمال سے ان سے بات کی ہے اور اس کی کوشش ہے کہ جلد از جلد کسی معاہدے پر پہنچا جائے تا کہ ان کے قومی اور سیاسی جسد کو درپیش پیچیدگیاں ختم کی جائیں۔ انہوں نے یہ اندازہ بھی لگایا کہ ایل۔ٹی۔ای نے جزیرہ نما جافنا کی سیاسی، معاشی اور سماجی زندگی پر مکمل غلبہ حاصل کرنے کے لئے جو منصوبے بنا رکھے ہیں، ان کے پیچھے ''را'' کا ہاتھ نہیں ہے۔ سری لنکا کی انٹیلی جنس کا خیال تھا کہ حریف گروپوں کو نیست و نابود کرنے کے لئے ایل۔ٹی۔ای کی حوصلہ افزائی ''را'' نے نہیں کی تھی۔ دوسری جانب ''را'' نے اپنے سری لنکن ہم منصبوں پر یہ راز آشکار کیا تھا کہ ایل۔ٹی۔ای نے جافنا فرنٹ پر حملے کے منصوبے بنا رکھے ہیں۔ ایل۔ٹی۔ای نے ''فورٹ'' کو تاخت و تاراج کرنے کا منصوبہ بنا رکھا تھا تا کہ سری لنکا کی سیکورٹی فورسز اپنے یرغمالیوں کی رہائی کے لئے حملہ کرنے پر مجبور ہو جائیں۔

''را'' کا خیال تھا کہ ''ایسی صورتِ حال جس سیاسی جھگڑے کو جنم دے گی وہ بہت سنگین نوعیت کا ہوگا۔ اور اگر گوریلے یہ مقصد حاصل کر لیتے ہیں، جبکہ ان کے پاس یرغمالی بھی ہیں، تو فوجی یلغار ناگزیر ہو جائے گی۔ اس فوجی حملے میں بے پناہ سویلین نقصان ہوگا۔ اور یہی گوریلوں کا مقصد ہے۔''

"را" نے متعلقہ بھارتی حکام کو خبردار کیا کہ سری لنکا کی سیکورٹی فورسز کے ملٹری ایکشن سے بے گناہ شہری بہت بڑی تعداد میں مارے جائیں گے اور اس صورت میں بھارتی حکومت کی پوزیشن بہت نازک ہوگی۔ "را" نے اس بات پر بھی زور دیا کہ حکومت سری لنکا اس مسئلے کا سیاسی حل تلاش کرنے کی کوشش کرے۔ ملٹری ایکشن کے بطن سے جنم لینے والا سیاسی جھگڑا سنگین مسائل کھڑے کرسکتا ہے۔ فوجی حل کے سوال پر "را" کا خیال تھا کہ تین برس کے عرصے میں بھی سری لنکا کی سیکورٹی فورسز اس قابل نہیں ہو پائیں گی کہ گوریلوں کو تنہا کر کے انہیں مفتوح کیا جائے۔

26 مئی 1987ء کو سری لنکا کی آرمی، نیوی اور ائیر فورس نے اجتماعی قوت سے "آپریشن لبریشن" کا آغاز کردیا۔ جافنا کے وادامارا شی سیکٹر پر کیا جانے والا یہ ایک فل سکیل حملہ تھا جس میں آٹھ ہزار فوجیوں نے حصہ لیا۔ صدر جے وردھنے نے اعلان کیا کہ "جنگ کسی ایک فریق کے خاتمے تک جاری رہے گی خواہ وہ جیتیں یا ہم۔"

کولمبو میں بنک آف سیلون ہیڈ کوارٹرز کا افتتاح کرتے ہوئے سری لنکا کے صدر جے وردھنے نے کہا کہ سری لنکا کی سیکورٹی فورسز اس وقت تک لڑیں گی جب تک جافنا کو آزاد نہیں کرالیا جاتا۔ اس بات پر حاضرین نے زوردار تالیاں بجائیں لیکن یہ جوش وقتی ثابت ہوا۔ اسی شام بھارتی ہائی کمشنر مسٹر ڈکشٹ نے صدر جے وردھنے سے ان کی رہائش گاہ واقع وارڈ پلیس میں ملاقات کی اور انہیں بھارتی وزیر اعظم راجیو گاندھی کا ایک پیغام پہنچایا۔ مسٹر ڈکشٹ کو نئی دہلی سے ایک ہنگامی فون کال موصول ہوئی تھی۔ اس کال میں جے وردھنے کے نام پیغام لکھوایا گیا تھا جسے مسٹر ڈکشٹ نے لفافے کی پشت پر لکھ لیا تھا۔ پیغام یہ تھا:

1) بے حد مایوسی اور گہری تشویش ہوئی۔

2) 1983ء سے لے کر اب تک ہزاروں شہری مارے جاچکے ہیں۔



اس نے شدید نفرت اور غصے کو اُبھارا ہے۔

3) جزیرہ نما جافنا میں آپ کے حالیہ حملے نے ہماری مفاہمت کی تمام بنیاد کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔

4) ہمیں یہ نسل کشی کسی صورت میں بھی قبول نہیں۔

5) براہِ کرم ہمیں اپنی پالیسیوں پر نظرثانی کے لئے مجبور نہ کیجئے۔

اس پیغام نے صدر جے وردھنے کو اپنا ہاتھ روکنے پر مجبور کردیا لیکن اب وہ پلٹ نہیں سکتے تھے۔ اب اپنی ہی صفوں میں سے انہیں بغاوت کا خدشہ تھا، اس لئے انہوں نے آپریشن جاری رہنے دیا۔

وزیراعظم راجیو گاندھی نے 28 مئی کو نئی دہلی میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے حکومت سری لنکا کی طرف سے جافنا کا فوجی قبضہ لینے کی کوششوں کے خلاف وارننگ دیتے ہوئے کہا:

"فوجی آپشن نسل کشی میں اضافہ کررہا ہے۔ گزشتہ چند روز کے دوران سینکڑوں افراد ہلاک کئے جاچکے ہیں۔ اتنے وسیع پیمانے پر معصوم جانوں کا یہ خوفناک اتلاف تامل ملٹری گروپوں کی بیخ کنی کے مسلمہ مقصد کے بالکل برعکس ہے۔ اب یہ بات ظاہر ہوگئی ہے کہ حکومت سری لنکا فوجی آپشن کے لئے وقت کے انتظار میں تھی اور مہلت حاصل کررہی تھی۔"

اس وقت تک سری لنکا کی فورسز نے گوریلوں کے 32 سے زائد مضبوط بنکر تباہ کردیئے تھے۔ ایل۔ ٹی۔ ٹی۔ ای کے مضبوط گڑھ۔ اور ان کے کمانڈر کی جائے ولادت ویلووتی تھورائے پر قبضہ کرلیا گیا تھا۔ بھارت کی وزارت برائے امور خارجہ نے ایک بیان جاری کیا جس میں فوجی حملے کی مذمت کرتے ہوئے دعویٰ کیا گیا کہ یہ ابتلا سویلین آبادی بھگت رہی ہے۔ جب ایک صحافی نے صدر کی توجہ اس مذمتی بیان کی

جانب مبذول کرائی تو صدر جے وردھنے اس پر بے حد خفا ہوئے۔ تنہا رتنا ٹنگے کے بقول مذمتی بیان پڑھ کر سنانے والے صحافی سے صدر نے کہا ''ان سے کہو جہنم میں جائیں......لیکن ہم رسمی طور پر بھارت کو کل جواب دیں گے۔''

بعدازاں جب راجیو گاندھی نے صدر جے وردھنے کو ٹیلی فون کیا تو سری لنکا کے صدر نے بھارتی وزیراعظم سے کہا کہ وہ وہی کچھ کر رہے ہیں جس کی جافنا میں ضرورت ہے۔ راما چندرن بیمار تھے، لیکن وہ راجیو گاندھی سے ملاقات کے لئے فوری طور پر نئی دہلی پرواز کر گئے۔

بھارت کی جانب سے مسلسل دھمکیاں مل رہی تھیں۔ ان کے پیش نظر صدر جے وردھنے نے اپنی ''کابینہ'' سے صلاح مشورہ کیا اور فیصلہ کیا گیا کہ جافنا کا قبضہ لینے کے لئے شروع کئے گئے آپریشن کو روک دیا جائے۔ جب حکومت نے اچانک یہ اعلان کیا کہ ''آپریشن لبریشن'' کا رواں مرحلہ مکمل کر لیا گیا ہے تو جناب کی سنہالی آبادی میں غیظ وغضب کی لہر دوڑ گئی۔

دراصل نئی دہلی نے سفارتی اور پرائیویٹ ذرائع سے سری لنکا کو یہ سگنل بھیج دیا تھا کہ ''جافنا کا قبضہ مرکز کو نہیں لینے دیا جائے گا'' سری لنکا کو یہ دھمکی بھی دی گئی تھی کہ اگر اس نے آپریشن نہ روکا تو ''بھارت ایل۔ٹی۔ای کو زمین سے فضا میں مار کرنے والے میزائل (سام-7 اور 8) دے دے گا'' صورتِ حال کی سنگینی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ''را'' نے تامل گوریلوں کو میزائل فراہم کرنے کی پوری تیاری کر لی تھی۔ انڈین آرمی نے فیصلہ کر لیا تھا کہ شمال مشرقی سری لنکا اور اگر ضروری ہوا تو پورے سری لنکا پر حملے اور قبضے کے امکانات کی تیاری کر لی جائے۔

2 جون کا راجیو گاندھی کو جے آر جے وردھنے کی جانب سے ایک ''ٹاپ سیکرٹ'' پیغام موصول ہوا۔ ''جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، آپ کی جانب سے امداد بھیجنے



کے اعلان کے بعد ایل۔ٹی۔ای نے سری لنکا کے بہت سے معصوم لوگوں کا خون بہایا ہے۔ وہ مزید قتل عام کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔ آپ خود بھی ان مظالم کی مذمت کر چکے ہیں۔ بھارت اور سری لنکا دونوں ہی دہشت گردی کے مخالف ہیں، دونوں ہی اس کے ہاتھوں نقصان اُٹھا چکے ہیں۔ تو پھر ایسے حالات میں آخر ہم کیوں امداد کی سپلائی اور تقسیم پر جھگڑا کریں۔ بھارت اور سری لنکا دونوں ہی اس بات پر متفق ہیں کہ اس امداد سے مستحق شہریوں کو فائدہ پہنچایا جا سکتا ہے۔ ہمارے نمائندوں کی ملاقات کے دوران اس بات پر اتفاق کیا جا سکتا ہے کہ جافنا شہر کے باشندوں کو جافنا میں حکومتی ایجنٹ کے ذریعے امداد پہنچائی جائے۔ دیگر متعلقہ امور پر بھی گفت وشنید کے بعد اتفاق کیا جا سکتا ہے۔''

اس روز 2 جون 1987ء کو راجیو گاندھی نے جے وردھنے کو ''ٹاپ سیکرٹ'' جواب بھیجا:

''آپ کا 2 جون کا پیغام مجھے آج شام ہی موصول ہوا ہے۔ آپ کا بے حد شکریہ امبارائے میں بس مسافروں کے وحشیانہ قتل عام کا سن کر مجھے بے حد دُکھ اور گہری تشویش ہوئی۔ یہ ایک انتہائی قابل مذمت فعل ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ اس بات پر آمادہ ہو گئے ہیں کہ آپ کی حکومت ریڈ کراس سری لنکا کے توسط سے انسانی بنیادوں پر دی جانے والی امداد قبول فرمائے گی۔ میں نے اس بارے میں انتہائی سخت ہدایات جاری کی ہیں کہ ریلیف مشن کسی ایسے آدمی کو امداد نہ دے جس پر ایل۔ٹی۔ای کے ساتھ تعلق ہونے کا ذرہ برابر بھی شبہ ہو۔''

اوائل جولائی 1987ء میں، جے وردھنے کو اب تک بھارت کی جانب سے ڈرایا دھمکایا جا رہا تھا۔ سری لنکا کے صدر جے وردھنے اب بھی دل کی گہرائیوں سے شمال مشرقی بحران کا فوجی حل چاہتے تھے۔ 2 جولائی 1987ء کا ذکر ہے، صدر

جے وردہنے سے پروفیسر ایڈورڈ آذر نے ملاقات کی۔ وہ یونیورسٹی آف میری لینڈ امریکہ کے ممتاز سکالر تھے اور تنازعات کے حل کے ماہر۔ پروفیسر ایڈورڈ آذر نے صدر جے وردہنے سے انٹرویو میں بہت سے ایشوز پر بات چیت کی۔ اس انٹرویو میں صدر جے وردہنے نے بھارت کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے کہا: ''راجیو گاندھی کو یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہئے کہ کوئی مقصد چاہے وہ کتنا ہی پاکیزہ اور مقدس کیوں نہ ہو اسے تشدد کے ذریعے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ بھارت تو عدم تشدد کے کردار سے بخوبی آگاہ ہے۔ بھارت کے موجودہ لیڈروں کے لئے یہ بڑے شرم کی بات ہے کہ انہوں نے عدم تشدد کے لئے جدوجہد کی طویل ہندوستانی روایت سے انحراف کیا ہے۔ بھارت جیسے مہذب معاشروں کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ جنگل کے قانون کی مراجعت کی اجازت دیں۔ عوام کو دبانے کے لئے تشدد اور دہشت کے حربے کبھی کامیاب نہیں ہوتے اور نہ ہوں گے۔ آپ انہیں ہر وقت نہیں مان سکتے۔ راجیو گاندھی جب تک عدم تشدد کی روایت پر عمل پیرا نہ ہوں گے اور اُصولوں کا احترام نہیں کریں گے، اس وقت تک جیت نہیں سکتے۔ ہم سری لنکا والے جاہ و عظمت، حوصلے اور احساس عدل سے سرشار ہیں۔ کچھ اذیتوں کے باوجود ہم شکست نہیں کھائیں گے۔ ہم آگے بڑھتے رہیں گے۔''

وسط جولائی میں پیش آنے والے واقعات نے جے وردہنے کو اپنی سوچ میں تبدیلی پر مجبور کر دیا۔ اس سلسلے میں اس وقت کے نائب وزیر خارجہ امور سری لنکا ٹائرونن فرنانڈو نے صدر جے وردہنے کو پنڈت جواہر لعل کے یہ الفاظ یاد دلائے ''اگر آپ کا دشمن بھی آپ کی جانب ہاتھ بڑھائے تو اسے تھام لو خواہ یہ ہاتھ بدنیتی ہی سے بڑھایا گیا ہو۔ اگر یہ ہاتھ خلوص سے بڑھایا گیا ہو گا تو درست، بصورت دیگر آپ دشمن کا کم از کم ایک ہاتھ سو بے حرکت کر ہی دیں گے۔'' یہیں سے بھارت اور سری



لنکا کے درمیان ہونے والے متنازعہ امن معاہدے کا آغاز ہوا۔

راجیو گاندھی کی سری لنکا میں آمد کے فقط پانچ گھنٹے بعد 29 جولائی 1987ء کو کولمبو میں معاہدے پر دستخط کئے گئے۔ معاہدے کے متن کو بے حد خفیہ رکھا گیا، اس لئے ہر فریق معاہدے کے بارے میں مختلف خدشات میں مبتلا تھا۔ تامل گوریلوں پر یہ بات واضح نہ تھی کہ معاہدہ ان کے حق میں ہوا ہے یا خلاف۔ سنہالیوں نے اس معاہدے کو اپنے وطن کی سالمیت کے صریحاً خلاف سمجھا۔ کسی کو علم نہیں تھا کہ یہ بھارتی فورسز کی جانب سے مداخلت ہے یا انہیں مداخلت کی دعوت دی گئی ہے، بہرحال 5 اگست 1987ء کو ایک تقریب منعقد ہوئی جس میں تامل گوریلوں نے اپنے ہتھیار حکومت سری لنکا کے حوالے کئے۔

اگست کے دوسرے ہفتے کے آغاز تک ایل۔ ٹی۔ ای کی جانب سے اپنے حریف گروپوں اور حریف گوریلوں کی جانب سے ایل۔ ٹی۔ ای کے آدمیوں کو مارنے کے اِکا دُکا واقعات ہوئے۔ ایل۔ ٹی۔ ای کا بھارت کے ساتھ ایک خاص معاہدہ ہوا تھا اور اس نے ''پیس اکارڈ'' کو ابتداً تسلیم کر لیا تھا لیکن بعد ازاں وہ اپنے معاہدے سے منحرف ہو گئے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایل۔ ٹی۔ ای اور سری لنکا میں موجود بھارتی فورسز کے درمیان مسلح تصادم ہوا۔

6 اکتوبر 1987ء کو سری لنکا کی صورتِ حال نے ایک اور ڈرامائی رُخ ختیار کیا۔ سری لنکن فوجیوں کے قبضے میں موجود ایل۔ ٹی۔ ای کے چند گوریلوں نے خودکشی کر لی۔ آتش غیظ سے مغلوب ہو کر ایل۔ ٹی۔ ای نے اپنے قبضے میں جود سری لنکا کے آٹھ فوجیوں کو پھانسی دے دی۔ بعد ازاں ان کی لاشوں کو جافنا کے ن بس سٹینڈ میں لٹکا دیا گیا۔ معاملہ اس پر ختم نہ ہوا۔ ایل۔ ٹی۔ ای نے اس کے ند تین پولیس والوں کو جلا دیا، دو کارپوریشنوں کے ملازمین کو قتل کر دیا اور سرحدی

دیہات میں 300 سے زائد سنہالی مرد، عورتوں اور بچوں کو انتہائی بے دردی سے موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔ 7 اکتوبر کو ایل۔ٹی۔ای نے ”انڈین پیس کیپنگ فورس“ کے اہلکاروں پر فائر کھول دیا۔ اس کے ردِّ عمل میں نئی دہلی نے آئی۔پی۔کے۔ ایف (Indian Peace Keeping Force) کو احکامات جاری کئے کہ ایل۔ٹی۔ای پر کریک ڈاؤن کا منصوبہ بنایا جائے، انہیں جافنا سے باہر دھکیل دیا جائے اور جزیرہ نما جافنا کے باہر اور اندر اسلحے اور گوریلوں کی نقل و حرکت کو روکا جائے۔ 8 اکتوبر کو نئی دہلی نے انڈین نیوی کو حکم دیا کہ نیول بلاکیڈ قائم کیا جائے۔

ایل۔ٹی۔ای کے مواصلاتی نیٹ ورک کو تباہ کرنے اور ان کے مورچوں پر، اسلحہ و گولہ بارود نکالنے کے لئے، حملہ کرنے کے احکامات بھی جاری کئے گئے تھے۔ اسی روز پانچ بھارتی پیرا کمانڈو، تامل گوریلوں کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان کمانڈوز کو سرعام پھانسی دے کر ان کے گلے میں ”ایل۔ٹی۔ای“ کے نام کی تختیاں لٹکا دی گئیں۔ 9 اکتوبر کو صدر جے وردھنے اور بھارتی وزیر اعظم راجیو گاندھی نے فیصلہ کیا کہ ”گوریلوں کو جبراً غیر مسلح کیا جائے“ تاکہ اس معاہدے کا نفاذ ممکن ہو جس پر دونوں رہنماؤں نے دستخط کئے تھے۔ ایل۔ٹی۔ای کو مین سٹریم میں لانے کے لئے جو اقدام اُٹھائے گئے تھے ان کا حوالہ دیتے ہوئے راجیو گاندھی نے کہا ”لیکن چند گھنٹے بعد ہی ایل۔ٹی۔ای اپنے وعدے سے پھر گیا۔ اس نے تشدد کی راہ کا انتخاب کیا۔“

نومبر 1987ء تک شمال مشرقی سری لنکا میں بھارتیوں نے اپنے قدم اچھی طرح جما لئے تھے۔ اس کے صرف تین ماہ بعد فروری 1988ء میں انڈین آرمی کے ٹاپ براس نے فیصلہ کیا کہ فوجی دستوں کو چاروں طرف پھیلا کر ایل۔ٹی۔ای کو تنہا کر دیا جائے۔ ان کی پیشین گوئی تھی کہ اس طرح ”بھارتی بحالی امن فوج“ کو شمال



مشرقی سری لنکا میں بہت زیادہ انتظامی کنٹرول حاصل ہو جائے گا اور کسی بھی مزید خونیں واقعے کی روک تھام کے لئے ایل۔ٹی۔ای کے فعال علاقوں پر غلبہ پا لیا جائے گا جبکہ اس دوران کئی علاقوں میں ملٹری آپریشنز پر عملدرآمد ممکن ہوگا۔

5 مارچ کو سری لنکا کے صدر جسے وردھنے نے راجیو گاندھی کو ایک خفیہ پیغام بھیجا۔ یہ پیغام نئی دہلی میں ”را“ کے سربراہ کے ذریعے بھیجا گیا تھا۔ کولمبو سے اس پیغام کی ترسیل سے تھوڑی دیر قبل ایل۔ٹی۔ای نے بارودی سرنگ کا ایک خوفناک دھماکہ کیا تھا جس میں 19 سنہالی ہلاک اور گیارہ زخمی ہو گئے تھے۔ پیغام کا مقصد تھا کہ مناسب اقدام اُٹھائے جائیں تاکہ ایل۔ٹی۔ای کے ہاتھوں قتل عام کا سلسلہ روکا جا سکے۔ صدر جے وردھنے نے اپنے پیغام میں راجیو گاندھی سے اس امر کی اجازت طلب کی تھی کہ سری لنکا کے فوجیوں کو شمال مشرقی میں سنہالی دیہات کا تحفظ کرنے دیا جائے۔ راجیو گاندھی نے جے وردھنے کی اس درخواست کو درخور اعتنا نہ سمجھتے ہوئے رَد کر دیا۔

مارچ 1988ء میں بھارتی فوج کو بہت بڑی تعداد میں سری لنکا میں تعینات کر دیا گیا۔ یہ نفری ایک لاکھ سے متجاوز تھی لیکن اعداد و شمار کو بے حد خفیہ رکھا گیا تھا۔

دسمبر 1988ء میں سری لنکا میں صدارتی انتخابات منعقد ہوئے۔ ان انتخابات کے نتیجے میں پریماداسا سری لنکا کے نئے صدر منتخب ہو گئے۔ وہ حکومت سری لنکا میں ایک نئی سوچ کا پیش خیمہ ثابت ہوئے۔ سابق صدر جے وردھنے کے برعکس وہ بھارت کے بارے میں بہت شکوک و شبہات رکھتے تھے۔ مارچ 1989ء میں انہوں نے ”بھارت سری لنکا دوستی معاہدہ“ کا مسودہ تیار کرایا۔ اور اسی وقت انہوں نے تامل گوریلوں کے بارے میں ایک نئے طرزِ عمل کا مظاہرہ کیا۔

12 اپریل کو انہوں نے ملک بھر میں سری لنکن سیکورٹی فورسز کی جانب سے تامل گوریلوں کے خلاف عارضی جنگ بندی کا اعلان کر دیا۔ اس اعلان کے فوراً بعد ہی صدر پریماداسا نے ایل۔ ٹی۔ ای کے رہنماؤں کے ساتھ رابطے استوار کر لئے۔ جب بھارت کی بحالی امن فوج (آئی پی کے ایف) کو حکومت اور ایل۔ ٹی۔ ای کے دریان ہونے والے رابطوں کا علم ہوا تو اس نے گوریلوں کے خلاف اپنے حملوں میں شدت پیدا کر دی۔ سری لنکا کے حکام اور ایل۔ ٹی۔ ای کے درمیان ہونے والی گفت وشنید میں بنیادی زور اس نکتے پر دیا گیا کہ سری لنکا سے بھارتی افواج اب رُخصت ہو جائیں۔ اسی گفت وشنید کے اتباع میں صدر پریماداسا نے یکم جون 1989ء کو درج ذیل تاریخی اعلان کر کے بھارت کے ساتھ ساتھ سری لنکا کے عوام کو بھی حیران کر دیا۔ انہوں نے کہا:

''جولائی 1989ء کا مہینہ ختم ہوگا تو بھارتی امن فوج سری لنکا میں آمد کو دو برس ہو جائیں گے۔ بھارتی حکومت سے میری درخواست ہے کہ وہ جس قدر جلد ممکن ہو، جولائی کے آخر تک تمام کے تمام بھارتی امن دستوں کی واپسی کا عمل تکمیل کو پہنچا دے۔ جولائی کے اواخر تک میں بھارتی فوج کے آخری سپاہی کو سری لنکا سے واپس جاتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں۔''

بھارتی امن دستوں کی واپسی کے مسئلے پر دونوں حکومتوں کے درمیان سات خطوط کا تبادلہ ہوا۔ جولائی 1987ء میں کئے جانے والے معاہدے کے بارے میں ہر فریق مختلف نقطہ نظر کا اظہار کر رہا تھا۔ راجیو گاندھی بضد تھے کہ اس معاہدے کے تحت بھارت کے کردار کے ضمن میں ''بھارتی بحالی امن فوج'' کو یہ مینڈیٹ حاصل ہے کہ وہ شمالی مشرقی صوبے کی تمام قومیتوں کی جسمانی سلامتی اور تحفظ کو یقینی بنائے۔ ایک طرف ان خطوط کا تبادلہ جاری تھا تو دوسری طرف نئی دہلی نے بھارتی امن فوج کو یہ



ہدایات جاری کر دیں کہ تامل گوریلوں کے خلاف حملوں میں شدت پیدا کر دی جائے۔ اس صورتِ حال پر 4 جولائی کو صدر پریماداسا نے راجیو گاندھی کو لکھا کہ ''حکومت سری لنکا کی جانب سے بھارتی امن دستوں کو واپس بلانے کی درخواست کے برخلاف سری لنکا کے اندر بھارتی حکومت اور اس کے امن دستوں کے مینڈیٹ کے حوالے سے معاہدہ 1987ء کو کوئی بھی تشریح ایک خود مختار دوست ملک کے اندرونی معاملات میں کھلی مداخلت اور بین الاقوامی قانون کے مسلمہ ضابطوں کی صریحاً خلاف ورزی ہوگی۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کے عزائم ایسے نہیں۔''

صدر پریماداسا نے اپنی بات کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے کہا:

''مجھے یقین ہے کہ میری اس وضاحت کے بعد آپ اس امر کو یقینی بنائیں گے کہ بھارتی فوج ایل۔ ٹی۔ ای کے خلاف اب مزید کوئی آپریشن جاری نہ رکھے۔''

پریماداسا کے اس اعلان کے بعد بھارت اور سری لنکا کے تعلقات میں نمایاں سردمہری دیکھنے میں آئی۔ کولمبو کا اصرار تھا کہ جولائی کے آخر تک بھارتی امن دستوں کو واپس بلایا جائے جبکہ نئی دہلی جنگ کی تیاری میں مصروف تھا۔ بھارت کا نیول فلیگ شپ ''آئی۔ این۔ ایس ویرات'' کولمبو کے قرب وجوار میں گشت کرنے لگا۔

پریماداسا کی جانب سے بھارتی فوجوں کی واپسی کے مطالبے پر ''را'' نے منصوبہ بندی شروع کر دی کہ جافنا کو تاملوں کی آزاد ریاست قرار دینے کے لئے بھارت نواز نارتھ ایسٹ پروانشل کونسل کی حمایت کی جائے۔ صورتِ حال کو مکمل طور پر بھارتی کنٹرول میں لانے کے لئے ''را'' نے آپریشنل ایکشن پلان تجویز کیا۔

(الف) شمال اور مشرق میں فوجوں کی واپسی کے مطالبے کے خلاف مظاہرے کرائے جائیں۔ حکومت کے خلاف الزامات لگائے جائیں کہ وہ جولائی

1987ء کے بھارت سری لنکا معاہدے کو توڑ رہی ہے۔

(ب) اس بات کو اُچھالا جائے کہ حکومت سری لنکا تامل گوریلوں کا قلع قمع کرنے کے قابل نہیں۔

(ج) سٹیزن والنٹیئر فورس کی تربیت میں اضافہ کیا جائے تا کہ وہ بھارتی نگرانی اور کنٹرول کے تحت ایک عارضی فوج کا کردار ادا کرے۔ راجیو گاندھی نے ''را'' کے تجویز کردہ اس پلان کی منظوری دے دی اور اس کے نفاذ کے لئے ہدایات آگے پہنچا دی گئیں۔ اس منصوبے کے تحت جافنا صوبے کے چھ اضلاع میں ہر ضلع کے لئے پانچ ہزار تامل نوجوانوں کو بھرتی کیا جانا تھا۔

23 جون 1989ء کو صدر پریماداسا نے بھارتی امن دستوں سے کہا کہ اگر وہ جولائی کے آخر تک واپس نہیں جا سکتے تو اپنی بیرکوں تک محدود رہیں۔ اس الٹی میٹم کے ساتھ ہی بھارتی امن فوج کی دو اور بٹالین سری لنکا میں پہنچ گئیں تا کہ تامل گوریلوں پر کاری ضرب لگائی جا سکے۔ جن کی محاذ پر صورتِ حال یہ تھی کہ ایک ہفتے کے دوران 60 تامل گوریلے اور 15 امن فوجی مارے گئے تھے۔ ''را'' نے تامل نیشنل آرمی کو بھی اس انداز سے منظم کرنا شروع کر دیا تھا کہ مختصر سی مدت میں وہ باضابطہ فورس کی شکل اختیار کر جائے۔ اوائل نومبر میں تامل گوریلوں نے تامل نیشنل آرمی کے دو کیمپوں پر حملہ کیا اور قبضے میں کیا جانے والا اسلحہ اپنی نئی بیس پر لے گئے۔

کولمبو میں بھی گفتگو کا محور یہی بات تھی کہ تامل نیشنل کونسل، سٹیزن والنٹیئر فورس اور تامل نیشنل آرمی کے لئے نوجوان تاملوں کو بھرتی کر رہی ہے۔ صدر پریماداسا اس بات پر سخت برافروختہ تھے کہ امن فوج، تامل نوجوانوں کو تربیت دے کر ایک آرمی تشکیل دے رہی تھی۔ انہوں نے محسوس کر لیا تھا کہ یہ ''ایلم پیپلز ریولیوشنری لبریشن آرمی'' کے تحت ایک اور حریف آرمی کا مرکزہ ثابت ہو سکتی ہے جس سے مستقبل میں



شدید مسائل کھڑے ہو جائیں گے۔ صدر پریماداسا نے کہا کہ اس طرح میرے لئے یہ بہت مشکل ہو جائے گا کہ میں ایل۔ ٹی۔ ای کو ہتھیار پھینکنے پر آمادہ کر سکوں۔ حالات کے اس رُخ پر ایل۔ ٹی۔ ای کو یقین ہو گیا کہ صدر پریماداسا اس لسانی تنازعے کو حل کرنے کے لئے اپنی کوششوں میں مخلص ہیں۔ لیکن یہی وہ نکتہ تھا جس پر ''را'' فرسٹریشن کا شکار ہوئی تھی۔

دونوں حکومتوں کے درمیان خطوط کا تبادلہ جاری تھا۔ اس سلسلے کے ساتویں خط میں جو 11 جولائی کو لکھا گیا، راجیو گاندھی نے صدر پریماداسا سے کہا ''میں اس بات پر پھر زور دوں گا کہ بھارت زیرِ التواء معاملات کو حل کرنے کے لئے آپ کی حکومت کے ساتھ تعاون پر تیار ہے لیکن میں یہ باور کرانا ضروری خیال کرتا ہوں کہ بھارت نے دیگر ممالک کے ساتھ کئے جانے والے معاہدوں پر عمل کی اپنی روایت کا ہمیشہ احترام کیا ہے۔''

راجیو گاندھی نے صدر پریماداسا کو یہ تجویز بھی پیش کی کہ فوجوں کی واپسی کے ٹائم ٹیبل پر گفت و شنید کر لی جائے اور اگر یہ بات قابل قبول نہیں تو آپ یکطرفہ طور پر فوجوں کی واپسی کی تفصیلات کا فیصلہ کر لیں جو بھارت سری لنکا معاہدے کی شرائط کے تحت ہو۔

## بھارتی فوجوں کی واپسی:

خطوط کے تبادلے نے آخرکار باہمی گفت و شنید کی شکل اختیار کی۔ یہ مذاکرات چھ ہفتے جاری رہے۔ ان کا فائنل راؤنڈ بھارتی وزیراعظم راجیو گاندھی اور سری لنکا کے وزیر خارجہ راجن وجے رتنے کے درمیان ستمبر 1989ء کے پہلے ہفتے مدراس میں ہوا۔ 18 ستمبر کو کولمبو میں بھارتی ہائی کمشنر اور سری لنکا کے خارجہ سیکرٹری نے ایک مشترکہ اعلامیئے پر دستخط کئے کہ 20 ستمبر 1989ء کو صبح چھ بجے بھارتی امن

فوج اپنے تمام آپریشن روک دے گی اور دسمبر 1989ء تک سری لنکا سے بھارتی فوجیں واپس چلی جائیں گی۔ ایل۔ ٹی۔ ٹی۔ ای کے ساتھ جھڑپوں میں 1300 بھارتی جوان ہلاک اور تقریباً 3000 زخمی ہوئے۔

سری لنکا سے فوجوں کی واپسی کا عمل مکمل ہونے کے بعد جلد ہی راجیو گاندھی میں اقتدار سے بھی باہر ہوگئے۔ ان کی پارٹی عام انتخابات میں شکست ہوگئی تھی۔ نئی حکومت بھی زیادہ عرصہ نہ چل سکی اور نئے انتخابات کے لئے اوائل 1991ء کا وقت مقرر کیا گیا۔ ایل۔ ٹی۔ ٹی۔ ای نے اپنے خلاف بھارتی فوجوں کی جنگ کو ابھی تک فراموش نہیں کیا تھا۔ راجیو گاندھی اقتدار سے باہر ہوئے تو انہیں قتل کرنا ممکن دکھائی دیا، لہٰذا ایل۔ ٹی۔ ٹی۔ ای نے راجیو گاندھی کے قتل کا پلان بنا لیا۔ راجیو گاندھی کے قتل کی توجیہ یہ تھی کہ وی۔ پی۔ سنگھ انتظامیہ کی رُخصتی کے بعد راجیو گاندھی کی اقتدار میں واپسی یقینی تھی۔ راجیو گاندھی آتے ہی بھارت سری لنکا معاہدے کے نفاذ کو یقینی بنائے جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ ایل۔ ٹی۔ ٹی۔ ای نہ صرف غیر مسلح ہو جاتا بلکہ تامل ناڈو کے ساتھ ان کا رابطہ بھی کٹ جاتا۔

راجیو گاندھی کے قتل کا منصوبہ تین حصوں پر مشتمل تھا۔ آخری حصہ اس وقت مکمل ہوا جب مئی 1991ء میں ایک تامل عورت نے اپنے جسم کے ساتھ بم باندھ کر راجیو گاندھی کو گلدستہ پیش کیا۔ لمحوں کی بات ہے کہ راجیو گاندھی کے چیتھڑے فضا میں بکھر گئے۔

اسی دوران ایل۔ ٹی۔ ٹی۔ ای حکومت سری لنکا کے ساتھ اپنے جولائی 1990ء کے معاہدے سے بھی منحرف ہوگیا۔ دونوں کے درمیان آج بھی جنگ جاری ہے۔ ایل۔ ٹی۔ ٹی۔ آئی اور حکومت سری لنکا کے درمیان معاہدے کو نقصان پہنچانے میں ''را'' نے بنیادی کردار ادا کیا۔ سری لنکا کے عوام کے دلوں میں بھارت



سے متعلق شکوک وشبہات پائے جاتے ہیں۔ بھارتی فوجوں کی سری لنکا میں زبردستی آمد کے بعد ان شکوک وشبہات میں اور بھی اضافہ ہوگیا تھا۔

## مداخلت کی قیمت:

سری لنکا میں بھارت کا گھناؤنا کردار آج بھی بھارتی عوام کے لئے سوالیہ نشان ہے۔ بھارت ایک کثیر القومی، کثیر المذہبی اور کثیر اللسانی ملک ہے۔ سیاسی اعتبار سے بھارت ایک اُلجھا ہوا ملک ہے لیکن معاشی طور پر کمزور جبکہ ثقافتی طور پر وسیع اور گوناگوں۔ بھارت کی یکجہتی کانچ کی طرح نازک ہے، اس کا انحصار بہت سے عوامل پر ہے۔ عالمی رجحان یہ ہے کہ قومیتوں کو حق خود اختیار دیا جائے جبکہ بھارت کے لئے یہ تباہ کن ثابت ہوگا۔ اس چیز نے بھارت کو اپنی سلامتی کے بارے میں بڑا احساس بنا دیا ہے۔ چین اور پاکستان کے ساتھ بھارت کی بہت سی سرحدی جنگیں ہو چکی ہیں۔ بھارت کی کچھ کارروائیوں نے اس کے قریبی ہمسایوں کو اس سے بدگمان کر دیا ہے۔ گوا کا انجام، مشرقی پاکستان کی ''آزادی'' بنگلہ دیش کی ''تخلیق'' اور سکم کا بھارت کی بائیسویں ریاست میں تبدیل ہونا علاقے میں بھارت کے اجارہ دارانہ کردار پر مہر تصدیق ثبت کرتا ہے۔ اپنی سلامتی برقرار رکھنے کے لئے بھارت نے اپنے ہمسایوں کو غیر مستحکم کرنے کی کوشش کی اور اس میں کامیابی حاصل کی۔ اس سلسلے میں بھارت نے نہ صرف شمال مشرقی سری لنکا بلکہ مالدیپ، نیپال، چین، بھوٹان، بنگلہ دیش، برما اور پاکستان میں تخریبی کارروائیں کیں۔ دوستی تو اس مساوات اور برابری کا نام ہے جہاں ایک ملک دوسرے ملک کی آزادی، خودمختاری اور سالمیت کا احترام کرتا ہے۔ اپنے افعال کی بنا پر بھارت فی الواقع اس خطے میں کسی کا دوست نہیں۔

# بنگلہ دیش اور ''را''

''را'' نے بھارت کے علاقائی سپر پاور بننے کی کوشش اور چوہدریانہ منصوبوں کو تقویت دینے میں نہایت اہم کردار ادا کیا ہے۔ ''را'' کو جو پہلا مشن سونپا گیا، وہ تھا پاکستان کو دولخت کرنا۔ جیسا کہ اشوکا رائنا نے اپنی کتاب ''ان سائیڈ را'' میں انکشاف کیا ہے، آئی۔ بی نے ''مجیب کے گروہ'' کے ساتھ رابطے استوار کر لئے تھے اور 1962-63ء کے دوران آئی۔ بی کے فارن آپریٹوز بشمول شنکرائن نائر (بعد میں را کے چیف) اور مجیب کے گروہ کے درمیان اگرتلہ میں ایک میٹنگ ہوئی تھی۔ اس میٹنگ میں تیار کی جانے والی سازش کے تحت مشرقی پاکستان رائفلز کے اسلحہ ڈپوؤں پر حملے کرنا اور مسلح بغاوت کا آغاز کرنا تھا جو آخرکار مشرقی پاکستان کی علیحدگی پر منتج ہوتا۔ یہ سازش ناکام ہوگئی لیکن اس نے علیحدگی پسند عناصر کو منظر عام پر لا کھڑا کیا اور اس بھارتی پروپیگنڈے کو تقویت دی جس کے ذریعے یہ الزام لگایا جارہا تھا کہ پاکستان مظالم ڈھا رہا ہے اور مشرقی پاکستان کی معیشت ہڑپ کر رہا ہے۔

1969ء میں ''را'' نے زیر زمین نیٹ ورک بچھا لیا اور اگلے دو برسوں کے دوران ایک لاکھ سے زائد جنگجوؤں کو مسلح کیا اور تربیت دی۔ اشوک رائنا کے انکشاف کے مطابق ''را'' کے ایجنٹ باغی قوتوں کو مربوط کرنے کے لئے مشرقی پاکستان کے ہر



گلی کوچے میں سرایت کر گئے۔ اپریل 1971ء میں آرمی ایکشن شروع ہونے سے فوراً پہلے عوامی لیگ کے ممتاز سیاسی اور طالب علم رہنماؤں کو ''را'' والے کلکتہ لے گئے جہاں انہوں نے جلاوطن حکومت قائم کر لی۔ پاکستان آرمی کے بنگالی افسروں نے مکتی باہنی کے گوریلوں کی قیادت کی اور انڈین آرمی کے کمانڈوز پاکستانی افواج کو شکست دے کر ڈھاکہ پر چڑھ دوڑے۔ بنگلہ دیش کی قسمت پر مہر لگادی گئی۔ تاریخ کے اس سیاہ باب پر جمی گرداب قریباً صاف ہو چکی ہے اور ساری دُنیا ''را'' کے گھناؤنے کردار سے آگاہ ہو گئی لیکن حیرت اور شرم کی بات ہے کہ بھارتی اسے ''را'' کا کریڈٹ خیال کرتے ہیں۔

## مجیب الرحمٰن کا قتل:

بدقسمتی سے ''را'' کا گیم پلان بنگلہ دیش کی آزادی کے ساتھ ختم نہیں ہوا۔ مجیب نے محسوس کر لیا تھا کہ وہ بھارتی سامراج کا یرغمال ہے اور بھارتی اپنی مدد کی بہت بھاری قیمت وصول کر رہے ہیں۔ جب مجیب نے کھلے عام بھارت کو بنگلہ دیش کے تمام مسائل کا ذمہ دار قرار دیا اور امریکہ کے ساتھ روابط استوار کرنے کی کوشش کی تو اثر ورسوخ کے باوجود مجیب کو ''را'' کے پختہ کار ایجنٹوں سے نہ بچا سکی جو اس ناپاک منصوبے کے لئے تعینات کئے گئے تھے۔ بنگلہ دیش میں ''را'' کی گیم مسلسل جاری ہے ''را'' بنگلہ دیش آرمی بشمول ملٹری انٹیلی جنس کی صفوں میں گہری سرایت کر گئی ہے۔ تھوڑا عرصہ گزرا ''را'' کے دس ایسے ایجنٹوں کو گرفتار کیا گیا جو ملٹری انٹیلی جنس ڈائریکٹوریٹ میں گھسنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ ''را'' کی جانب سے شانتی باہنی والوں اور چکما قبائل کی تربیت جاری ہے اور وہ اب بھی بھارت نواز اپوزیشن پارٹیوں کو سپانسر کر رہی ہے۔

## سکم:

بھارت کے چھوٹے ہمسائے بھی ''را'' کے خفیہ آپریشن کی زد سے محفوظ نہیں رہے جو وہ بھارت کے توسیع پسندانہ عزائم کو تقویت دینے کے لئے کرتی ہے۔ سکم ''را'' کا پہلا شکار تھا جہاں ''را'' نے سکم کے حکمران چوگیال کے خلاف بغاوت تیار کی۔ چوگیال نے بھیامریکہ کے ساتھ اپنے تعلقات کو بہتر بنانے کی کوشش کی تھی۔ ''را'' نے اپوزیشن کو فنانس کیا اور چوگیال کے اقتدار کو چیلنج کرنے کے لئے اسلحہ اور گولہ بارود فراہم کر کے ایک مسلح ونگ تشکیل کیا۔ اپریل 1973ء تک صورتِ حال اس قدر خراب ہوگئی کہ بھارتی فوج کو بظاہر بادشاہ کے تحفظ کے لئے سکم میں داخل ہونا پڑا۔ اشوکا رائنا نے اپنی کتاب ''ان سائیڈ را'' میں ذکر کیا ہے کہ ''را'' نے بغیر کسی خون خرابے کے ایک شاہی ریاست کو بھارت کی جمہوری ریاست میں تبدیل ہونے میں مدد دی۔ اس کا تفصیلی ذکر پہلے آ چکا ہے۔





# ''را'' کا سافٹ ٹارگٹ نیپال

نیپال کے معاملے میں بھی کہ جس نے ہمیشہ بھارت کے ایک انتہائی تابع فرمان خادم کے سے طرزِ عمل کا مظاہرہ کیا تھا۔ ''را'' نے اپوزیشن اور دیگر منحرف پارٹیوں کے ساتھ اپنے روابط کے ذریعے کیرالہ حکومت پر دباؤ ڈالنے کی مسلسل کوشش کی ہے۔ ''را'' نے خاص طو۔ پر بھارتی خطے سے تعلق رکھنے والے عوام کی اعانت کی ہے جنہیں مدہیشی کہتے ہیں اور مبینہ طور پر انہیں اسلحہ اور گولہ بارود فراہم کیا ہے۔ ''را'' ان لسانی نیپالی پناہ گزینوں میں بھی سرایت کر گئی ہے جو بھوٹان سے آئے ہیں اور جنہوں نے مشرقی نیپال میں پناہ لے رکھی ہے۔ اگر یہ دو ممالک ایسی پالیسیاں اختیار کریں جو بھارتی مفادات کے خلاف ہوں تو ''را'' نیپال یا بھوٹان کے ان پناہ گزینوں کے ساتھ اپنے روابط سے فائدہ اُٹھا سکتی ہے۔ 2000ء کے بعد جب سے نیپال میں ماؤ نواز باغیوں نے اپنے قدم مضبوط کئے ہیں ''را'' نے یکسر اپنی پالیسی تبدیل کر کے ان کی مدد کرنا شروع کر دی ہے اور اس کا کھٹمنڈو نیپال میں بادشاہ کے پورے خاندان کا قتل ''را'' کی مرضی کے باشادہ کی تقرری اور اس کے ہاتھوں پھر جمہوریت کا قتل ہے۔



# مالدیپ اور ''را''

''را'' نے مالدیپ میں انقلاب کا جو تفنن آمیز منصوبہ تیار کیا تھا، وہ بھی اس چھوٹے سے ملک کو بھارت کی مکمل اطاعت کے زیر اثر لانے کے سلسلے میں ایک بہت بڑی کامیابی تھی۔ ایلم پیپلز ریولوشنری لبریشن فرنٹ (ای پی آر ایل ایف) ''را'' کی تخلیق ہے، تقریباً 200 تامل زرِخریدوں کو انقلاب کا ڈرامہ سٹیج کرنے کے لئے مقرر کیا گیا۔ بعد ازاں مسٹر مامون عبدالقیوم کی درخواست پر انڈین ملٹری فورسز نے بغاوت فرو کرنے کے لئے مداخلت کی۔ اس طرح ''را'' نے مالدیپ کی مدد کی تاکہ وہ خطے کی تمام چھوٹی ریاستوں کے واحد محافظ کے طور پر سامنے آئے۔ ''را'' اپنے ان خطرناک عزائم میں کافی حد تک کامیاب رہی ہے اور اب طوعاً کرہاً سوائے پاکستان یا پھر کسی حد تک بنگلہ دیش کے بھارت کے تمام ہمسایہ ممالک اس کے طفیلی ممالک کی صورت زندہ رہنے پر مجبور ہیں۔ چین کی بات البتہ الگ ہے وہ خود بھارت سے بڑی طاقت ہے۔





# ''را'' کا اوّلین ہدف

بلوچستان میں پیدا نازک اور تخریبی کارروائیاں ہمارے میڈیا میں تواتر سے سامنے آرہی ہیں اور فروری 2005ء میں بلوچستان کے وزیر اعلیٰ جام محمد یوسف نے یہ انکشاف کیا کہ بلوچستان میں ہونے والی تخریب کاری کی منصوبہ بندی، سپلائی اور ایجنٹوں کی تربیت کے کارنامے قندھار کے بھارتی قونصلیٹ میں انجام پاتے ہیں جہاں سے تخریب کاروں کو باقاعدہ اسلحہ سپلائی کیا جاتا ہے کروڑوں روپے کی رقم فراہم کی جاتی ہے اور ''را'' نے کچھ بلوچی سرداروں کو اپنے ایجنٹ بنا کر اپنا اُلو سیدھا کرنے کا اہتمام کر رکھا ہے۔

''را'' کا جنم 1962ء میں چین کے ہاتھوں بھارتی فوج کی عبرتناک شکست اور بھارتی انٹیلی جنس آئی۔ بی کی ناکامی کے بطن سے ہوا تھا لیکن یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اس کا سب سے بڑا ہدف پاکستان ہی تھا اور رہے گا۔ ''را'' نے اپنے قیام اور تنظیم سازی کے فوراً بعد سے اپنے ہزاروں ایجنٹوں، کھربوں روپے کے بجٹ اور بہت بڑی پراپیگنڈہ مشینری کے ساتھ پاکستان کے خلاف اعلان جنگ کر رکھا ہے۔

''را'' نے پاکستان کے خلاف بیک وقت تین محاذ کھول رکھے ہیں۔

1) پراپیگنڈہ

(2) جاسوسی

(3) تخریب کاری

ان تینوں محاذوں پر ''را'' یکسوئی اور تن دہی کے ساتھ مصروف عمل ہے۔

اس گھناؤنے کھیل میں اسے اپنی حکومتوں کی مکمل آشیرواد ہمیشہ سے حاصل رہی ہے۔ بھارت میں یوں تو زیادہ عرصہ مرکز میں کانگریس سرکار ہی رہی ہے لیکن ایک عجیب بات یہ ہے کہ اگر کبھی کانگریس مخالف کوئی حکومت بھی برسراقتدار آئی تو اس نے دیگر تمام معاملات پر اختلاف کیا لیکن پاکستان دشمنی میں کبھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

حکومتوں کی یہی ''کمزوری'' را کی پالیسی میں بنیادی رول ادا کرتی رہی ہے۔''را'' کو اندرونی محاذ پر ایک دور میں جنتادل حکومت کی معمولی مخالفت کا سامنا ضرور رہا ہے لیکن افسانوی حد تک تو ممکن ہے یہ بات درست رہی ہو کہ تب بھارتی وزیراعظم مرارجی ڈیسائی نے ''را'' کے خلاف پاکستان آپریشن پر تنقید کی ہو لیکن عملاً ایسا ممکن ہی نہیں۔

''را'' کی پاکستان دشمنی کا ایک بدترین نمونہ تو 1971ء کی لڑائی اور بنگلہ دیش کا قیام ہے لیکن اس کے بعد سے آج تک ''را'' نے پاکستان کے خلاف اپنے آپریشنز کی شدت میں اضافہ ہی کیا ہے کمی نہیں آنے دی۔

حالیہ چند سالوں میں تو ''را'' کی پاکستان دشمن کارروائیاں اپنی حلیف رسوائے زمانہ انٹیلی جنس ایجنسی ''موساد'' کے تعاون سے بہت بڑھ گئی ہے خصوصاً مقبوضہ کشمیر میں جہاد آزادی نے ''را'' کو پاکستان کے خلاف بہت سیخ پا کر دیا ہے اور ہر آنے والے دن ''را'' کو پاکستان کے خلاف اپنی تخریب کاریوں کا ایک نیا باب کھول رہی ہے۔



اس ضمن میں ''را'' نے پاکستان میں اپنی لڑائی کو جن اہم محاذوں پر پھیلا رکھا ہے ان کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

## مذہبی، گروہی، لسانی، صوبائی، منافرت:

پاکستان میں زبان اور نسل کی بنیاد پر منافرت پیدا کرنے میں ''را'' بہت سرگرم دکھائی دیتی ہے خصوصاً پاکستان کا صوبہ سندھ اس کی مذموم کارروائیوں کا شکار رہا ہے۔ اشوک رائنا نے اپنی کتاب "Inside Raw" ان سائیڈ را میں برملا اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ پاکستان کے شمال مغربی صوبہ سرحد میں پختونستان نواز عناصر سے ''را'' کے گہرے روابط استوار رہے ہیں اور اس نے ان ایام میں جب پختونستان نواز عناصر نے کابل میں جلاوطنی اختیار کی ہوئی تھی۔ ان سے تعلقات مضبوط کئے اور انہیں بے حساب فنڈز مہیا کئے گئے تاکہ پاکستان کے خلاف اور پختونستان کے حق میں اپنا زہریلا پراپیگنڈہ جاری رکھیں۔ ان دنوں ''را'' اور ''خاد'' نے مشترکہ مفادات کے تحت ان باغیوں کو قومی اور بین الاقوامی سطح پر ہر ممکن معاونت بہم پہنچائی۔

پنجاب کے جنوبی حصے میں ''را'' نے سرائیکی تحریک کے تانے بانے بنے اور اس تحریک کو نہ صرف پاکستان کو تقویت بخشنے کے لئے نومبر، دسمبر 1993ء میں دہلی میں ایک ''بین الاقوامی سرائیکی کانفرنس'' کا انعقاد بھی کیا۔ اس نام نہاد کانفرنس میں سرائیکی نواز دانشوروں اور آرٹسٹوں کو مدعو کیا گیا اور سرائیکی صوبے کے حق میں زبردست پرچار ہوا۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ ''را'' کے مستند ایجنٹ سرائیکی نواز بھارتی پروفیسر اور سرائیکی ساہتیا سنگم کے جنرل سیکرٹری چندر بٹرا نے کچھ عرصہ بعد پاکستان کا دورہ کیا۔ خان پور، رحیم یار خان میں منعقدہ سرائیکی کانفرنس میں زہریلا خطاب کیا۔ مقامی آبادی کو پاکستان کے خلاف بغاوت کر کے سرحدی علاقے میں

سرحد کے دوسری طرف موجود سرائیکیوں سے الحاق کی دعوت دی اور اپنا کام کر کے چلتا بنا۔ اخبارات شور مچاتے رہے لیکن ایجنسیوں کے کانوں پر جوں نہیں رینگی۔

مقامی سطح پر حالات و واقعات کی رفتار کے ساتھ ساتھ جنم لینے والی ان تحریکوں کے ساتھ ساتھ ''را'' نے اپنا بنیادی ٹارگٹ سندھ کو بنا رکھا ہے جہاں ایک لمبے عرصے سے اس نے پاکستان کے خلاف ''پراکسی وار'' شروع کر رکھی ہے۔ بدقسمتی سے اپنی تخریبانہ سرگرمیوں کے لئے ''را'' کو سندھ میں بڑی زرخیز زمین میسر آئی ہے۔

سرحدوں کے ساتھ ساتھ موجود بڑی تعداد میں ہندو آبادی کی ہمدردیاں اسے قدرتی طور پر حاصل ہیں۔ ان آبادیوں میں اپنے ''محفوظ مراکز'' (Safe Houses) قائم کر کے اپنے ہمنوا ہندوؤں کی مدد سے ''را'' کے ایجنٹوں کو سندھ کے اندرونی علاقوں تک آسانی سے رسائی اور تحفظ میسر آ جاتا ہے۔

ہندو آبادی پر جب بھی کسی شک شبہ کے بعد کوئی انکوائری کے لئے حکومتی ایجنسی ریڈ کرتی ہے تو ''را'' اپنے پروردہ پریس کے ذریعے رائی کا پہاڑ بنا کر کھڑا کر دیتی ہے اور معاملات کو اتنا اُلجھا دیا جاتا ہے کہ وہ قومی سلامتی کے معاملے سے زیادہ ایک سیاسی معاملہ بن کر رہ جاتا ہے۔

ایسی متعدد مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں کہ جب کبھی پاکستان کی کسی بھی ایجنسی نے سندھ کی ہندو آبادی سے کسی مشتبہ عورت یا مرد کو گرفتار کیا، اس مسئلے کو فوراً مذہبی رنگ دے دیا جاتا ہے۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ ہماری نام نہاد ہیومن رائٹس تنظیمیں بھی آسانی سے ''را'' کے اس جال میں پھنستی چلی جا رہی ہیں۔

''را'' نے سندھ کی ہندو آبادی میں بے شمار روپیہ تقسیم کر کے ان لوگوں کو تربیت، اسلحہ اور پراپیگنڈہ کے ہتھیاروں سے لیس کر کے سندھ کو پاکستان سے الگ کرنے کے لئے میدان عمل میں اُتارا ہے۔ سندھو دیش تحریک کے ساتھ ہی ''را'' نے



ایم۔ کیو۔ ایم کے علیحدگی پسند طبقوں سے بھی روابط استوار کئے اور ان کے ''ملی ٹینٹ ونگ'' کو اپنے تخریب کاری کیمپس میں تربیت دی۔

مقامی پریس میں موجود اپنے زرخرید ہمنواؤں کی مدد سے ایک مؤثر اور مضبوط پراپیگنڈہ مہم کے ساتھ جس میں ''را'' کو پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کی مکمل حمایت حاصل ہے۔ سندھ کے عوام کو ذہنی طور پر پاکستان سے علیحدگی کے لئے تیار کر رہی ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ''را'' کی طرف سے وقتاً فوقتاً سیمینارز، لیکچرز کا انعقاد کیا جاتا ہے اور ان سیمینارز کو جو عموماً بھارت یا پھر کسی اور ملک میں ہوئے ہیں، میں پاکستان کے سندھی دانشوروں کو بطور خاص مدعو کیا جاتا ہے جہاں ان کو لذت کام و دہن بہم پہنچا کر اپنے حق میں فضا سازگار کی جاتی ہے۔



# نفسیاتی حملے

"را" نے پاکستانی عوام کو ذہنی پراگندگی کا شکار کرنے کے لئے بڑے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کئے ہیں۔ "را" کی طرف سے عموماً اس نوعیت کا پراپیگنڈہ کیا جاتا ہے۔

1) پاکستان کا قیام، دو قومی نظریہ اور "بھارت ماتا کی تقسیم" کو اُلٹے سیدھے دلائل اور مؤثر پراپیگنڈہ کے ذریعہ غلط ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور خصوصاً 1971ء میں مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد یہ تھیوری سامنے لائی گئی کہ اسلام کا رشتہ کوئی رشتہ نہیں۔ اگر یہ کوئی مضبوط حوالہ ہوتا تو اسلام کے نام پر حاصل کردہ ملک کے دو حصے کیوں ہوتے۔؟

اس طرح "را" کی طرف سے تکرار سے یہ بات دہرائی اور پاکستان میں پھیلائی جاتی ہے کہ اگر ہندوستان متحد رہتا تو مہاجر ہو کر پاکستان میں زندگی بسر کرنے والے موجودہ حالات سے بدرجہا بہتر زندگی بسر کر رہے ہوتے اور اس "تقسیم" سے سرحدوں کو آر پار بسنے والے لاکھوں خاندانوں کے مصائب میں اضافہ کیا ہے۔

2) قائداعظم سے اب تک کی تمام پاکستانی لیڈرشپ کو ہدف تنقید بنائے رکھنا "را" کا دوسرا بڑا حربہ ہے۔ پاکستانی قوم کو ہمیشہ ان کی لیڈرشپ سے



متعلق کنفیوژن کا شکار بنائے رکھنا "را" کا مشن ہے۔

3) ایسے نفسیاتی حربے اپنا کر "را" نے پاکستانیوں کو جنہوں نے ایک متحد قوم بن کر "نیل کے سال سے لے کر تا بخاک کاشغر" ایک ہونے کا نعرہ لگا کر اپنے لئے الگ ملک حاصل کر لیا تھا، گروہوں میں تقسیم کر دیا ہے۔

"را" نے نفسیاتی محاذ پر بڑی کامیاب جنگ لڑی ہے اور آج پاکستان میں بدقسمتی سے زبان، رنگ و نسل، مذہبی اور سیاسی نظریات کی بنیاد پر بے شمار جماعتیں اور گروہ معرض وجود میں آ گئے ہیں۔ "را" کا مقصد دراصل یہی ہے کہ اس طرح پاکستانی قوم کا شیرازہ بکھر کر انہیں اپنی لیڈرشپ اور اداروں کی طرف سے مکمل مایوسی کا شکار کر کے انہیں بھارت کی طرف راغب ہونے پر مجبور کر دیا جائے۔ اس طرحِ بھارتی لیڈرشپ کے اس پرانے خواب کو جسے "اکھنڈ بھارت" کہا جاتا ہے، پورا کرنے کا سامان خود بخود پیدا ہو جائے گا۔

## پراپیگنڈہ:

"را" کے پراپیگنڈہ کا بنیادی مقصد یہ دکھائی دیتا ہے کہ بھارت کے کسی بھی حصے میں پیش آنے والے کسی بھی حادثے میں آئی۔ ایس۔ آئی (انٹر سروسز انٹیلی جنس) ملوث ہے۔

مقبوضہ کشمیر کی جدوجہد آزادی ہو، خالصتان کی تحریک بغاوت، بھارت کی جنوب مشرقی ریاستوں میں موجود باغیانہ اور زیر زمین تحریکیں ہوں، دہلی، بمبئی یا کلکتہ کے بم دھماکے ہوں یا کسانوں مزدوروں اور اقلیتوں کی کوئی احتجاجی تحریک، "را" والے اپنے ملک میں پائی جانے والی بے چینی کا ذمہ دار آئی۔ ایس۔ آئی کو گردانتے ہیں۔

اس ضمن میں اپریل 1995ء میں شائع ہونے والے بھارتی فوج کے

چیف آف سٹاف جنرل چوہدری کا یہ بیان محل نظر ہے جس میں انہوں نے بھارت کے جنوب مشرق میں جاری مختلف گوریلا تحریکوں کا ذمہ دار آئی۔ ایس۔ آئی کو قرار دیا۔ مقبوضہ کشمیر، خالصتان تحریک کو آئی۔ ایس۔ آئی کا شاخسانہ بتایا اور حیرت انگیز طور پر یہ الزام بھی داغ دیا کہ ان دنوں بنگلہ دیش کی وزیر اعظم محترمہ خالدہ ضیاء جو پاکستان کے دورے پر آئی ہوئی تھیں دراصل آئی۔ ایس۔ آئی سے مدد لینے آئی ہیں کیونکہ وہ چٹاگانگ کی سرحدوں سے بھارت کے خلاف آئی۔ ایس۔ آئی سے آپریشن لانچ کروانا چاہتی ہیں۔ بھارت کی اس قدر ذمہ دار اور اہم شخصیت کی طرف سے ایسا بیان ان کے پراگندہ ذہن کا شاہکار ہی کہا جائے گا۔

دراصل ''را'' کا مقصد یہ رہا ہے کہ وہ آئی۔ ایس۔ آئی کے خلاف ایک منظم پراپیگنڈہ مہم چلا کر پاکستان کو دُنیا کی نظروں میں ایک دہشت گرد ملک ثابت کرے۔

**1992-93**ء میں ''را'' نے امریکہ اور یورپ میں اس گھناؤنے مقصد کے لئے **20** ملین ڈالر کی رقم مختص کی تھی۔ اس ضمن میں ان دنوں ''را'' کے سربراہ جے ایس بیدی نے اسرائیل، الجزائر، مصر اور اردن کے دورے بھی کئے تاکہ ان ممالک میں ہونے والی انسرجنسی کو پاکستان کے کھاتے میں ڈال کر ان کی ہمدردیاں بھی حاصل کرے۔ اس میں اسے کسی حد تک کامیابی بھی ہوئی جب مصر اور الجزائر کی طرف سے یہ کہا گیا کہ پاکستان میں موجود عرب مجاہدین ان کے ہاں پائی جانے والی بے چینی کے ذمہ دار ہیں اور اسرائیلی انٹیلی جنس ''موساد'' نے اس سلسلے میں ''را'' کی بھرپور معاونت بھی کی کیونکہ یہودیوں کے مغربی پریس میں تعلقات ایک ناقابل تردید حقیقت ہے۔

''را'' کو کس حد تک اپنے گھناؤنے مقاصد میں کامیابی بھی حاصل ہوئی جب اس نے پاکستان کو امریکہ کی دہشت گردوں کی ''واچ لسٹ'' میں شامل کروا دیا



لیکن بعد میں کوئی ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے پاکستان کو ''واچ لسٹ'' سے نکال دیا گیا۔

**1993**ء میں ''را'' نے پھر **800** کروڑ روپے پاکستان کو دوبارہ اس ''واچ لسٹ'' میں شامل کروانے کے لئے مخصوص کئے لیکن مغربی ممالک میں موجود محب وطن پاکستانیوں کی دن رات کی مساعی نے ان کے کئے کرائے پر پانی پھیر دیا اور اُسے پھر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

''را'' نے پراپیگنڈہ کے محاذ پر نئی تکنیک ایجاد کی ہیں اور ایک کامیاب حربہ یہ اپنایا ہے کہ ''را'' کی طرف سے بعض اسلامی ممالک اور سنٹرل ایشیائی نو آزاد ریاستوں میں یہ تاثر پھیلایا جا رہا ہے کہ ان کے ہاں پائی جانے والی بنیاد پرستی **(Fundamentalism)** کے سوتے دراصل پاکستان میں پھوٹتے ہیں۔

''فنڈامینٹلزم'' امریکہ اور مغرب کا من پسند موضوع رہا ہے اور بنیاد پرستی کا ہوا ان کے دل و دماغ پر بری طرح سوار ہے، اسی لئے ''را'' کو یہاں خاصا ''سافٹ کارنر'' مل جاتا ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ''را'' نے اس ضمن میں پاکستان کے امیج کو بین الاقوامی سطح پر خاصا نقصان پہنچایا ہے۔

پراپیگنڈہ کے محاذ پر انہیں اپنی برتری قائم کر کے دراصل ''را'' کا مقصد یہ ہے کہ پاکستان اپنی شناخت برصغیر کے دیگر ممالک جیسے سری لنکا، بھوٹان، نیپال وغیرہ میں کرائے۔ اپنے سیاسی، سماجی، معاشی اور ثقافتی رشتے بھارت سے مضبوط کرنے پر مجبور ہو جائے اور بجائے اپنے قومی تشخص کو نمایاں کرنے کے، جنوب ایشیاء کے دیگر چھوٹے ممالک کی طرح بھارت کے ایک طفیلی ملک کی حیثیت سے زندہ رہے۔

دوسرا اہم مقصد یہ دکھائی دیتا ہے کہ پاکستانی عوام اور حکومت کو یہ باور کروا دیا جائے کہ پاکستان کا کوئی مستقبل نہیں۔ نہ تو یہاں کسی کو انسانی حقوق حاصل ہیں نہ

ہی یہاں کا سیاسی کلچر اتنا مضبوط ہے اور جہاں تک ''اداروں'' (Institotion) کا تعلق ہے ان کا سرے سے پاکستان میں وجود ہی دکھائی نہیں دیتا۔ کیونکہ یہاں کی فضا میں کسی بھی قسم کی سیاسی، معاشی یا ثقافتی نشوونما کے لئے ساز گار نہیں۔

## تخریب کاری، دہشت گردی اور باغیانہ سرگرمیاں:

کچھ میدانوں میں ''را'' اپنے فن میں ''کمال فن'' کی دعویدار ہے خصوصاً ہمسایہ ممالک میں توڑ پھوڑ کی سرگرمیاں (تخریب کاری) اس کا خاص میدان ہے اور اس حوالے سے اس نے پاکستان اور سری لنکا میں خصوصاً بڑے بڑے ''کارنامے'' انجام دیئے ہیں۔ پاکستان میں ''را'' کو ہمیشہ تخریبی عناصر کی تلاش رہی ہے اور کسی بھی حوالے سے تخریبی خیالات رکھنے والے گروہوں اور جماعتوں کو ''را'' کی پشت پناہی حاصل رہی ہے۔ حکومت مخالف عناصر کو ''را'' ''باخبر'' اور ''بے خبر'' رکھ کر دونوں طرح استعمال کرتی ہے۔

کچھ پاکستانی دانشور اور سیاست دان ''را'' کے اکثر مہمان رہے ہیں ان لوگوں کو مختلف تقاریب کے بہانے بھارت بلا کر ان کے اللے تللے پورے کئے جاتے ہیں اور ''را'' کے مقاصد کی بجا آوری کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔ یہ حقیقت کتنی ہی تلخ سہی، لیکن اس سے انکار ممکن نہیں کہ پاکستانی میڈیا میں ''را'' کے باقاعدہ ایجنٹ موجود ہیں جو اپنے ''ماسٹرز'' کی فراہم کردہ لائنوں پر اس مضبوط میڈیم کے ذریعے پاکستانیوں کے اعصاب شکستگی میں لگے رہتے ہیں۔

ایک مرحلے پر ''را'' اپنے ان زرخرید دانشوروں اور صحافیوں کو اپنے پروردہ سیاست دانوں سے متعارف کروا دیتی ہے اور انہیں یہ حکم دیا جاتا ہے کہ وہ ان کے خیالات اور بیانات کی خوب تشہیر کریں۔

پاکستان میں علیحدگی پسند لیڈروں عبدالغفار خان اور ان کے کچھ ساتھی صوبہ



سرحد سے سندھ سے جی ایم سید اور ان کے کچھ ساتھیوں کو ''را'' کی مکمل معاونت اور پشت پناہی ہمیشہ حاصل رہی ہے۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ جی۔ ایم سید، عبدالغفار خان اور ان کے ساتھی اپنے دورہ بھارت میں پاکستان کے خلاف کیسی کیسی ہرزہ سرائی کرتے رہے ہیں۔

جی ایم سید کی رسوائے زمانہ کتاب ''پاکستان ٹوٹ جائے گا'' ''را'' نے راجستھان سے شائع کروا کر پاکستان اور دُنیا کے دیگر ممالک میں تقسیم کی تھی۔ اس پراجیکٹ پر ''را'' نے زرکثیر صرف کیا اور اس کو پھیلانے پر بھی خاصا بجٹ صرف ہوا تھا۔

پریس اور پراپیگنڈہ کے ذریعے ''را'' ہمیشہ پاکستانیوں میں ذہنی انتشار پھیلانے، باغیانہ خیالات کو جنم دینے، فرسٹریشن کو بڑھانے خصوصاً ناراض نوجوان نسل کو گمراہ کرنے میں یکسوئی سے جتی رہتی ہے۔ اس ضمن میں مختلف نوعیت کا لٹریچر شائع کر کے پاکستان میں غیر قانونی طریقے سے بھیجا جاتا ہے۔

بین الاقوامی سطح پر ''را'' نے مختلف ممالک میں سندھ اور مہاجر، پختون، بلوچ، سرائیکی پراپیگنڈہ محاذ بنا رکھے ہیں جن کے ''آفس بیئرز'' دکھاوے کے لئے ملک دُشمن اور بھگوڑے پاکستانیوں کو ہی دُنیا کی آنکھوں میں دُھول جھونکنے کے لئے رکھا جاتا ہے لیکن ان کی طنابیں کسی اور کے ہاتھ میں ہوتی ہیں۔ ان نام نہاد تنظیموں اور اداروں کی طرف سے پراپیگنڈہ زہریلا لٹریچر، فلمیں اور ہیومن رائٹس رپورٹس شائع کر کے دُنیا بھر میں تقسیم کی جاتی ہیں۔ بھارتی پریس، دوردرشن، زی ٹی وی، ایل ٹی وی، بھارتی فلمیں اور تمام ایسے بھارت کے ریڈیو سٹیشن جن کی نشریات پاکستان میں سنی جاتی ہیں، پاکستانی عوام کے ذہنوں کو حکومت اور ملکی سالمیت کے خلاف سرگرم کرنے کے لئے تسلسل سے مذموم پراپیگنڈہ کرتے آ رہے ہیں۔

اس سلسلے میں آل انڈیا ریڈیو کی مثال پیش کی جاتی ہے، جس کے بیشتر پروگرام براہِ راست ''را'' کے ہیڈ کوارٹر لودھی روڈ نیو دہلی کی دوسری منزل پر موجود جدید آلات سے لیس ایک ریکارڈنگ روم میں تیار کئے جاتے ہیں۔ آل انڈیا ریڈیو کے ساٹھ فیصد سے زیادہ ملازمین ''را'' کے ایجنٹ ہیں۔ ان کے بیشتر پروڈیوسر کے نام جعلی ہوتے ہیں اور وہ ہندو ہوتے ہوئے بھی پاکستانی عوام کو دھوکہ دینے کے لئے مسلمانوں والے نام پکارتے ہیں۔

1965ء اور 1971ء کی لڑائیوں میں اور اس کے لڑائیوں ئیں اور اس کے بعد بھی جب کبھی ''را'' کو ضرورت محسوس ہوتی ہے پاکستان میں موجود اپنے ایجنٹوں کو خفیہ پیغامات اور احکامات آل انڈیا ریڈیو کے پروگراموں سے ''کوڈ'' کی صورت میں جاری کرتے ہیں۔ 80ء کے عشرے میں سندھ کے سرحدی علاقوں میں ڈاکوؤں کے بھیس میں سرگرم ''را'' کے ایجنٹوں کو آل انڈیا ریڈیو کی رات کی نشریات سے ''پیغامات'' دیئے جاتے تھے بعد میں پاکستان کی کاؤنٹر انٹیلی جنس نے ان ہی پیغامات کو ''ری کوڈ'' کر کے بڑے بڑے ڈاکوؤں کو گرفتار بھی کیا جس کے بعد سے یہ معاملہ کچھ ٹھنڈا پڑ گیا۔ لیکن اب بھی کراچی میں ہونے والی قتل و غارت گری کے لئے آل انڈیا ریڈیو کے چینل استعمال ہوتے ہیں اور ''مخصوص انداز'' میں ''مخصوص الفاظ'' کے ساتھ ''مخصوص لوگوں'' تک پیغام پہنچا دیا جاتا ہے۔

بھارتی ریڈیو نشریات سے خصوصاً سندھیوں اور مہاجروں میں بددلی اور ملک دُشمنی کے بیج بوئے جاتے ہیں۔ انہیں یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ وہ پاکستان میں دوسرے درجے کے شہری ہیں اور ان کے ساتھ بے پناہ مظالم ڈھائے جا رہے ہیں۔

بدقسمتی سے ''را'' کو اس سلسلے میں دانستہ یا نادانستہ کچھ عاقبت نااندیش پاکستانی صحافی کی مدد بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ جن کے ملکی اخبارات میں لکھے کالموں



اور مضامین کو ''را'' بطور حوالہ اپنی نشریات میں دھراتی ہے۔ سیاسی دُشمنی میں اندھے ہو کر کچھ نام نہاد کالم نگار ''را'' کی کٹھ پتلیاں بن چکے ہیں۔

''را'' کا ایک بہت بڑا اشاعتی مرکز بمبئی میں ہے جہاں سے لٹریچر شائع کر کے سندھ، صوبہ سرحد اور آزاد کشمیر تک غیر قانونی طور سے پہنچایا اور تقسیم کیا جاتا ہے۔

لٹریچر، نشریات اور پراپیگنڈے کے دوسرے طریقے اپنا کر ''را'' جن بنیادی اُصول ہائے تخریب کاری پر کاربند ہے ان کا تذکرہ تو پہلے ہو چکا ہے۔ اس پراپیگنڈہ کا بنیادی مقصد پاکستان میں زبان، رنگ و نسل، مذہبی اور صوبائی طور پر مختلف متشدد گروہوں کی تشکیل اور انہیں اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنا ہے۔

گزشتہ تین چار سال سے ''را'' کی طرف سے جو پراپیگنڈہ مہم پاکستان اور بین الاقوامی دُنیا میں چلائی جا رہی ہے اس کے بنیادی مقاصد مندرجہ ذیل دکھائی دیتے ہیں:

1) مہاجروں کو علیحدہ آزاد ریاست کے قیام کے لئے اُکسانا۔
2) سندھیوں کو ''سندھو دیش'' بنانے کے لئے تیار کرنا۔
3) عام پاکستانی اور بین الاقوامی دُنیا کو یہ تاثر دینا کہ لاء اینڈ آرڈر کی تباہ کن صورتِ حال کی وجہ سے سندھ میں کوئی بھی ذریعہ سفر محفوظ نہیں رہا (اس مفروضے کو ''را'' اپنے دہشت گرد ایجنٹوں کے ذریعے ٹرینوں اور بسوں پر حملے کروا کر تقویت بہم پہنچا رہی ہے)۔
4) مقبوضہ کشمیر میں جہادِ آزادی کے بعد سے پاکستان اور آزاد کشمیر کے عوام کو یہ تاثر دینا کہ کشمیر پاکستان سے الحاق نہیں چاہتے۔
5) یہ تاثر پیدا کرنا کہ ''سرائیکی تحریک'' نے جنوبی پنجاب میں زور پکڑا ہے اور

سرائیکی عوام بھارت کے ساتھ الحاق کر کے الگ ملک بنانے کے لئے کوشاں ہیں۔

(6) یہ پراپیگنڈہ کیا جارہا ہے کہ گلگت اور چترال میں بھی بغاوت کی سی کیفیت پیدا ہو چکی ہے۔

(7) پاکستانی اقلیتوں پر جھوٹے مظالم کا تسلسل سے پرچار کیا جارہا ہے۔ اس سلسلے میں جہاں شیعہ سنی تضادات کو ہوا دی جاتی ہے وہاں خصوصاً قادیانیوں اور ذکریوں کو بھی مظلوم بنا کر پیش کیا جارہا ہے اور یہ تاثر دیا جارہا ہے کہ وہ ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں، انہیں اپنی مذہبی رسومات ادا کرنے سے بزور روکا جاتا ہے۔

(8) یہ پراپیگنڈہ کیا جارہا ہے کہ پاکستانی حکومت کے مظالم سے تنگ آ کر سندھ کی ہندو آبادی بھارت کی طرف بھاگ رہی ہے۔

(9) سندھ میں پاکستانی فوج کے عارضی اور مستقل مراکز سندھیوں کو کچلنے کے لئے تعمیر کئے جارہے ہیں۔

(10) سندھ کے قدرتی وسائل کو سندھ کے بجائے دوسرے صوبوں کے لئے استعمال کیا جارہا ہے۔ اس سلسلے میں کالا باغ ڈیم سے متعلق بہت گمراہی پھیلائی گئی۔

(11) ”ای میل“ کے ذریعے تخریبی پرچار کر کے نوجوان پاکستانیوں کو گمراہ کیا جارہا ہے۔

## فرقہ وارانہ دہشت گردی:

پاکستان موجودہ دُنیا کا واحد ایسا ملک ہے جسے اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا اور اسلام کی بالا دستی ہی اس کے قیام کا مقصود بھی تھا۔ اسلام دُنیا کا سب سے بڑا امن



پسند مذہب ہے جو اپنے پیروکاروں کو ہر حالت میں خواہ حالات کیسے بھی ہوں، میانہ روی اور صبر کی تلقین کرتا ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے بعض نام نہاد علمائے اسلام کی روح کو سمجھنا ہی نہیں اور ایک اَن پڑھ معاشرے میں اپنی اجارہ داری قائم رکھنے کے لئے فرقہ واریت کو فروغ دیا اور اب حالت یہ ہے کہ فرقہ پرستی جنون کی حدوں کو چھونے لگی ہے۔

مختلف مسالک کے پیروکار اپنے لیڈروں کی بھڑکائی آگ کا ایندھن بن رہے ہیں اور ایک دوسرے کے خلاف لڑنے مرنے پر تیار ہوتے ہیں۔ اس صورتِ حال کا فائدہ ”را“ سے زیادہ اور کون اُٹھا سکتا تھا۔

پاکستان کی مختلف تحقیقاتی ایجنسیوں کی تیار کردہ بیشتر رپورٹوں میں یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ کسی نہ کسی سطح پر ان فرقہ پرست جماعتوں کے ڈانڈے ”را“ سے ملتے ہیں۔ ان فرقہ پرست جماعتوں میں اپنے مطلب کے لوگوں کو تاڑنے کے بعد ”را“ ان تک رسائی حاصل کرتی ہے اور انہیں ترغیبات دے کر ورغلاتی ہے۔ مختلف ذرائع سے انہیں روپیہ پیسہ بہم پہنچایا جاتا ہے۔

ایسے شواہد بھی ملے ہیں کہ بعض مرتبہ جب ”را“ کے کہنے کے مطابق مختلف فرقہ پرست جماعتوں نے خون رِیزی نہیں کی تو لوہے کو گرم رکھنے کے لئے ”را“ نے اپنے ایجنٹوں کے ذریعے مخالفین کے دینی مراکز اور مساجد پر حملے کروائے۔

پاکستان کے متعدد شہروں میں شیعہ اور سنی مسلمانوں کی مساجد اور دیگر دینی مراکز پر حملوں میں ”را“ کے ایجنٹ کسی نہ کسی سطح پر ملوث رہے ہیں اور کئی جگہ تو انہوں نے براہِ راست حملے کئے۔ ایسے کچھ ایجنٹ پولیس نے گرفتار بھی کئے ہیں۔ نمازیوں پر اندھا دھند فائرنگ، بموں سے مذہبی جلسوں پر حملے اور تخریب کاری کے دیگر وارداتوں میں ”را“ ملوث ہے۔ ”را“ کے گرفتار ہونے والے دو ایجنٹوں عبدالمجید

(سہارن پور محمد اکرم (دہلی) نے ایسی متعدد وارداتوں کا اعتراف کیا ہے۔ ان لوگوں کو با قاعدہ تربیت دے کر پاکستان بھیجا گیا۔ طے شدہ منصوبے کے مطابق انہیں فرقہ وارانہ مخالفت رکھنے والی جماعتوں میں داخل کیا گیا اور نہ صرف براہِ راست انہوں نے مساجد اور امام باڑوں پر فائرنگ کی بلکہ انتہا پسند تنظیموں کے نوجوان کارکنوں کو اس کی تربیت بھی فراہم کی۔

ایسی فرقہ وارانہ دہشت گردی پھیلا کر دراصل ''را'' پاکستان کی بنیاد پر کاری ضرب لگانا چاہتی ہے۔ ''را'' کی طرف سے بڑے زور شور سے یہ پراپیگنڈہ جاری ہے کہ پاکستان کی بنیاد ہی غلط نظریئے پر تھی اور اب مساجد کو نمازیوں کے لئے غیر محفوظ بنا کر دراصل ''را'' ساری دُنیا کو یہ تاثر دینا چاہتی ہے کہ اسلام کے نام پر حاصل کردہ ملک میں لوگوں کو اسلامی شعائر کی اُدائیگی میں بھی جان کے خطرات لاحق رہتے ہیں۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ''را'' نے اس مقاصد میں کافی حد تک کامیابی حاصل کی ہے۔

اس ضمن میں یہ بات بھی کہی جاتی ہے کہ بعض دیگر مسلم ممالک بھی ان فرقہ وارانہ تنظیموں کی سرپرستی کرتے ہیں لیکن ان کی اس سرپرستی کرتے ہیں لیکن ان کی اس سرپرستی کا پس منظر فی الوقت ان کے مذہبی عقائد ہی ہیں۔ اس بنیاد پر ممکن ہے وہ ان تنظیموں کو ایک دوسرے کے خلاف حملے کے لئے اُکساتے ہوں۔ لیکن جہاں تک ''را'' کا تعلق ہے اس کا کسی بھی مذہب یا مسلک سے دور دور تک کوئی علاقہ نہیں اور وہ انتہا پسندی کے اس رجحان کو مزید بڑھاوا دے کر اپنا اُلو سیدھا کرتی ہے۔

## ڈرگ مافیا:

1980ء کے عشرے میں بھارت سے ڈرگ ٹریفک کا زور شور سے آغاز ہوا۔ گو کہ اس سے پہلے بھی منشیات کی سمگلنگ بھارتی ساحلوں اور ہوائی مستقروں



سے ہوتی رہتی تھی لیکن اس کاروبار کو عروج 80ء کے عشرے میں تب حاصل ہوا جب ایک طرف تو ایران اور عراق کی جنگ چل رہی تھی دوسری طرف افغانستان میں روس در آیا تھا۔ اس صورت حال کی وجہ سے ڈرگ ٹریفک کا روایتی بلقان روٹ (Balkan Route) بند ہو گیا تھا اور بھارت کو متبادل روٹ کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی جہاں سے مغربی ممالک اور امریکہ کو ڈرگ سمگل کی جاتی تھیں۔ افیون کو ہیروئن میں تبدیل کرنے کے لئے جو خطرناک کیمیکل استعمال کیا جاتا تھا اس کا نام Acetic Anhydride ہے جس کی پیداوار کے لئے بھارت ڈرگ کے دُنیا میں خصوصی شہرت کا حامل ہے۔ بھارت سے پانچ ڈالر فی لیٹر حاصل ہونے والے اس کیمیکل کی قیمت پاکستان میں 60 ڈالر ہے۔ پاکستان میں اسے تیار نہیں کیا جا سکتا۔

افغانستان، جہاں افیون کاشت ہوتی ہے اور جہاں افیون کو ہیروئن میں تبدیل کرنے کی بھٹیاں لگائی گئی ہیں، تک یہ کیمیکل پہنچانے کے لئے پاکستان کا روٹ استعمال کیا جاتا ہے۔ پاکستانی ایجنسیوں کے درجنوں بھارتیوں کو گرفتار کیا ہے جو یہ کیمیکل پاکستان کے راستے افغانستان لے کر جاتے تھے۔ ان گرفتار ''کیریئرز'' (Carriers) کی تفتیش پاکستان ایجنسیوں کے علاوہ اس خطے میں ڈرگ کے دھندے کو روکنے کے لئے موجود دوسری ایجنسیوں نے بھی کی ہے۔ اس تفتیش میں انہوں نے ''را'' سے اپنا تعلق بتایا ہے۔ جو اس ڈرگ ٹریفکنگ کی آڑ میں جاسوسی اور تخریبی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیتے تھے۔

بھارت Acetic Anhydride کے علاوہ دو اور انتہائی خطرناک اور تباہ کن منشیات Amphetamine اور Methaqulon میڈرکس (Mandraz) بھی وافر مقدار میں تیار کر کے دُنیا کو سمگل کرتے ہے۔ یہ زہریلے کیمیکل ہیروئن سے کئی گناہ زیادہ انسانی صحت کے لئے تباہ کن ثابت ہوتے ہیں۔

یہ تمام زہریلے کیمیکلز ''را'' کے ''سمگلر ایجنٹوں'' کے ذریعے یورپ، امریکہ، مڈل ایسٹ، جنوبی افریقہ، کینیا اور زمبابوے کو سمگل کئے جاتے ہیں۔

بھارتی میڈیا کی اطلاعات کے مطابق اس ڈرگ مافیا میں کانگریس اور بی۔ جے۔ پی جیسی بڑی سیاسی جماعتوں کے بعض لیڈر بھی ملوث ہیں۔ متعدد بھارتی ایم۔ این۔ اے اور ایم۔ ایل۔ اے (M.N.A & M.L.A) (ممبر لیجسلیٹو اسمبلی) بھی ڈرگ کے اس ''انڈر ورلڈ'' کے معزز اراکین میں شکار کئے جاتے ہیں۔ یہ ''را'' کا کمال فن ہے کہ اس نے اپنے ''ڈرگ لارڈز'' کے کاروباری روابط ایک سازش کے تحت پاکستانی سمگلروں سے استوار کروائے اور اس دھندے کی باقاعدہ سرپرستی کرتے ہوئے پاکستان کو دُنیا بھر میں بدنام کروا دیا حالانکہ دُنیا کے قریباً تمام بڑے ''نارکو بیرن'' بھارتی شہریت رکھتے ہیں۔

''را'' نے ناجائز ذرائع سے آمدن حاصل کر کے اسے ناجائز مقاصد کے لئے استعمال کرنے کے لئے ڈرگ کے دھندے کو بہت منظم اور مضبوط بنیادوں پر استوار کیا ہے۔ دُنیا کے بیشتر ممالک میں ''را'' کے Cover Offices جن کی پیشانیوں پر بظاہر بڑی بڑی تجارتی کمپنیوں اور کارپوریشنوں کے سائن بورڈ آویزاں ہیں، دراصل اس گھناؤنے کاروبار میں ملوث ہیں۔ اس دھندے کی ''آف دی ریکارڈ'' آمدن کو ''را'' دُنیا بھر میں اپنی منظورِ نظر تخریب کار تنظیموں میں تقسیم کرتی ہے۔ اس طرح ''را'' کو اپنے ملک میں بھی کسی احتساب یا مواخذہ کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ ''نارکوٹک ٹیررازم'' کے ذریعے ''را'' نے پاکستان کے خلاف بڑی کامیاب جنگ لڑی ہے اور پاکستان کو دُنیا بھر میں بدنام کرنے کے لئے کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی۔

ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں جب ''را'' کے کئی ''سمگلر ایجنٹ'' نے اپنے ''پاکستانی حصہ دار'' کے ساتھ کوئی کیمپ یورپ روانہ کی اور اسے گرفتار بھی کروا دیا



کیونکہ ''را'' خود پس پردہ رہتی ہے اور سامنے ان کے پاکستانی حصہ دار آتے ہیں۔ اس لئے بدنامی بھی پاکستان کے حصے میں آتی ہے۔

یورپی ممالک کے ائیرپورٹس اور بندرگاہوں پر آئے روز ڈرگ کے سمگلر گرفتار ہوتے ہیں جن کی کوئی خبر بھی کسی اخبار میں نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس ''را'' کسی بھی پاکستانی کی مشتبہ گرفتاری کو بھی اپنے پروردہ پریس کے ذریعے ایک سکینڈل بنا کر خوب اُچھالتی ہے۔ افسوس اس مسئلے پر کچھ پاکستانی اخبار نویس سٹوریز کے چکر میں پھنس کر ''را'' کے ہاتھوں کھلونا بن کر اپنے ملک کی بدنامی میں برابر کے حصہ دار بن جاتے ہیں۔

## دہشت گردی:

''را'' نے ایس۔ ایس۔ بی (سپیشل سروسز بیورو) کو بطور خاص پاکستان میں دہشت گردی کو بڑھاوا دینے کے لئے قائم کر رکھا ہے۔ اس ونگ کی ذمہ داریوں میں پاکستان کے مختلف شہروں میں بم دھماکے، تخریب کاری، فائرنگ کروانا شامل ہے اور یہ خصوصی ونگ ورغلائے ہوئے پاکستانی نوجوانوں کو دہشت گردی کی تربیت دیتا ہے۔ ایس۔ ایس۔ بی نے راجستھان، گجرات، مشرقی پنجاب اور مقبوضہ کشمیر میں 36 تخریبی کیمپ بنا رکھے ہیں۔ جہاں دہشت گردی کی باقاعدہ تربیت دے کر دہشت گردوں کو ہمسایہ ممالک میں تخریب کاری کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ ان میں سے 8 کیمپ جو بطور خاص پاکستان میں دہشت گردی اور تخریب کاری کو بڑھاوا دینے کے لئے قائم کئے گئے ہیں، راجستھان میں گنگا نگر، جے پور، اودھم پور، کشن گڑھ، بارمیر، جیسلمیر اور چندی گڑھ میں قائم ہیں۔ یہ آٹھ کیمپ عموماً سارا سال اپنی مذموم سرگرمیاں جاری رکھتے ہیں۔ یہاں دہشت گردوں کو مختلف گروپوں میں تربیت دی جاتی ہے۔ ان کیمپوں سے تیار ہونے والے دہشت گردوں کو یا تو براہِ راست حکومت

مخالف انتہا پسند نظریات رکھنے والی پارٹیوں میں داخل کر دیا جاتا ہے یا ڈاکوؤں کے ساتھ منسلک کر دیا جاتا ہے یا پھر اغوا کاری کی خصوصی تربیت دے کر ان کے ذریعے اہم شخصیات کو اغوا کروا کر دہشت گردی اور خوف و ہراس پھیلایا جاتا ہے۔ یہ اغوا کار تخریب کار جو لاکھوں کروڑوں کی رقم بطور تاوان (Ransom) وصول کرتے ہیں ان کا ایک مخصوص حصہ ہی انہیں ملتا ہے باقی ساری رقم ''را'' کے ''تخریب کاری فنڈ'' میں جمع ہو جاتی ہے اور اس رقم سے پھر یہ گھناؤنا سلسلہ جاری رکھا جاتا ہے۔

اس طرح ''را'' کے شیطانی ذہنوں نے بڑی چانکیائی پالیسی بنائی ہوئی ہے اور جس ملک کے بدقسمت نوجوان کو ورغلا کر گمراہ کر کے اپنا اُلو سیدھا کرتے ہیں، اصل میں ان کے سروں پر ان کی جوتیاں ہی ماری جاتی ہیں۔

ایک محتاط اندازے کے مطابق ان 8 کیمپوں کے تربیت یافتہ دہشت گردوں نے گزشتہ 3 سال میں 150 سے زیادہ تخریبی کارروائیوں میں ایک ہزار سے زیادہ بے گناہوں کی جان لی ہے۔ خیال رہے ان میں وُہ بے گناہ پاکستانی شامل نہیں جنہیں کراچی میں گزشتہ تین سال سے ''را'' نے قتل و غارت گری کا نشانہ بنا رکھا ہے جن کی تعداد ہزاروں میں شمار ہونے لگی ہے۔

میری مراد ان کارروائیوں سے صرف دھماکہ خیز مواد والی کارروائیاں ہیں جن میں حساس نوعیت کی تنصیبات مثلاً سوئی پائپ لائن، آئل ریفائنری، ٹرینوں اور فوجی و سویلین جہازوں پر حملے شامل ہیں۔

## اندرونی اور بیرونی مداخلت کاری:

''را'' تخریب کاروں کے انتخاب کے لئے پاکستان کی انتہا پسند اور متشدد تنظیموں کا انتخاب کرتی ہے۔ گزشتہ مارشل لاء کے دوران جب ''الذوالفقار'' کے نام سے ایک تنظیم قائم کی گئی تھی تو ''را'' نے فوراً ہی اس پر قبضہ کر لیا۔



''را'' کا پراپیگنڈہ سیل اس معاملے میں بہت چوکس ہے اور وہ ڈس انفارمیشن کے ذریعے ایسا ماحول پیدا کر دیتا ہے کہ ان تنظیموں کے جذباتی کارکن یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ان کے لیڈران واقعی ''را'' کے زیر اثر آ چکے ہیں اور اپنے لیڈروں کی تقلید میں وہ بھی پھر ''را'' کا ''چارہ'' بن جاتے ہیں۔ طرفہ تماشا یہ ہے کہ الذولفقار کے سربراہ میر مرتضٰی بھٹو آج تک اس بات سے انکار کر رہے ہیں کہ ان کا تعلق کسی بھی تخریب کاری گروپ سے رہا ہے لیکن ''را'' نے الذوالفقار کے کارکنوں کو نہ صرف تربیت دی بلکہ ان کے ذریعے تخریب کاری بھی کروائی۔

جب پاکستان کی کاؤنٹر انٹیلی جنس ان کارکنوں پر گرفت کرتی ہے تو ''را'' انہیں ہر ممکن تحفظ فراہم کرتی ہے جس میں ان کا بھارت میں قیام طعام یا دُنیا کے دیگر ممالک میں سیاسی پناہ حاصل کرنا بھی شامل ہے۔ ایسی متعدد مثالیں دیکھنے میں آئی ہیں جب امریکہ اور یورپ کے مختلف ممالک میں پناہ حاصل کرنے والے ملک دُشمنوں کے کیس ''را'' کے وکیلوں نے لڑے اور انہیں سیاسی پناہ بھی دلوائی تا کہ مستقبل مین بھی ان گھوڑوں کو اپنی مرضی کے میدان پر دوڑا اور بھٹکا سکیں۔

الذوالفقار کے تربیت یافتہ دہشت گردوں کے ذریعے ''را'' نے نہ صرف اندرون پاکستان بلکہ بیرون پاکستان بھی تخریب کاری کروائی تا کہ دُنیا کو یہ تاثر دیا جائے کہ پاکستان ایک غیر محفوظ ملک ہے جس کی سلامتی داؤ پر لگی ہوئی ہے اور جو (خاکم بدھن) کسی بھی وقت ٹکڑوں میں بٹ سکتا ہے۔

اس سلسلے کی اہم مثال ''را'' کے سپیشل آپریشنل گروپ کی طرف سے سوئٹزر لینڈ میں کی جانے والی کارروائیل تھیں۔ اسی طرح ''را'' نے پاکستانی جہازوں کے اغوا کے ''خصوصی آپریشنز'' بھی کروائے جن میں نہ صرف پاکستانی جہازوں کا اغوا، بلکہ پاکستان کے ائیر پورٹس سے غیر ملکی جہازوں کے اغواء کی وارداتیں اور اغوا کردہ

جہازوں کی پاکستانی ائیر پورٹس پر لینڈنگ بھی شامل ہے۔

ان گھناؤنی کارروائیوں کا آغاز 1971ء میں ''گنگا'' نامی طیارے کے اغواء سے ہوا۔ جب ایک بھارتی طیارے کو اغواء کر کے لاہور کے ہوائی اڈے پر اُتارا گیا۔ بعد ازاں اسے تباہ کروا کر پاکستانی طیاروں کے بھارتی فضا سے گزرنے پر پابندی کا جواز تلاش کیا گیا۔ اس طرح ''را'' نے اپنے آپریشن بنگلہ دیش کا آغاز کیا تھا۔

اس طرح کا ایک اور منصوبہ 80ء کے عشرے میں بھی بنایا گیا تھا جسے پاکستانی سیکورٹی ایجنسیز نے ناکام بنادیا۔

80ء کے عشرے میں ''را'' کی طرف سے طیارے اغواء کروا کر پاکستان میں لینڈ کروانے کی ایک روش چل نکلی تھی جسے پاکستانی ایجنسیوں نے ناکام بنایا اور ایک ایسے ہی طیارے کو لاہور سے کراچی پھر دوبئی کی طرف روانہ کیا گیا۔ دوبئی میں ہائی جیکر گرفتار ہو گئے گو کہ ''را'' نے اس واقعے کو پاکستان کے خلاف استعمال کرنا چاہا لیکن شواہد اس کے خلاف پیش آئے اور ساری دُنیا پر یہ عیاں ہو گیا کہ دراصل اس جہاز کا اغوا ''را'' ہی کا کارنامہ تھا۔ مقصد پاکستان کی بدنامی اور بلیک میلنگ کے سوا کچھ نہیں تھا۔ اس جہاز کے اغوا کاروں سے متعلق بہت عرصے تک متضاد افواہیں پریس میں گردش کرتی رہیں جن میں ایک اہم اطلاع یہ بھی تھی کہ ہائی جیکروں کا سرغنہ ''را'' کا ایک آفیسر تھا۔

غیر ممالک میں پاکستان کے نام پر اپنے ایجنٹوں سے کارروائیوں کروانا ''را'' کے لئے معمول کی بات ہے جس کی بہترین مثال ہم نے کینیڈا میں تھرڈ ایجنسی کی طرف سے ایئر انڈیا اور کیتھے پیسفک کے جہازوں میں دھماکے کی پیش کی ہے۔

لندن کا علاقہ ''ساؤتھ مال'' سکھوں کا گڑھ سمجھا جاتا ہے جہاں خالصتان



نواز سکھ اکثریت میں آباد ہیں۔ 1984ء میں بھارتی فوجوں کے دربار صاحب پر حملے کے بعد سے ساری دُنیا میں موجود سکھوں میں شدید بے چینی پائی جاتی تھی اور دُنیا بھر میں بھارتی مظالم کے خلاف مظاہروں کی ایک لہر چل پڑی تھی۔ اس صورتِ حال کو ''کاؤنٹر'' کرنے کے لئے ''را'' کے سفارتکاروں کے بھیس میں موجود ایجنٹوں نے یہ سارا ملبہ پاکستان پر ڈالنے کے لئے جو بھیانک کارروائی کی اس کی ایک مثال تو وینکور اور ٹورانٹو (کینیڈا) کے بھارتی ہائی کمیشن میں لیکن لندن کے بھارتی ہائی کمیشن نے اس سلسلے میں کوئی کمی نہیں دکھائی۔

سکھوں کے مختلف گروپوں کی آپس میں لڑائیاں کروانا، ایک کے ہاتھوں دوسرے کا قتل اور اس کا ذمہ دار ''آئی ایس آئی'' کو قرار دلوانا انکا معمول تھا۔ اس سلسلے میں سکھوں کے خالصتان نواز ہفت روزہ دیس پردیس کے ایڈیٹر ترسیم سنگھ پورے وال کا قتل ''را'' کا تازہ کارنامہ ہے۔ گو کہ اس قتل کے ضمن میں مشتبہ قرار پانے والے سکھ ہی میں لیکن برطانوی پریس نے اس سلسلے میں سارے حقائق طشت ازبام کر دیئے ہیں۔

افسوس تو اس بات کا ہے کہ دُنیا کی بیشتر مہذب اور ترقی یافتہ اقوام محض اپنے تجارتی مفادات کے حصول کے لئے اپنے ''تجارتی منڈیوں'' پر اپنے اُصول قربان کر دیتی ہیں۔ اس سلسلے میں برطانیہ اور کینیڈا حکومت کی مثالیں موجود ہیں جنھوں نے ''را'' کے بہت سے جرائم کا ثبوت حاصل کرنے کے باوجود خاموشی اختیار کر لیتی ہیں۔

## جاسوسی:

پاکستانی انٹیلی جنس ایجنسیوں نے ''را'' کے متعدد ایجنٹ گزشتہ چند سالوں میں گرفتار کئے ہیں لیکن یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ ''را'' کو پاکستان میں جس نوعیت کی معلومات درکار ہوتی ہیں ان کی تفصیلات کچھ اس طرح ہیں۔

1) پاکستان کے ایٹمی پروگرام سے متعلق ہر طرح کی معلومات۔

2) پاکستان میں سیاسی اُتار چڑھاؤ۔

3) پاکستان کی داخلی سلامتی سے متعلقہ امور۔

4) پاکستان غیر ممالک سے کس نوعیت کا جنگی ساز و سامان حاصل کر رہا ہے۔

5) پاکستان میں کس نوعیت کے ہتھیار کئے جا رہے ہیں، ان کی ساخت اور کارکردگی سے متعلق تفصیلی معلومات۔

6) پاکستان کے امریکہ، چین اور مسلم ممالک سے تعلقات کی تفصیلات۔

اپنے مقاصد کے حصول کے لئے ''را'' پاکستان کی سیکورٹی فورسز، حساس اداروں تک دو طریقوں سے رسائی حاصل کرتی ہے:

(الف) اپنے ایجنٹوں کے ذریعے۔

(ب) اپنے زرخرید ایجنٹوں (Cultivated Agents) کے ذریعے۔

''را'' اپنے بھارتی ایجنٹوں کو پاکستان میں جاسوسی کے لئے بطور خاص تیار کرتی ہے۔ اس سلسلے میں کوشش یہی کی جاتی ہے کہ اس گھناؤنے مقصد کے لئے بھارت کی مسلم آبادی میں سے ایجنٹ تیار کئے جائیں۔

اس ضمن میں ''را'' بڑے گھٹیا طریقے استعمال کرتی ہے۔ عموماً ان نوجوانوں کو اپنا نشانہ بناتی ہے جو سرحد کے دونوں اطراف رشتوں کی زنجیر میں بندھے ہوئے ہیں۔ ایسے منقسم خاندان ہزاروں کی تعداد میں سرحد کے دونوں طرف آباد ہیں۔ کشمیر کی سرحد سے سندھ تک ''را'' کو ایسا ''چارہ'' مل جاتا ہے جسے وہ اپنی مرضی کے مطابق کاشت (Cultivate) کر سکتی ہے۔ ان نوجوانوں کو ترغیب، دھونس، دھاندلی، بلیک میلنگ ہر حربے کے ذریعے قابو کر کے ''را'' اپنے گھناؤنے مقاصد کے لئے استعمال کرتی ہے۔



پاکستان سے ایجنٹ حاصل کرنے کے لئے بھی ''را'' عموماً اس کلاس کو ترجیح دیتی ہے جو سرحد کے دونوں اطراف مضبوط خونی رشتوں کی زنجیر سے بندھے ہیں۔ ان ہی لوگوں کے ذریعے ''را'' ان کے حساس محکموں اور سیکورٹی فورسز میں موجود رشتہ داروں اور عزیز و اقارب تک رسائی حاصل کرتی ہے اور پھر انہیں بھی ایسے ہی حربوں کے ذریعے اپنے ڈھب پر لے آتی ہے۔

پاکستان اور بھارت میں آج کل محبت کی پینگیں بڑھائی جا رہی ہیں اور ہماری سمت سے کچھ زیادہ ہی جوش و خروش کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے۔ عین ان حالات میں جبکہ ہماری حکومت ''موسٹ فیورٹ نیشن'' کا درجہ دینے کے لئے منصوبہ بندی کر رہی تھی پاکستان انٹیلی جنس ایجنسیوں کو اس بات کے ثبوت مل گئے کہ بلوچستان میں حالیہ گڑبڑ کے پس پردہ افغانستان میں موجود ''را'' کا Sub Office اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ کروڑوں روپے بلوچستان میں تقسیم کئے گئے، باغیو کو قندھار اور ہرات کے تخریبی کیمپوں میں تربیت اور ہتھیار فراہم کئے گئے اور شرپسندوں کی نگرانی، ہدایات اور انسانی رہنمائی کے لئے پاکستان کے دونوں ہمسایہ ممالک میں Raw کے کمانڈ سینٹر قائم ہوئے۔

یہ ایسے حقائق ہیں جو پاکستان کی طرف سے سرکاری طور پر منظر عام پر لائے گئے ہیں بہت سے حقائق بین الاقوامی ڈپلومیسی اور مصلحت کے تحت منظر عام پر نہیں لائے جاتے اس صورتِ حال سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ''را'' اپنے فیصلوں میں مکمل آزاد اور خود مختار ہے اور پاک بھارت دوستی سے اس کا کچھ لینا دینا نہیں ہے۔



# کینیڈا میں ''را'' کا آپریشن

1980ء میں بھارتی حکومت نے کینیڈا میں ایک خفیہ آپریشن ''را'' کے ذریعے لانچ کیا تھا۔اس آپریشن کی بنیاد 1987ء کے بعد سے جرنیل سنگھ بھنڈرانوالہ اور اس کے ساتھیوں کی ساتھ امرتسر کے ''چوک مہتہ'' بھارتی پولیس کے ٹکراؤ کے بعد سے سکھوں میں پائی جانے والی بے چینی تھا جس نے بالآخر خالصتان تحریک کا روپ دھار لیا۔

بھارتی انٹیلی جنس ایجنسیوں کو اس بات کا یقین تھا کہ خالصتان کی اس تحریک کے ڈانڈے کینیڈا سے ملتے ہیں۔بھارتی حکومت نے ''را'' کو یہ آپریشن سونپا تھا کہ وہ کینیڈا میں برسوں سے آباد سکھوں کو کینیڈین حکومت کی نظروں میں اس بری طرح گرا دے کہ ان کی حیثیت کینیڈا میں ایک جرائم پیشہ قوم کی ہو کر رہ جائے۔

یہ مشن ''را'' کی کوکھ سے جنم لینے والی ''تھرڈ ایجنسی'' کو سونپا گیا تھا جس نے بظاہر اپنا مشن مکمل کر لیا اور ایک سازش کے تحت کچھ خالصتان نواز سکھوں کے جذباتیت کا معصومانہ استعمال کر کے 23 جون 1985ء کو ائیر انڈیا کی فلائٹ نمبر 182 میں آتش گیر مواد رکھ کر اسے تباہ کروا دیا جس میں 329 معصوم جانیں کام آئیں۔



آئر لینڈ کے سمندر پر تباہ ہونے والا یہ بوئنگ وزیکور سے ٹوکیو جا رہا تھا۔
فلائٹ نمبر 182 کی تباہی سے 55 منٹ پہلے ٹوکیو کے ناریٹا ائیر پورٹ کی ٹرانزٹ بیگیج بلڈنگ میں ایک زوردار دھماکہ ہوا جس سے دو مقامی ورکرز موقع پر مارے گئے۔ دھماکہ اس سامان میں ہوا جو کیتھے پیسفک کی فلائٹ نمبر سی۔پی۔003 سے ائیر انڈیا کی فلائٹ نمبر 301 پر منتقل کیا جا رہا تھا جو ٹوکیو سے بنکاک جا رہی تھی۔دونوں جہازوں میں دھماکہ خیز مواد کینیڈا کے ائیر پورٹس سے ''چیک ان'' ہوا تھا۔کیتھے پیسفک 003 یا پھر ائیر انڈیا کی فلائٹ نمبر 301 کی خوش قسمتی کہ یہاں ٹائمنگ کی غلطی نے انہیں بچا لیا۔

''را'' کی سازش کامیاب رہی لیکن اس سازش کے محرک انڈین قونصل جنرل سریندر ملک کی ضرورت سے زیادہ ہوشیاری (Overcleverness) نے کینیڈین انٹیلی جنس ایجنسی آر۔سی۔ایم۔پی (Royal Canadian Mounted Police) کر دیا۔اور وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ بھارتی حکومت نے ان کے ساتھ دوہری چال چلی ہے۔اس سانحے پر لکھی ذوہیر کاشمیری اور برین میک اینڈریو کی شہرہ آفاق کتاب ''سافٹ ٹارگٹ'' میں لکھتے ہیں۔

ائیر انڈیا کے بوئنگ جہاز کی تباہی اور کیتھے پیسفک کے ٹرانزٹ بیگیج میں بم دھماکے نہیں کینیڈین انٹیلی جنس ایجنسیوں کو چکرا کر رکھ دیا۔انہیں سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اتنی احتیاطی تدابیر کے باوجود یہ سانحہ کیسے وقوع پذیر ہوا۔''سافٹ ٹارگٹ'' کے مصنفین اس کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

سی۔ایس۔آئی۔ایس کے ایجنٹ جو ٹورانٹو اور وینکور میں سرگرم عمل تھے ان کی حالت میدان جنگ میں کسی بھی حملے کے منتظر سپاہیوں جیسی ہو گئی تھی۔23 جون 1985ء کو اتوار کا دن تھا لیکن ان لوگوں کے چھٹیاں منسوخ کر کے انہیں ہنگامی

حالت میں رکھا گیا تھا۔ حالانکہ دربار صاحب پر حملے کی سالگرہ کا دن بخیر و عافیت گزر جانے کے بعد وہ خود کو خاصا ہلکا پھلکا محسوس کر رہے تھے۔

اتوار کا وہ ناقابل فراموش دن سی۔ ایس۔ آئی۔ ایس کے ایجنٹوں پٹ اولسن اور فریڈ گبسن کی یادداشت میں اب تک گزرے ہوئے کل کی طرح موجود ہے۔ ان کا کہنا ہے سی۔ ایس۔ آئی۔ ایس کے دفتر میں اس روز کوئی خاص ہنگامہ آرائی دیکھنے میں نہیں آرہی تھی کیونکہ آپریشن بلیوسٹار کی سالگرہ بخیر و عافیت گزرنے پر ہم خاصے مطمئن تھے۔ ہمارے اذہان پر ایک عجیب سا دباؤ تھا۔ آپ اسے تناؤ سے بھی تشبیہ دے سکتے ہیں۔ دن پہ دن گزرتا جا رہا تھا لیکن ابھی تک کوئی خاص سرگرمی سکھوں کی طرف سے ہمارے نوٹس میں نہیں آرہی تھی۔

کیا سی۔ ایس۔ آئی۔ ایس والوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اب سب اچھا ہے۔؟

کیا مختلف ذرائع سے حاصل ہونے والی اطلاعات کو درخور اعتنا ہی نہیں سمجھا گیا۔؟

کیا کوئی اطلاع ان تک پہنچ نہیں سکی یا پھر ان لوگوں نے ایسی اطلاعات اور بھارتی حکومت کی طرف سے مسلسل یاددہانیوں کا نوٹس نہیں لیا۔؟

اس ضمن میں سی۔ ایس۔ آئی۔ ایس نے اپنے آپریشن کی وضاحت کی ہے۔ ''ہمیں جو اطلاعات ملیں وہ سب کمپیوٹر کو منتقل کی گئیں۔'' اولسن بتاتا ہے ''اتوار کے روز ہمارے علم میں یہ بات آچکی تھی کہ ائیر انڈیا کے جہاز کو واقعی تباہی کا خطرہ لاحق ہے اور عین ممکن ہے کہ اسے دھماکے سے تباہ کر دیا جائے ہم سرگرم عمل تھے، ہم نے حالات پر نظر رکھی۔''

اس کے باوجود آخر سی۔ ایس۔ آئی۔ ایس نے بھارتی حکومت کی اطلاعات کو نظر انداز کیسے کیا؟ اور یہ ''حادثہ کیسے گزرا۔؟''



اولسن کہتا ہے ''ہمیں بھارتی حکومت کی طرف سے گزشتہ لمبے عرصے سے بے بنیاد اور من گھڑت اطلاعات مل رہی تھیں، ان کے تمام اندازے اور رپورٹیں غلط ثابت ہو رہی تھیں، ممکن ہے ہمارے ایجنٹوں کے لاشعور میں یہ بات رہی ہو اور انہوں نے اس معاملے کو بھی زیادہ سیریس نہیں لیا۔''

درحقیقت اس معاملے پر سی۔ ایس۔ آئی۔ ایس اور آر۔ سی۔ ایم۔ پی میں معاصرانہ چشمک اتنی زیادہ بڑھ گئی تھی کہ اس نے ایک طرف مخالفت کا روپ دھار لیا۔ دونوں ایک دوسرے کی تفتیش سے نامطمئن تھے اور دونوں پرمار اور اندرجیت کی دم سے چپٹے رہے۔ اب یہ ایجنسیاں محسوس کرتی ہیں کہ دراصل پرمار اور اندرجیت نے انہیں مصروف اور اُلجھائے رکھنے کے لئے ہی یہ سارا گھڑاگ پھیلایا تھا، بات کچھ بھی رہی ہو لیکن اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ دونوں ایجنسیوں کی معاصرانہ چشمک اور ایک دوسرے کے ساتھ پیشہ وارانہ مخاصمت کی وجہ سے وہ اس قابت نہ رہے کہ مل کر کوئی بہتر لائحہ عمل اختیار کرتے اور کامیاب رہتے۔

یہ دونوں ایجنسیوں کی آپس کی مخاصمت ہی تھی جس نے انہیں اس قابل نہیں رہنے دیا کہ وہ ملزمان کے خلاف مکمل ثبوت حاصل کر کے انہیں عدالت کے سامنے پیش کر سکتے۔ آر۔ سی۔ ایم۔ پی کی ایک ٹیم پرمار اور ببر خالصہ کے خلاف کیس کی تیاری کی ذمہ دار ہے۔ ان لوگوں کے پاس دو دلیلیں ایسی تھیں جن کی بنیاد پر وہ کیس تیار کر رہے تھے۔ ایک تو یہ کہ پرمار اور اندرجیت نے مل کر جنگلی علاقے میں دھماکہ کیا اور دوسرا یہ ثبوت کہ اندرجیت نے ڈائنامائیٹ کی چھڑیاں اور سٹریوٹیونر خریدا اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ ٹوکیو ائیرپورٹ پر ہونے والے دھماکے کی ذمہ داری اندرجیت پر ڈالی جا سکتی ہے۔ اس کے باوجود پھر دونوں ایجنسیوں نے اکٹھے ہو کر تفتیش کرنی شروع کی وہ عدالت کے سامنے ایسے شواہد پیش کرنے سے قاصر رہے جس کی بنا پر

دونوں کو مجرم ٹھہرایا جاسکتا۔

آر۔سی۔ایم پر زبردست سیاسی دباؤ تھا کہ وہ جلد از جلد اس کیس کو ختم کرے۔ دہلی کی طرف سے آئے روز احتجاجی مراسلوں کی بھرمار نے ان کا ناطقہ بند کر رکھا تھا۔ خصوصاً جہاز کی تباہی کے بعد سے بھارتی بضد تھے کہ اس ضمن میں ہونے والی انکوائری سے انہیں باخبر رکھا جائے۔ اب صورتِ حال ایسی ہوگئی تھی کہ بھارت کی فرمائشوں پہ کینیڈین وزارت خارجہ قانونی راہنمائی کے لئے مرکزی سولیسٹر جنرل کی طرف دیکھتی تھی، اور سولیسٹر جنرل آر۔سی۔ایم۔پی کے کمشنر کی جان کو آیا رہتا تھا۔

بٹ اولسن اور فریڈ گبسن کو آج بھی وہ بحرانی دور یاد ہے جب مرکزی سولیسٹر جنرل کے آفس کی طرف سے آر۔سی۔ایم۔پی کمشنر رابرٹ سائمونڈ پر دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔ ہر نئے حکم کے ساتھ اس پر فوراً اور سختی سے عملدرآمد کی ہدایت کی جاتی تھی۔ آر۔سی۔ایم۔پی کے ایجنٹوں کو بتایا جا رہا تھا کہ بھارت کی طرف سے کینیڈین وزارت خارجہ پر دباؤ ڈالا جا رہا ہے کہ کینیڈا حکومت جان بوجھ کر ائیر انڈیا کی تباہی میں ملوث سکھوں کو کیفر کردار تک نہیں پہنچا رہی اور اس مسئلے کی آڑ میں کینیڈا کی بدنامی ہو رہی ہے۔

اصل میں یہی وہ دباؤ تھا جس نے آر۔سی۔ایم۔پی کے لوگوں کو اس حد تک جانے پر مجبور کر دیا کہ ثبوت جائیں جہنم میں ملزمان کے وارنٹ جاری کر کے کم از کم بھارتی حکومت کو مطمئن کر دیا جائے۔

ٹاسک فورس نے نومبر 1985ء میں کیس تیار کر کے پرمار اور اندرجیت کے خلاف عدالت میں کیس پیش کر دیا جس میں ان پر دھماکے کرنے کے الزامات لگائے گئے تھے۔ جب دُنیا میں ٹیلی ویژن کی سکرینوں پر عوام الناس نے دونوں ببر خالصہ کے ممبران کو ڈنکن کی برفیلی سڑکوں پر عدالت میں پیش ہوتا دیکھا تو یہی سمجھا



جانے لگا کہ ائیر انڈیا کی تباہی والا معمہ حل ہوگیا۔ لیکن یہ سچائی نہیں تھی۔

اس کا اقرار برٹش کولمبیا کے پراسیکیوٹر نے عدالت عالیہ میں کیا۔ اس نے تسلیم کیا کہ پرمار اور اندرجیت پر لگائے گئے الزامات کی تصدیق نہ تو دوران تفتیش ہو سکی ہے اور نہ ہی اس بات کا کوئی ثبوت عدالت کے سامنے پیش کیا جاسکا کہ یہ دونوں سکھ ائیر انڈیا اور ناریٹا ائیر پورٹ میں دھماکے والے واقعات میں ملوث ہیں۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ آر۔سی۔ایم۔پی کو اس مقصد میں مکمل ناکامی ہوگئی تھی اور ایک اندازے کے مطابق اس آپریشن پر کینیڈا حکومت کا 60 ملین ڈالر خرچ اُٹھ گیا۔ کہا جاتا ہے کہ سی۔ایس۔آئی۔ایس نے اس گرفتاری کی زبردست مخالفت کی تھی، وہ لوگ ان دونوں کو نامکمل ثبوت اور محض بھارتی حکومت کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے گرفتار کر کے عدالت میں پیش کرنے کے مخالف تھے۔

اس طرح ان کے خیال میں نہ صرف یہ کہ کیس کمزور ہو جاتا بلکہ اس کے بعد پھر مزید شواہد کا حصول بھی دشوار ہوتا۔ سی۔ایس۔آئی۔ایس کو یقین تھا کہ ان حادثات کے پیچھے بڑی گہری پلاننگ موجود ہے جس کے ڈانڈے بہت دور کہیں جا کر ملیں گے۔ صرف یہ دونوں آدمی اتنا بڑا مجرمانہ فعل انجام نہیں دے سکتے تھے۔

سی۔ایس۔آئی۔ایس کے لوگ دراصل اس سازش کو جڑوں سے اُکھاڑ پھینکنا چاہتے تھے اور انہیں آر۔سی۔ایم۔پی کے رویے سے بہت مایوسی ہوئی۔ جو صرف جنگلی علاقے میں کئے جانے والے ایک معمولی دھماکے کو بنیاد بنا کر ملزموں پر ہاتھ ڈال رہی تھی۔ جس وقت آر۔سی۔ایم۔پی کے لوگ بڑے جوش وخروش سے اس مقدمے کو عدالت میں پیش کرنے کی تیاریاں کر کے اپنی دانست میں کھیل ختم کر چکے تھے، ان لمحات میں سی۔ایس۔آئی۔ایس نے کھیل کا آغاز کیا تھا۔ وہ اس معمولی واقعے سے بہت آگے سوچ رہے تھے اور ان کی طرف سے مشترکہ ٹاسک فورس جو اسی

سلسلے میں بنائی گئی تھی، کو رپورٹ پیش کی گئی لیکن ان کی باتوں پر کان دھرنے کو کوئی تیار نہیں تھا۔

آر۔سی۔ایم۔پی نے ان اُمیدوں پر ابتدا ہی میں اوس ڈال دی تھی سی۔ایس۔آئی۔ایس کے ایجنٹوں نے بڑی محنت اور عرق ریزی کے بعد بہرحال یہ اہم سراغ پالیا تھا کہ جہاز کی تباہی میں بھارتی انٹیلی جنس ملوث ہے اور بھارتی انٹیلی جنس نے بڑی ہوشیاری سے اس کھیل میں اپنا رول ادا کیا ہے۔ جب انہوں نے اس لائن پر سوچنا اور کام کرنا شروع کیا تو ایسے اہم ثبوت سامنے آتے چلے گئے جن سے ان کی شک کو تقویت ملنے لگی۔

بھارتی انٹیلی جنس کے خلاف سی۔ایس۔آئی۔ایس کا کیس حالات کی پیداوار تھا۔ سی۔ایس۔آئی۔ایس کو ہائی کمان نے یہ باور کرلیا تھا کہ بھارتی انٹیلی جنس اس گھناؤنے کھیل میں ملوث ہے اور اب وہ اپنے ڈائریکٹر ٹیڈ فن کو اس بات پر رضامند کر رہے تھے خواہ کینیڈین وزارت خارجہ کی ناراضگی ہی کیوں نہ مول لینی پڑے، انہیں اس مرحلے پر روکا نہ جائے اور حقائق کو سامنے لانے میں ان کی کوششیں سبوتاژ نہیں ہونی چاہئیں۔

یہ خطرہ اپنی جگہ موجود تھا کہ اگر اس ایشو کو اُچھالا گیا تو بھارت اور کینیڈا کے درمیان پہلے سے موجود تناؤ حکومتی سطح پر اتنا زیادہ بڑھ جائے گا کہ دونوں ممالک کے آپس میں تعلقات متاثر ہونے کا خطرہ پیدا ہو جائے گا۔

نومبر 1985ء میں جب آر۔سی۔ایم۔پی کے لوگ گرفتاری اور تفتیش میں سرگرم تھے، وینکور میں سی۔ایس۔آئی۔ایس کے افسران نے کینیڈا میں سکھوں کی ہنگامہ آرائی کے ضمن میں محکمانہ بحث کا آغاز کر رکھا تھا اور وہ لوگ ان سکھوں کی فہرستیں زیر بحث لا رہے تھے جو یہاں ہنگامہ آرائی کے ذمہ دار تھے۔



سکھوں کی ہنگامہ آرائی کے پس پردہ عوامل کی جو لسٹ انہوں نے تیار کی تھی اس میں سرفہرست جی۔او۔آئی یعنی گورنمنٹ آف انڈیا کا نام تھا جس کے سامنے بریکٹ میں سیکرٹ سروسز بیورو سی۔بی۔آئی "را" اور "تھرڈ ایجنسی" کے نام شامل تھے اور جی۔او۔آئی کے نیچے ان سکھوں کے نام کی فہرست تھی جو بھارتی حکومت کے تنخواہ دار ایجنٹ تھے اور یہاں کینیڈا میں بھارتی انٹیلی جنس کی مذموم کارروائیوں کو بڑھاوا دے رہے تھے۔ ان میں تنخواہ دار وہ ایجنٹ شامل تھے جو بظاہر خالصتانی سکھ تھے لیکن اندرون خانہ جو بھارتی انٹیلی جنس کی ملازمت کر رہے تھے اور ان کا مشن سکھوں میں بے چینی پیدا کر کے انہیں تشدد آمیز کارروائیوں پر اُبھارنا تھا۔

اس کے ساتھ ببر خالصہ کے سپورٹرز کی لسٹ منسلک تھی جن میں سے بیشتر پر دونوں دھماکوں میں ملوث ہونے کا شک کیا جا رہا تھا۔ سی۔ایس۔آئی۔ایس والوں کی آبزرویشن یہ تھی کہ آر۔سی۔ایم۔پی کی تفتیش کا معیار بہت سطحی تھا اور وہ محض دو سکھوں کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے رہے جبکہ اصل معاملات اور پس پردہ محرکات پر ان کی نظریں نہیں جا سکیں۔

ایئر انڈیا کی تباہی پر تحقیقات کے ضمن میں قائم ٹاسک فورس میں فورس کے سی۔ایس۔آئی۔ایس کے ایک آفیسر نے اعلیٰ سطحی محکمانہ میٹنگ میں کہا "اگر آپ لوگ واقعی یہ چاہتے ہیں کہ جلد از جلد اس سازش کو بے نقاب کر کے ملزمان کو گرفتار کیا جائے تو اپنی ویگنوں کے ساتھ انڈین ہائی کمیشن انڈین قونصلیٹ ٹورانٹو اور وینکور پر دھاوا بول دیجئے اور وہاں موجود تمام لوگوں کو اپنی ویگنوں میں لاد کر لے آیئے۔ ان سے الگ الگ سوال جواب کئے جائیں تو مجھے یقین ہے کہ ملزمان گرفتار ہو جائیں گے۔ اس بات کا بھارتیوں کو بھی علم ہے کہ ہم جانتے ہیں اس تباہی میں بھارتی انٹیلی جنس ملوث ہے۔ اپنے ملوث ہونے کے متعلق تو ظاہر ہے بھارتی کسی شک میں مبتلا

نہیں ہیں۔"

سی۔ایس۔آئی۔ایس کی طرف سے اس جی۔او۔آئی کنکشن کی حمایت میں آر۔سی۔ایم۔پی کا ایک سنیئر آفیسر بھی تھا۔ وینکور کے اس آر۔سی۔ایم۔پی آفیسر کو جو ٹاسک فورس میں شامل تھا، حکم دیا گیا تھا کہ وہ بھارتی حکومت کے اس تباہی میں کردار پر تفتیش کرے۔ اس آفیسر نے ایسے شواہد تلاش کر لئے تھے جو اس تباہی کے پس پردہ کچھ اور ہی کہانی سنا رہے تھے۔ ابھی اس کا کام جاری تھا کہ آر۔سی۔ایم۔پی نے نومبر آپریشن کا ڈول ڈال کر سارا کھیل بگاڑ دیا۔

اس درمیان سی۔ایس۔آئی۔ایس کے ایجنٹوں نے اپنی سرتوڑ کوششیں جاری رکھیں اور اس بات کا ثبوت حاصل کر لیا کہ ائر انڈیا کے جہاز کی تباہی اور ناریٹا ائیر پورٹ کے دھماکے میں بھارتی انٹیلی جنس ملوث ہے۔ اس سلسلے میں پہلی مرتبہ اخبار کی ایک خبر کے ذریعے سی۔ایس۔آئی۔ایس کے ایک آفیسر کی طرف سے بیان سامنے آیا جو بقول پٹ اولسن ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا۔

ہوا یوں کہ کینیڈا کے موقر روزنامہ "گلوب اینڈ میل" نے ائیر انڈیا کے اس حادثے کو اگلے ہی روز فرنٹ پیج پر سٹوری شائع کی جس کی سرخی تھی:

"کینیڈین پولیس کو ائیر انڈیا کے جہاز کی تباہی اور ناریٹا ائیر پورٹ پر دھماکے کے سلسلے میں دو پراسرار آدمیوں کی تلاش ہے۔" میں انکشاف ہوا کہ اخبار کو یہ خبر ٹورانٹو میں بھارتی قونصل جنرل سریندر ملک کے ذریعے ملی تھی۔

فرینڈر ملک جو متعلقہ رپورٹر کا دوست تھا، نے گلوب اینڈ میل کے رپورٹر کو فون پر اطلاع دی کہ ایف۔بی۔آئی امریکہ کو مسٹر راجیو گاندھی کے دورہ امریکہ کے دوران قتل کرنے کی سازش میں ملوث جن دو سکھوں امند سنگھ اور ایل سنگھ کی تلاش ہے، یہی دونوں اس ڈھماکے کے سلسلے میں بھی مطلوب ہیں۔ اگر سی۔پی۔ائیر کمپیوٹر کا



ریکارڈ چیک کیا جائے تو ثابت ہو جائے گا کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے وہ سچ ہے اور سریندر ملک کوئی بڑ نہیں ہانک رہا۔

سی۔ایس۔آئی۔ایس کے ایک تجزیہ نگار نے جس کے ذمے گلوب اینڈ میل کی اس خبر کا تجزیہ کرنے اور حقائق کا پتہ چلانے کی ڈیوٹی لگائی گئی تھی، جب صورتِ حال کا جائزہ لینا شروع کیا تو بعض انکشافات نے تو اسے گڑبڑا کر ہی رکھ دیا، اس کے ذہن میں خبر کی تحقیق کے بعد جو سوالات پیدا ہوئے وہ کچھ یوں تھے:

اخبار کو یہ خبر حادثے کے 16 گھنٹے بعد بھارتی قونصل جنرل نے دی تھی جبکہ کینیڈین پولیس جس نے سی۔پی۔ائیر لائن کے کمپیوٹر ریکارڈ چیک کئے تھے اس کو بھی پسنجر لسٹ سے یہ خبر اس کے بعد ملی تھی کہ مسافروں میں ایل سنگھ کا نام شامل ہے۔

ایجنٹ کے ذہن میں قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوا کہ آخر کینیڈین پولیس سے بھی پہلے قونصل جنرل سریندر ملک کو کیسے اس بات کا علم ہو گیا کہ ایل سنگھ پولیس کو مطلوب ہو گا۔

اگر اس نے ائیر انڈیا کے کمپیوٹر سے یہ نام حاصل کیا ہے کیونکہ دونوں ائیر لائنوں کے مشترکہ مسافروں کے کمپیوٹر ریکارڈ انٹر لنک تھے تب بھی اس نے ایل سنگھ کا نام ہی کیوں لیا؟ جبکہ ائیر انڈیا کی لسٹ میں اس کے علاوہ اور بھی بہت سے سنگھ شامل تھے جنہوں نے سی۔پی۔ائیر کی اس فلائٹ سے ائیر انڈیا کی تباہ ہونے والی فلائٹ پر سفر کرنا تھا۔ اس آفیسر کی ڈیوٹی لگائی گئی کہ وہ اس بات کا پتہ لگائے آخر سریندر ملک دونوں دھماکوں سے متعلق پولیس سے بھی زیادہ معلومات کیسے رکھتا ہے۔؟

مضمون نگار نے دعویٰ کیا تھا کہ اس کی معلومات کا ذریعہ بھارتی انٹیلی جنس نیٹ ورک ہے۔ جس نے بم کے دھماکے کے سلسلے میں اختیار کردہ طریق کار کو بنیاد بنا کر تحقیق کی اور فوراً اس بات کا اندازہ لگا لیا کہ اس کے پس پردہ کس کا ہاتھ ہے۔؟

سریندر ملک کا کہنا تھا کہ جب ایک مشتبہ نے جاپان کے لئے بکنگ کروائی تو دوسرے نے ٹورانٹو سے براہِ راست بمبئے کے لئے بکنگ کروائی۔ اس نے دعویٰ کیا کہ دونوں نے اپنا سامان جہازوں میں منتقل کیا لیکن وہ خود جہاز میں سوار نہیں ہوئے۔ اس طرح سریندر ملک نے دوہری تباہی کے منصوبے کا انکشاف کیا تھا اور جو نتیجہ اس نے محض چند گھنٹے میں نکال لیا تھا، آر۔ سی۔ ایم۔ پی کے لوگوں نے بعینہٖ نتائج اخذ کئے تھے لیکن کئی دنوں کی مسلسل سرکھپائی اور دن رات کی محنت کے بعد......

یہ سوال بار بار ان کے ذہن کو کچوکے دے رہا تھا کہ آخر اس بات کا علم فوراً ہی سریندر ملک کو کیسے ہو گیا۔؟

سریندر ملک کی طرف سے ”گلوب اینڈ میل“ کو اطلاعات فراہم کرنے کا سلسلہ جاری رہا۔ اس نے جہاز میں بم رکھنے والے سکھ دہشت گردوں کی نشان دہی کا سلسلہ جاری رکھا۔ ایئر انڈیا کے جہاز کی تباہی کے چھ دن بعد اس کے حوالے سے ایک اور خبر ”گلوب اینڈ میل“ میں اس سرخی کے ساتھ شائع ہوئی:

”ایئر انڈیا کے پائلٹ کی طرف سے پارسل بم کی اطلاع“ اس خبر میں بتایا گیا تھا کہ ایئر انڈیا کے جہاز میں سکھوں نے کاک پٹ میں بم پہنچا دیا تھا۔ لیکن بروقت انکشاف سے مصیبت ٹل گئی۔ اس سلسلے میں گو کہ کسی کا نام نہیں لیا لیکن اس کا اشارہ ”اتہاس“ نامی رسالے کے ایڈیٹر جگدیو نجر کے بھائی بلبیر سنگھ نجر کی طرف تھا جو ڈاکٹر جگجیت سنگھ چوہان کی نام نہاد حکومت کا ایک متحرک عہدیدار تھا۔ اس خبر میں دعویٰ کیا گیا کہ نجر نے جہاز کے ”کو پائلٹ“ کے ذریعے، جو ایک سکھ تھا، جہاز کے کاک پٹ میں بم پہنچا دیا تھا۔ یہ ایک خودکشی مشن تھا اور اس سکھ پائلٹ نے بھی جہاز کے ساتھ ہی تباہ ہو جانا تھا۔

آر۔ سی۔ ایم۔ پی نے خبر کے مندرجات کے مطابق تفتیش کی اور وہ لوگ



اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ بھی بھارتی سفارت خانے کی طرف سے معمول کا ایک جھوٹ تھا جس کا مقصد ہمیشہ کی طرح تحقیقات کو غلط رُخ پر موڑنا تھا۔

بات صرف اتنی تھی کہ نجر اور جہار کے کو پائلٹ ایس۔ ایس۔ بھنڈر نے فلائٹ والی رات سے ایک دن پہلے ٹورانٹو کے رائل پارک ہوٹل میں اکٹھے ڈنر کیا تھا۔ اسی ہوٹل میں ایئر انڈیا کے کریو قیام پذیر تھے۔ دونوں سکھ اپنے بھارت میں موجود ایک مشترکہ دوست کے ذریعے ایک دوسرے سے متعارف ہوئے تھے اور ان کی یہ ملاقات بھی اسی دوستر کے حوالے سے تھی۔ اس درمیان کوئی ”ڈیل“ ان کے درمیان نہیں طے پائی۔

تباہ شدہ جہاز سے جو ”بلیک باکس“ ملا، اس میں ریکارڈ شدہ گفتگو سے ایسا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ جہاز کے کاک پٹ میں کوئی بم نصب کیا گیا تھا۔

سریندر ملک کی طرف سے ایسی ”ڈس انفارمیشن“ ہی کوئی ایک ایسا معاملہ نہیں تھا جو سی۔ ایس۔ آئی۔ ایس کے افسران کو اپنی طرف متوجہ کرتا۔ بہت سے شواہد کے علاوہ ایک اہم بات یہ بھی تھی کہ تباہ ہونے والے جہاز سے بھارتی سفارت خانے کے پسندیدہ بہت سے لوگوں نے بھارت جانا تھا لیکن عین وقت پر انہوں نے اپنی نشستیں منسوخ کروالیں۔

کیا اس کا سیدھا سیدھا مطلب یہ نہیں کہ ان لوگوں کو آنے والے حادثے کا علم ہو گیا تھا۔؟

اس سلسلے میں سب سے پہلے جو شخص مشتبہ ٹھہرتا تھا وہ سریندر ملک خود تھا جس کی بیوی اور بچوں نے بھی فلائٹ 182 کے ذریعے سفر کرنا تھا لیکن فلائٹ کی روانگی سے چند گھنٹے پہلے اس نے نشستیں منسوخ کروادیں۔ بعد میں جب اس سے گھریلو سیٹوں کی منسوخی کے متعلق سوال پوچھا گیا تو اس نے اپنی صفائی میں کہا کہ عین موقع پر

اس کی بیٹی نے بتایا کہ اس کے سکول کے کچھ امتحانات ابھی باقی ہیں جن کے بغیر اس کی تعلیمی کارکردگی متاثر ہونے کا خطرہ ہے اس لئے اس نے عین موقع پر اپنے خاندان کی روانگی کا پروگرام بدل دیا۔

ایک اور دلچسپ کیس بھارتی بیوروکریٹ سدھارتھ سنگھ کا بھی تھا جس کی سیٹ فلائٹ سے تقریباً ایک گھنٹہ پہلے منسوخ کی گئی۔ یہ بیوروکریٹ راجیو گاندھی کے ساتھ امریکہ کا دورہ کرنے والے وفد میں شامل تھا اور اپنی کچھ مصروفیات کی وجہ سے اس نے بھی اپنی سیٹ اسی فلائٹ میں رکھی تھی۔

اس نے ایک ذیلی دورہ کینیڈا کا بھی کیا تھا۔ سدھارتھ نارتھ امریکن معاملات کے ڈیسک کا دہلی میں انچارج تھا اور سریندر ملک کے ساتھ اس کی گہری چھنتی تھی۔ اس کے کینیڈا کے دورے کا مقصد ہی اوٹاوہ میں مرکزی حکومت کے وزارت خارجہ کے افسروں سے ملاقات کرنا تھا۔

یہ دورہ حادثے والے دن سے ایک ہفتہ پہلے کیا گیا تھا۔ سدھارتھ اس درمیان رتھ ملک کا مہمان رہا پھر اس نے فلائٹ 182 سے واپسی کا پروگرام بنایا لیکن آخری لمحات میں اس نے اپنی سیٹ کینسل کروادی اس کی وجہ بظاہر یہی بتائی گئی کہ اسے اچانک سرکاری کام سے برسلز جانا پڑا جس کے لئے دوسرا روٹ اختیار کرنا ناگزیر تھا۔ فلائیٹ 182 سے ایک اور آخری لمحات پر منسوخ کی جانے والی سیٹ ٹورانٹو کے ایک بھارتی نژاد کار ڈیلر کی تھی جو ملک کا خاص دوست تھا۔

آر۔ سی۔ ایم۔ پی کی اطلاعات کے مطابق ایک اور منسوخ ہونے والی اہم سیٹ ونڈسر اونٹاریو میں دل خالصہ کے مقامی صدر کی سالی کی تھی۔ یاد رہے کہ دل خالصہ پنجاب میں اکالی دل کے مقابلے میں قائم ہونے والی سیاسی تنظیم ہے جس کے متعلق یہ باور کیا جاتا تھا کہ اس کانگریس نواز حلقوں کی آشیر باد حاصل ہے اور دل



خالصہ کا قیام گیانی ذیل سنگھ صدر بھارت کی پشت پناہی سے عمل میں آیا۔ بظاہر تو یہ تنظیم پنجاب میں مسز اندرا گاندھی کی حمایت میں قائم کی گئی تھی لیکن اس تنظیم کے انتہا پسند گروپ نے بعد میں شدت سے خالصتان کا نعرہ بلند کیا اور بھارتی ایئر لائن کا طیارہ اغوا کر کے پاکستان کے شہر لاہور میں اُتار دیا۔

خالصتان یا بھارت سے وفاداری کے مسئلے پر دل خالصہ دو گروپوں میں بٹ گئی۔ بھارت میں اس تنظیم کو غیر قانونی قرار دے دیا اور اس سے منسلکہ ارکان پر بغاوت کے مقدمات قائم ہو گئے۔ غیر ممالک میں تنظیم انتشار کا شکار ہو گئی اور اس کا کینیڈین ونگ الگ ہو گیا جس نے اپنا ہیڈ کوارٹر ونڈسر میں قائم کر لیا۔

ببر خالصہ کے مقامی سربراہ تلوندر سنگھ پرمار نے حادثے کے کچھ عرصہ بعد ونڈسر کا دورہ کیا اور یہاں کے مقامی گوردوارے میں سکھوں سے خطاب کیا۔ 3 اگست کو ہونے والی میٹنگ دل خالصہ کے صدر نے منعقد کی تھی۔

اس میٹنگ کے خاتمے کے فوراً ہی بعد سریندر ملک کی طرف سے گلوب اینڈ میل میں ایک اور کہانی اس حوالے سے شائع ہو گئی جس میں اس نے کینیڈین انٹیلی جنس کی بے خبری کا مذاق اُڑایا اور ایک اور واقعہ اپنی طرف سے گھڑ کر اخبارات میں شائع کروا دیا۔ اس خبر کی اشاعت کے بعد سی۔ ایس۔ آئی۔ ایس کے لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ انہیں اپنے بھارتی حلیفوں کے ساتھ تعلقات پر نظر ثانی کرنی پڑے گی۔ اس کے سوا اب اور کوئی چارہ باقی نہیں رہا تھا۔

ملک نے اپنے ''ڈس انفارمیشن سیل'' کے ذریعے اس میٹنگ کے حوالے سے ایسی خبر اخبارات تک پہنچائی جس سے کینیڈین انٹیلی جنس کے لوگ تلملا کر رہ گئے۔ اس نے ''ونڈسر'' میں ہونے والے اس اجتماع کے ساتھ ساتھ ''مسس ایوگا'' میں ایک گٹھ جوڑ بھی تلاش کر لیا۔ اس نے دعویٰ کیا کہ ٹورنٹو کے دو خالصتان نواز اور

خطرناک سکھوں میں سے ایک نے تلوندر سنگھ پرمار کی معیت میں ''مسس ایوگا'' میں ایک مسلم انتہا پسند گروپ سے رابطہ قائم کیا ہے۔

سریندر ملک نے دعویٰ کیا کہ اس انتہا پسند مسلم گروپ سے ان کی ملاقات کا مقصد پاکستان اور افغانستان میں موجود مسلم انتہا پسند گروپوں کی خالصتان کے لئے حمایت کا حصول تھا کیونکہ بھارتی حکومت اس بات پر مصر ہے کہ مشرقی پنجاب میں سرگرم عمل سکھ گوریلوں کو اسلحہ افغانستان مجاہدین سے خرید کر فراہم کیا جاتا ہے اور سکھوں اور افغان مجاہدین کے درمیان رابطہ پاکستان کے انتہا پسند مسلم گروپوں کے ذریعے برقرار ہے۔

یہ ایک بے بنیاد اور بیہودہ کہانی تھی جس کے ''ذرائع'' بیان کرنے سے سریندر ملک نے انکار کر دیا حالانکہ اس نے یہ ساری کہانی لاورش کے ایگزیکٹو انٹیلی جنس ریویو میں چھپے ایک مضمون میں سے بنائی تھی۔

''را'' نے بڑی بھیانک سازش تیار کی تھی اور بھارتی حکومت اس گندے کھیل میں مسلمانوں کو ملوث کر کے ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتی تھی۔

ونڈسر کی اس نام نہاد میٹنگ کے متعلق سریندر ملک اور دور کی کوڑی لایا اور اس نے اخبارات کو بتایا کہ اس میٹنگ میں تلوندر سنگھ پرمار نے بتایا ہے کہ اس نے پانچ رضا کار خودکشی مشن پر بھارت روانہ کر دیئے ہیں۔ یہ لوگ جو ارداس کرنے کے بعد مرنے کا مشن لے کر بھارت جا چکے ہیں۔ 15 اگست کو بھارتی وزیراعظم راجیو گاندھی کو مار ڈالیں گے۔

15 اگست بھارت میں یوم آزادی منایا جاتا ہے۔ اس روز روایتی طور پر بھارت کا وزیراعظم دہلی کے تاریخی لال قلعہ سے ایک بڑے جلسے کو جس میں عمائدین سلطنت اور معززین شہر موجود ہوتے ہیں، خطاب کرتا ہے۔ اس مرتبہ وزیراعظم راجیو



گاندھی نے بھی ایک بڑے جلسہ عام سے خطاب کرنا تھا اور سریندر ملک کے مطابق تلوندر سنگھ پرمار کے گوریلوں نے راجیو گاندھی کو اس موقعے پر قتل کرنا تھا۔

سریندر ملک نے ''گلوب اینڈ میل'' میں اپنے رپورٹر دوست کو اس کہانی کی اشاعت پر مجبور کرتے ہوئے کہا کہ اس خبر کی اشاعت سے ببر خالصہ کے لیڈر پر کینیڈین سیکورٹی کی گرفت اور مضبوط ہو جائے گی اور اسے تباہی کے دونوں واقعات میں تلوندر سنگھ پرمار پر مقدمہ چلانے میں آسانی رہے گی۔ اخبار میں اپنے اس بیان میں سریندر ملک نے کینیڈا کے عدالتی نظام کو بھی زبردست تنقید کا نشانہ بنایا جو تلوندر سنگھ کو مجرم ثابت نہیں کر سکا تھا۔ اس نے شکایت کے لہجے میں کہا:

''بھارت میں ہمارے لئے مجرم کا صرف اقرار کر لینا ہی کافی ہے لیکن تم لوگ ہیومن رائٹس اور عدالتی چکروں میں پڑے رہتے ہو۔''

گلوب کے رپورٹر نے پٹ اولسن سے ونڈسر والی میٹنگ کی کہانی بیان کر دی۔ اسے حالات کی زیادہ بہتر خبر تھی کیونکہ جہاز کی تباہی کے بعد سے سی۔ ایس۔ آئی۔ ایس نے پرمار پر زبردست نگرانی رکھی ہوئی تھی۔ اس کے گھر، بزنس اور آفس کے تمام ٹیلی فون بک تھے اور ہر وقت سیکورٹی کے مستعد ایجنٹ سائے کی طرح اس سے چمٹے رہتے تھے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ ایس والوں نے ونڈسر کے اس گوردوارے میں جہاں پرمار نے اجلاس سے خطاب کرنا تھا، پہلے ہی سے حساس آلات نصب کر دیئے تھے اور وہاں پر ہونے والی تمام گفتگو کی ریکارڈنگ کر رہے تھے۔ اس بات کا علم تو انہیں بھی تھا کہ پرمار نے یہاں کسی قتل کے منصوبے کا ذکر کیا ہے لیکن جس طرح اس بات کو مرچ مصالحہ لگا کر سریندر ملک نے اخبارات تک پہنچایا تھا اس کا علم تو ان لوگوں کو بھی نہیں تھا نہ ہی صورتِ حال اتنی زیادہ سنگین تھی۔

بھارتی قونصل جنرل ملاقات کی غلط اور خطرناک تصویر کشی کر کے ایک ہی

وقت میں سکھوں اور کینیڈا کی حکومت کے خلاف عالمی سطح پر کیچڑ اُچھال رہا تھا۔ سیکورٹی والے جانتے تھے کہ یہ سارا کھڑاک پرمار نے ببر خالصہ کے لئے فنڈز حاصل کرنے کو پھیلایا ہے۔ وہ اس طرح سکھوں سے فنڈز بٹورنا چاہتا تھا ورنہ اس بات کی کوئی صداقت نہیں تھی۔

گلوب اینڈ میل نے سی۔ایس۔آئی۔ایس سے حقائق معلوم کر کے ملک کو کورا جواب دے دیا کہ وہ اس خبر کی اشاعت سے قاصر ہیں۔ سی۔ایس۔آئی۔ایس کو ونڈسر گوردوارے میں پرمار کی تمام کارروائیوں کی مکمل اطلاع تھی۔ وہ جانتے تھے کہ یہاں سے پرمار نے راجیو گاندھی کے قتل کا افسانہ بنا کر ڈالروں سے جھولیاں بھری ہیں۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ سارے کینیڈا میں ایک بھی سکھ ایسا نہیں جو اس خودکشی مشن پر بھارت گیا ہو، نہ ہی آئندہ جائے گا۔

سی۔ایس۔آئی۔ایس کو بڑی شدت سے "گلوب اینڈ سیل" کے اس "ذریعے" کی تلاش تھی جس نے انہیں ونڈسر گوردوارے کی میٹنگ کی اطلاع دی تھی۔ ابھی تک اخبار والوں نے ایجنسی کو یہ نہیں بتایا تھا کہ یہ خبر انہیں سرینڈر ملک کے ذریعے ملی ہے۔ انہوں نے اپنا "سورس" خفیہ رکھا تھا۔ صرف یہ بتا دیا تھا کہ انہیں یہ خبر بھارتی قونصلیٹ سے ملی ہے۔ ابھی تک انہوں نے کسی کا نام نہیں لیا تھا۔ سی۔ایس۔آئی۔ایس کے افسران کو پریشانی لاحق ہونے لگی تھی کہ آخر بھارتی قونصلیٹ نے ونڈسر والے اجلاس کی خبریں باہر کیوں پہنچائی ہیں جبکہ بھارتی حکومت کی طرف سے کینیڈین حکومت کو جو بھی اطلاع پہنچائی جاتی تھی اس کے ساتھ یہ درخواست بھی شامل ہوتی کہ اس خبر کو خفیہ رکھا جائے۔ یہ تو سراسر ان کا اعتماد مجروح کرنے والی بات تھی۔

اس مرحلے پر سی۔ایس۔آئی۔ایس نے ایک اہم اور دلیرانہ فیصلہ کیا یہ فیصلہ تھا بھارتیوں سے تعاون نہ کرنے کا۔



ایجنسی کو اس بات کا تلخ تجربہ ہوا تھا کہ وہ تعاون کے جذبے سے دونوں ممالک کے درمیان موجود معاہدے کے تحت بھارتی وزارت خارجہ کو جو اطلاعات فراہم کرتے تھے، انہیں پھر بھارتی انٹیلی جنس "ڈس انفارمیشن" کے لئے استعمال کرنے لگتی تھی اور آج تک ایجنسی نے اس معاہدے کا یکطرفہ احترام ہی کیا تھا۔

اب اپنے تلخ تجربات اور پے در پے بھارتی انٹیلی جنس کی شرارتوں کے بعد ایجنسی نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ وہ آئندہ بھارتیوں کے ساتھ نہ تو کسی میٹنگ میں شرکت کریں گے اور نہ ہی مل کر چلیں گے۔ اس سمت میں پہلا اہم قدم یہ اُٹھایا گیا کہ سی۔ایس۔آئی۔ایس نے اپنی وزارت خارجہ کو اطلاعات دینا بند کر دیں تا کہ یہ اطلاعات پھر بھارتی وزارت خارجہ کو منتقل ہی نہ ہو سکیں۔ اس سے پہلے وزارت خارجہ کو جو "ٹاپ سیکرٹ" فائلیں جایا کرتی تھیں ان کا سلسلہ بند ہو کر رہ گیا۔

ایجنسی نے طے کیا کہ وہ بھارت کو صرف وہی اطلاعات دے گی جس کا تعلق بھارت میں موجود شہریوں کی جان کو خطرے سے ہو۔ جہاں تک ایئر انڈیا کی تفتیش کا معاملہ ہے یا کینیڈین سکھوں کی نگرانی کا مسئلہ ہے اس سلسلے میں بھارتی وزارت خارجہ کو سرخ جھنڈی دکھا دی گئی۔

آر۔سی۔ایم۔پی نے یہاں بھی مخالفانہ طرزِ عمل اختیار کیا۔ انہوں نے سی۔ایس۔آئی۔ایس کے برعکس براہِ راست بھارتی انٹیلی جنس بیورو اور "را" کو اطلاعات فراہم کرنے کا سلسلہ جاری رکھا بلکہ بسا اوقات تو وہ سی۔ایس۔آئی۔ایس کی طرف سے ملنے والی اطلاعات بھی من و عن بھارتی انٹیلی جنس تک پہنچا دیتے۔

اس کشیدہ صورتِ حال کا قدرتی نتیجہ یہی نکلا کہ اب سی۔ایس۔آئی۔ایس والوں کو بادل نخواستہ ایک اہم فیصلہ اپنے ہی ملک کی دوسری انٹیلی جنس ایجنسی کے متعلق کرنا پڑا کہ انہوں نے ایئر انڈیا کی تباہی کے سلسلے میں اپنی تفتیش کو ایجنسی تک ہی

محدود کر لیا اور ایئر انڈیا اور ناریٹا ائیر پورٹ کے دھماکے کی تحقیقات سے آر۔ سی۔ ایم۔ پی کو بھی بے خبر رکھنا شروع کر دیا۔

1988ء اور 1986ء میں سی۔ ایس۔ آئی۔ ایس کے ٹورنٹو اور وینکور کے ریجنل دفاتر نے کینیڈین حکومت کی طرف سے اس معاہدے کا بائیکاٹ کرنے کا فیصلہ کیا کہ کینیڈا اور بھارت مل کر کام کریں گے اور بھارتی انٹیلی جنس ایئر انڈیا والے معاہدے میں باقاعدہ تفتیش میں حصہ لے گی۔ ایجنسی نے ''را'' کے ایجنٹوں کی کینیڈین انٹیلی جنس کے دفاتر میں تعیناتی کی زبردست مخالفت کی۔

ایجنسی کی طرف سے حکومت کینیڈا سے کہا گیا کہ ''را'' کے کسی بھی ایجنٹ کی ان کے آفس میں موجودگی ان کے لئے ''مدد'' سے زیادہ ''خطرے کی گھنٹی'' ہے اور وہ یہ خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ گیبن نے کہا ''اگر میں کمرے میں بیٹھا پانی پی رہا ہوں اور ''را'' کا ایجنٹ وہاں چہل قدمی کرتا آ گیا تو میں فوراً کمرے سے باہر نکل جاؤں گا۔''

آر۔ سی۔ ایم۔ پی والے ان ریمارکس سے گھبرا گئے۔ بھارتی انٹیلی جنس کے ''ڈس انفارمیشن'' سیل کی طرف سے میڈیا کو پہنچائی جانے والی خبروں اور افواہوں نے سی۔ ایس۔ آئی۔ ایس کو گڑبڑا کر رکھ دیا اور اب وہ لوگ سنجیدگی سے اس مسئلے پر سوچ بچار کرنے لگے کہ اس مصیبت پر کیسے قابو پایا جائے اور اب تک جو نقصان پہنچ چکا ہے، اس کا ازالہ کیسے ممکن ہوگا؟ سی۔ ایس۔ آئی۔ ایس کے افسران کی ایک خصوصی ٹیم بنائی گئی جس کے ذمے یہ کام سونپا گیا کہ وہ 1970ء سے ایجنسی اور پولیس میں تیار ہونے والی سکھوں کی تمام فائلوں کا دوبارہ جائزہ لے کر ایک رپورٹ مرتب کرے کہ حقائق کتنے ہیں اور بھارتی ڈس انفارمیشن کا کمال کتنا ہے۔؟

نظر ثانی کرنے والوں نے جلد ہی اندازہ لگا لیا کہ ان فائلوں میں زیادہ اطلاعات بھارتی انٹیلی جنس کی فراہم کردہ درج کی گئی ہیں اور انہیں اطلاعات کی بنیاد



پر کینیڈین انٹیلی جنس نے نتائج اخذ کر کے اپنی پالیسی بنائی ہے اس انکشاف نے تو ان لوگوں کو بوکھلا کر ہی رکھ دیا ہے کہ شروع سے اب تک بھارتی انٹیلی جنس کی کوشش یہی دکھائی دیتی تھی کہ کینیڈین حکومت کو سکھوں کے مقابلے میں گمراہ کرے اور ایسی جھوٹی اور بے بنیاد اطلاعات فراہم کرے کہ یہ لوگ سکھوں کو جرائم پیشہ قوم ہی سمجھنے لگیں۔

1982ء میں میٹرو ٹورنٹو پولیس کانسٹیبل فرنانڈس پر فائرنگ والے کیس کا جب دوبارہ جائزہ لیا گیا تو ان لوگوں کو علم ہوا کہ بھارتیوں نے ان کے ساتھ بڑا خوبصورت دھوکہ کیا تھا اور انہیں خوب بے وقوف بنایا گیا تھا۔

کینیڈین پولیس اور انٹیلی جنس میں بھارتی اثر و نفوذ کینیڈا کی سیکورٹی کی ملکی سلامتی اور اپنی ناک کا مسئلہ بن گیا۔ انہوں نے اب ہر سطح پر بھارتی حکومت کے تعاون سے توبہ کرنے کی ٹھان لی۔ ایسے تمام کیس جو سی۔ ایس۔ آئی۔ ایس والوں نے سکھوں کے سنبھال رکھے تھے خواہ ان کا تعلق دھماکے والے واقعات سے تھا یا پھر کسی دوسرے معاملے سے، انہوں نے بھارتی تعاون کو ایک طرف رکھ کر صرف اپنی تفتیش پر انحصار کا فیصلہ کیا۔

کینیڈین پولیس اس نتیجے پر بھی پہنچی کہ کوئی بھی تخریب کاری کا واقعہ ایسا نہیں ہوا جس میں بھارتی انٹیلی جنس کا ہاتھ نہ رہا ہو۔ جو حادثہ فلائٹ نمبر 182 میں پیش آیا تھا بالکل اس سے ملتا جلتا ایک واقعہ بھارت میں بھی ہو چکا تھا۔

2 اگست 1984ء کو 9 بج کر 50 منٹ پر مدراس (بھارت) کے ائیر پورٹ مینیجر لائلا سنگھ کو گمنام فون پر اطلاع ملی کہ کسٹم کے انسپکشن ایریا میں دو سوٹ کیس ایسے موجود ہیں جن میں تباہ کن مواد نصب کیا گیا ہے اور ایک گھنٹہ بعد ان سوٹ کیسوں میں نصب بم دھماکے سے پھٹ جائیں گے۔

سنگھ نے فوری طور پر مقامی پولیس، ایئر پورٹ سیکورٹی، فائر بریگیڈ اور

دوسرے ذمہ داروں اداروں کو یہ اطلاع پہنچائی لیکن وہ لوگ اسے ایک گھنٹہ تک بہلاتے رہے حالانکہ اس دوران اگر وہ چاہتے تو دونوں سوٹ کیس تلاش کر سکتے تھے۔

10 بج کر 52 منٹ پر بم پھٹ گئے۔ اس دھماکے نے 29 بے گناہوں کی جان لے لی۔ 38 بری طرح مجروح ہوئے اور مقامی پولیس نے اس بم دھماکے کا سلسلہ سری لنکا سے ملا دیا۔ الزام عائد کیا گیا یہ دھماکہ سری لنکا کے دہشت گردوں نے کیا ہے اور اس کے ڈانڈے سنہالی اور تامل گوریلوں کی آپس کی لڑائی سے ملا دیئے۔

پولیس نے ایک ایسے منصوبے کا انکشاف کر دیا جس کے مطابق تامل علیحدگی پسندوں نے دو سوٹ کیسوں میں بم نصب کر کے مدراس سے سری لنکا کے دارالحکومت کولمبو جانے والے ایک جہاز میں پہنچا دیئے تھے۔ مدراس میں سامان لوڈ کرتے وقت اس پر ائیر لنکا کے سٹکر لگا دیئے گئے تھے اور ان دونوں سوٹ کیسوں کو کولمبو ائیرپورٹ سے پھر ائیر لنکا کے دو جہازوں میں منتقل کرنا تھا جو لندن اور پیرس جانے تھے۔ منصوبہ یہ تھا کہ دونوں ڈائنامیٹ ان پروازوں میں پھٹیں گے۔

یہ دونوں ٹائم بم تھے اور تباہی کے لئے ان پر مقررہ وقت بھی فکس کیا گیا تھا۔ بھارتی انٹیلی جنس کا یہ پلاٹ شاندار تھا لیکن ان کی بدقسمتی کی اپنوں نے ہی ان کا ساتھ نہ دیا۔ ایسے خفیہ آپریشنز میں عملے کے تمام اراکین کو اعتماد میں نہیں لیا جاتا۔ دونوں بکس مسافروں کے بغیر ہی بک ہو گئے۔

کسی اعتراض کے بغیر ہی امیگریشن کے مراحل بھی طے پا گئے، لیکن کسٹم والوں کو اعتماد میں نہیں لیا گیا۔ اتفاق سے ''را'' کا خاص آدمی جس کو کسٹم میں تعینات کیا گیا تھا کہ وہ ان بکسوں کو وہاں سے بخیر و عافیت گزار دے، وہ ٹائمنگ کی غلطی کا شکار ہو گیا۔ دونوں سوٹ کیس جس کسٹم کاؤنٹر پر پہنچے اس جگہ ڈیوٹی پر موجود کسٹم آفیسر



کو کچھ شک گزرا جس کی وجہ صرف یہ تھی کہ مالکان سامان کے ہمراہ نہیں تھے اور سوٹ کیس خاصے بوجھل دکھائی دے رہے تھے۔ متعلقہ کسٹم آفیسر نے دونوں سوٹ کیس ایک طرف رکھ دیئے تاکہ بعد میں اطمینان سے انہیں چیک کر سکے اور فی الوقت جہاز کے مسافروں سے نمٹ لے۔ اس دوران ہی دیر ہو جانے کے سبب دونوں سوٹ کیس متعلقہ فلائٹ میں نہ جا سکے اور اگلے جہاز میں لوڈ ہونے سے پہلے وہیں پھٹ گئے۔

اس طرح سری لنکا کے دہشت گردوں نے ''را'' کی ملی بھگت سے جو ڈرامہ تیار کیا تھا وہ ناکام ہو گیا۔

سی۔ ایس۔ آئی۔ ایس کے افسران گیبن اور اولسن کی پختہ رائے تھی کہ جاپان کے ناریٹا ائیرپورٹ اور ائیر انڈیا کی 182 فلائٹ کا دھماکہ ہو بہو مدراس والے واقعات سے ملتا جلتا ہے اور دونوں واقعات میں بھارتی انٹیلی جنس نے ایک ہی طریقہ اپنایا۔ جس طرح مدراس میں ایک گھنٹے کے وقفے کی وجہ سے بم وقت سے پہلے پھٹ گیا، اسی صورتِ حال کا سامنا فلائٹ 182 کو کرنا پڑا۔

بھارتی انٹیلی جنس کا پلان جہاز کو فضا میں تباہ کرنے کا نہیں تھا۔ منصوبہ یہ بنایا گیا تھا کہ جہاز لندن کے ہیتھرو ائیرپورٹ پر تباہ ہو گا اور اسے اس وقت تباہ ہونا تھا جب لندن میں جہاز ری فیولنگ کے لئے اُترتا ہے۔ حادثہ یہ گزرا کہ جہاز جاپان سے ایک گھنٹہ دیر سے اُڑا۔ اس کی وجہ اس خراب انجن کا مسئلہ تھا جسے جہاز کے ساتھ ہی بمبئے سے جانا تھا۔ اس انجن کی لوڈنگ اور ائیرپورٹ پر عملے کی کمیابی کے سبب جہاز کو ایک گھنٹہ لیٹ اُڑنا پڑا۔ جب جہاز تباہ ہوا تو وہ ہیتھرو ائیرپورٹ سے ایک گھنٹہ کی دوری پر پرواز کر رہا تھا۔

سی۔ ایس۔ آئی۔ ایس کی لگی بندھی رائے تھی کہ اس سے ملتا جلتا ایک کارنامہ دُنیا کے دوسرے حصے میں بھارتی انٹیلی جنس کے ہاتھوں انجام پا چکا ہے جس

میں یہی طریق کار اختیار کیا گیا اور اس طرح بم وقت سے پہلے پھٹ گیا تو اس میں کوئی شک نہیں کہ موجودہ حادثات میں بھی ''را'' ملوث ہے۔

بھارت میں ہونے والی تباہی میں دو تامل گروپ تامل ایلم اور تامل ٹائیگرز ملوث تھے جن کا تعلق تو سری لنکا سے تھا لیکن ان کے بیس کیمپ بھارتی صوبہ تامل ناڈو میں مدراس کے نزدیک موجود تھے اور انہیں ''را'' تربیت دے رہی تھی۔

دونوں گروپوں کو جو سری لنکا حکومت کے باغی تھے، بھارتی تامل آبادی کی مکمل حمایت حاصل تھی اور مغربی انٹیلی جنس ایجنسیوں سے یہ بات ڈھکی چھپی نہیں تھی کہ ان کے کیمپ کون چلا رہا ہے اور ان کیمپوں سے ہونے والی کوئی بھی حرکت بھارتی انٹیلی جنس کی اجازت کے بغیر ناممکن تھی۔

تامل گوریلوں اور بھارتی انٹیلی جنس کے درمیان تعلقات کی رپورٹیں سی۔ ایس۔ آئی۔ ایس کو سی۔ آئی۔ اے اور ایم۔ آئی۔ فائیو کے ذریعے ان کے درمیان موجود آپس تعاون کے معاہدے کے تحت ملتی رہتی تھیں۔ برطانوی انٹیلی جنس کو تاملوں اور انڈین انٹیلی جنس کے درمیان موجودہ تعلقات سے مکمل آگاہی حاصل تھی۔

برطانیہ کی انٹیلی جنس ایس۔ اے۔ ایس سری لنکا کی انٹیلی جنس کو ایک معاہدے کے تحت ٹریننگ دے رہی تھی۔ اس تربیت میں سری لنکا کی سیکورٹی فورسز کو تامل باغیوں سے نمٹنے کے خصوصی طریقوں سے آگاہ کیا جاتا تھا۔

سی۔ ایس۔ آئی۔ ایس کے علم میں یہ بات آ چکی تھی کہ مدراس ایئر پورٹ پر تباہی کا کارنامہ بھارتی ''تھرڈ ایجنسی'' نے انجام دیا تھا۔ یہ ایک خصوصی انٹیلی جنس یونٹ تھا جو بھارتی وزیراعظم کی براہِ راست نگرانی میں کام کرتا تھا اور جسے بھارتی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی کی خصوصی ہدایت پر اندرون بھارت دہشت گردی کے لئے وجود میں لایا گیا تھا۔ اس طرح بھارتی وزیراعظم بھارت کے علیحدگی پسند گروپوں کو



بدنام کر کے بین الاقوامی اور مقامی ہندو آبادی کی ہمدردیاں حاصل کرتی تھی۔

تھرڈ ایجنسی کا قیام 1980ء میں عمل میں آیا تھا اور اس کو پہلے پہل پنجاب میں انتہا پسند سکھوں کو اسلحہ فراہم کر کے ان سے دہشت گردی کی وارداتیں کروانے کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔ اس طرح ایسا جواز پیدا کیا جا رہا تھا جس کا لازمی نتیجہ بھارتی فوج کی مداخلت ہوتا جو مسز اندرا گاندھی کا منشا تھا کیونکہ اس آپریشن کی آڑ میں وہ اپنے بہت سے مخالفین سے بآسانی چھٹکارہ حاصل کر سکتی تھیں۔

''تھرڈ ایجنسی'' کے متعلق مکمل معلومات فراہم ہونے کے بعد سی۔ ایس۔ آئی۔ ایس نے یہی نتائج اخذ کئے کہ بھارتی انٹیلی جنس کی یہ بدنام زمانہ ایجنسی کینیڈا میں بھی روبہ عمل ہے یا پھر انہی بنیادوں پر ''را'' نے کسی گروپ کو تربیت دے کر یہاں داخل کر دیا جو ان دونوں وارداتوں کا ذمہ دار ہے۔

سی۔ ایس۔ آئی۔ ایس کے پاس ایسی بہت سی واقعاتی شہادتیں موجود تھیں جن کی بنیاد پر انہوں نے یہ نتائج اخذ کئے کہ ایئر انڈیا اور ناریٹا ایئر پورٹ پر تباہی انڈین ایجنٹوں کے ذریعے کی گئی۔

اس سوال پر کہ ان حادثات میں کتنی گہرائی تک ''را'' کا ہاتھ ہے، دو طرح کے نکات زیر بحث آئے۔ گیبن والے گروپ کا خیال تھا کہ ایئر پورٹ پر کھڑے ہوئے جہاز کی تباہی کا منصوبہ براہِ راست دہلی میں تھرڈ ایجنسی نے بنایا تھا۔ اس میں یہ احتیاط ملحوظ خاطر تھی کہ کھڑے ہوئے جہاز کی تباہی سے جانی اور مالی نقصان کم ہوتا لیکن پروپیگنڈہ زیادہ ہوتا کیونکہ ہیتھرو ایئر پورٹ پر ہونے والے دھماکے کی گونج ساری دُنیا کے پریس میڈیا میں سنی جا سکتی تھی۔

اولسن اور ان کے ساتھیوں کی رائے یہ تھی کہ یہ آپریشن انڈین انٹیلی جنس نے کینیڈا ہی میں تیار کیا ہے اور دہلی کو اس سے الگ رکھا گیا ہے۔ یہ سارا آپریشن مقامی

سکھ ایجنٹوں کی مدد سے تیار کیا گیا اور اس کا سب سے بڑا مقصد کینیڈا میں رہنے والے سکھوں کو بدنام کرنا تھا۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ یہ بھیانک کارروائی بھی مقامی سکھوں کے ذریعے ہی انجام پائے۔

دونوں گروپوں کی متفقہ رائے تھی کہ جیسے ہی جہاز تباہ ہوا، بھارتی قونصل جنرل ''ڈِس انفارمیشن سیل'' نے اپنا نیا آپریشن لانچ کر دیا جس کا مقصد کینیڈین انٹیلی جنس کی تفتیش کو گمراہ کرنا اور غلط راستے پر لگانا تھا۔ مثلاً سریندر ملک کی طرف سے اخبارات کو امند سنگھ اور لال سنگھ کی کہانی پہنچانا جو ایف۔ بی۔ آئی کو راجیو گاندھی کے قتل کے پلان کے سلسلے میں مطلوب تھے، کا مقصد کینیڈین سیکورٹی کی تفتیش کو غلط رُخ پر موڑنا تھا اور یہی ہوا۔ ایک عرصے تک یہی لوگ ان دو نامعلوم سکھوں کو تلاش کرتے رہے اور اس دوران بہت سے شواہد ضائع ہو گئے۔

سی۔ ایس۔ آئی۔ ایس کے اخذ کردہ نتائج کو ایک طرف رکھ کر ایک دیکھا جائے تو بھارتی حکومت کی یہ طے شدہ پالیسی ہے کہ جھوٹ، سچ، دھونس، دھاندلی، ہیرا پھیری غرض کسی بھی غلط صحیح طریقے سے وہ سکھوں کی اکثریت کو جس کا تعلق غیر ممالک میں کینیڈا سے ہے، بدنام کرنا چاہتے تھے۔ ان کا مشن یہی تھا کہ مغربی دُنیا جو سکھوں کو ایک محنت پیشہ اور اپنے غیر ممالک میں موجود اپنے سفارتی مشنوں کو بھی ''را'' پاکستان کے خلاف مقامی حکومت کو دھوکہ دینے کے لئے استعمال کرتی رہتی ہے۔

کینڈا میں جہاز کے اغواء کا کیس چلتا رہا اور مارچ 2005ء میں بالآخر کینڈا کی اعلیٰ عدالت نے عجائب سنگھ باگڑی اور اُس کے ساتھی کو بری کر دیا جس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ سارا کارنامہ ''را'' کے ہاتھوں انجام پایا تھا۔

آج جبکہ پاکستان اور بھارت کے درمیان دوستی کے کسی سی۔ بی۔ ایم ساکن ہو رہے ہیں لیکن افغانستان اور ایران میں موجود بھارتی قونصلیٹوں سے



بلوچستان میں افراتفری کو ہوا دی جا رہی ہے۔ کیونکہ ''را'' اپنے فیصلوں میں بھارتی حکومت کی مرضی کی بھی پابند نہیں۔ یہی ہے وہ تلخ سچائی جس کا ہم جتنی جلدی ادراک کر لیں ہمارے لئے بہتر ہے۔

